خطباتِ حکیم الاُمّت 32 جلدوں سے منتخب الہامی جواہرات

جواہراتِ حکیم الاُمّت

از افادات

حکیم الاُمّت مجدد الملّت
حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

پسند فرمودہ

مفتی اعظم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
ودیگر اکابرین

جمع وترتیب

حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ
خلیفۂ مجاز
مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

جلد ۱
عقائد... نماز... حج
رمضان... روزہ
زکوٰۃ... سیرۃ النبی ﷺ

جلد ۲
علم و عرفان
شریعت کے اسرار و رموز
حکمت و معرفت کا منتخب گنجینہ

جلد ۳
تصوف... اخلاق
باطنی تزکیہ کا دستور العمل
تصوف کی اصلاحات
کی تشریحات

جلد ۴
اتباع سنت
حقوق العباد، فقہی مسائل
معاملات... آخرت
سیاست
تعویذات و عملیات
لطائف وظرائف
معاشرت

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان

جواہر حکیم الامت

خطباتِ حکیم الامت 32 جلدوں سے منتخب الہامی جواہرات

عقائد... نماز... حج... زکوٰۃ... رمضان... آخرت، سیرۃ النبی ﷺ... اتباعِ سنت
تصوف... علم و عرفان... اوراد و وظائف... فقہی مسائل... اخلاق... معاملات... سیاست
حقوق العباد... معاشرت... عملیات و تعویذات... لطائف و ظرائف

از افادات

حکیم الامت مجدد الملت
حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

پسند فرمودہ

مفتی اعظم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
ودیگر اکابرین

جمع و ترتیب

حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ
خلیفہ مجاز
مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

جواہرِ حکیم الامت

تاریخ اشاعت .... ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ

ناشر .... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت .... سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ.... چوک فوارہ.... ملتان
اسلامی کتاب گھر.. خیابان سرسید روڈ... راولپنڈی
ادارہ اسلامیات........ انار کلی........ لاہور
دارالاشاعت........ اُردو بازار........ کراچی
مکتبہ سید احمد شہید........ اردو بازار........ لاہور
مکتبۃ القرآن........ نیو ٹاؤن........ کراچی
مکتبہ رحمانیہ........ اُردو بازار........ لاہور
مکتبہ دارالاخلاص.... قصہ خوانی بازار........ پشاور
مکتبہ رشیدیہ........ سرکی روڈ........ کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

عرض ناشر

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد! حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے خواص وعوام کی دینی ضروریات پر کثیر تعداد میں کتب تصنیف فرمائیں حتیٰ کہ آپ کو ''سیوطی وقت'' کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔تصانیف کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقریر ووعظ کے ملکہ سے بھی خوب نوازا اور سفر وحضر میں مواعظ کا سلسلہ جاری رہا۔نصف صدی سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی آپ کے مواعظ وملفوظات کی تاثیر زندہ جاوید ہے کہ ہر پڑھنے والا یہی پکار اٹھتا ہے کہ علوم ومعارف اور ظاہر وباطن کی اصلاح پر مشتمل یہ مواعظ وملفوظات کسبی نہیں بلکہ الہامی ہیں کہ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا حسی آئینہ ہیں۔خطبات وملفوظات حکیم الامت کی افادیت اور ان کے بارہ میں اکابر کے تاثرات تیسری جلد کے شروع میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تمام مواعظ جو کہ تقریباً 350 ہیں اور 32 ضخیم جلدوں پر محیط ہیں۔عصر حاضر کی مصروفیات کے پیش نظر اہل علم اور خواص حضرات اور عامۃ المسلمین کا ان سے استفادہ کرنا مشکل ہے، جبکہ ان مواعظ میں بیسیوں عنوانات پر علم وحکمت کے ہزاروں موتی بکھرے ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ (خلیفہ مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) کو جزائے خیر سے نوازیں جنہوں نے بندہ کی درخواست پر مواعظ کی 32 جلدوں سے منتخب جواہرات کی نہ صرف نشاندہی فرمائی بلکہ اہم عنوانات کے تحت ان کی تقسیم بھی فرمادی۔**فجزاہ اللہ خیر الجزاء**

نیز ہر جوہر کے آخر میں وعظ کا نام اور جلد نمبر بھی دے دیا گیا ہے تاکہ بآسانی مراجعت کی جاسکے۔مواعظ سے ماخوذ ''جواہرات حکیم الامت'' کا یہ نافع سلسلہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔اسی طرح حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات کی 30 جلدوں کے جواہرات بھی زیر ترتیب ہیں۔اللہ تعالیٰ حسب سابق ادارہ کے اس جدید اشاعتی سلسلہ کو شرف قبولیت سے نوازیں اور ہمیں تمام مراحل میں اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں کہ دورِ حاضر میں تمام شرور وفتن سے حفاظت کا یہی ایک مضبوط قلعہ اور سہارا ہے۔ والسلام

محمد اسحٰق غفرلہٗ ذیقعدہ 1431ھ بمطابق اکتوبر 2010ء

کلماتِ مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد! اخی فی اللہ، برادر محترم حضرت الحاج حافظ محمد اسحٰق صاحب ملتانی مدظلہ کے ارشاد کے مطابق خطبات وملفوظات حکیم الامت ؒ کو مختلف عنوانات کے تحت علیحدہ کر دیا، تا کہ ہر موضوع پر علیحدہ جلدیں شائع کر دی جائیں باوجود تقریباً روزانہ بلاناغہ اس امر کو سرانجام دینے میں علالت اور ضعف کے سبب دو سال لگ گئے آج بفضلہٖ تعالیٰ بخیر وخوبی یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ **الحمدللہ طیبا مبار کا فیہ**

حق سبحانہ وتعالیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر زادِ آخرت وسرمایہ نجات بنا دیں اور ان کی اشاعت کے اسباب فرما کر ناشر اور ناچیز کیلئے صدقہ جاریہ بنا دیں آمین

ان جلدوں میں مواعظ سے بفضلہٖ سبحانہ وتعالیٰ اتنا علمی وعملی مواد جمع ہو گیا ہے کہ قارئین حضرات اور علماء ومشائخ نیز جدید تعلیم یافتہ حضرات بھی مطالعہ کے بعد اپنے علم میں اضافہ اور ترقی محسوس کریں گے اور عمل کیلئے جذبہ ذوق وشوق پائیں گے۔ حضرات مشائخ اپنی مجالس میں انہیں اجتماعی طور پر سنیں تو ازحد نفع ہوگا۔

فقط والسلام خیر ختام دعاؤں کا ازحد محتاج

بندہ محمد اقبال قریشی غفرلہ

۱۲ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۸ جنوری ۲۰۱۰ء

محمد رفیع عثمانی

رئیس الجامعة لدار العلوم کراتشی والمفتی بها
عضو مجلس الفکر الاسلامی جمهوریة باکستان الاسلامیة سابقاً

Mohammad Rafi Usmani

Mufti & President Darul-Uloom Karachi Pakistan
Ex-Member Council of Islamic Ideology Pakistan

التاریخ ۲۸ ؍ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۷ ؍ دسمبر ۲۰۰۸ء

الرقم ________

عزیز محترم جناب محمد اقبال قریشی صاحب
وجناب حافظ محمد اسحاق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خیر وعافیت کے ساتھ رکھے۔

گرامی نامہ سے یہ معلوم ہو کر بہت مسرت ہوئی کہ خطبات حکیم الامت میں جو خطبات آئے ہیں، ان میں سے منتخب خطبات کو مبوّب کر کے ’’جواہرات حکیم الامت‘‘ کے نام سے چار جلدوں میں شائع کیا جا رہا ہے۔

ان شاء اللہ اس سے طالبین کو ہر موضوع سے متعلق حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات تلاش کرنا بہت آسان ہو جائے گا۔ امید ظن غالب کے درجہ میں یہ ہے کہ اس انتخاب میں بھی پچھلی تالیفات کی طرح اس بات کا التزام کیا جائے گا کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ اور عبارتوں میں ادنیٰ تغیر نہ ہو۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر کا آپ حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ لوگوں کو اس سے خوب خوب فائدہ پہنچے اور اسے آپ حضرات کیلئے ذخیرہ آخرت اور صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

والسلام
(محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ)
رئیس الجامعہ دار العلوم کراچی

JUSTICE MUHAMMAD TAQI USMANÎ

محمد تقي العثماني

Member Shariat appellate Bench
Supreme Court of Pakistan
Deputy Chairman : Islamic Fiqh Academy (OIC) Jeddah
Vice President Darul-Uloom Karachi-14 Pakistan.

قاضي بمجلس التمييز الشرعي للمحكمة العليا باكستان
نائب رئيس ، مجمع الفقه الإسلامي بجدة
نائب رئيس : دار العلوم كراتشي ١٤ باكستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی جناب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماشاء اللہ آپ نے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے علوم کو پھیلانے کی بڑی سعادت حاصل کی ہے، انہی علوم میں یہ بات بھی ہے کہ کسی کتاب پر اسے دیکھے بغیر لکھنا دیانت کے خلاف ہے۔ لہٰذا صرف فہرست دیکھ کر لکھنا مناسب نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ بندہ کی تقریظ کے انتظار کے بغیر شائع کر دیں۔ آپ کا نام ہی کافی ہے۔

والسلام

بندہ

محمد تقی عثمانی

۱۰-۱۱-۱۴۳۰ھ

بسم الله الرحمن الرحيم
اللهم
صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراہیم وعلى آل ابراہیم
انک حمید مجید
اللهم
بارک على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراہیم وعلى آل ابراہیم
انک حمید مجید

اجمالی فہرست

فہرست مضامین

معاشرت	

اِتباعِ سُنّت

☆ زندگی کے ہر نشیب وفراز میں قابل عمل اسوہ حسنہ

☆ سنت کی اہمیت اور انوار وبرکات

☆ بدعت کی مذمت اور اس سے بچنے کی تاکید

☆ اتباع سنت کا معیار اور خیر القرون سے
تاہنوز بزرگان دین کے اتباع سنت پرمبنی
ایمان افروز واقعات پرمشتمل جواہرات

اتباع سنت حقیقی کرامت

حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ کے یہاں ایک شخص آیا اور دس برس تک رہا۔ دس برس کے بعد کہنے لگا حضرت میں اتنے عرصہ سے آپ کی خدمت میں ہوں مگر میں نے کوئی کرامت نہیں دیکھی ۔ واقعی یہ شخص بھی کوئی بڑا ہی کوڑ مغز تھا جس کو اتنے عرصہ میں حضرت جنیدؒ کے کمالات نظر نہ آئے ورنہ ان کمالات کے سامنے کرامت کی کیا حقیقت تھی ۔ حضرت جنیدؒ کو جوش آ گیا۔ فرمایا کہ اے شخص! اس دس برس کے عرصہ میں تو نے کوئی کام خلاف سنت جنیدؒ سے ہوتا ہوا دیکھا ہے ۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت خلاف سنت تو میں نے کوئی کام آپ کا نہیں دیکھا۔ فرمایا کہ پھر اس سے زیادہ تو جنیدؒ کی کرامت اور کیا چاہتا ہے کہ دس برس اس سے ایک کام بھی خلاف سنت صادر نہیں ہوا۔ اس پر اس شخص کی آنکھیں کھل گئیں۔ (تعیم التعلیم ج ۲)

غربا کی قدر

غریبوں کی قدر وہ کرے گا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے ۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے تو صاحبزادے نے شکریہ میں بہت لوگوں کی دعوت کی ۔ مولانا نے اپنے ایک خاص خادم سے فرمایا کہ جب غریب لوگ کھانا کھا چکیں تو ان کے سامنے کا بچا ہوا کھانا جو کہ سقوں کو دیا جاتا ہے وہ سب میرے پاس لے آنا کہ وہ تبرک کھاؤں گا اور خیال نہ کرنا کہ ان کا بدن صاف نہیں، انکے کپڑے صاف نہیں اور اس کو تبرک اس لیے قرار دیا کہ اول تو وہ لوگ مومن ہیں ۔ دوسرے ان کی یہ شان ہے کہ حدیث قدسی میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''انا عندالمنکسرة قلوبهم'' اسی لیے حدیث میں آیا ہے: ''یا عائشه قربی المساکین'' چنانچہ وہ کھانا حضرت کے پاس لایا گیا اور حضرت نے اس کو نہایت رغبت سے کھایا تو کیا کسی نے اس قسم کی قدر غریبوں کی کر کے دکھائی ہے؟ (تجارت آخرت ج ۱)

نکاح میں ہم عمری کا لحاظ

خدا تعالیٰ نے شادی کا ایک نمونہ (یعنی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی شادی) ہم کو دکھلا دیا ہے کہ اس میں نہ مہمان آئے تھے نہ لال خط گیا تھا۔ نہ ڈوم گیا تھا نہ نائی نہ واسطہ سے پیغام پہنچا تھا پیغام خود دولہا صاحب لے کر گئے تھے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بھیجے ہوئے تھے اول حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے حضرات شیخین نے پیغام دیا تھا لیکن ان کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے حضور نے عذر فرما دیا۔ اللہ اکبر، صاحبو! غور کرنے کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کیسے کیسے گہرے امور پر مطلع فرما دیا ہے یعنی حضرات شیخین سے انکار فرما کر آپ نے یہ بتلا دیا کہ اپنی اولاد کے لئے شوہر کی ہم عمری کا لحاظ بھی ضرور کرو۔

جب دونوں صاحبوں کو اس شرف سے مایوسی ہوئی تو دونوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور نے ہم دونوں سے تو اس خاص وجہ سے انکار فرما دیا ہے تم کم عمر ہو بہتر ہے کہ تم پیغام دو۔ جو لوگ شیخین پر حضرت علی کے ساتھ عداوت رکھنے کا الزام رکھتے ہیں ان کو اس واقعہ میں غور کرنا چاہئے غرض حضرت علی تشریف لے گئے اور جا کر خاموش بیٹھ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ جس غرض سے تم آئے ہو اور مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح تم سے کر دوں منظوری کے بعد حضرت علی چلے گئے ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چار اصحاب کو جمع کر کے خطبہ پڑھا اور نکاح پڑھ دیا چونکہ حضرت علیؓ مجلس نکاح میں موجود نہ تھے اس لئے یہ فرما دیا کہ اگر علیؓ منظور کریں حضرت علیؓ کو جب خبر ہوئی تو آپ نے منظور کیا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ایمن کے ساتھ حضرت فاطمہ کو حضرت علی کے گھر روانہ کر دیا نہ ڈولہ تھا نہ برات تھی۔

اگلے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے پانی مانگا انہوں نے اٹھ کر پانی دیا آج ہم نے اس سادگی کو بالکل چھوڑ دیا ہے نکاح کے بعد ایک مدت تک دلہن منہ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہتی ہے میں کہا کرتا ہوں کہ بجائے منہ پر ہاتھ کے ہاتھ پر منہ رکھنا چاہئے بہرحال جو کچھ بھی کہا جائے منہ ڈھکا جاتا ہے اور وہ اس قدر پابند بنائی جاتی ہے کہ نماز وغیرہ کچھ بھی نہیں پڑھ سکتی جس طرح بندے کو خدا کے ہاتھ میں ہونا چاہئے تھا اسی طرح وہ نائن کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور کس قدر بے حیائی ہے کہ عورتیں

منہ دیکھ کر فیس دیتی ہیں۔ تو آج کل پابندی کی یہ حالت ہے اور حضرت فاطمہؓ نے اگلے ہی دن کام کیا اور پھر حضرت علیؓ سے فرمایا کہ پانی لاؤ۔ وہ بھی لائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت فاطمہؓ پانی لائی تھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اب عورتیں اس فعل کو بالکل ناجائز سمجھتی ہیں اسی طرح کی اور بھی جہالتیں ہیں۔ (ضرورۃ الاعتناء بالدین ج ۳)

غم کے لمحات میں اسوہ حسنہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غمی کر کے بھی دکھلا دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ جزع فزع کیا نہ کسی کو اجازت دی صرف آنسو نکلے اور یہ فرمایا کہ۔

انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون (المصنف لابن ابی شیبۃ ۳:۳۹۳ بلفظ انا بفراقک لمحزونون)

(اے ابراہیمؓ تیری جدائی سے ہم بڑے مغموم ہیں۔

اور ایک جگہ تشریف فرما رہے۔ لوگ آکر تعزیت کرتے رہے پس ہم کو بھی چاہئے کہ تسلی دیں اور ثواب بخشیں۔ یہ دونوں امر مسنون ہیں اور باقی سب لغو ہیں مثلاً دور دراز کے مہمانوں کا آنا اور دسویں میں اور چالیسویں میں شریک ہونا پھر عدت کے ختم کے بعد اس عورت کو عدت سے نکالنے کیلئے جمع ہونا گویا وہ کسی کوٹھڑی میں بند تھی کہ یہ سب مل کر اس کا قفل توڑیں گے۔

ضلع بلند شہر کے ایک رئیس کا انتقال ہوا ان کے صاحبزادے نے اس رسم کو توڑنا چاہا لیکن اس کی یہ صورت اختیار نہیں کی کہ کچھ نہ کریں بلکہ یہ کیا کہ حسب رسم تمام برادری کی دعوت کی اور بہت سے عمدہ عمدہ مرغن کھانے پکوائے۔ بڑے لوگوں پر ایک یہ بھی آفت ہے کہ جب تک وہ گھی کی نہر نہ بہا دیں اس وقت تک ان کا کرنا کچھ سمجھا نہیں جاتا۔ غرباء بحمد اللہ اس سے بری ہیں میں جب ڈھاکہ گیا تو وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہاں سیر بھر گوشت میں سیر بھر گھی کھاتے ہیں میں نے کہا کہ صاحب گھی کچھ زیادہ کھانے کی چیز نہیں ہے ورنہ جنت میں گھی کی بھی ایک نہر ہوتی جیسے دودھ، شہد کی نہریں جنت میں ہیں۔

غرض جب سب لوگ جمع ہو گئے تو ہاتھ دھلوا کر کھانا چنوا دیا اور سب کو بٹھلا دیا اجازت شروع سے پہلے کہنے لگے کہ صاحبو! آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد ماجد کا انتقال ہو گیا ہے اور

والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ جانا جیسے عظیم الشان صدمے کا باعث ہوتا ہے ظاہر ہے تو صاحبو! کیا یہی انصاف ہے کہ ایک تو میرا باپ مرے اور اوپر سے تم لوگ مجھ کو لوٹنے کے لئے جمع ہو تم کو کچھ شرم بھی آتی ہے؟ اس کے بعد کہا کہ کھایئے لیکن سب لوگ اسی وقت اٹھ گئے اور یہ رائے ہوئی کہ ان رسوم کے متعلق علیحدہ بیٹھ کر غور کرنا چاہئے چنانچہ بہت سے آدمی جمع ہوئے اور باتفاق رائے ان کو موقوف کر دیا اور وہ سب کھانا فقراء کو تقسیم کر دیا گیا۔ (ضرورۃ الاعتناء بالدین ج ۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا مقصد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی یہی غایت ہے کہ اپنے فیضان علمی و عملی وحالی سے اس میں امت کی تکمیل فرماویں۔ جو حاصل ہے اتباع کامل کا پس حاصل غایت تشریف آوری کا یہ ہوا کہ امت اتباع کامل اختیار کرے۔ (الظہور ج ۵)

مجالس میلاد

اور ہم نے تو اکثر مجالس میں میلاد والوں کو یہی دیکھا ہے کہ یہ محبت سے بالکل خالی ہوتے ہیں اس لئے کہ بڑا معیار محبت کا محبوب کی اطاعت ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

تعصی الرسول وانت تظھر حبہ　　　ھذا لعمری فی الفعال بدیع
لوکان حبک صادق لا طعتہ　　　ان المحب لمن یحب مطیع

("یعنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے اور ان کی محبت کو ظاہر کرتا ہے اپنی جان کی قسم! یہ امر افعال عجیبہ میں سے ہے اگر تیری محبت صادق ہوتی تو حضور کی اطاعت کرتا اس لئے کہ محبّ محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔)

مولد پرستوں کو دیکھا ہے کہ مجلس میلاد کا اہتمام کرتے ہیں، بانس کھڑے کر رہے ہیں، ان پر کپڑے منڈھ رہے ہیں اور سامان روشنی کا فراہم کر رہے ہیں اور اس درمیان میں جو نمازوں کے وقت آتے ہیں تو نماز نہیں پڑھتے اور داڑھی کا صفایا کرتے ہیں کیوں صاحبو! کیا محبین رسول کی ایسی ہی صورتیں اور یہی ان کی حالت ہوتی ہے؟ کیا بس حضور کا یہی حق ہے کہ پانچ روپیہ کی مٹھائی منگا کر تقسیم کر دی اور سمجھ لیا کہ ہم نے رسول کا حق ادا کر دیا؟ کیا آپ لوگوں نے حضور کو نعوذ باللہ کوئی پیشہ ور پیرزادہ سمجھ لیا ہے؟ کہ تھوڑی سی مٹھائی پر خوش ہو جاویں، تھوڑے سے نذرانہ پر

راضی ہو جاویں، توبہ توبہ نعوذ باللہ یاد رکھو! حضور ایسے محبین سے خوش نہیں ہیں سچے محبّ وہ ہیں جو اقوال وافعال، وضع انداز ہر شے میں حضور کا اتباع اور اطاعت کرتے ہیں۔ (السرور ج ۵)

بدعت کی مذمت

بدعت کی حقیقت یہی ہے کہ غیر دین کو دین سمجھ کر کیا جاوے اور اس کو یہ لوگ دین سمجھتے ہیں پس یہ بدعت واجب الترک ہے یہ تو قرآن مجید سے اس کے متعلق کلام تھا۔ اب حدیث لیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

من احدث فی امرنا هٰذا ما لیس منه فهورد (الصحیح للبخاری۳: ۱۲۴۱، الصحیح لمسلم کتاب الأقضیة: ۱۷، سنن ابن ماجة: ۱۴ سنن أبی داود کتاب السنة باب: ۵، مشکوٰة المصابیح: ۱۴۰.)

"یعنی جو شخص ہمارے اس دین میں وہ شے نکالے جو اس میں نہیں وہ واجب الرد ہے"۔

جو تقریر آیت کے ذیل میں کی گئی ہے وہی یہاں بھی ہے اور مراد نئی شے سے وہ ہے جس کا سبب قدیم ہو اور پھر اس وقت معمول بہ نہ ہوئی ہو۔ باقی جس کا سبب جدید ہو اور نیز وہ موقوف علیہ کسی مامور بہ کی ہو وہ مامنہ میں داخل ہو کر واجب ہے اور دوسری حدیث لیجئے۔ مسلم کی روایت ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لاتختصوا لیلة الجمعة بقیام من بین اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعة بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومه احدکم. (لا تختصوا یوم لیلة الجمعة الخ: الصحیح لمسلم کتاب الصیام باب: ۲۴، رقم ۱۴۸، السنن الکبری للبیهقی ۴: ۳۰۲، مشکوٰة المصابیح: ۲۰۵۲، کنز العمال: ۲۳۹۰۸.)

"یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شب جمعہ کو اور راتوں میں سے شب بیداری کے ساتھ خاص مت کرو اور یوم جمعہ کو ایام میں سے روزہ کے ساتھ خاص مت کرو مگر یہ کہ اس دن میں کوئی تم میں پہلے سے روزہ رکھتا ہو"۔

اس حدیث سے یہ قاعدہ کلیہ نکلا کہ جو تخصیص منقولہ نہ ہو وہ منہی عنہ ہے (السرور ج ۵)

مثالی طرز معاشرت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم میں حکمت وہ تھی جس کی بناء پر یحییٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ

ہمارے بندوں کے سامنے ہنستے ہوئے رہا کرو تا کہ مخلوق دل شکستہ نہ ہو کہ جب یہ نبی ہو کر اتنے خائف ہیں تو بس ہمارا تو کیا ہی حال ہوگا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کمالات میں سب انبیاء سے زیادہ ہیں تو کیا آپ کو یحییٰ علیہ السلام کے برابر خوف وخشیت نہ تھا۔ یقیناً تھا مگر آپ حکمت کی وجہ سے ضبط کر کے تبسم فرماتے تھے اور اسی لئے کبھی کبھی مزاح بھی فرماتے تھے۔ (نور النور ج ۵)

اتباع حکمت

اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ آپ اپنی طبیعت سے کچھ کام نہ کرتے تھے۔ یہ سوال اسی وقت ذہن میں آیا اس سے پہلے کبھی اس طرف التفات نہیں ہوا۔ اور اس کا جواب بھی ۶۵ برس کی عمر میں آج ہی عطا ہوا۔

جواب یہ ہے کہ حضور صاحب طبیعت بھی تھے مگر اتباع حکمت بھی آپ کی طبیعت بن گئی تھی۔ اپنی طبیعات کو حضور کی طبیعات پر قیاس نہ کرو۔ ہمارے طبیعات طبعی محض ہیں اور آپ کی طبیعات حکمت کے موافق ہیں۔ اب جو کام طبیعت سے بھی صادر ہوتا تھا حکمت کے موافق ہوتا تھا۔ الحمد للہ ۶۵ سال کے بعد آج یہ علم عظیم حاصل ہوا۔

اشکال کا منشا یہ ہے کہ ہم نے حضور کی طبیعت کو اپنی طبیعت پر قیاس کیا کہ جس طرح بعض دفعہ ہم تقاضائے طبیعت سے ہنستے اور مزاح کرتے ہیں جس میں کوئی حکمت نہیں ہوتی یوں ہی حضور بھی تقاضائے طبیعت سے ہنسے اور مزاح کرتے ہوں گے۔ کوئی حکمت نہیں طبیعت سے ایسا کرتے تھے پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہوگا کہ آپ کے تبسم میں یہ حکمت تھی اور مزاح میں یہ حکمت تھی۔ کیونکہ حکمتیں افعال اختیاریہ میں ہوتی ہیں نہ کہ اضطراریہ میں۔ اور اگر آپؐ ہمیشہ ہر کام حکمت و اختیار سے کرتے تھے تو پھر یہ اشکال ہے کہ کیا طبیعت سے کچھ بھی نہ کرتے تھے اور یہ بظاہر دشوار ہے۔

بحمد اللہ! میرے جواب سے اشکال حل ہو گیا کہ آپ طبیعت سے بھی بعض کام کرتے تھے مگر وہ طبیعت بالکل حکمت کے موافق تھی اور خود اتباع حکمت آپ کی فطرت وطبیعت بن گئی تھی۔

کما قالت عائشة کان خلقه القران ای اتباعه وهوالحکمة

(مسند الإمام أحمد ۶: ۹۱، ۱۶۳، السنن الکبری للبیهقی ۲: ۴۹۹، إتحاف السادة المتقین ۷: ۹۲، ۳۱۸، کنز العمال: ۱۸۳۷۸، ۱۸۷۱۸، تفسیر ابن کثیر ۵: ۴۵۴.)

(جیسا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ مطلب یہ کہ قرآن کا عملی نمونہ آپ کی ذات بابرکت تھی۔ قرآن کی اتباع کرنا جو کہ مقصود اصلی ہے وہی آپ کا خلق تھا)۔

خوب سمجھ لو اور حضور کی طبیعت کو اپنی طبیعت پر قیاس نہ کرو۔ مولانا اسی قیاس کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد　　　کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر　　　ماؤ ایشاں بستۂ خوابیم و خور

(تمام دنیا اسی خام خیالی کی وجہ سے گمراہ ہوگئی کہ انہوں نے اولیاء اللہ کو نہیں پہچانا اور کہنے لگے کہ ہم بھی انسان ہیں وہ بھی کھاتے پیتے ہیں اور ہم بھی کھاتے پیتے ہیں۔)

یعنی کفار اسی سبب سے تو گمراہ ہوئے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے اوپر قیاس کیا اور یہ سمجھا کہ یہ بھی ہمارے ہی جیسے آدمی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر　　　گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(نیک لوگوں کو اپنے اوپر قیاس مت کرو گرچہ لکھنے میں شیر اور شیر یکساں ہیں (حالانکہ شیر ایک درندہ کا نام ہے اور شیر دودھ کو کہتے ہیں) (نور النور ج ۵)

عارفین کی حالت

عارفین اپنے خصوم کے مقابلہ میں ہمیشہ جیتے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید دہلوی نے جب بدعات سے منع کرنا شروع کیا اور بیوی کی صحنک سے عورتوں کو روکا تو اس کی خبر شاہ دہلی کی خالہ یا پھوپھی کو پہنچی جو بڑی بوڑھی عورت تھیں اور شاہی خاندان میں سب پر حاوی تھیں۔ غالباً یہ زمانہ اکبر شاہ ثانی کا تھا اور گو اس وقت شاہ دہلی کی حکومت دہلی سے باہر بہت کم تھی مگر تاہم بادشاہت کا رعب باقی تھا تو ان بڑی بی نے مولانا شہید کو بلوا بھیجا۔ مولانا بادشاہ کے محلات میں بلائے ہوئے چلے جایا کرتے تھے۔ ان حضرات کا یہ رنگ نہ تھا کہ امراء و سلاطین سے اینٹھ مروڑ کریں بلکہ دین کی عزت باقی رکھ کر سب سے ملتے تھے اور خاص کر مولانا شہید تو امر بالمعروف کے لئے ہر جگہ پہنچ جاتے تھے چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور پردہ کرا کر مولانا کو اندر بلا لیا گیا مولانا نے بڑی بی کو ادب سے سلام کیا اور انہوں نے پرانی بوڑھیوں کے دستور کے موافق سلام کا جواب دیا اور دعا بھی دی کہ عمر دراز ہو اقبال میں ترقی ہو۔ اس کے بعد

مولانا نے دریافت کیا کہ مجھ کو کس لئے یاد فرمایا بڑی بی نے کہا اسماعیل میں نے سنا ہے کہ تو بی بی کی صحنک کو منع کرتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کسی نے غلط کہا اماں میں منع نہیں کرتا بلکہ بی بی کے ابا جان منع کرتے ہیں۔ پوچھا یہ کیسے؟ فرمایا سنیئے اور یہ کہہ کر مولانا نے خطبہ پڑھا۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره الخ

اور اس کے بعد وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ کا یا حدیث کل بدعة ضلالة (ہر بدعت گمراہی ہے) کا بیان شروع کیا۔ اور یہ بات تو مولانا کی خصوصیات میں سے تھی کہ ہر وعظ میں سے لوگ توبہ کر کے اٹھتے تھے۔ نہ معلوم کیا ستم تھا۔ بس بات یہ تھی کہ از دل خیزد بر دل ریزد۔ ان کو امت کے ساتھ شفقت بے حد تھی۔ وہ دل سے چاہتے تھے کہ مخلوق کی اصلاح ہو ہی جائے۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ ہر وعظ میں لوگ تائب ہو کر اٹھتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے وعظ بیان فرمایا تو ایک ہیجڑا بھی اس میں موجود تھا جس کے ہاتھ مہندی سے رنگے ہوئے تھے اور کنگن چوڑیاں چھلے پہنے ہوئے تھا۔ بیان کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ سب چوڑیاں اور کنگن ہاتھ سے نکال پھینکے اور مہندی چھڑانے کے لئے پتھر پر ہاتھوں کو رگڑنے لگا اور اس قدر رگڑا کہ خون نکلنے لگا۔ مولانا نے فرمایا کہ جتنا اثر زائل نہ ہو سکے وہ معاف ہے۔ بس اب زیادہ نہ رگڑو۔ اس نے کہا مولانا بس اب خاموش رہیے۔ یہ ہاتھ اسی قابل ہیں کہ لہولہان ہو کر کٹ جائیں اور بے ساختہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔

ایک اور ایسا ہی قصہ مولانا کا ہے کہ ایک دفعہ بہت رات گئے مدرسہ سے تنہا نکلے اس وقت چھوٹے میاں مولانا محمد یعقوب صاحب بیدار تھے۔ ان کو فکر ہوئی کہ مولانا اس وقت تنہا کہاں چلے۔ پھر حفاظت کے خیال سے پیچھے پیچھے اس طرح ہو لئے کہ مولانا کو خبر نہ ہو۔ اب دیکھا کہ مولانا نے چکلے کی طرف رخ کیا ہے ان کو حیرت ہوئی کہ ادھر کیا کام ہے۔ پھر دیکھا کہ دہلی کی ایک مشہور رنڈی مینا کے مکان پر ٹھہر کر مولانا نے فقیروں کی طرح ایک صدا لگائی۔ اس رات اس رنڈی کے یہاں کچھ تقریب تھی۔ شہر کی ساری رنڈیاں وہاں جمع تھیں اور باہر کی رنڈیاں بھی آئی ہوئی تھیں۔ مولانا کی آواز سن کر گھر والے یہ سمجھے کہ کوئی فقیر ہے۔ رنڈی نے اپنے ماما سے کہا کہ اس کو کچھ پیسے دے دے وہ پیسے لے کر باہر آئی اور

مولانا کو دینے لگی۔ مولانا نے فرمایا کہ اپنی بی بی سے جا کر کہو کہ فقیر کہتا ہے کہ میں ایک صدا کہا کرتا ہوں۔ بغیر صدا سنائے کچھ نہیں لیا کرتا۔ اس نے جا کر پیام پہنچایا۔ چونکہ تقریب کا موقع تھا اس نے کہا اچھا فقیر سے کہہ دو کہ اندر آ کر صدا سنائے کچھ دیر اسی کا لطف رہے گا۔ مولانا اندر تشریف لے گئے اور خطبہ پڑھ کر بیان شروع کیا اور زنا کی مذمت اور زنا کاروں کی وعید بیان کی۔ اس کا ایسا اثر ہوا کہ تمام رنڈیاں روتے روتے بے تاب ہوگئیں اور جب بیان ختم ہوا تو سب قدموں میں گر پڑیں کہ ہم کو توبہ کرائیے اور ہمارا نکاح کر دیجئے۔ آپ نے وہیں بیٹھے بیٹھے ان کے آشناؤں سے ان کے نکاح کر دیئے اور لوٹ کر مدرسہ کی طرف چلے۔

اس وقت مولانا محمد یعقوب صاحب سامنے آئے اور کہا صاحبزادے تم نے اپنے کو کیسا ذلیل کر دیا۔ فرمایا کیسی ذلت؟ کہا صاحبزادے! تم اس خاندان کے چراغ ہو جس کے سلامی بادشاہ رہے ہیں اور آج تم رنڈیوں کے مکانوں پر مارے مارے پھرتے ہو۔ مولانا نے فرمایا' حضرت کیا آپ اس کو ذلت سمجھتے ہیں۔ واللہ! میں تو اپنی عزت اس دن سمجھوں گا کہ جبکہ دلی والے میرا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر کے میرے سر پر جوتے مارتے ہوں اور یوں کہتے ہوں کہ یہ فاسق ہے بے دین ہے اور میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔

قال الله كذا وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا

مولانا محمد یعقوب صاحب کہتے ہیں کہ اس وقت میری آنکھیں کھلیں اور مجھے اپنی بات پر بڑی ندامت ہوئی کہ میں نے یہ کیا کہا اور اس ندامت میں کئی روز تک آنکھیں سامنے نہ کر سکا غرض مولانا کے بیان میں یہ خاص بات تھی کہ سامعین متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ چنانچہ محل شاہی میں بھی بیان کا یہی اثر ہوا اور وہ بڑی بی تائب ہوئیں اور کہا بیٹا اسماعیل! ہم تو بی بی کے ابا جان ہی کے خوش کرنے کو صحنک کرتے تھے اور جب وہی اس سے ناخوش ہیں تو آج سے ہم کبھی نہ کریں گے۔ (نور النور ج ۵)

محبت رسول کے حقوق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین حق ہیں۔ محبت' عظمت' اطاعت' لیکن اگر کوئی شخص تینوں حق کو جدا جدا نہ سمجھے بلکہ صرف ایک محبت ہی کو حق سمجھے تو میں کہتا ہوں کہ خود محبت ہی ایک ایسا حق ہے کہ اور حقوق کو مستلزم ہے یعنی محبت مستلزم ہے عظمت کو بھی اطاعت کو بھی۔ یعنی جب سچی محبت ہوگی تو عظمت بھی ہوگی' اطاعت بھی ہوگی۔ مگر لوگوں نے صرف یہ یاد کر لیا

ہے کہ ہم عاشق ہیں رسول کے۔ بس اپنے زعم میں اور کسی بات کے مکلف ہی نہیں رہے بلکہ اگر سچ مچ بھی ہو سوز و گداز اور اس سے چیخنا چلانا' رقت کا طاری ہونا یہ آثار پیدا ہوتے ہوں تو گو ظاہر نظر میں یہ کمال معلوم ہوتا ہے مگر محققین کے نزدیک خود یہ ضعیف محبت ہے اور ضعیف اس وجہ سے کہ محل محبت کا ہے قلب اور یہ علامتیں ہیں ضعف قلب کی۔ تو جب قلب ہی ضعیف ہے تو جو اس کی صفت ہوگی وہ بھی ضعیف ہوگی۔ اس کو محبت کامل نہیں کہیں گے محبت کامل وہ ہے کہ رگ رگ عشق سے چور ہو مگر پھر بد حواس نہ ہو۔ (الربیع فی الربیع ج ۵)

اطاعت رسول کا انعام

جو لوگ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں وہ ان لوگوں کیساتھ رہیں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء وصالحین کے ساتھ (جنت میں ہوں گے۔ اور یہ لوگ اچھے رفیق (اور اچھے دوست) ہیں۔ ساتھ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ سب کے سب ان کے درجہ میں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے قریب ہوں گے اور ان سے زیارت و ملاقات کیا کریں گے۔ کبھی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و ملاقات کو جایا کریں گے۔ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان شاء اللہ ہمارے پاس تشریف لایا کریں گے۔ اس وقت ہم خوش ہو کر یہ کہیں گے۔

امروز شاہ شاہان مہماں شد ست مارا　　　جبریل با ملائک درباں شد ست مارا

(آج بادشاہوں کے بادشاہ ہمارے مہمان ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام فرشتوں کے ہمراہ ہمارے مہمان ہیں)

آگے ناز کو قطع کرتے ہیں کہ اپنے عمل پر ناز نہ کرنا۔ ذالک الفضل من اللہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محض فضل ہوگا۔ اس کے بعد فضل پر تکیہ کو توڑا وکفی باللہ علیما کہ فضل پر تکیہ کر کے یہ بے فکر نہ ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ فضل کس پر ہوگا کس پر نہیں ہوگا۔ جس کو دوسرے مقام پر صراحت کے ساتھ بتلا دیا گیا ہے۔ (الغالب للطالب ج ۶)

درجات اتباع

جس شخص کو طریق کی طلب ہے یہ چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہو جاؤں

پھر اتباع کے دو درجے ایک یہ کہ فتویٰ علماء پر عمل کرتا رہے۔ جس کو وہ جائز کہیں اس کو جائز جانے اور جس کو وہ ناجائز اور حرام کہیں اس سے بچے۔ یہ بھی ایک درجہ اتباع کا ہے کہ مباحات شرعیہ پر عمل کرے۔ گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مباحات کو نہ کیا ہو اور یہ بھی نجات کے لئے کافی ہے۔ میں غلو نہیں چاہتا گو یہ مضمون میری نظر میں بہت اہم ہے جس کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں اور ایسا اہم ہے کہ میں اس کی بناء پر اپنی حالت کو نظر ثانی کا محتاج سمجھتا ہوں مگر میں حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہتا کہ مباحات پر عمل کرنے کو ناکافی کہہ دوں۔ ہرگز نہیں! بلکہ میں صاف کہتا ہوں کہ مباحات پر عمل کرنا بھی اتباع میں داخل اور نجات کے لئے کافی ہے۔

دوسرا درجہ اتباع کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات وافعال کا اتباع کیا جائے۔ یہ کامل اتباع ہے اور اس کے لئے ضرورت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات و افعال وطریق عمل کے معلوم کرنے کی پھر اس میں بھی تین درجے ہیں ایک عبادات میں اتباع۔ دوسرے معاملات میں اتباع۔ ان میں تو جہاں تک ہو سکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کا اتباع کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق عمل کی تلاش کرے کیونکہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور مخلوق سے ہے اور ایک یہ کہ ماکولات ومشروبات میں اتباع کیا جائے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا وہی کھائے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا وہی پئے جو آپ نے پہنا وہی پہنے۔ اس میں جس قدر سہولت ہو سکے اتباع کیا جائے مبالغہ نہ کیا جائے کیونکہ اس میں مبالغہ کرنا بعض اوقات ہم جیسے ضعفاء کے تحمل سے باہر ہوتا ہے اور یہ اقویاء کا کام ہے۔

حضرت خواجہ بہاء الدین کی یہی تحقیق ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ آپ کی مجلس میں حدیث پڑھی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہ کھاتے تھے بلکہ آٹے کو پیس کو پھونک سے بھوسا اڑا دیا جاتا تھا جو اڑ گیا وہ اڑ گیا باقی کو گوندھ کر پکا لیا جاتا تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ آج سے ہمارے واسطے بھی اسی طرح آٹا گوندھا جائے اور چھلنی میں نہ چھانا جائے شام کو جو روٹی اس طرح کھائی گئی سب کے پیٹ میں درد ہو گیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہم نے بڑی گستاخی کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مساوات کا قصد کیا اور اپنے کو اس سنت پر عمل کرنے کا اہل سمجھا ہم اس کے اہل نہ تھے اس لئے تکلیف ہوئی۔ آئندہ سے ہمارے واسطے چھنا ہوا آٹا ہی بدستور پکایا جائے۔

سبحان اللہ کیسا ادب تھا کوئی بے ادب ہوتا تو سنت پر اعتراض کرتا کہ اچھا سنت پر عمل کیا تھا عمل بالسنّت سے یہ ضرر ہوا مگر حضرت شیخ نے ہم جیسوں کی تعلیم فرما دی کہ ہم اس سنت کے اہل نہ تھے کیونکہ ہمارے قوی ضعیف ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قوی ہم سے زیادہ قوی تھے اس لئے۔ یہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے واسطے مناسب تھا۔

غرض ماکولات ومشروبات وملبوسات میں اگر ہو سکے تو جتنا بھی ہو سکے اتباع کرے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدو رغبت سے کھایا ہے اسی طرح آپ کو دست کا گوشت مرغوب تھا اور ٹھنڈا اور میٹھا پانی مرغوب تھا۔ وغیرہ وغیرہ لیکن اس میں اپنی ہمت سے آگے غلو نہ کیا جائے زیادہ اہتمام اور کاوش کی ضرورت ان امور میں ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے یا مخلوق سے یعنی عبادات ومعاملات اور ماکول ومشروب کا تعلق تو اپنی ذات سے ہے اس میں بہت کاوش کی ضرورت نہیں ہاں سہولت سے جتنا ہو جائے یہ بھی دولت عظیمہ ہے۔ مگر آج کل برعکس معاملہ ہے کہ ماکول ومشروبات وملبوس میں تو اتباع نبوی کاوش کیساتھ کیا جاتا ہے عبادات اور معاملات میں اتباع کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ (الغالب للطالب ج ٦)

اتباع سنت کا معیار

کسی کو عمدہ غذا کا شوق ہے اس نے یہ حدیث چھانٹ لی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمدہ کھانا کھایا ہے چنانچہ ایک فارسی نے آپ کی دعوت کی تھی اور عمدہ گوشت پکایا تھا۔ کسی کو عمدہ لباس کا شوق ہے اس نے وہ حدیث یاد کر لی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی بادشاہ نے ایک جبہ ہدیہ کیا تھا جس کی آستین وغیرہ میں ریشم کی گوٹ تھی اور آپ نے وہ جبہ زیب تن فرمایا تھا کسی کو روسا کی خوشامد کی عادت ہے اس نے تالیف قلوب کے واقعات یاد کر لئے کسی میں بخل ہے اس نے یہ حدیث یاد کر لی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ کچھ مال تقسیم فرمایا اور ایک شخص کو نہ دیا جس پر حضرت سعد بن ابی وقاص نے عرض کیا۔ یارسول اللہ انی اراہ مومنا فقال اومسلماً اسی طرح ایک شخص لنگی پہنتا ہے وہ لبس ازار کی حدیث یاد کئے ہوئے دوسرا پاجامہ پہنتا ہے وہ احادیث ازار میں تاویل کرتا ہے اب یہ سب احادیث کتابوں میں موجود ہیں اور اس میں شک نہیں کہ حضور سے یہ سب افعال صادر ہوئے ہیں مگر ان کو یاد کر لینے کا نام اتباع سنت نہیں۔

دیکھو ایک باغ میں پھل بہت قسم کے ہیں۔ ایک درخت انار کا بھی ہے ایک درخت امرود کا بھی ہے ایک دو ناشپاتی کے بھی ہیں مگر یہ بتاؤ کہ اس کو کس چیز کا باغ کہا جائے گا یقیناً جس پھل کا غلبہ ہوگا اور جو پھل زیادہ ہوگا اسی کا باغ کہلائے گا اگر آم زیادہ ہیں تو اس کو آم کا باغ کہیں گے ایک امرود کے درخت سے اس کو امرود کا باغ کوئی نہ کہے گا۔

اسی طرح یہاں سمجھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات تو بہت ہیں ہر قسم کے واقعات آپ کو احادیث میں مل جائیں گے مگر اس سے آپ کا طرز ثابت نہیں ہوسکتا۔ آپ کی طرز و عادت وہ ہے جو غالب و مستمر ہو پس غالب حالت اور دائمی حالت کو دیکھو اور اس کا اتباع کرو یہ اتباع حقیقی ہوگا اتفاقی واقعات کے اتباع کا نام اتباع سنت نہیں پھر علماء کو تو علم سے اس کا پتہ چلے گا کہ غالب حالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تھی اور عوام کو چاہیے کہ کتب واقعات و سیرت کا مطالعہ کر کے دیکھیں کہ غالب واقعات کس قسم کے ہیں۔ جو غالب عادت ہو اس کو اصل قرار دو اور دوسرے کو عارض پر محمول کرو۔

بلکہ اتباع سنت یہ ہے کہ حضور کی عادت غالبہ کا اتباع کیا جائے اور اس کے لئے مطالعہ سیرت نبویہ کی بھی ضرورت ہوگی۔ سیرت نبویہ میں میرا رسالہ نشر الطیب مفصل ہے۔ اگر اتنی فرصت نہ ہو تو حیوۃ المسلمین کا مطالعہ کرلیا جائے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا خلاصہ ہے۔ اس لئے جوش محبت میں یہ اعلان بھی کر دیا ہے کہ ختم ماہ ربیع الاول تک جس کی فرمائش آئے گی اس سے محصول ڈاک بھی نہ لیا جائے گا۔ (الغالب للطالب ج ۶)

اشراف نفس

ایک واقعہ مجھے یاد آیا بلگرام میں ایک بزرگ عالم متوکل تھے ایک دن ان کے یہاں فاقہ تھا صبح کو جب حسب معمول پڑھانے لگے تو شاگرد نے چہرہ اور آواز سے پہچان لیا کہ شیخ کو فاقہ کا ضعف ہے۔ اس نے دو چار سطریں پڑھ کر کتاب بند کر دی اور یہ کہا کہ میری طبیعت آج اچھی نہیں آج سبق موقوف فرما دیجئے۔ استاد نے سبق کا ناغہ منظور فرما لیا اور شاگرد وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر گئے اور تھوڑی دیر میں ایک خوان سر پر رکھے ہوئے آئے جس میں عمدہ عمدہ کھانے تھے، وہ خوان استاد کے سامنے پیش کیا کہ یہ ہدیہ قبول فرمائیے۔ استاد نے کہا کہ یہ ہدیہ ایسے وقت آیا کہ مجھے اس کی ضرورت تھی

مگر ایک عذر اس کے قبول سے مانع ہے وہ یہ کہ تم جس وقت اٹھ کر چلے ہو میرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ تم کھانا لینے گئے ہو اور حدیث میں آیا ہے:

ما اتاک من غیر اشراف نفس فخذہ و ما لا فلا تتبعہ نفسک ا ھ

"جو ہدیہ بغیر انتظار کے مل جائے اسے قبول کرو جو انتظار سے آئے اپنے نفس کو اس کے پیچھے مت ڈالو۔"

اور یہ ہدیہ اشراف النفس کے بعد آیا ہے۔اس لیے اس کا قبول کرنا خلاف سنت ہے وہ شاگرد بھی ان بزرگ کی صحبت کی برکت سے فہیم تھے۔اس نے شیخ پر اصرار نہیں کیا۔اگر ہم جیسے ہوتے تو اصرار کرنے لگتے اور عاجزی کے ساتھ منہ بنا بنا کر خوشامد کرتے کہ جس طرح بھی ہو اب تو قبول ہی کر لیجئے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آج کل کھانا کھانے میں اصرار کیا جاتا ہے کہ اور کھائیے میری خاطر سے تھوڑا سا تو اور کھا لیجئے ،اب انکار کیا جائے تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے اور کھایا جائے تو اپنی شکم شکنی ہوتی ہے۔وہ تو اصرار کر کے زیادہ کھلا کر اپنے گھر آرام سے سو رہیں گے اور ہم کو زیادہ کھانے سے رات بھر بے چینی رہے گی، نہ نیند آئے گی نہ طبیعت صاف ہوگی اس لیے میں ایسے اصرار کو قبول نہیں کرتا۔(اصل العبادة ج ۷)

حقوق رسالت

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق جو قرآن میں آئے ہیں اور وہ مثل حقوق الٰہیہ کے تین ہی حقوق ہیں۔

۱۔اطاعت ۲۔محبت ۳۔عظمت

چنانچہ مختصراً و مختلطاً مع بعض فروع کے ان کو عرض کرتا ہوں۔مثلاً ایک نوع حق محبت کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھانے کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ارشاد ہے "وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ الاية وغيرها من الايات" (تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا نہیں دینی چاہیے) اس پر ایک تفریع کرتا ہوں۔وہ یہ کہ احادیث میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُمتوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو ہماری بداعمالیوں سے جبکہ ملائکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا دل دکھتا ہوگا تو اس سے کس قدر احتراز لازم ہوگا۔

عظمت کے متعلق آپ کا یہ حق وارد ہے کہ "لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ"

(اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تم سبقت نہ کیا کرو) اور اسی باب میں فرماتے ہیں "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَرْفَعُوْآ اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیّ" (اے ایمان والوں تم اپنی آوازیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند مت کرو۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چیخ کر مت بولو۔اور اسی طرح ارشاد ہے:

وَلَا تَجْھَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْنَ. "یعنی معمولی طور سے آپ کو پکارو مت، کبھی ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال غارت ہوجاویں۔" آگے فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُھُمْ لَایَعْقِلُوْنَ. وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْراً لَّھُمْ.

"یعنی جو لوگ حجروں کے پیچھے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں۔"

واقعہ یہ ہوا تھا کہ کچھ دیہاتی بے وقوف آئے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت زنانہ میں تشریف رکھتے تھے مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ کون سے قطعہ میں ہیں۔انہوں نے کہا کہ ایک ایک آدمی ایک ایک حجرہ کے مقابل کھڑے ہو کر پکارے کہیں تو سن لیں گے۔اس پر حق تعالیٰ نے انہیں آیت بالا میں ڈانٹا اور اس کی یہ اصلاح فرمائی کہ "وَلَوْاَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًالَّھُمْ" یعنی اگر ذرا دیر اور ٹھہرے رہتے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی باہر تشریف لے آتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔یعنی انہیں کیا حق ہے کہ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکاریں۔

اس مقام پر میں حضرات سامعین سے تفریعاً وتفریحاً ایک سوال کرتا ہوں کہ جب حجرہ کے باہر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا جائز نہیں تو ہندوستان سے پکارنا کب جائز ہوگا، میں فتویٰ نہیں دیتا آپ سے پوچھتا ہوں........... یہ تو عظمت کا کچھ مضمون تھا۔(اسرار العبادا ج ۷)

شغل اور استغراق

اولیاء اللہ ایسے ہوئے ہیں جن سے باوجود کمال عشق کوئی امر خلاف عقل اور دین کے صادر نہیں ہوا شیخ عبد الحق ردولوی باوجود غایت استغراق کے فرماتے ہیں کہ۔

منصور بچہ بود کہ از قطرہ بفریاد آمد اینجا مردانند کہ دریاہا فرو برندو آروغ ترنند

منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ (شراب عشق) سے شور وغل کرنے لگا۔ یہاں ایسے (بہادر) مرد ہیں کہ دریا کے دریا پی جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے۔

حضرت شیخ علی احمد صابر صاحبؒ بارہ سال تک مراقبہ میں مشغول رہے کچھ ہوش نہ تھا حتیٰ کہ پیر کے یہاں سے مزاج پرسی کے لئے ڈوم آیا تو آپ کو خبر دی گئی کہ شیخ کے یہاں سے ڈوم آیا ہے آپ نے سر اٹھا کر اتنا فرمایا کہ پیر اچھے ہیں کہا جی ہاں! خیریت سے ہیں اور اس کی یہ خاطر کی کہ آپ گولر پھیکے بلا نمک کے کھایا کرتے تھے اس روز فرمایا کہ آج گولروں میں نمک ڈال دینا اس بیچارے کے تو زخم پر نمک چھڑکا گیا وہ تو بڑی بڑی خاطروں کا خوگر تھا اس نے واپس ہو کر شیخ سے بڑی شکایت کی کہ حضرت انہوں نے تو آپ کو بھی زیادہ نہیں پوچھا۔ صرف کچھ دیر کو آنکھیں کھول کر اتنا پوچھا تھا کہ شیخ اچھے ہیں اس کو سن کر شیخ پھڑک گئے اور فرمایا ان کی محبت ہے کہ ایسی حالت میں مجھ کو یاد رکھا۔

دیکھئے حضرت صابر صاحبؒ اس قدر تو مشغول و مستغرق تھے مگر بارہ سال تک ایک وقت کی نماز وقت سے ٹلی نہیں۔ عوام الناس اہل کمال کو کیا جانیں وہ تو بھنگڑوں کو جانتے ہیں جو نماز بھی نہ پڑھیں۔ استغراق محمود وہ ہے جو سنت کے دائرہ سے خارج نہ ہونے دے۔ غرض انبیاء علیہم السلام کی تو بڑی شان تھی اولیاء اللہ ایسے ایسے گزرے ہیں جن کا دین غالب تھا عشق پر اور ان کو استغراق میں بھی دین سے غفلت نہ ہوتی تھی۔ (خیر المال للرجال ج ۸)

اکابر کا اتباع سنت

غدر کے موقع میں مولانا نانوتوی رحمہ اللہ نے ایک عجیب ذہانت سے بچاؤ کیا۔ بعض لوگوں نے آپ سے شکایت کر دی تھی کہ یہ بھی عذر تھانہ بھون میں شریک تھے تو تین دن تک آپ روپوش رہے۔ تین دن کے بعد ظاہر ہو گئے لوگوں نے کہا۔ حضرت ابھی تک آپ کی تلاش جاری ہے اور وارنٹ موقوف نہیں ہوا ابھی کچھ دنوں اور چھپے رہئے۔

فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے موقع تین ہی دن غار ثور میں روپوش رہے تھے۔ بس! سنت پر عمل کر لیا ہے اس سے زیادہ مدت تک مخفی رہنا زائد علی السنّت ہے۔

سبحان اللہ! اتباع سنت اسے کہتے ہیں کہ روپوشی میں بھی اس کالحاظ رہا کہ سنت سے زیادہ نہ ہو۔ آجکل لوگ نوافل وتسبیحات ہی میں اتباع سنت کومنحصر سمجھتے ہیں کمال اتباع یہ ہے کہ جومولانا کے فعل سے ظاہر ہوا۔

غرض تین دن کے بعد آپ اعلانیہ پھرتے تھے کئی مرتبہ گھر پر دوڑ آئی۔ مگر آپ اپنی ذہانت سے بچ جاتے تھے۔ ایک دفعہ مولانا چھتے کی مسجد میں تھے کسی نے مخبری کردی اور فورا دوڑ آگئی۔ مولانا اس وقت جہاں بیٹھے تھے اس جگہ سے ذرا کھسک کر بیٹھ گئے۔ پولیس کے افسر نے صورت سے نہ پہچانا کہ یہی مولانا محمد قاسم ہیں۔ کیونکہ لباس مولانا کا عالمانہ نہ ہوتا تھا۔ عامیانہ لباس پہنتے تھے اس نے سمجھا کہ یہ کوئی عالم نہیں معمولی آدمی ہے۔ تو اس نے مولانا ہی سے پوچھا کہ یہاں مولانا محمد قاسم صاحب آئے تھے؟ تو آپ نے اپنی پہلی جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ابھی تو یہیں تھے دیکھ لو۔ یہ کہہ کر اپنے جوتے ہاتھ میں لئے پولیس کے درمیان سے نکل گئے۔ بعد میں پولیس افسر کو معلوم ہوا کہ جس سے میں نے باتیں کی تھیں وہی مولانا محمد قاسم صاحب تھے۔ وہ مولانا کی ذہانت پر بڑا حیران ہوا کہ جھوٹ بھی نہیں بولا اور صاف بچ بھی گئے۔

حالت غم میں اسوہ حسنہ

آپ کا ہر فعل وقول وحال ہمارے واسطے اسوۂ حسنہ ہے بجز اس کے جس کا آپ کی ذات کے لئے مخصوص ہونا حق تعالیٰ کے یا آپ کے ارشاد سے معلوم ہو گیا ہے پس رونا مطلقاً خلاف سنت نہیں بلکہ وہ رونا خلاف سنت ہے جس میں نوحہ ہو یعنی بیان اور بین ہو۔ باقی آنسو بہالینا رولینا اچھا ہے اس سے دل کا غبار نکل کر تسلی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ تجربہ ہے۔

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے کسی کی موت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ یا رسول اللہ عورتیں رو رہی ہیں۔ فرمایا منع کر دو۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود منع نہیں فرمایا۔ حالانکہ آپ کو اطلاع تھی بلکہ اس شخص نے دو تین بار آ کر اطلاع دی کہ میں نے منع کیا مگر وہ نہیں رکتیں۔ تو اخیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا فرمایا کہ ان کے منہ پر خاک ڈالو یعنی جانے دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسی واسطے نہیں منع فرمایا کہ اس حکمت پر نظر تھی کہ اس سے تسلی ہو جاتی ہے۔ (آداب المصاب ج ۹)

مگر اہل اللہ اسی کے ساتھ دعا اور دوا بھی کرتے ہیں۔ انہوں نے جمع بین الاضداد کر کے دکھلایا ہے۔ وہ تجویز کو بھی قطع کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی دعا بھی الحاح سے کرتے ہیں کیونکہ حدیث میں حکم ہے

لیعزم المسئلة و ان الله یحب الملحین فی الدعا

اور دوا کے ساتھ پرہیز بھی کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا کی ہے۔ تو ظاہر میں تفویض و قطع تجویز کے ساتھ اس کا جمع ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً دعا بالالحاح کا۔ کیونکہ دعا میں تو طلب ہے اور طلب تجویز ہے مگر محقق کی نظر وسیع ہے وہ سب کو جمع کر لیتا ہے اس لئے کہ دعا الحاح سے کرتا ہے۔ مگر دل سے ہر شق پر راضی رہتا ہے کہ جو کچھ ہو گا ہم اس پر راضی ہیں۔ (الاجر النبیل ج۹)

بدعت سے احتراز

حاجی صاحب کے سامنے ایک بڑے متبحر عالم نے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ ترک حیوانات کے ساتھ چلہ کھینچوں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ مولانا توبہ کیجئے بدعت ہے۔ حالانکہ یہ سائل بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ مگر ان کی نظر اس پر نہ پہنچی مگر حاجی صاحب نے فوراً فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔ حالانکہ حاجی صاحب اصطلاحی عالم نہ تھے مگر عالم گر تھے (الاجر النبیل ج۹)

اتباع شریعت

مولوی جمال الدین صاحب بھوپال میں مدار المہام تھے گویا وزیر ریاست تھے۔ وزارت اس وقت تو ضابطہ ہی کی رہ گئی ہے۔ اس زمانہ میں تو واقعی سلطنت تھی۔ کیونکہ پہلے اتنے ضابطے نہ تھے اور پھر خود ایک بڑی رئیسہ نے ان سے نکاح بھی کر لیا تھا۔ غرض ان کا بہت بڑا مرتبہ تھا مگر تھے بڑے حق پرست۔ یہاں تک کہ وہ رئیسہ بوجہ انتظامات ریاست کے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ ایک دفعہ مسجد میں نماز پڑھنے گئے مولوی جمال الدین عالم تو تھے ہی۔ نماز پڑھانے کے لئے لوگوں نے آگے کھڑا کر دیا۔

اتفاق سے ایک ولائتی مولوی صاحب بھی موجود تھے انہوں نے ہاتھ پکڑ کر پیچھے ہٹا دیا کہ تم نماز نہیں پڑھا سکتے۔ تم اس قابل نہیں اور کوئی پڑھائے مگر مجال کس کی تھی کہ وزیر صاحب کے

سامنے اور کوئی پڑھانے کے لئے بڑھے بالخصوص ایسے موقع پر۔ جب کوئی نہ بڑھا تو وہ آپ خود جا کر مصلے پر کھڑے ہو گئے کہ ہم پڑھائیں گے اور یہ کہا کہ تمہاری بیوی پردہ نہیں کرتی۔ اور تم اس کو گوارا کرتے ہو۔ لہٰذا تم دیوث ہو اور دیوث کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ یہ فقہ کا مسئلہ ہے یہ کہا اور اللہ اکبر! وزیر صاحب جماعت میں شریک رہے۔ نماز پڑھ کر بھی کچھ نہیں بولے بلکہ وہیں سے سیدھے پہنچے رئیسہ کے پاس۔ وہ اس وقت اجلاس میں تھیں آپ نے بے دھڑک سب کے سامنے علی الاعلان اس کو مخاطب کر کے کہا کہ تمہارے پردہ نہ کرنے کی وجہ سے میں بدنام ہوا۔ لوگ مجھے دیوث کہتے ہیں اور میرے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ تم نے مجھے بھی ذلیل کیا۔ یا تو وعدہ کرو کہ میں پردہ میں بیٹھوں گی نہیں تو تین طلاق۔ (رمضان فی رمضان ج ۱۰)

عیادت کا حق

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیمار کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ اس کو بخار ہے فرمایا **لاباس طهور انشا الله تعالیٰ** یعنی کچھ حرج نہیں۔ یہ بخار تمہارے حق میں مطہر ہے۔

اللہ اکبر! عیادت کا حق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ادا کرنے والا کون ہوگا۔ عیادت کی غرض اصلی تسلیہ ہے اور تسلی اس سے بڑھ کر کیا ہوگی۔ کہ جس شے کو وہ ضرر سمجھتا ہو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نفع کے افراد میں داخل کر دیں۔ یہ تو ایسے تسلی ہے کہ طبیعت میں اس قدر تسلی اس سے ہونی چاہیے کہ مرض بھی نہ رہے لیکن اس تسلیہ کی اس بیمار نے قدر نہ کی وہ ایک ضعیف الایمان بڈھا تھا کہتا ہے **کلابل حمی تقع علیٰ شیخ کبیر تزیره القبور**۔ (ہرگز نہیں بلکہ یہ تو ایسا بخار ہے جو ایک بوڑھے کو قبر میں پہنچا دے گا) فرمایا اچھا یوں ہی سہی۔ (التہذیب ج ۱۰)

ہر حالت کیلئے اسوہ حسنہ

حق تعالیٰ نے فرمایا **لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنه** (تمہارے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس بہترین نمونہ ہے) آپ ہمارے لئے نمونہ ہیں تو جس طرح آپ قولاً نمونہ ہیں ایسے ہی فعلاً بھی آپ نمونہ ہیں خوشی میں بھی نمونہ ہیں اور غمی میں بھی خوشی آپ نے کی یعنی نکاح کیا اور غمی بھی کی۔ اللہ میاں نے سب واقع کر کے

دکھلا دیا تا کہ امت کو معلوم ہو کہ جیسے رسول نے کیا ہے ہم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے چنانچہ جب آپ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو نہ کوئی مجمع ہوا نہ کوئی رویا نہ چلایا آنسو البتہ خود آپ کے بھی نکلے اتنی اجازت تھی آپ نے یہ بھی فرمایا تھا

انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون (جامع المسانید 576:2) (اے ابراہیمؓ ہم تیری جدائی سے ضرور غمگین ہیں) یہ تو آپ نے غمی کر کے دکھلائی اور شادی کر کے اس طرح دکھلائی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا اس میں نہ نائی خط لیکر آیا نہ ڈومنی آئی خود دلہا صاحب آئے اور انہوں نے خواستگاری کی اس میں نہ نشانی تھی نہ انگوٹھی نہ خط نہ شکرانہ نہ نائی کو روپیہ دیا (الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

سیدۃ النساء کا نکاح

خیال فرمایئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح کیا اور کر کے دکھلا دیا کہ نکاح اس طرح ہونا چاہیے۔ اس میں کوئی بکھیڑا نہیں ہوا۔ حضرت علیؓ کو بلایا اور کسی کو نہیں بلایا جو موجود تھے ان کے سامنے نکاح پڑھ دیا۔

اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ غالباً مواہب لدنیہ میں ہے کہ نکاح کے وقت حضرت علیؓ بھی موجود نہ تھے اس لئے آپ نے یوں فرمایا تھا ان رضی علیؓ کہ اگر حضرت علی راضی ہوں جب حضرت علیؓ آئے انہوں نے کہا رضیت کہ میں راضی ہوں جہاں دولہا کی بھی ضرورت نہ ہو وہاں برات تو کیا ہوتی مگر ہمارے یہاں تو سب نتھو خیرا کو موجود ہونا چاہیے کہتے ہیں اب تک فلانا تو آیا نہیں نکاح کیسے ہو وہ تو روٹھ جائیگا اس کو لاؤ مناؤ۔ بھائی اس بکھیڑے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ سیدھا نکاح ہو جانا چاہیے۔ اس کے بعد حضرت فاطمہؓ کو ام ایمنؓ کے ہمراہ حضرت علیؓ کے یہاں پہنچا دیا گیا۔ حضور ان کے یہاں رات کو تشریف لے گئے فرمایا فاطمہ پانی لاؤ۔ دیکھئے نئی دلہن ہیں وہ خود اپنے ہاتھ سے پانی لاتی ہیں اب تو نکاح سے پہلے دولہن کو مائیوں بٹھلاتے ہیں۔ اس بے چاری کو تو سرسام ہو جاتا ہے اختلاج قلب ہو جاتا ہے۔ اور اوپر سے تعلیم دیتی ہیں کھاؤ مت وہ بے چاری تو ناتجربہ کار ہے ان کے کہنے سننے سے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ بیمار ہوگئی تو کہتے ہیں اللہ بخش آ گیا وہ کہاں آ گیا بھلا گنگوہ سے وہ یہاں آ گیا اس کو اور کوئی عورت ملی نہیں یہی ملی یہی پسند آ گئی۔ اب نہ دوا نہ

دارو کیونکہ اللہ بخش کی دوا کیا ہو غریب ایک جیل خانہ سے چھوٹی تھی اب دوسرا جیل خانہ موجود ہے جیسے قیدیوں کو آگرہ ہے جھانسی بدل دیتے ہیں۔غرض مائیوں بٹھلانے میں دلہن کو تعلیم ہوتی ہے کہ کھجلی اٹھے تو کھجلانا نہیں پیشاب پاخانہ نہ کرنا اگر وہ پیشاب کرنا چاہے تو کہتی ہیں یہ کیسی بے حیا ہے کہ لوٹا لے کر چل پڑی۔(الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

رضاء محبت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاء محبت وہی مطلوب ہے جو اس حیثیت سے ہو کہ آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مظہر حق ہیں۔دوسری حیثیت سے آپ کی رضاء ومحبت مطلوب نہیں۔

ہاں اگر پہلی حیثیت کے ساتھ دوسری حیثیات بھی جمع ہو جائیں تو نورٌعلیٰ نور ہے ورنہ صرف دوسری حیثیات کافی نہیں مثلاً ابوطالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی مگر وہ صرف اس حیثیت سے تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بھتیجے تھے یا بعض کفار کو آپ سے اس لئے محبت تھی کہ آپ عاقل کامل تھے اور اب بھی بعض مصنفان یورپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل و ہمت و استقلال وغیرہ کی تعریف بہت شدومد کے ساتھ کرتے ہیں۔ان حیثیات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ورضا شرعاً کافی نہیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ رسول ہونے کی حیثیت سے آپ کے ساتھ محبت کی جائے اور اس ہی حیثیت سے آپ کی رضا شرعاً مطلوب ہے۔(ارضاالحق ج ۱۵)

افعال میں اعتدال

آج کل بعض لوگ پیروں کی تعریف کیا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ اناج نہیں کھاتے یہ کچھ کمال نہیں۔تعریف یہ ہے کہ سب کچھ کھاوے مگر حلال روزی کھاوے اور اعتدال سے کھاوے۔ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کھانے میں سب کے ساتھ بیٹھتے اور سب کے ساتھ اٹھتے مگر کم کھاتے تھے اور کوئی ہدیہ لاتا تو حاضرین سے فرمایا کرتے کہ کھاؤ یہ خدا کے واسطہ سے آئی ہے اس میں واسطہ کی وجہ سے نور ہے۔

خوب کھاؤ اور خوب کام کرو۔حضرت کا تو یہ معمول تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی حالت تھی مگر آپ باوجودیکہ ہر وقت فکر آخرت میں مصروف رہتے تھے۔مگر یہ کیفیت اتنی غالب نہ تھی جو کھانے اور پینے اور ہنسنے بولنے سے بھی روک دے۔اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

ہمارے حق میں بھلائی کی ورنہ ہم تو مر جاتے اور وہی حال ہوتا جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کا تھا کہ مارے خوف کے روتے روتے آپ کے رخسار مبارک کا گوشت تک گل گیا تھا۔ (وحدۃ الحب ج ۱۵)

حقیقت ولایت

حضرت حاجی صاحبؒ کے ایک مرید صاحب کشف تھے۔ یہ خیال ہوا کہ نماز ایسی پڑھنا چاہیے جس میں کوئی خطرہ نہ آوے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو بغیر آنکھ بند کئے حضور قلب نہ ہو تو آنکھ بند کر کے نماز پڑھنا جائز ہے ورنہ مکروہ ہے چنانچہ انہوں نے آنکھیں بند کر کے اس طرح نماز پڑھی کہ کوئی خطرہ نہیں آنے پایا۔ جب فارغ ہوئے تو بہت خوش ہوئے پھر متوجہ ہوئے نماز کی ہیئت مکشوف ہوئی۔ دیکھا نہایت حسین وجمیل ہے۔ پھر غور کر کے ہر ہر عضو کو دیکھنے لگے اتفاقاً آنکھوں پر نگاہ پڑی دیکھا تو آنکھیں نہیں ہیں۔ بہت پریشان ہوئے۔ حضرت سے آکر عرض کیا۔ تمام واقعہ مفصل نہیں عرض کیا۔ مگر کیا ٹھکانا ہے حضرت کی فراست کا' فی البدیہہ فرمایا کہ تم نے نماز آنکھیں بند کر کے پڑھی ہوگی۔ پھر فرمایا گو تم نے اس طرح نماز پڑھی کہ خطرات نہ آئیں مگر آنکھیں بند کرنا سنت کے خلاف تھا۔ تو آنکھیں کھول کر نماز پڑھنا گو خطرات آئیں افضل ہے اور آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا گو خطرات نہ آئیں مفضول ہے کیونکہ خلاف سنت ہے۔ (روح القیام ج ۱۶)

عظمت رمضان

ہمارے ایک فارسی کے استاد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جیسے رمضان کے جانے کا غم ہوتا ہے اس کے آنے کی خوشی بھی ہونی چاہیے تو اگر جانے پر خطبہ الوداع پڑھتے ہو تو اس کے آنے پر بھی ایک مرحبا کا پڑھنا چاہیے کہ مرحبا مرحبا یا شہر رمضان خصوصاً جب کہ یہ دیکھا جائے کہ اظہار سرور کی تو شریعت میں اصل بھی ہے اور اظہار غم کی کوئی اصل نہیں نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے آنے سے پہلے تو مسلمانوں کو رمضان کے لئے مستعد ہو جانے کا ارشاد فرمایا ہے جانے کے وقت کوئی حسرت ورنج ظاہر نہیں فرمایا۔ (اکمال العدۃ ج ۱۶)

نسبت مع اللہ

بزرگی نسبت مع اللہ کا نام ہے جس کی پوری حقیقت کا بعض دفعہ فرشتوں کو بھی پتہ نہیں

لگتا۔ البتہ اس کی ظاہری علامت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام افعال اقوال حرکات میں زیادہ تشبہ ہو یعنی جس طرح نماز ادا کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری متابعت کی کوشش کی جائے اسی طرح آپس کے برتاؤ روزمرہ کی باتوں میں سونے میں جاگنے میں ۔غرض ہر ہر بات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی کوشش کی جائے اور یہ اتباع عادت ہو جائے کہ بے تکلف سنت کے موافق افعال صادر ہونے لگیں اور عادات کو اس عموم میں اس لیے داخل کیا گیا کہ حدیث میں "ماانا علیه و اصحابی" (جس راستے پر میں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اور میرے صحابہ ہیں) آیا اور ما عام ہے۔ عبادت اور عادت دونوں کو تو بزرگی اور نسبت کی علامت یہ ہے اور کم کھانے یا کم پینے کو اس میں کچھ دخل نہیں۔

دوسرے کسی شخص کی نسبت یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ بہت کھاتا ہے یا کم کھاتا ہے تو قطع نظر بزرگی کی علامت ہونے سے خود اس کا حکم بھی مشکل ہے کیونکہ کم کھانا یہ ہے کہ بھوک سے کم کھائے تو ممکن ہے کہ جس کو تم بہت کھانے والا سمجھے ہو اس کی بھوک اس خوراک سے دونی ہو تو وہ تو کم کھانے والا ہوا۔ ایک شیخ سے ان کے مریدوں نے ایک دوسرے مرید کی شکایت کی کہ حضرت یہ بہت کھاتا ہے چالیس پچاس روٹیاں کھا جاتا ہے۔ شیخ نے اس کو بلا کر کہا کہ بھائی اتنا نہیں کھایا کرتے "خیر الامور اوسطها" (تمام کاموں میں میانہ روی بہتر ہے) اس مرید نے کہا کہ حضرت ہر ایک کا اوسط الگ ہے یہ صحیح ہے کہ میں اتنی مقدار کھا جاتا ہوں لیکن یہ غلط ہے کہ میں زیادہ کھاتا ہوں کیونکہ میری اصلی خوراک اس سے بہت زیادہ ہے جب تک مرید نہ ہوا تھا اس سے دونی کھایا کرتا تھا۔ (تفاضل الاعمال ج ۱۸)

ادب وتکلف کا فرق

احادیث میں آیا ہے کہ صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے لیکن پھر چھوڑ دیا لما کنا نعرف من کراهة صلی الله علیه وسلم یعنی قیام اس وجہ سے ترک کر دیا کہ ہم نے جانا کہ آپ کو ناگوار ہے آجکل لوگوں میں تکلف بہت آ گیا ہے اور اس کا نام ادب رکھا ہے صحابہؓ سے زیادہ کون ادب والا ہوگا۔ مگر یہ تکلفات ان میں نہ تھے اور لطف بھی اسی میں ہے بلکہ بعض جگہ بے تکلفی اس درجہ کو پہنچ جاتی ہے کہ صورۃً بے ادبی اور گستاخی معلوم ہوتی ہے۔ مگر محبوب کو اگر مطلوب ہے تو وہ بھی محبوب ہے۔ (الغضب ج ۱۹)

تعلیم اعتدال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کا قول معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:

اَمَّا اَنَا فَاقُومُ وَاَرقُد وَاَصُومُ وَاَفطِرِ وَاَتزَوَّجُ النِّسَاءَ هٰذَا مِن سُنَّتِی وَمَن رَغِبَ عَن سُنَّتِی فَلَیسَ مِنِّی اَو کَمَا قَالَ:

(حالانکہ میں رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور میں مستورات سے شادی بھی کرتا ہوں، یہ میری سنت ہے جو میری سنت سے روگردانی کرے وہ مجھ سے نہیں)

اب ظاہر بین سمجھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکثیر عمل سے منع فرمادیا مگر شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقلیل عمل سے منع فرمادیا ہے کیونکہ مبالغہ فی العمل کا مآل تعطل ہے۔ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ محنت میں زیادتی نہ کرنا یہ کامل اور عاقل کی تعلیم ہے اور اناڑی تو یوں کہتا ہے کہ جتنی محنت ہو سکے کرلو مگر مولانا فرماتے تھے کہ اگر سبق کو دس دفعہ کہنے کو جی چاہے تو ایک دفعہ کا شوق باقی رکھ لو جیسے کھانے میں اطباء کہتے ہیں کہ تھوڑی سی بھوک رکھ کر کھانا چاہئے ورنہ ایک دفعہ ٹھونس کر کھانے کا انجام یہ ہوگا کہ دوسرے وقت بھوک مرجائے گی۔ پھر اگر دوسرے وقت اگر بے بھوک مرجائے گی پھر اگر دوسرے وقت اگر بے بھوک کھالیا گیا تو معدہ کا ناس ہوجائے گا۔ مگر بعض لوگ ایسے بے تکے ہوتے ہیں کہ مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری کے پاس ایک بدہضمی کا مریض آیا آپ نے اس کے لئے نسخہ لکھنا چاہا تو وہ کہتا ہے کہ اس کے پینے کی گنجائش ہوتی تو اور کھانا ہی نہ کھاتا اسی طرح یہاں ہمارے قصبہ میں ایک صاحب تھے وہ کھاتے تھے اور قے کرتے تھے اور قے کرکے پھر کھاتے تھے یہ تو واہیات ہے بلکہ موجب ہلاکت ہے۔ (رفع الالتباس عن نفع الالباس ج ۲۰)

صحابہ کی کمال اتباع

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تو اتباع کا اتنا اہتمام تھا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے تک کی حدیثیں بھی ضبط کی ہیں مثلاً یہ کہ:

انّی آکلُ کما یأکل العبد

کہ میں تو اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھایا کرتا ہے۔

سو تم بھی ایسے ہی کھاؤ جس طرح غلام کھاتا ہے۔ دیکھو تو ہم سب خدا کے غلام ہیں اور ہر وقت خدا کے سامنے ہیں تو اس طرح سے کھانا چاہئے، جیسے آقا کے سامنے غلام۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکڑو بیٹھ کر کھاتے تھے ایک اس میں بڑی مصلحت ہے کہ پیٹ رانوں سے مل کر دب جاتا ہے کھانا حد سے زیادہ نہیں کھا سکتا جس سے پیٹ بھی نہیں بڑھ سکتا جیسا بعض حریصان بندۂ شکم کا بڑھ جاتا ہے، چنانچہ ایک پیر جی تھے ان کا پیٹ بہت بڑھ گیا تھا ایک مرید نے کہا اس کا کیا سبب ہے فرمایا کہ کتا مر کر پھول جاتا تو میرا نفس بھی چونکہ مر چکا ہے اس لئے پھول گیا۔ غرض بعض لوگ بہت ہی بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ شریعت کو توسط مطلوب ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اوکڑو بیٹھ کر کھاؤ۔ نیز اوکڑو بیٹھ کر تواضع اور انکسار بھی ہے۔ بعض لوگ فرعون کی طرح بیٹھ کر کھاتے ہیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور کدو کا سالن پکایا تو میں نے دیکھا کہ آپ پیالے میں جابجا سے کدو کو تلاش فرما کر نوش فرماتے تھے اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ کونسا کدو تھا مگر محققین نے دونوں کو عام کہا ہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فلم ازل احب الدباء من یومئذٍ یعنی اس دن سے مجھے کدو سے محبت ہوگئی نہیں کہا: فلم ازل اٰکل الدباء

بلکہ میں اس دن سے کدو کھانے لگا تو صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ جس چیز کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت دیکھتے ان کا دل بھی اس کو چاہنے لگتا تھا۔

مسلمانو! اگر یہ بات نصیب نہ ہو تو عقلاً تو پسند کرنا چاہئے اور اس کا اتباع تو کرنا چاہئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا کہ کوئی رسم وغیرہ نہیں کی اور یہ رسمیں اس وقت موجود ہی نہ تھیں یہ تو بعد میں لوگوں نے نکالی ہیں اور خوشی میں تو رسمیں ہوا کرتی تھیں امراء کے یہاں غمی میں بھی رسمیں ہوتی ہیں۔ (عضل الجاہلیہ ج۲۰)

حضرۃ فاطمہؓ کی منگنی

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کیا نہ اس میں منگنی تھی......نہ مہندی تھی نہ نشانی

تھی۔ منگنی آپ کی یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود جا کر پیغام دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمالیا نہ اس میں مٹھائی کھلائی گئی نہ کوئی مجمع ہوا۔ اور در حقیقت منگنی چیز کیا ہے، صرف وعدہ ہے جو زبان سے ہوا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ مٹھائی کھٹائی وغیرہ کی کیا ضرورت ہے اگر خط میں لکھ کر وعدہ بھیج دیا جائے تب بھی یہ ہی کام ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ جس قدر بھی زوائد ہیں سب زائد از کار ہیں۔ اس میں پرانی تاویل ہے کہ اس سے وعدہ کا استحکام ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں جو شخص اپنی زبان کا پکا ہے اس کا ایک مرتبہ کہنا ہی کافی وافی ہے۔ اور جو زبان کا پکا نہیں وہ منگنی کر کے بھی خلاف کرے تو کیا کوئی توپ لگا دے گا۔ چنانچہ بہت جگہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی مصلحت سے یا کسی لالچ سے منگنی چھوڑا لیتے ہیں اس وقت وہ استحکام کس کام آتا ہے اور جو کچھ خرچ ہوا وہ کس کام آیا، غرض یہ تاویل صحیح نہیں، صرف دھوکہ ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی منگنی تو یہ ہوئی۔ (منازعۃ الھوی ج ۲۰)

نکاحِ فاطمہؓ

اب نکاح سنئے نہ اس کے لئے کوئی مجمع کیا گیا نہ کوئی خاص اہتمام ہوا، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو آسمان کے فرشتے کو بھی بلا لیتے، صرف چند آدمیوں کو بلایا۔ ان میں حضرت انسؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ایک دو اور صحابی تھے اور یہ سنکر حیرت ہوگی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود موجود نہ تھے۔ آپ کی غیبت میں نکاح معلق برضاء علی رضی اللہ عنہ کر دیا گیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر پہنچی تب آپ نے قبول کیا۔

رخصتی

پھر رخصتی سنئے۔ حضرت فاطمہؓ کو ام ایمن کے ہمراہ حضرت علیؓ کے یہاں پہنچوا دیا نہ پالکی تھی نہ رتھ تھا نہ عماری تھی اپنے پاؤں چلی گئیں۔ پھر اگلے دن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا تھوڑا پانی لاؤ۔ حضرت فاطمہؓ خود اٹھ کر پانی لائیں پھر حضرت علیؓ سے پانی منگایا۔ جس سے معلوم صاف ہوا کہ حضرت فاطمہؓ کا پانی لانا حضرت علیؓ کے سامنے تھا۔ ذرا اپنی دلہنوں کو دیکھئے کہ سال بھر تک منہ پر ہاتھ رہتے ہیں شادی کے زمانہ میں تو کبھی وہ اپنے منہ سے پانی تک بھی مانگ بیٹھے تو چاروں طرف سے غل مچ جائے کہ ہے

ہے کیسی بے حیائی کا زمانہ آ گیا بلکہ شادی سے پہلے ہی سے یہ مصیبتیں اس بیچاری پر آ جاتی ہیں اول سخت قرنطینہ میں رکھی جاتی ہے جس کو آپ کی اصطلاح میں مائیوں بیٹھنا کہتے ہیں۔

ایک کوٹھڑی میں بند کر دی جاتی ہے جہاں ہوا تک اس کو نہیں پہنچتی سارے گھر سے بولنا بند ہو جاتا ہے اپنی ضروریات میں دوسرے کی محتاج ہو جاتی ہے۔ اپنے آپ پاخانہ پیشاب کو نہیں جا سکتی یہاں تک بھی غنیمت تھا کہ ان رسموں کی بدولت دنیا کی سزائیں بھگتیں۔ لیکن غضب یہ ہے کہ اس قرنطینہ میں نماز تک نہیں پڑھتی کیونکہ اپنے منہ سے پانی نہیں مانگ سکتی اور اوپر والیوں کو اپنی ہی نماز کی پرواہ نہیں اس کی کیا خبر لیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ نماز جو کہ مرتے وقت بھی معاف نہیں، چنانچہ کتاب میں لکھا ہے (منازعۃ الھوی ج۲۰)

غرض حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اگلے دن حضرت فاطمہؓ کے گھر پہنچے اور دلہا دلہن دونوں سے فرمایا پانی لاؤ دونوں اٹھ کر پانی لائے۔ یہ ساری باتیں قصہ کہانی ہیں۔ یا اس واسطے کی گئی تھیں کہ ہم لوگ سیکھیں۔ (منازعۃ الھوی ج۲۰)

اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن شریف میں ہے:

لَقَد كَانَ لَكُم فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسوَةٌ حَسَنَةٌ.

جس کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کی ذات مبارک میں ایک اچھا نمونہ دیا ہے۔ نمونہ دینے سے کیا غرض ہوتی ہے یہی کہ اس کے موافق دوسری چیز تیار ہو۔

میں نے ایک بزرگ محقق کا اس کے متعلق ایک لطیف مضمون سنا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ہماری مثال ایسی ہے جیسے کسی نے درزی کو ایک اچکن سینے کو دی اور نمونہ کیلئے ایک سلی ہوئی اچکن بھی دی کہ اس ناپ اور نمونہ کی اچکن سی لاؤ۔ درزی نے ساری اچکن نمونہ کے موافق تیار کی غرض طول بھی برابر سلائی بھی یکساں غرض کہیں قصور نہیں کیا۔ فرق کیا تو صرف یہ کیا کہ ایک آستین ایک بالشت چھوٹی بنا دی جب وہ اچکن لے کر مالک کے پاس پہنچے گا تو مالک اسے کیا کہے گا وہ اچکن خوش ہو کر لے گا یا اس کے سر سے مارے گا۔ اگر درزی جواب میں یہ کہے کہ جناب ساری اچکن تو ٹھیک ہے صرف ایک آستین میں ذرا سی کمی ہے تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ مالک اس کو پسند کرے گا ہر گز نہیں اس سارے کپڑے کی قیمت رکھوائے گا۔

خوب یاد رکھئے کہ حق تعالیٰ نے احکام نازل کئے جو بالکل مکمل قانون ہے اور ان کا عملی نمونہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا سو اگر آپ کے اعمال نمونے کے موافق ہیں تو صحیح ہیں ورنہ غلط ہیں۔ اگر نماز آپ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے موافق ہے تو نماز ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ اگر ذکر آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے موافق ہے تو ذکر ہے ورنہ الٹی معصیت ہے۔ دیکھئے نماز میں کوئی بجائے دو کے ایک سجدہ کرلے تو وہ نماز نہ رہی دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔

کوئی قرآن شریف بحالت جنابت پڑھے تو بجائے ثواب کے الٹا گناہ ہوتا ہے (اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ اسمائے الٰہی توقیفی ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی نام رکھنا جائز نہیں) اگر آپ روزہ رکھیں تو وہی روزہ صحیح ہوگا جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو علیٰ ہذا حج وہی صحیح ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے موافق ہوا گر حج میں کوئی احرام نہ باندھے تو وہ حج، حج نہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ وہی صحیح ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے موافق ہو اور کوئی سارا مال خلاف تعلیم خرچ کردے تو زکوٰۃ سے فارغ نہیں ہوسکتا۔ (منازعۃ الھوی ج ۲۰)

سنت کا ادب

ایک حکایت ہے، خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ کی کہ آپ کی نظر سے یہ حدیث گزری کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کی روٹی کھاتے تھے اور بغیر چھانے ہوئے۔ بس یہ طریقہ تھا کہ آٹے میں پھونک مار کر بھوسی اڑادی جو رہ گیا اس کی روٹیاں پکالیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چھاننے کا طریقہ نہ تھا۔ جب آپ نے یہ حدیث دیکھی تو خدام سے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ جو کا آٹا بے چھنا ہو۔ یہ چھاننا خلاف سنت ہے۔ پس آج سے چھانا نہ جاوے۔ چنانچہ آپ کے حکم کے بموجب ایسا ہی کیا گیا اور بے چھنے جو کے آٹے کی روٹی پکائی گئی۔ مگر اس کو جو کھایا تو سب کے پیٹ میں درد ہوگیا۔ اب وقت ہے امتحان کا کوئی بے ادب تو یہ کہتا کہ اچھا اتباع سنت کیا۔ جس سے تکلیف ہوئی مگر وہ لوگ نہایت مودب تھے کہنے لگے کہ در حقیقت ہم نے بے ادبی کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابری کا دعویٰ کیا کہ ہر عمل میں کمال حاصل کرنا چاہا اور ہم نے کامل اتباع سنت کا دعوی کیا ابھی ہم اس قابل نہیں۔ ہم ضعیف ہیں ہم کو رخصت پر عمل کرنا چاہئے۔ پس آٹا تو جو ہی کا ہو لیکن چھنا ہوا ہو، ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک درجے نیچے رہنا چاہئے سبحان اللہ کیا احترام ہے۔ اب مسلمانوں

سے یہ بات کم ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ تو دقیق ادب تھا اب تو بہت موٹے موٹے موقع پر استخفاف (خفیف جاننا) کرتے ہیں، اور تحقیر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ نے یہ ادب کیا کہ سنت میں کسی طرح کی کمی نہیں نکالی بلکہ خود اپنے اندر ضعف سمجھا۔ (اجابۃ الداعی ج۲۱)

دشمن کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے قریب چھپنا مسنون ہے

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو قرآن و حدیث سے تمدن اور اخلاقی تعلیم کے استنباط کا بڑا ملکہ تھا۔ ایک روز فرمایا کہ دیکھو حدیث سے ایک قاعدہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے شر سے بھاگے اور یہ چاہے کہ میں ہاتھ نہ آؤں تو بہت دور نہ جاوے نزدیک ہی کہیں چھپ جاوے اس لئے کہ ڈھونڈ جب پڑتی ہے تو دور دور تو دیکھنے جاتے ہیں اور پاس کوئی نہیں دیکھتا اور اس قاعدہ کو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے سمجھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو مکہ معظمہ سے تشریف لے گئے ہیں تو تین میل پر جا کر غار ثور میں چھپے ہیں حالانکہ تمام عالم دشمن اور اونٹنیاں ایسی تیز موجود کہ اگر دھاوا فرماتے تو کم سے کم مدینہ طیبہ کی آدھی منزل پر تو قیام فرماتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون دانشمند ہوگا آپ تین میل جا کر چھپ گئے لوگوں نے دور دور ڈھونڈا اور قریب کسی نے نہ ڈھونڈا اور جب لاچار ہو گئے تو ایک قائف کو لائے اس زمانہ میں قیافہ شناس غضب تھے اس قائف نے غار ثور لا کر کھڑا کر دیا کہ اس سے آگے نہیں گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جن سے حضرات شیعہ بہت خفا ہیں بلکہ اس میں ایک فرقہ ایسا بھی ہے کہ جن حضرات کی خاطر یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے خفا ہیں اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں یہ لوگ ان سے ناراض ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس واسطے کہ انہوں نے اسکا حق کیوں نہ دیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس واسطے کہ انہوں نے اپنا حق کیوں نہ وصول کیا۔ ایک جاہل متعصب شیعی کی حکایت ظرافت آمیز یاد آ گئی کہ نماز کے واسطے سنیوں کی مسجد میں گیا وہاں لکھا دیکھا۔

چراغ مسجد ومحراب منبر ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وحیدرؓ

دیکھ کر بہت خفا ہوئے کہ ہم تو تمہارے واسطے جان کھپاتے پھرتے ہیں اور تم کو جب دیکھتے ہیں ان ہی کے ساتھ بیٹھا دیکھتے ہیں اور غصہ میں چھری لے کر چڑھ گیا اور حضرت

علی کرم اللہ وجہہ کا اسم مبارک چھری سے چھیل دیا گویا اپنے نزدیک ان کو وہاں سے علیحدہ کر دیا خدا بچاوے جہل سے ایسی محبت سے بھی خدا محفوظ رکھے اور ایسی عداوت سے بھی مامون رکھے غرض ایسے وقت بھی حضرت صدیق اکبرؓ نے ساتھ نہیں چھوڑا تھا کوئی ان سے پوچھے کہ اگر ابوبکرؓ دشمن تھے تو کیا ایسے وقت دشمن کو ساتھ رکھا کرتے ہیں القصہ جب وہ لوگ غار پر آئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو دیکھا تو عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ لوگ اپنے قدموں کو دیکھیں تو ہمکو پالیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا حضرات شیعہ میں ایک شخص اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ شوروغل مت کرو اول تو حزن کے معنے شوروغل کے نہیں دوسرے آگے اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کے کیا معنے ہوں گے یہ توجیہ تو جب صحیح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ کو بھی (نعوذ باللہ) دشمن قرار دیں اور معنے یہ کئے جاویں کہ شوروغل مت کرو اللہ میاں ہمارے ساتھ ہیں وہ سن لیں گے سبحان اللہ کیا اچھا حق ادا کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ اللہ تعالیٰ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن گردانا الحاصل ان لوگوں نے ادھر ادھر تلاش کیا ادھر حق تعالیٰ کی یہ قدرت ظاہر ہوئی کہ اسی وقت غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا اور کبوتر نے انڈے دیئے۔ انہوں نے قائف سے کہا کہ تو احمق ہوا ہے اس غار میں تو کسی طرح جا نہیں سکتے اس لئے اس کے منہ پر مکڑی کا جالا ہے اور کبوتر نے انڈے دے رکھے ہیں کبوتر وحشی جانور ہے یہ انڈے بچے ویرانہ میں دیتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تو مجنون ہے قائف نے کہا کہ کچھ کہو واللہ آگے نہیں بڑھے حق تعالیٰ نے عقلوں پر ان کی ایسا پردہ ڈال دیا کہ اتنا سننے کے بعد بھی اتنا نہ ہوا کہ علی سبیل الاحتمال ہی غار کے اندر دیکھ لیتے اگرچہ احتمال بعید تھا لیکن جو شخص کسی شئے کو تلاش کیا کرتا ہے تو ایسی ایسی جگہ بھی دیکھتا ہے جس میں بالکل احتمال نہ ہو سکے جیسے کسی بنئے کی تھالی کھوگئی تھی تو اس نے سب جگہ دیکھا حتی کہ گڑھے کے اندر شاید اس میں نہ ہو حالانکہ اس میں کسی درجہ بھی احتمال نہ تھا تو احتیاطا غار میں بھی دیکھ لیتے لیکن عقل اور وہم اور خیال سب قوتیں حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں جس طرف چاہیں ان کو پھیر دیں۔ دیکھ بھال کر چلے گئے غرض اس قصہ سے یہ نکلا اگر چھپنا ہو تو قریب جگہ چھپنا چاہیے۔ (التوکل ج ۲۱)

حضور علیہ الصلوۃ والسّلام کے اقوال وافعال دونوں متبوع ہیں

حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے چلنے پھرنے کی یہ حالت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی آگے نہ چلتے تھے بلکہ کچھ صحابہؓ آگے ہوتے تھے اور کچھ برابر میں ہوتے تھے اور کچھ پیچھے ہوتے تھے اور یہ کسی کا آگے اور کسی کا پیچھے چلنا بھی کسی خاص نظم اور ترتیب سے نہیں تھا جیسا آج کل بادشاہوں اور بڑے بڑے لوگوں کی عادت ہے کہ جب چلتے ہیں تو باقاعدہ کچھ لوگ ان کی عزت وشان بڑھانے کو ان کے آگے پراجمائے ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ان کے پیچھے ہوتے ہیں سو یہ نہ تھا بلکہ جس طرح بے تکلف احباب ملے جلے چلتے ہیں کہ کبھی کوئی آگے ہو گیا اور کبھی کوئی آگے ہو گیا اس طرح چلتے تھے لباس کی یہ شان تھی کہ ایک ایک کپڑے میں کئی کئی پیوند لگا کر پہنتے تھے آرام کرنے کی یہ حالت تھی کہ ٹاٹ کے اوپر آرام کرتے تھے۔ معاشرت کی یہ حالت تھی کہ اپنا کاروبار خود کرتے تھے بازار سے ضرورت کی چیزیں جا کر خرید لاتے تھے۔ غرض یہ سب افعال جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منقول ہیں تو کس لئے کیا اس لئے ہم سنیں اور پرواہ بھی نہ کریں۔ صاحبو! جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول متبوع ہے اسی طرح آپ کا فعل بھی متبوع (جنکی پیروی کی جائے) ہے جب تک تخصیص کی کوئی دلیل نہ ہو۔ ارشاد ہے۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر اچھی اور عمدہ عادتیں ہیں) تو یہ افعال بھی سب اتباع ہی کیلئے ہیں کہ ہماری بھی وہی وضع ہو وہی چال ڈھال ہو وہی معاشرت ہو۔ ایک صحابیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا کھاتے دیکھا تو کانپ اٹھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تواضع کی کس حیثیت سے بیٹھے ہیں۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی باہر کا ایلچی ڈر گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ سے مت ڈرو میں ایک غریب عورت کا بیٹا ہوں جو کہ سوکھا گوشت کھاتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان حالات کو دیکھئے اور پھر اپنے کو تو معلوم ہوگا۔

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا

(راستے کا فرق دیکھو کہ کہاں سے کہاں تک ہے) (العمل للعلماء ۲۱)

نفس کے حقوق:

پھر آپ خوامخواہ کیوں مشقت میں پڑتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی راتوں کو سوتے نہ تھے اودن میں کھاتے نہ تھے رات بھر نماز پڑھتے اور دن کو روزہ رکھتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا ان لنفسک علیک حقاً ولعینیک علیک حقا ولا هلک علیک حقاقم ونم وصم وافطر هذا من سنتي فمن رغب عن سنتي فليس مني (تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔)

رات کو کچھ وقت نماز میں کھڑے رہو کچھ سو رہو دن میں کبھی روزہ رکھو کبھی بے روزہ رہو یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے اعراض کرے وہ مجھ سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا اگر مشقت میں ہر حالت میں فضیلت وثواب ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو مشقت سے کیوں منع فرمایا ظاہر میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو تکثیر عمل سے منع فرمایا یہ غلط ہے بلکہ آپ نے تقلیل عمل سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس تکثیر کا انجام تقلیل ہی ہے۔ (التیسر للتیسیر ج ۲۱)

پرسکون زندگی صرف شریعت پر چلنے سے نصیب ہوگی:

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یورپ کی تقلید ہی سے دنیا مل سکتی ہے یہ خیال بالکل غلط ہے واللہ تم شریعت پر چل کر بھی دنیا حاصل کر سکتے ہو بلکہ خوش گوار دنیا دین کے ساتھ میسر ہوتی ہے اور یہ دنیا دین کے ساتھ مثل سایہ کے ہے پرندہ کو پکڑ لو سایہ اس کے ساتھ ساتھ اور تنہا سایہ کو پکڑنا چاہو تو ممکن نہیں پس مسلمانوں کو تو شریعت سے الگ ہو کر دنیوی ترقی نصیب نہیں سکتی۔ اور یہ نسخہ مجرب ہے حضرات صحابہ اس سے کامیاب ہو چکے ہیں اور ایسے کامیاب ہوئے ہیں کہ دنیا میں ان کی کامیابی کی نظیر نہیں مل سکتی پھر تم یورپ کی تقلید میں کیوں اپنے کو برباد کرتے ہو تمہاری بالکل یہ حالت ہے۔

یک سبد پرنان ترا برفرق سر — تو ہمی جوئی لب نان دربدر
تابزانوئے میاں قعر آب — وز عطش وز جوع گشتستی خراب

ایک ٹوکرا روٹیوں کا تیرے سر پر رکھا ہے اور تو ایک روٹی ٹکڑے کے لئے در بدر مارا پھرتا ہے زانو تک پانی میں کھڑا ہے اور بھوک اور پیاس سے خراب ہوتا ہے۔

آپ کے پاس ترقی کے اسباب وذرائع سب سے زیادہ موجود ہیں مگر اپنے گھر سے بخبر ہو کر آپ دوسروں کے در پر گداگری کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ شریعت کی یسر وسہولت کے یہ چند نمونے ہیں جو اس مختصر جلسہ میں اجمالاً ظاہر کئے گئے ہیں اس سے آپ کو بخوبی معلوم ہو گیا ہو گا کہ مشقت و پریشانی میں پڑنا مطلقاً مجاہدہ نہیں اور نہ اسی میں مطلقاً ثواب ہے بلکہ شریعت نے ہم کو مشقت و پریشانی سے ہر طرح بچانا چاہا ہے۔بس مجاہدہ وہ مشقت و پریشانی ہے جس میں ہمارے قصد واختیار کو دخل نہ ہو۔ (التیسیر للتیسیر ج ٢١)

حدیث میں حضرت زینبؓ کی رسی کا قصہ موجود ہے کہ انہوں نے اپنی نماز کی جگہ ایک رسی باندھ رکھی تھی کہ جب نیند کا غلبہ ہوتا اس سے سہارا لیتیں تا کہ نیند جاتی رہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کاٹ ڈالا اور فرمایا **علیکم من الاعمال ماتطیقون فان اللّٰہ لا یمل حتی تملوا** کام اتنا ہی کرو جتنا ہو سکے اللہ تعالیٰ تمہاری عبادت (ثواب دینے) سے نہیں گھبرائیں گے بلکہ تم ہی (مشقت سے) گھبرا جاؤ گے اور حضرت عبداللہ بن عمرو کا قصہ بھی موجود ہے کہ وہ راتوں کو نوافل پڑھتے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا قم ونم وصم وافطر۔ کہ تہجد بھی پڑھو اور سویا بھی کرو اور روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو ایک بات تو اہل سلوک سے یہ کہنی تھی دوسرا مسئلہ یہ بتلانا ہے کہ اگر کوئی مشقت و پریشانی تم کو پیش آئے تو اس کو اپنے لئے عقوبت ہی نہ سمجھو جب کہ قصد کو ان میں دخل نہ ہو بلکہ قصد واختیار آئی ہو تو یہ خیال نہ کرو کہ ہم سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے اس لئے یہ عقوبت پیش آئی بلکہ اس کو یسر ورحمت سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **ان مع العسر یسرًا** کہ مشقت کے ساتھ یسر بھی ہے۔ رہا یہ کہ اس سے مراد عسر غیر اختیاری ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس سے اوپر جس عسر کا ذکر ہے وہ غیر اختیاری ہی تھا چنانچہ **ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک** میں عسر کا ذکر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ثقل وحی وغیرہ کا تھا وہ غیر اختیاری تھا تو اس عسر کے متعلق ارشاد ہے کہ اس کے سیر بھی ہے اور اس میں معیت یسر ظاہر ہے کیونکہ اس سے رفع درجات ترقی اجر ہوتا ہے پس ہر پریشانی اور ضیق وقبض وغیرہ کو عقوبت نہ سمجھو بلکہ اس کو رحمت سمجھو۔ (التسیر للتیسیر ج ٢١)

علماء مشائخ کا ایک خلاف سنت عمل:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی ہے تو آپ نے اہل مدینہ کو تاریخ سے اطلاع نہ دی تھی کہ آپ کس دن مدینہ پہنچیں گے۔ صحابہ ہر روز مدینہ سے باہر آپ کے اشتیاق میں آتے تھے اور دوپہر کے قریب واپس ہو جاتے تھے۔ مجھے اس واقعہ سے آج کل کے علماء اور مشائخ کا طرز دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ان میں یہ عرف اور رسوم خلاف سنت کیوں ہیں کہ پہلے اپنی آمد کی تاریخیں مقرر کرتے ہیں تا کہ اس تاریخ پر ان کا شاندار استقبال ہو پھر کہیں موٹرے آتے ہیں کہیں گاڑی میں سے گھوڑے کھول کر الگ کئے جاتے ہیں اور آدمی گاڑی کو کھینچتے ہیں اور علماء مشائخ ہیں کہ ان باتوں سے خوش ہیں زبان سے منع بھی نہیں کیا جاتا یہ سب وہ تکلفات ہیں جو یورپ سے منقول ہیں مجھے شکوہ ہی نہیں ہے بلکہ افسوس ہے آخر خلاف سنت ان رسوم اور تکلفات کو اپنے لئے کیوں گوارا کیا جاتا ہے پھر بعض دفعہ ان تکلفات میں جانیں تک ضائع ہو جاتی ہیں۔(تحقیق الشکر ج ۲۱)

صحابہؓ کی محبت کا ایک قصہ

صحابہ کی محبت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے پختہ مکان ڈاٹ دار کسی مصلحت سے بنالیا کہ وہ مصلحت ضرورت کے درجے میں نہ تھی گو انہوں نے کسی درجے میں ضروری سمجھا ہو اتفاق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک مرتبہ اس طرف سے ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکان کو دیکھ کر دریافت فرمایا کہ یہ کس کا مکان ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ فلاں شخص کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا اور واپس تشریف لے آئے۔ جب صاحب مکان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے سلام عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا وہ دوسری طرف سے آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر سے بھی منہ پھیر لیا۔ اب تو ان کو بہت فکر ہوئی انہوں نے دوسرے صحابہ سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ کوئی خاص بات ہے تو ہم کو معلوم نہیں ہاں اتنا ضرور ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مکان کی طرف تشریف لے گئے تھے اور تمہارے مکان کو دیکھ کر دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا مکان ہے۔ ہم نے

بتلا دیا تھا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا تو نہیں لیکن اس وقت سے خاموش ہیں ۔دیکھئے اس حدیث میں کہیں تصریح نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکان کی بابت کچھ بھی فرمایا ہو اس لئے صاحب مکان کے پاس اس یقین کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کبیدگی کی وجہ یہ مکان ہی ہے۔آج کل کی عقل کا تو جس کا نسبت کسی قول ہے۔

آزمودم عقل دوراندیش را بعدازیں دیوانہ سازم خویش را

(عقل دوراندیش کو آزمالیا جب اس سے کام نہ چلا تو اپنے کو میں نے دیوانہ بنایا)

یہ فتویٰ ہوتا کہ پوچھ لیتے یہی وجہ ناراضی کی ہے یا کچھ اور۔اگر یہی تو خیر اس کو گرادیں بلکہ آج کل تو اس پر بھی اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ پوچھا جاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں خرابی کیا ہے۔یہ تو فلاں فلاں مصلحتوں پر مبنی ہے۔جیسا کہ آج کل ورثۃ الانبیا کے ساتھ ان کے احکام خداوندی پہنچانے کے وقت اور منکرات پر تنبیہ کرنے کے وقت معاملہ کیا جارہا ہے تو صحابہ کرام بھی ایسا کرسکتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حکم کے اسرار دریافت کرتے جیسا کہ آج کل دریافت کئے جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اسرار کی اطلاع بھی تھی علماء کو تو اسرار کی خبر بھی نہیں یہ تو قانون کے عالم ہیں نہ کہ اسرار قانون کے عالم تو اس صورت میں علماء سے اسرار کا دریافت کرنا ہی غلطی ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو صاحب وحی ہیں آپ کو تو اگر بالفرض اسرار کی اطلاع نہ بھی ہوتی تو خداتعالیٰ سے پوچھ کر بتلادیتے لیکن ان صحابی نے ان سب کو نظرانداز کرکے وجہ خفگی تعیین کی بھی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ جس میں ذرا سا بھی احتمال سبب غضب ہونے کا ان کو ہوا اس کو خاک میں ملادیا یعنی اسی وقت جاکر مکان کو زمین کے برابر کردیا۔شاید آج کل کے عقلاء اس حرکت کو خلاف عقل بتلادیں کہ محض احتمال پر اتنا مال ضائع کردیا۔لیکن اگر خلاف عقل ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گرانے پر ناخوش ہوتے۔غرض انہوں نے فوراً مکان گرادیا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھی نہیں کی بلکہ اپنی قسمت پر بھروسہ کرکے بیٹھ رہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً مکان کو دیکھ لیا تھا۔اسی طرح میرے گرانے کی اطلاع بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی میری قسمت میں ہے تو اتفاقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوجاوے گی۔کیونکہ جانتے تھے کہ اطلاع تو جب کروں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مکان گرانے کا کچھ احسان ہو تو یہ محض اپنی ہی بھلائی ہے۔(التبہ ج ۲۱)

آداب رزق

اگر کھاتے ہوئے اتفاق سے کوئی لقمہ اس کے ہاتھ سے گر جائے تو یہ کیا کرے گا ظاہر ہے کہ اس کو اٹھائے گا۔ اور صاف کر کے کھا جائے گا۔ علیٰ ہذا یہ بھی سوچو کہ بادشاہ کے سامنے کس انداز سے بیٹھ کر کھائے گا کیا اسی طرح جیسے اپنے گھر میں بیٹھ کر کھاتا تھا کبھی نہیں بلکہ نہایت ادب سے بیٹھ کر کھائے گا تو جب شاہانِ دنیا کے سامنے ان تین باتوں کا لحاظ ضروری ہے تو کیا خداوند جل وعلا کے سامنے ضروری نہیں، آج کل کی تہذیب نرِی لفاظی رہ گئی ہے جس میں اصل حقیقت کا نام ونشان بھی نہیں ہے بہتر ہے کہ اس میں ہ کی جگہ عین بدل دیا جائے کہ اسم بھی مسمیٰ کے مطابق پڑے۔ (ضرورة التوبه ج ۲۳)

کھانے کے آداب تعلیم فرمانے میں حکمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے آداب کی تعلیم جو فرمائی اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح باطنی حالات کا اثر ظاہری اعضا پر پڑتا ہے یوں ہی ظاہری ہیئت کا اثر بھی انسان کی اندرونی حالت تک پہنچتا ہے اگر ظاہری ہیئت پر رعونت وتکبر برستا ہے تو دل تک بھی اس کا چھینٹا ضرور پہنچے گا اور یہ ملکہ بد دل میں ضرور پیدا ہونا شروع ہوگا اور اگر ظاہری حالت منکسرانہ ہے تو دل میں بھی انکسار وخشوع وتذلیل کے آثار نمایاں ہوں گے اور سبب اس کا یہ ہے کہ جب کسی شخص نے اپنے ظاہر کو اتباع سنت سے آراستہ کیا اور راہِ سنت پر گام زن ہوا تو اس نے کسی قدر قرب کا قصد کیا اور وعدہ ہے کہ **من تقرب الَيَّ شبراً تقربت اليه ذراعاً ومن تقرب اِليَّ ذراعاً تقربت اليه باعاً** (مسند احمد ۲: ۴۱۳، کنز العمال: ۱۱۷۹) کہ جو میری طرف تھوڑا سا بھی بڑھتا ہے میں اس کی طرف بہت سا بڑھتا جاتا ہوں اور ظاہر ہے کہ خدا کا قرب اس سے زیادہ ہوگا کہ قربِ باطنی میسر ہو جائے تو لازم آ گیا کہ درستی ظاہر سے قربِ باطنی نصیب ہوتا ہے مولانا اسی کو فرماتے ہیں

تشنگاں گر آب جویند از جہاں　　آب ہم جوید بعالم تشنگاں

(ضرورة التوبه ج ۲۳)

اطاعت رسول دو چیزوں سے مرکب ہے

جاننا چاہیے کہ اس مقصود یعنی اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تحصیل کا طریق دو چیزوں سے مرکب ہے علم سے اور عمل سے اور علم سے مراد علم دین ہے اور عمل کی تحصیل کے لئے ایک اور شئے کی بھی ضرورت ہوگی وہ کیا ہے ہمت اور ہمت بڑھانے کا طریق جو تجربے سے نافع ہے موت کو یاد کرنا ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی بات ہے لیکن ہے بڑے کام کی بات مگر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ موت کے نام سے گھبراتے ہیں اس لئے یاد نہیں کرتے اور بعضے خود اصلاح ہی سے گھبراتے ہیں کہ اس سے حظوظ نفس فوت ہوتے ہیں اس لئے موت یاد نہیں کرتے کہ کہیں اس سے اصلاح نہ ہو جائے۔ صاحبو! گھبراؤ یا ڈرو موت بھی ضرور آئے گی اور اصلاح بھی واجب ہو چکی ہے خواہ موت کو یاد کرو یا نہ کرو اس کی یاد سے یہ واجب آسان ہو جاتا۔

اطاعت کی دو قسمیں ہیں ایک تو ضابطہ کی اور ایک دل سے اور خوشی سے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلوب دوسری نوع ہے اس لئے کہ اطیعوا کا ماخذ طلوع ہے اور طوع کے معنی رغبت ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت رغبت اور خوشدلی سے کرو یعنی ہر امر دین کے اندر رغبت اور خوشدلی ہو کسل اور کراہیت نہ ہو۔ (اطاعۃ الاحکام ج ۲۳)

مستورات کا شادی کی تقریبات میں پردے کو پس پشت ڈالنا

مستورات تقریبات میں ایسی منہمک ہوتی ہیں کہ پردہ بھی نہیں رہتا۔ بہشتی اور کمیوں کے لئے تو رواج ہی یہ ہے کہ بیبیاں نہیں اٹھتیں اور پردہ نہیں کرتیں وہ آنے والا پردہ کر لیتا ہے اس طرح کہ اپنے منہ پر ایک کپڑا ڈال لیتا ہے۔ یہ ترکیب اس معنی پر تو بڑی عقل کی بات ہے کہ پچاس شخصوں کو اٹھنا اور پردہ کرنا مشکل ہے بجائے اس کے ایک ہی کو کرنا پڑتا ہے مگر کوئی عقلمند ان سے پوچھے کہ کیا وہ کپڑا ایسا ہوتا ہے جس میں کچھ نظر نہ آوے اور پردہ کے لئے کافی ہو جاوے، اگر وہ کپڑا ایسا ہے تو وہ منہ پر ڈال کر چلتا کیسے ہے، راستے کیسے دیکھتا ہے اور پانی ڈالنے کو گھڑونچی تک کیسے پہنچ جاتا ہے جبکہ بیچ میں پلنگ پیڑھی اور تمام سامان پھیلا پڑا ہوتا ہے۔ یہ تو بہت ہی موٹی بات ہے جب وہ پلنگ پیڑھی اور راستے کو دیکھتا

ہے تو بیبیوں کو کیسے نہیں دیکھتا پھر جب اس کا دیکھنا گوارا ہے تو اس تکلف کی ضرورت ہی کیا ہے کہ کپڑا منہ پر ڈالے بس زمانہ تقریب تک اس سے پردے بالکل ہی کیوں نہ اٹھا دیا جائے یہ تو کمیوں کے ساتھ برتاؤ ہے اور ایرا غیرا مہمان وغیرہ سے بھی گو قصد پردہ کا ہوتا ہے مگر طوفان بے تمیزی میں پردہ وردہ کچھ نہیں رہتا کسی کا سامنا پڑا تو بڑا پردہ یہ ہے کہ کسی کی کمر کے پیچھے سر چھپالیا۔ غرض اس حد سے زیادہ بے تمیزی ہوتی ہے۔(دواء العیوب ج ۲۴)

امر بالمعروف کے حدود و قیود

جاہل کو امر بالمعروف جائز نہیں کیونکہ وہ اصلاح سے زیادہ فساد کرے گا جیسے مکہ میں ایک جاہل نے مجھے امر بالمعروف کیا کہ تم عمامہ کیوں نہیں باندھتے یہ سنت ہے۔ میں نے کہا تم پاجامہ کی جگہ لنگی کیوں نہیں باندھتے یہ سنت ہے۔ اس پر تو بڑے چپ ہوئے سوچ کر کہنے لگا کہ مجھے عذر ہے میں بوڑھا ہوں لنگی میری جسم پر ٹھہرتی نہیں ڈھلک جاتی ہے۔ میں نے کہا میں جواں ہوں عمامہ سے مجھے گرمی لگتی ہے۔ اس جواب پر تو بڑے جھلائے کہنے لگے۔ خدا کرے تمہارے دماغ میں اور گرمی بڑھ جائے۔ بھلا ایسے جاہلوں کو جو امر بالمعروف سے پہلے مخاطب کی حالت بھی دریافت نہ کریں اور ایک سنت زائد کے ساتھ اس سختی کے ساتھ امر بالمعروف کریں امر بالمعروف کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ اور میں نے جو اس کو اس طرح جواب دیا اس کا منشاء اس کی جہالت ہی تھی ورنہ میری عادت اس طرح جواب وسوال کی نہیں ہے دوسرے اس وقت میری بھی جوانی تھی مجھے اس کی سختی پر غصہ آ گیا۔(الحدود والقیود ج ۲۵)

حضرات صحابہؓ کا عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صحابہؓ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق تھے فوراً چھوڑ دیا۔ صحابہؓ ایسے جاں نثار تھے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کسی امر کے متعلق ان کو معلوم ہو جاتی فوراً اس کی تعمیل کرتے تھے نفع ونقصان کی ذرا پرواہ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کے مکان کی طرف گزرے حدیث میں آتا ہے فرای قبۃ مشرفۃ، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کوئی قبہ بلند دیکھا، دریافت فرمایا کہ یہ مکان کس کا ہے صحابہؓ نے بتلا دیا کہ فلاں صحابی کا ہے بس اتنی بات ہوئی تھوڑی دیر میں وہ صحابی حاضر خدمت ہوئے تو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا، انہیں یہ کہاں گوارہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ پھرا ہوا دیکھیں بس بے تاب ہو گئے کسی نے خوب کہا ہے ؎

از فراق تلخ مے گوئی سخن   ہر چہ خواہی کن و لیکن ایں مکن

فراق کی باتیں کرتے ہو اور جو چاہو سو کرو مگر یہ نہ کرو۔

صحابہ سے دریافت کیا کہ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ مجھ سے پھرا ہوا کیوں ہے کہ ہم کو اور تو کچھ معلوم نہیں البتہ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مکان کی طرف گزر رہے تھے بلند قبہ دیکھ کر دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا گھر ہے۔ بس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بلند قبہ نا گوار ہوا ہو تو ممکن ہے۔ باقی اور کوئی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی وہ بھی ایسے عاشق تھے کہ یہ بھی تحقیق نہ کیا کہ یہ سبب واقعی ہے یا محض احتمال ہی احتمال ہے اس وہم پر کہ اس قبہ ہی سے شاید آپ کو نا گواری ہوئی ہو فوراً جا کر اسے ڈھا دیا۔

بہر چہ از دوست دامانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں

بہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

یعنی جس چیز کی وجہ سے محبوب سے دوری ہو وہ قابل ترک ہے خواہ وہ کچھ ہی ہو۔

اس کے چند روز بعد پھر آپ کا گزر اس مکان کی طرف ہوا تو آپ نے وہ قبہ نہ دیکھا دریافت فرمایا کہ یہاں ایک بلند قبہ تھا اب کیا ہوا صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس کے مالک کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نا گواری کا احتمال ہوا اس لئے ڈھا دیا۔ (الباب لاولی الالباب ج ۲۵)

سلف کا طرز مناظرہ

سلف کا مناظرہ آج کل کا سا مناظرہ نہ تھا کہ ہر شخص کی یہ نیت ہوتی ہے کہ دوسرے کو لاجواب کر دوں۔ ان کی نیت یہ تھی کہ بحث کرنے سے حق واضح ہو جائے خواہ کسی کی طرف ہو چنانچہ دونوں فریق نے گفتگو کی اور غور کیا جس سے حق واضح ہو گیا اور دونوں قتال پر متفق ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ ایک طرف تھے اور تمام حضرات ایک طرف کثرت رائے پر فیصلہ نہیں ہوا۔ دونوں فریق حق کے طالب تھے اور جانتے تھے کہ حق وہ ہے جو وحی سے ثابت ہو دونوں نے غور کیا اور سوچ کر وحی کا حکم نکال لیا اور اسی کو سب نے مان لیا۔ رائے محض سے فیصلہ نہیں کیا۔ وہ لوگ خدا کے احکام کے متبع تھے اپنی رائے کے متبع نہ تھے۔ (الصالحون ج ۲۶)

کھانے میں حضرت ضامن شہید کا اتباع سنت

مولانا گنگوہی (قدس سرہ) فرماتے تھے کہ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا کہ بھائی بزرگوں نے تو ہر لقمہ اور ہر گھونٹ پر الحمد للہ کہنے کی ترغیب دی ہے اور یہی ان کا معمول بھی ہے مگر ہم کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے محبت ہے کہ بس ایک بار شروع کھانے میں بسم اللہ کہہ لے اور ایک بار فراغت کے بعد **الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا و جعلنا من المسلمین)** (الصحیح لمسلم کتاب الذکر والدعاء: ۶۴)
سب تعریف ہے اللہ ہی کے لئے جس نے ہم کو کھلایا اور پلایا اور مسلمانوں میں سے کیا)
کہہ لیا مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ حافظ صاحب نے یہ کیا اچھی بات فرمائی اتباع سنت اس کا نام ہے مگر ہم لوگوں نے تو محض نام ہی یاد کر لیا ہے پس اتباع سنت اسی میں ہے کہ اس زمانہ کے متعلق جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہی کیا جائے اور اپنی طرف سے کچھ زیادتی نہ ایجاد کی جائے شعبان کے مہینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک تو یہ ثابت ہے کہ پندرھویں رات کو کچھ اور راتوں سے زیادہ بیدار رہا جائے۔ دوسرے یہ ثابت ہے کہ پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھا جائے اس روزہ کا بہت ثواب ہے اور حکمت اس دن کے روزہ کی اور اس کی رات کے قیام کی یہ سمجھ میں آتی ہے کہ نصف شعبان کا وقت مقدار و کیفیت وغیرہ میں رمضان کے وقت کے مماثل ہوتا ہے چنانچہ اس کے بعد رمضان تک دن کی زیادتی کمی میں نمایاں فرق نہیں ہوتا چند منٹوں ہی کا تفاوت ہوتا ہے نیز موسم میں بھی کچھ زیادہ تغیر نہیں ہو سکتا پندرہ دن میں کوئی معتد بہ تفاوت نہیں ہوا کرتا جیسی گرمی ۱۵ شعبان کو ہوگی بس قریب قریب اسی کے یکم رمضان کو ہوگی تو اس دن کے روزہ کی اور اس کی رات کے قیام کی ترغیب میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اس دن کا روزہ رکھ کر اور اس کی رات کو جاگ کر امتحان کر لو کہ بس رمضان کا روزہ بھی ایسا ہی ہوگا اور تراویح کی نماز بھی ایسی ہی ہوگی جیسے اس رات کا جاگنا پھر گھبراتے کیوں ہو میں اس حکمت کا دعویٰ تو نہیں کرتا مگر مجھے یہ حکمت معلوم ہوتی ہے اور گو یہ حکمت مقصود نہ ہو مگر اس دن کے صیام اور رات کے قیام پر یہ فائدہ مرتب تو ضرور ہوتا ہے کہ اس سے رمضان کے صیام و قیام کا نمونہ معلوم ہو کر اس کی ہمت بندھ جاتی ہے اور مجھے یہی حکمت معلوم ہوتی ہے۔ (الاسعاد والابعاد ج ۲۶)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد فرماتے تھے **الحمدللہ الذی اطعمنا وسقانا غیر مستغنی عنہ ربنا** یعنی اے رب ہمارے ہم آپ کے رزق سے مستغنی نہیں ہیں (اشرف المواعظ ج ۲۶)

حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کی شادی کا حال

ہر کام میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق چلو ایسی معیشت رکھو جیسی اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند کی ہے شادی ایسی کرو۔ جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہوئی تھی نہ وہاں منگنی تھی نہ بری تھی نہ بارات تھی۔ نہ رخصتی متعارف تھی۔ بس منگنی یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی اور بارات اور شادی یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نکاح کر دیا۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت موجود بھی نہ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو اس پر معلق کیا کہ اگر علی قبول کر لیں تو نکاح ہے۔ بعد میں حاضر ہو کر منظوری ظاہر کر دی۔ دیکھئے یہ بارات کیسی تھی کہ دولہا بھی موجود نہیں ہے۔ ایک جزو تو نکاح کا ایک جلسہ میں ہوا اور دوسرا جزو یعنی قبول نکاح دوسرے وقت میں ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر بازار میں پہنچی وہاں انہوں نے قبول کیا اور رخصتی یہ ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ان کو علی رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا آؤ وہ ان کو پیادہ ہاتھ پکڑ کر پہنچا آئیں نہ ڈولا نہ پالکی تھی نہ گھوڑا نہ جوڑا کچھ بھی نہ تھا۔ جہیز یہ تھا دو چادر یمانی جو سوسی کے طور پر بنی ہوئی تھیں اور دو نہالے جن میں السی کی چھال بھری ہوئی تھی اور چادر گدے دو بازو بند چاندی کے اور ایک کملی اور ایک تکیہ اور ایک پیالہ اور ایک چکی اور ایک مشکیزہ اور پانی رکھنے کا برتن یعنی گھڑا اور بعض روایتوں میں ایک پلنگ بھی آیا ہے یہ دونوں جہان کی شہزادی کا نکاح ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون عزت دار ہے اس شادی میں جو کچھ بھی ہو جاتا کم تھا۔ بارات میں فرشتے ہوتے ہیں اور جہیز میں سونے چاندی کے پہاڑ ہوتے غرض جو کچھ بھی ہو جاتا بعید نہ تھا کیونکہ اول تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں سب کچھ تھا جتنا آپ چاہتے فوراً موجود ہو جاتا اور اگر اس سے کسی کے دل کو اطمینان نہ ہو تو وہ اسی بات میں غور کر لے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلطان دین ہونے کے ساتھ سلطان

دنیا بھی تو تھے اتنے اموال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے کہ دونوں ہاتھ بھر بھر کر سونا تقسیم کیا کرتے تھے تو کیا صاحبزادی کے واسطے بڑی سے بڑی مقدار چاہتے تو فراہم نہ ہو جاتی۔ بات یہی ہے کہ جس کی نظر اللہ اور ماعند اللہ (جو اللہ کے پاس ہے) پر ہے اس کی نظر میں سونا چاندی تو کیا دنیا و مافیہا بھی کچھ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے جگر گوشوں اور خاص لوگوں کے لئے دنیا کو پسند ہی نہیں کیا اور ایک دینار بھی رکھنا کبھی گوارا نہیں کیا جیسا کہ کتب حدیث میں صاف صاف مذکور ہے۔ (ذم المکروہات ج ۲۶)

ولیمہ اور اس کی حقیقت

ولیمہ کی سنئے اس پر بہت ہی زور دیا جاتا ہے کہ یہ تو بالیقین سنت ہے۔ سنت کا نام تو سن لیا یہ بھی معلوم ہے کہ سنت کہتے کس کو ہیں سنت نام ہے ماثبت بالسنۃ کا یعنی وہ فعل جو حدیث سے ثابت ہو۔ ولیمہ بیشک حدیث سے ثابت ہے مگر لاتقربوا الصلوٰۃ کی مثل نہ کرو کہ نفس ولیمہ کا ثبوت تو حدیث سے لے لیا اور اس کی کیفیت جو حدیث میں آئی ہے۔ چھوڑ دی جس طرح کہ نفس ولیمہ ثابت بالحدیث ہونے کی وجہ سے اختیار کرتی ہو اسی طرح اس کی کیفیت اور طریقہ بھی کیوں نہیں اختیار کرتیں اگر وہ ثابت ہے تو یہ بھی ثابت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ولیمہ کی کیفیت سنئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ صبح کو صحابہ سے فرمایا جو کچھ کھانے کی چیز کسی کے پاس ہو لے آؤ لوگوں کے پاس سفر میں جیسا کچھ توشہ موجود تھا لا کر رکھ دیا کسی کے پاس کھجوریں تھیں کسی کے پاس پنیر تھا کسی کے پاس سوکھی روٹیاں تھیں جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا اور سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ تھا۔ ولیمہ کا ثبوت تو سب کو یاد ہے اس کیفیت کا ثبوت کسی کو یاد نہیں۔ کیا کوئی ایسا کر سکتا ہے۔ یہ حدیث تو فعلی ہے قولی حدیث لیجئے

شر الطعام طعام الوليمة يدعى لها الاغنياء

ويترك الفقراء (الصحيح المسلم كتاب النكاح: ۱۹۸)

یعنی برا کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں امیروں کو بلایا جائے غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب ولیمے اچھے ہی نہیں بعضے برے بھی ہوتے ہیں۔ جب برا ہے تو منع کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔ آج کل کا ولیمہ ایسا ہی ہوتا ہے اگر کوئی غریب محتاج مانگے تو

کہہ دیتے ہیں پہلے جن کے واسطے پکا ہے ان کو تو کھا لینے دو تم کو بعد میں ملے گا۔اس ولیمہ کی برائی میں نے حدیث سے سنا دی پھر علماء اگر منع کریں تو کیا الزام دوسری حدیث سے سنئے۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن طعام المتبارئين. (سنن ابی داؤد: ۳۷۵۴)

یعنی منع فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کے کھانے سے جو آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں یعنی بخشا بخشی سے کھلاتے ہوں۔اب دیکھ لو کہ برادری کے کھانے ایسے ہی ہوتے ہیں یا نہیں۔اگر ایک نے گوشت روٹی دیا ہے تو دوسرے کی کوشش ہوتی ہے کہ بریانی دے تیسرے کی کوشش ہوتی ہے کہ فرینی بھی ہو چوتھا شیر مال اور بڑھاتا ہے۔حدیث کے بموجب ایک کے یہاں بھی کھانا نہ چاہیے دیکھو یہ ان تقریبوں کی حالت ہے جن کو مسنون بتاتے ہیں۔(ملاج الکبر ج ۲۶)

شریعت پر عمل کرنے والا بادشاہ ہے

خدا کی قسم جو شخص شریعت کے موافق چل رہا ہو وہ بادشاہ ہے گو ظاہر میں سلطنت نہ ہو اور جو شخص شریعت سے ہٹا ہوا ہو وہ پنجرہ میں مقید ہے۔گو ظاہر میں بادشاہ ہو مسلمان متبع شریعت کو چونکہ یقین ہے کہ میں سیدھے راستہ پر ہوں اس لیے اس کو ساری مصیبتیں سہل معلوم ہوتی ہیں کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ چند دن کی مصیبتیں ہیں پھر ختم ہو جائیں گی۔کفار کو یہ دولت نصیب نہیں کیونکہ ان کو اپنی نجات کا کسی صحیح دلیل سے یقین ہی نہیں اور باطل کا خاصہ یہی ہے کہ اسے اطمینان وسکون کبھی حاصل ہوتا ہی نہیں ہاں کوئی جہل مرکب میں مبتلا ہو تو اور بات ہے مگر اس کو بھی اہل حق کے برابر ہرگز اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا۔چنانچہ مصائب کے وقت جس قدر استقلال اہل حق میں ہوتا ہے کسی جماعت میں نہیں ہوتا۔(تعظیم العلم ج ۲۷)

دوستوں کا دل خوش کرنا بھی عبادت ہے

حضرت مولانا فتح محمد صاحب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی حکایت بیان فرماتے تھے کہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا بہت دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ہاں آخر جب بہت دیر ہو گئی تو میں اٹھا اور عرض کیا کہ حضرت آج میں نے آپ کی عبادت میں بہت حرج کیا' حضرت فرمانے لگے کہ مولانا یہ کیا فرمایا کیا نماز روزہ ہی عبادت ہے اور

دوستوں کا جی خوش کرنا عبادت نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ بیٹھتے تھے اور حد جواز تک جس قسم کی باتیں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ شریک رہتے مگر عوام الناس کیا سمجھیں۔

درنیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

(تجربہ کار آدمی کی حالت کو غیر تجربہ کار آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ لہٰذا بات کو طول نہ دے، بڑوں کی شان میں اعتراض کرنے سے اپنی زبان کو تھامے رکھ اسی میں بھلائی وخیریت ہے) (تفاضل الاعمال ج ۲۷)

حقوق نفس میں حکمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی سرمہ لگاتے تھے کیوں اس لیے کہ آنکھ سالم رہے تاکہ راستہ چل سکیں، مسجد میں جماعت کے لیے حاضر ہو سکیں، بیت اللہ کے حج کو جا سکیں، تو آنکھ کا بھی حق ہے اور اس مرتبہ والا یہ کہتا ہے:

نازم بچشم خود کہ جمال دیدہ است افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

(مجھ کو اپنی آنکھ پر ناز ہے کہ انہوں نے تیرے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے پیروں پر رشک کرتا ہوں کہ وہ تیرے کوچے میں پہنچے) (اشرف العلوم ج ۲۷)

زمانہ طاعون میں تیجہ دسواں موقوف رہا

ایک دفعہ لکھنؤ میں دیکھا کہ ہر کھانے پر الگ الگ فاتحہ دی جا رہی ہے پھر وہاں بیان کی فرمائش ہوئی تو میں نے اس بیان میں کہا کہ فاتحہ ومولود کے سنت اور بدعت ہونے کا امتحان بہت آسانی سے اس طرح ہو سکتا ہے کہ جو مولوی صاحب مولود پڑھیں یا فاتحہ دیں ان کو کچھ دیا نہ جائے ان سے خوب مولود پڑھواؤ اور الگ الگ ہر رکابی پر فاتحہ دلواؤ مگر نذرانہ کچھ نہ دو نہ مٹھائی کا دہرا حصہ دو پھر دیکھنا وہ خود ہی اس کو فضول اور بدعت کہنے لگیں گے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے اس پر عمل کیا تو اسی روز شام کو آ کر ایک فاتحہ خواں صاحب کہنے لگے کہ واقعی یہ تو ایک فضول سا قصہ معلوم ہوتا ہے کہ الگ الگ فاتحہ ہو ایک ہی کافی ہے میں نے جی میں کہا کہ اب تو معلوم ہو ہی جائے گا صاحبو! میں سچ کہتا ہوں کہ ان کی آمدنی بند کر دو تو وہ خود ہی کہنے لگیں گے کہ سب فضول قصہ ہے یہ ساری باتیں روٹیاں کھانے کی ہیں۔ جب

ایک سال طاعون بہت زور کا ہوا تو میں دیکھ رہا تھا کہ چنے پڑھوانا اور فاتحہ دلوانا اور تیجہ دسواں سب موقوف ہے میں دیکھتا رہا جب طاعون کا زور ختم ہوگیا تو میں نے لوگوں سے کہا کہ کیوں جناب وہ چنے اور فاتحہ کہاں گئے اور اب وہ تیجے دسویں کیوں نہیں ہوئے۔ کہنے لگے اجی ان باتوں کی کسے فرصت تھی میں نے کہا بھلا اس عدیم الفرصتی میں کسی نے جنازہ کی نماز بھی چھوڑی اور کفن دفن بھی چھوڑا کہا نہیں۔ میں نے کہا بس سمجھ لو جو کام حذف ہو گئے وہ دین کے کام نہ تھے بلکہ فرصت کی باتیں تھیں اور یہ دین کے کام تھے اس لئے یہ کم فرصتی میں بھی ترک نہ ہوئے بس خاموش ہی تو ہو گئے۔ اسی طرح گاؤں کے ایک صاحب کہنے لگے کہ فاتحہ میں حرج کیا ہے بلکہ فائدہ ہے کہ اس میں سورتوں کا ثواب بھی مردوں کو پہنچ جاتا ہے ، میں نے کہا یہ فائدہ تو کھانے کے ساتھ مخصوص نہیں روپے پیسے اور کپڑے میں بھی ہو سکتا ہے پھر کبھی اللہ نام کے روپے پیسے اور کپڑے پر بھی فاتحہ پڑھی کہنے لگے کبھی نہیں۔ میں نے کہا کیوں نہیں پڑھی مردہ کو فائدہ ہی ہوتا سورتوں کا بھی ثواب پہنچ جاتا کہنے لگے اجی بس سمجھ میں آ گیا تم سچ کہتے ہو۔ صاحبو! یہ بالکل کھلی ہوئی باتیں ہیں یہ سارے قصے محض آمدنی کے واسطے نکالے گئے ہیں اگر ان فاتحہ مولود پڑھنے والوں کی آمدنی بند کردی جائے تو پھر دیکھئے وہ بھی وہی کہنے لگیں گے جو ہم کہتے ہیں اس مجلس میں میں نے سنت و بدعت کی تحقیق بیان نہیں کی بلکہ وہ باتیں بیان کردی ہیں جو بہت موٹی ہیں جن سے ہر شخص کو بآسانی حق کا پتہ چل سکتا ہے۔ اگر چہ بحمد اللہ سنت و بدعت کی شناخت کے حقیقی اصول بھی اپنے پاس موجود ہیں مگر

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبر نیست کہ نیست

(راز کا فاش کرنا مصلحت کے خلاف ہے ورنہ عارفین کی مجلس میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ نہ ہو) (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

ریل پر سوار ہوتے ہوئے کیا پڑھنا چاہئے

شکر مراکب کے دو صیغے قرآن میں وارد ہیں ایک **سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّالَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ** (وہ ذات پاک جس نے ہمارے لئے اس سواری کو مسخر کیا جبکہ ہم اس کو قابو کرنے والے نہ تھے، اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں) جو رکوب انعام کے وقت اللہ تعالیٰ نے ہم کو تعلیم فرمایا ہے اور دوسرے **بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِیهَا**

وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا سب اللہ ہی کے نام سے ہے بالیقین میرا رب غفور ہے رحیم ہے) جو رکوب سفینہ کے وقت نوح علیہ السلام نے اختیار فرمایا تھا اور چونکہ ریل کو حمل اثقال میں انعام کے ساتھ بھی مشابہت ہے اور سرعت سیر وغیرہ میں کشتی کے ساتھ اس لئے بہتر ہے کہ دونوں کو جمع کر لیا جائے۔ (النعم المرغوبہ فی النعم المرکوبہ ج ۲۸)

پردہ اہتمام کی ضرورت

اے لڑکیو اور اے جوان عورتو! تم کو کہاں اجازت ہوگی کہ دور دور کے رشتہ داروں کے سامنے بے محابا آجاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تو کوئی نہ ہوا نہ ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے سے عورتوں کو پردہ کراتے تھے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آج کل جو بعضے تو تعلیم یافتہ کہتے ہیں کہ پردہ ضروری نہیں ہے اور ایسا پردہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں محض غلط ہے۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے قرآن وحدیث کو دیکھا ہی نہیں' بس دیکھا کیا ہے کوئی اخبار دیکھ لیا'

دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں سے زیادہ تو کوئی عورت نہیں ہو سکتی۔ میں تم کو قصہ سناتا ہوں جس سے تم کو اندازہ ہوگا کہ پردہ کس درجہ ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ ابن اُم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک نابینا صحابی ہیں وہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے' ازواج مطہرات میں سے غالباً حضرت عائشہ اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنھن بیٹھی تھیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پردہ میں ہو جاؤ' انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو اندھے ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "**افعمیا وان انتما لستما تبصرانه**" (یعنی کیا تم بھی اندھی ہو' اس کو دیکھتی نہیں ہو) دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں امہات المومنین دوسری طرف نابینا صحابی بھلا یہاں کونسے وسوسہ کا احتمال ہو سکتا ہے مگر پھر بھی پردہ کا کس درجہ اہتمام کرایا۔ پس تم کو تو غیر مرد کے سامنے آنا کیسے جائز ہوگا۔ آج کل تو عورتیں بارات اور دولہا کی زیارت کو خانہ کعبہ کی زیارت سمجھتی ہی۔ چنانچہ آپس میں اس کی گفتگو ہوتی ہے کہ دولہا زیادہ خوبصورت ہے یا دلہن' سخت افسوس ہے۔ (العفۃ ج ۲۹)

لباس میں اتباع سنت

شریعت نے لنگی یا پاجامہ کی حد مقرر کر دی ہے کہ ٹخنوں سے نیچا نہ ہو تو ٹخنے کھلا پاجامہ خواہ کیسی وضع ہو بشرطیکہ تشبہ بالکفار نہ ہو شریعت جائز رکھتی ہے تو جواز کی حد میں رہنا بھی قولاً اتباع ہے اگر

بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو کہ سنن عادیہ میں سے بھی کوئی سنت نہ چھوڑے تو سبحان اللہ مگر ہم میں اتنی ہمت نہیں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے سر مو اتباع سے قدم باہر نہیں رکھا ایک بزرگ نے صرف اس وجہ سے خربوزہ نہیں کھایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت قطع کسی حدیث میں نہیں ملی۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے بے چھنا جو کا آٹا کھایا صرف پھونک مار کر بھوسی ہٹاتے اور گیہوں کا آٹا ہوتا تو اس کی روٹی بے سالن کے کھاتے کیونکہ گیہوں خود سالن ہے۔ خواجہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ خدام سے فرمایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو کے آٹے کی روٹی بغیر چھانے ہوئے کھایا کرتے تھے اس سنت پر بھی عمل کرنا چاہئے اب سے اسی طرح روٹی پکائی جائے کہ جو کا آٹا ہو اور اس کو چھانا نہ جائے چنانچہ اسی طرح روٹی پکائی گئی اس کے کھانے سے سب کے پیٹ میں درد ہوا آپ نے فرمایا کہ ہم سے بڑی بے ادبی ہوئی کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کا دعویٰ کیا ہم کو نیچے کے درجے میں رہنا چاہئے اور رفقاء سے کہا توبہ کرو آٹا چھان کر کھایا کرو بے چھنا آٹا کھانا حالاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کا دعویٰ ہے کس قدر باریک بات ہے یہ بات ذکر اللہ اور صحبت سے حاصل ہوتی ہے کہ آدمی حق تعالیٰ کے معاملات کو سمجھنے لگتا ہے۔ شیخ نے وسعت بھی اختیار کی تو کس نیت سے پھر وسعت پر عمل کرنے میں سنت کے ادب کو بھی ملحوظ رکھا ہم جو اگر ہوتے تو کہتے اچھا عمل بالسنّت کیا کہ پیٹ میں درد ہی ہو گیا گویا (نعوذ باللہ) سنت سے وحشت ہو جاتی ہماری حالت یہ ہے کہ جو بات اپنے آپ کو پسند ہوئی اور اتفاق سے شریعت نے بھی اس کا امر کیا تو اس پر تو عمل کر لیا اور شریعت کی تعریف کرنے لگے اور جو بات اپنے آپ کو پسند نہ ہوئی یا اس میں اپنا کچھ نقصان ہوا تو اس کے پاس کو بھی نہ جاویں یہ وہ حالت ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے اس طرح بیان کیا ہے۔ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ. فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ. خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ** یعنی بعض آدمی وہ ہیں جو حق تعالیٰ کی عبادت کا دم بھرتے ہیں مگر کنارے پر رہتے اگر ان کو کچھ نفع پہنچا تب تو مطمئن ہو گئے اور اگر کوئی تکلیف پہنچی تو بس منہ پھیر کر ہٹ جاتے ہیں۔ انہوں نے دنیا بھی کھوئی اور دین بھی آج کل یہ حالت ہے کہ آکر فرائض کے مسئلے پوچھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی حکم کی طلب ہے حالانکہ مقصود صرف یہی ہوتا ہے کہ ہم کو میراث مل جائے اگر ان کو دور کے رشتہ سے پانچ ہزار میراث کے مل گئے تو کہتے ہیں شریعت کیسا اچھا قانون ہے کسی کا حق نہیں مارتا ہر ایک کا پورا پورا حق دلواتا ہے حق تلفی تو اس قانون میں ہے ہی نہیں اور اگر

انہیں معلوم ہوگیا کہ ہمیں کچھ نہ ملے گا تو کہتے ہیں بس رہنے دیجئے فرائض نکالنے کی ضرورت نہیں ہم سے تو یہ مال گیا حتیٰ کہ بعض لوگوں نے فرائض نکلوائے جب دیکھا کہ ان کا حصہ نہیں ہے تو کہا بس رہنے دو آگے کیوں تکلیف کرتے ہو اب ضرورت نہیں رہی۔ ایک شخص نے مجھ سے ایک فرائض لکھوائی اس سے ان کا حصہ نہ آیا تو پوچھنے لگے کہ میرا حصہ کیوں نہ آیا مجھے تو بڑی امید تھی میں نے کہا کہ فلاں وارث موجود ہے اس کے ہوتے آپ کو نہیں مل سکتا تو کہنے لگے کہ پھر اس وارث کو نہ لکھو سبحان اللہ واقعات میں تراش خراش کرنا اختیار ہوگئی یہ حالت ہے ہم لوگوں کی کہ بس دنیا کے نفع نقصان کو دیکھتے ہیں اگر دین بھی ساتھ میں آ گیا تو خیر ورنہ کچھ اس کی پرواہ نہیں تو ہم لوگ دین کو بھی دین ہونے کی نیت سے نہیں لیتے اور اہل اللہ اگر دنیا بھی لیتے ہیں تو دین کی نیت سے دیکھئے حضرت خواجہ نقشبند نے وسعت بھی اختیار کی تو کس نیت سے ہم لوگ اگر وسعت اختیار کرنے میں بھی نیت کرلیں کہ عزیمت پر عمل کرنے میں تکلیف ہے اور ہم کو اس کے تحمل کی ہمت نہیں تب بھی غنیمت ہے مگر ایک تو حد جواز سے باہر نہ جانا چاہئے۔ دوسرے صرف کسی ایک جزو دین کو منتہی نہ قرار دے لیں بلکہ تمام اجزاء دین میں پورا پورا اتباع کریں کیونکہ ما انا علیہ میں ماکلمہ عموم ہے جو شامل ہے۔ اجزائے خمسہ کو عقائد میں عبادات میں معاملات میں معاشرت میں اخلاق میں سب میں دین کے پابند رہیں اسلام کھانا پینا سونا اٹھنا بیٹھنا سب اسلام کا سا ہو دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کو عتمہ کہنے سے منع فرمایا حالانکہ یہ بھی ایک لغت تھی مگر چونکہ اہل جاہلیت اس کو بولتے تھے اس واسطے پسند نہیں فرمایا (ادب الاسلام ج ۳۰)

اپنی اصلاح مقدم ہے

اسلام کی اصل خدمت یہی ہے کہ تم اپنی اصلاح کرو اور اپنے اعمال و اقوال و احوال کو اسلام کے مطابق بناؤ جب تمہاری کامل اصلاح ہوجائے گی تو اسلام کو ترقی ہوجائے گی۔ مگر اب تو یہ حالت ہے کہ اسلام کی خدمت اور حفاظت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ وقت نماز روزہ کی تعلیم اور مسئلہ مسائل بتلانے کا نہیں ہے اب تو خدمت اسلام کی ضرورت ہے اے اللہ نہ معلوم وہ اسلام کی خدمت و حفاظت کیا چیز ہے جس کے لئے نماز روزہ کی اور حلال و حرام کے جاننے کی بھی ضرورت نہیں۔ (درجات الاسلام ج ۳۰)

محبت کا تقاضہ اطاعت ہے

بعض لوگ صرف محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضروری سمجھتے ہیں تو انہوں نے فقط

محبت کو لے لیا ہے مگر یہ بھی محض ان کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور ظاہر ہے دعویٰ بدون دلیل مسموع (سننے کے قابل) نہیں ہوسکتا اور دلیل مفقود بس ان کے نزدیک تو محبت اس کا نام ہے کہ کبھی مجلس میلاد منعقد کر لی۔ نعتیہ غزلیں پڑھ دیں یا سن لیں اس کے سوا ان کو کچھ بھی خیال نہیں کہ ہم جو کچھ حرکتیں کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے راضی ہیں یا ناراض' ہم نے مدعیین محبت کو دیکھا ہے کہ شراب پیتے ہیں' سود لیتے ہیں' زنا میں مبتلا ہیں مگر سال میں ایک دو مرتبہ ربیع الاول میں میلاد کی مجلس منعقد کر کے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دم بھرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ ابن مبارک کا قول بھول گئے۔

تعصی الرسول وانت تظهر حبه هذا العمری فی الفعال بدیع
لو کان حبک صادقاً لاطعته ان المحب لمن یحب مطیع

(تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے اور آپ کی محبت کا اظہار کرتا ہے اپنی جان کی قسم یہ کاموں میں نادر بات ہے اگر تو آپ کی محبت میں صادق ہوتا تو آپ کی اطاعت کرتا اس لیے کہ محبّ محبوب کا مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے)

کیا غضب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ ہے اور سر سے پیر تک مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں غرق ہیں بھلا یہ بھی کہیں عاشق کا طریقہ ہوا کرتا ہے۔ یہ عجیب محبت ہے کہ عاشق کو محبوب کے ناراض ہو جانے کی ذرا بھی پرواہ نہ ہو۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ جو برتاؤ یہ لوگ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کر کے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرتے ہیں اگر کوئی ان کے ساتھ یہی برتاؤ کرے کہ ان کی محبت کا دعویٰ کر کے مجلس میں بیٹھ کر ان کی مدح سرائی کر دیا کرے مگر ان کا حکم کوئی بجا نہ لاوے تو یہ لوگ خود اس کی محبت کو اس کے منہ پر دے ماریں گے۔ پھر جائے افسوس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی برتاؤ کر کے خوش ہیں اور نازاں ہیں اور ذرا بھی نہیں ڈرتے کہ یہ محبت تو اس قابل ہے کہ الٹی ہمارے منہ پر ماری جائے۔ (شکر النعمة بذکر رحمة الرحمة)

حقوقِ العباد

☆ متعلقین کے حقوق کی حدود
☆ حقوق کی ادائیگی کیلیے آسان شرعی طریقے
☆ حقوق کی اقسام، حقوق العباد کی اہمیت
☆ اسلام اور انسانی حقوق
☆ خانگی معاملات، حقوق نکاح
☆ مالی حقوق کی اہمیت جیسے عنوانات پر مشتمل جوابات

قرض کا ضرر

حدیث میں ہے کہ مقروض جنت سے محبوس رہتا ہے جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ ہو۔ یہ وعید ایسے ہی قرض کے بابت ہے جو محض کاغذی ہو جس کے ادا کرنے کی نیت نہ ہو نیز بلا ضرورت ہو۔ باقی ضرورت کا قرض اس سے مستثنیٰ ہے۔ ضرورت کا قرض وہ ہے جس کے بغیر ضرر ہو' شکایت ہو' سور سوم نہ کرنے میں تمہارا کیا ضرر ہے۔ (ترجیح الآخرہ ج ۱)

اہل وعیال کے حقوق

ایک بار میں اپنی گھر والی کو علاج کے لیے میرٹھ لے گیا وہاں ایک مسماۃ نے بیعت کی درخواست کی تو دوسری بعض مستورات نے اس کو منع کیا کہ ان سے مرید نہ ہو یہ تو بیوی کو ساتھ ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ ہمارے پیر سے بیعت ہونا انھوں نے پچاس برس سے بیوی سے بات تک نہیں کی۔ مگر اس اللہ کی بندی نے التفات بھی نہ کیا گویا زبان حال یہ جواب دیا کہ تم مجھے ایسے شخص سے بیعت ہونے کی ترغیب دیتی ہو جس نے پچاس برس سے خدا تعالیٰ کو ناراض کر رکھا ہے۔ میں اس سے ہرگز بیعت نہ ہوں گی۔ صاحبو! یہ جو مشہور ہے کہ

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند	فرزند و عزیز و خانماں راچہ کند

اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اہل وعیال کے حقوق ضائع کر دو۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ اس کو اہل وعیال کی محبت خدا تعالیٰ سے غافل نہ کر سکے ورنہ جو شخص خدا کو پہچانے گا وہ خدا کے احکام کو ضرور پہچانے گا اور خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ اہل وعیال کے حقوق ادا کرو مگر نہ اس حیثیت سے کہ وہ چیزیں تمہاری ہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ اللہ کی چیزیں ہیں چنانچہ وارد ہے۔ الخلق عیال اللہ اور جس کے متعلق خدا تعالیٰ حکم یہ ہے:

احبکم الی اللہ احسنکم الی عیالہ او کما قال یعنی خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اس کی عیال سے اچھا برتاؤ کرے یعنی مخلوق سے ۔(اکبر الاعمال ج ۲)

عہد کی پاسداری

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا۔اور وہ لوگ عہد کو پورا کرنے والے ہیں جب عہد کر لیتے ہیں ہر چند کہ حقوق العباد میں بعض حقوق ایسے ہیں جو ایفائے عہد سے مقدم ہیں مثلاً قرض کا ادا کر دینا امانت میں خیانت نہ کرنا۔لیکن اس جگہ حق تعالیٰ نے صرف ایفائے عہد کو بیان فرمایا ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب وہ لوگ ایسے حقوق العباد کو ادا کرتے ہیں جن کا مطالبہ کرنے والا ان سے کوئی بھی نہیں (کیونکہ ایفائے عہد قضا لازم نہیں گو دیانۃً بعض کے نزدیک واجب ہے) تو اس سے خود بخود یہ بات معلوم ہوگئی کہ جن حقوق کا مطالبہ کرنے والا موجود ہو ان کو تو ضرور ادا کریں گے اور اسی نکتہ کی وجہ سے مواریث میں وصیت کو دین پر مقدم فرمایا ہے اس سے حقوق العباد کا درجہ معلوم ہو گیا کہ جب حق تعالیٰ کو ان حقوق کا بھی اہتمام ہے جس کا مطالب کوئی نہ ہو تو جن حقوق کا مطالب بھی موجود ہو تو وہ کس قدر قابل اہتمام ہوں گے اور یہاں بطور مثال کے بعض حقوق کا ذکر فرمایا گیا ہے ورنہ حقوق العباد اور بھی ہیں۔اگر چہ لوگ فقط مال کو حق العباد سمجھتے ہیں مگر ایک حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق العباد مال ہی میں منحصر نہیں بلکہ حقوق العباد کے اقسام اور بھی ہیں۔

وہ حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں جو خطبہ پڑھا ہے اس میں آپ نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا۔ **این یوم ھذا** یہ کونسا دن ہے۔ **قالوا اللہ ورسولہ اعلم**۔صحابہ نے عرض کیا خدا اور اس کا رسول ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔آپ نے فرمایا **الیس یوم النحر**۔کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے۔ **قالوا بلی**۔ صحابہ نے عرض کیا بے شک۔اس سے صحابہ کا غایت ادب معلوم ہوا کہ جس بات کو وہ جانتے بھی ہیں اس کو بھی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیتے تھے اپنی شان علم ظاہر نہ کرتے تھے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ مقام کون سا ہے پھر اسی طرح خود ہی فرمایا کہ کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟ صحابہ نے عرض کیا

بے شک ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہینہ کی بابت سوال کیا اور اسی طرح خود ہی فرمایا کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں ہے ۔ صحابہ نے عرض کیا بے شک ۔ پھر آپ نے فرمایا۔

فان اموالکم ودماء کم واعراضکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھٰذا فی شھرکم ھٰذا فی بلدکم ھٰذا. الصحیح لمسلم فی کتاب القسامۃ

''کہ تمہارے اموال اور جانیں اور آبروئیں آپس میں تم پر ہمیشہ کے لئے ایسی ہی حرام ہیں جیسے اس مہینہ میں اس مقام میں اس دن میں حرام ہیں''۔

پس معلوم ہوا کہ ایک قسم حقوق العباد کی جان کو تکلیف پہنچانا ہے مثلاً ناحق مارنا جس میں اہل حکومت اور معلمین بکثرت مبتلا ہیں اور ایک قسم حقوق العباد کی کسی کی آبرو کو صدمہ پہنچانا بھی ہے یعنی کسی پر لعن طعن کرنا، کسی کی تحقیر کرنا کسی پر بے وجہ بدگمانی کرنا یہ سب حرام ہے ۔ اسی طرح کسی کی غیبت کرنا بھی ناجائز ہے بلکہ بعض نصوص سے حقوق آبرو کا درجہ زناءوغیرہ سے بھی بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔ (الکمال فی الدین ج ۳)

جانوروں کے حقوق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں پر بھی رحم کا حکم فرمایا ہے اور ان کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں چنانچہ حکم ہے کہ جانوروں کو زیادہ نہ مارو بھوکا نہ رکھو تحمل سے زیادہ کام نہ لو زیادہ بوجھ نہ لادو مجھے یاد آیا کہ ایک صاحب نے مجھے خط میں لکھا تھا کہ جانوروں کے حقوق میں اب تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تو واقعی اس وقت تک کوئی کتاب مستقل نہیں لکھی گئی تھی ۔ اور ضرورت تھی اس لئے میں نے ''ارشاد الھائم فی حقوق البھائم''

کتاب لکھی ہے جانور رکھنے والوں کو اس کتاب کے رکھنے کی ضرورت ہے اس سے معلوم ہوگا کہ شریعت میں جانوروں کے کس درجہ کے حقوق ہیں حدیث شریف میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کا قصہ مذکور ہے کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا نہ تو چھوڑتی تھی نہ کچھ کھانے کو دیتی تھی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ میں اس کا عذاب دیا جانا دیکھا دیکھئے ایک بلی کے ستانے پر اسے عذاب ہوا اور جانور کو تکلیف پہنچانے پر وہ معذب تھی ہماری حالت یہ ہے کہ عام انسان اور عام مسلمان کا تو کیا خیال کرتے ہم تو حقیقی بھائی کو تکلیف پہنچانے پر کمربستہ ہیں جائیداد دبانے کو تیار ہیں بلکہ ہم لوگوں کی معاشرت اعزہ

اقارب کے ساتھ زیادہ خراب ہے حالانکہ ہم جانوروں پر تک بھی رحم کرنے کے لئے مامور ہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ان افعال پر ضرور ہم سے سوال ہوگا۔ (علوم العباد من علوم الرشاد ج ۴)

اصلاح مرض

انما الاصلاح تبدیل المزاج (بے شک اصلاح مزاج بدل جاتا ہے)

اصلاح کا طریقہ یہی ہے کہ مریض کے مزاج کو بدل دیا جائے جس کی حقیقت یہ ہے کہ جو سبب ہے اس کے مرض کا اس کو زائل کر دیا جائے تو سنئے تاکد حق کے دو سبب ہوتے ہیں۔ کبھی تو عظمت حق کی وجہ سے حق کا تاکد ہوتا ہے اور کبھی حاجت کی وجہ سے عظمت حق کی وجہ سے حق کا موکد ہونا تو ایسا ہے جیسے باپ کسی کام کو کہے کہ یہ کر اور پڑوسی کہے کہ مت کر۔ یہاں عقلاً اور شرعاً باپ کی اطاعت واجب ہے کیونکہ اس کی عظمت پڑوسی کی عظمت سے زیادہ ہے اس لئے پڑوسی کی بات پر عمل نہ کیا جائے گا بلکہ باپ کی بات پر عمل کیا جائے گا خواہ اس کام میں باپ کا ذاتی نفع بھی نہ ہو۔ جیسے باپ کہے کہ میرا بدن دبا اور پڑوسی کہے کہ میرا بدن دبا، تو بتلایئے اس صورت میں پڑوسی کا حق زیادہ ہوتا یا باپ کا۔ سب عقلاء یہاں متفق ہیں کہ باپ کا حق زیادہ ہے اور حاجت کی وجہ سے تاکد کی مثال یہ ہے، جیسے ایک سائل آ کر آپ سے روپیہ مانگے کہ مجھے ایک روپیہ دیدو، میں برف کی قلفیاں کھاؤں گا (جیسا کہ بعض بھنگڑ رئیسوں سے ایسی فرمائش کیا کرتے ہیں اور وہ ان کو مجذوب سمجھ کر سب کچھ کھلاتے ہیں۔۱۲) اور ایک سائل آ کر یہ کہے کہ مجھے ایک روپیہ دیدو، میرے یہاں آٹھ دن کا فاقہ ہے، بچے بھوکے تڑپ رہے ہیں، بتلایئے اس صورت میں کس کا حق زیادہ ہے، آیا اس شخص کا جو برف کی قلفیاں کھانے کو مانگتا ہے، یا اس غریب کا جس کے یہاں آٹھ دن کا فاقہ ہے۔ یقیناً اس غریب فاقہ زدہ کا حق زیادہ ہے۔ ایسے ہی ایک رئیس کے یہاں شادی ہو جس میں سو روپیہ نیوتہ دینے کے لئے آپ لے جا رہے ہیں حالانکہ اس کو آپ کے سو روپیہ کی کچھ بھی ضرورت نہیں اور اس وقت ایک غریب آدمی پر جو شریف خاندان کا ہے کوئی مقدمہ قائم ہو گیا جس میں ضمانت نہ داخل کی گئی تو اس شریف آدمی کی آبرو جاتی رہے گی تو بتلایئے اس وقت نیوتہ میں امیر کو سو روپیہ دینا چاہیے جس کو اس کی کچھ بھی پرواہ نہیں یا اس غریب کی آبرو بچانی چاہیے تو جس کو حس ہوگا وہ سمجھے گا کہ اس صورت میں روپیہ

دینے سے زیادہ ضروری اس غریب کی آبرو کو بچانا ہے۔ یہاں بھی حاجت کی وجہ سے حق کا تاکد ہو گیا۔ غرض آپ دنیا کے معاملات میں غور کرلیں تو معلوم ہوگا کہ تاکد حد کا سبب کبھی عظمت ہے، کبھی حاجت۔ مگر دین کے بارے میں اس قاعدہ پر کوئی بھی خیال نہیں کرتا۔ یہاں سب لوگوں نے تاکد حق کو صرف عظمت میں منحصر کرلیا ہے۔ جس کی عظمت قلب میں ہے۔ اسی کے حقوق ادا کرتے ہیں، حاجت کو تاکد حق کا سبب نہیں سمجھتے اور اگر حاجت کی وجہ سے کسی کا حق ادا بھی کرتے ہیں تو وہ بھی جبکہ اپنے ملنے والوں میں کسی امیر کو حاجت پیش آجاوے۔

حقوق البہائم

اس وقت کیا ہوگا جبکہ یہ ثابت ہو جائے کہ بہائم کے بھی حقوق ہیں۔ میرا ارادہ ہوا تھا کہ اس وقت حقوق العباد کی بجائے حقوق الخلق بیان کروں جس میں تمام مخلوق کے حقوق کا بیان ہو جائے، کافروں کے بھی اور جانوروں کے بھی، مگر سارا قاعدہ بغدادی آج ہی کیونکر ختم کرادوں! اس لئے میں حقوق بہائم کی تفصیل کرنا نہیں چاہتا مگر اجمالاً کہے دیتا ہوں کہ شریعت میں جانوروں کے بھی حقوق ہیں تو انسانوں کے حقوق کیوں نہ ہوں گے جن کو آپ جانور سمجھتے ہیں پس خوب سمجھ لو کہ غریب اگر کافر بھی ہو اس کے بھی حقوق ہیں کچھ ایسے ہی کوئی مسلمان فاسق و فاجر ہو تو اس کے بھی حقوق ہیں، گناہ کرنے سے یا کفر کرنے سے وہ وقف نہیں ہو گیا کہ آپ جو چاہئیں اس کے ساتھ معاملہ کریں۔ ایک بزرگ نے کسی شخص کو حجاج بن یوسف کی غیبت کرتے ہوئے دیکھا تھا تو فرمایا کہ جس طرح حق تعالیٰ حجاج سے ان لوگوں کا بدلہ لے گا جن پر اس نے ظلم کیا تھا، ایسے ہی حجاج کا بدلہ ان لوگوں سے لے گا جنہوں نے اس کی غیبت وغیرہ کی ہوگی۔ حجاج خدا کی نافرمانی کر کے سب کے لئے وقف نہیں ہو گیا کہ جو بھی چاہے اس کو برا بھلا کہے۔ سبحان اللہ! ایسا کون سا قانون ہے جس میں باغیوں کے بھی حقوق ہیں، یہ خدا ہی کا قانون ہے، اس میں باغیوں تک کے حقوق ہیں۔ چنانچہ بیٹے کو جائز نہیں کہ وہ جہاد میں اپنے کافر باپ کو قتل کرے، گو وہ خدا کا باغی ہے مگر خدا تعالیٰ نے بیٹے پر اس کا یہ حق رکھا، غرض ہم لوگوں نے تاکد حق کا سبب محض عظمت کو سمجھ لیا ہے اور یہ مرض دینداروں میں بھی ہے کہ وہ بھی اہل عظمت ہی کے حقوق کو زیادہ ادا کرتے ہیں۔ میں نے ایک دفعہ دیوبند کے مدرسے میں طلبہ سے کہا تھا کہ تم لوگ اساتذہ کی عظمت

نہیں کرتے نہ ان کے حقوق کی رعایت کرتے ہو۔ پھر میں نے کہا شاید آپ اپنے دل میں کہتے ہوں کہ ہم تو حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کی بہت عظمت کرتے ہیں اور ان کی خدمت بھی کرتے ہیں۔ دل میں خیال کرلو کہ مولانا کی یہ عظمت و خدمت محض استاد ہونے کی وجہ سے ہے یا ان کی شہرت و عظمت کی وجہ سے ہے۔ ظاہر ہے کہ محض حق استادی کی وجہ سے تم مولانا کی عظمت نہیں کرتے ورنہ اس کی کیا وجہ کہ اور استادوں کی عظمت و وقعت نہیں کی جاتی، آخر وہ بھی تو استاد ہیں۔ معلوم ہوا کہ مولانا کی عظمت بوجہ شہرت کے کرتے ہو کہ وہ سب سے زیادہ بزرگی وغیرہ میں مشہور ہیں تو جب اہل علم میں بھی یہ مرض ہے کہ وہ مشاہیر اہل عظمت ہی کے حقوق ادا کرتے ہیں پھر دوسروں کا تو کیا کہنا۔ (خیر الارشاد لحقوق العباد ج ۴)

حق العبد کی اقسام

بعض لوگوں میں غلطی یہ ہے کہ وہ حق العبد کو صرف مال میں منحصر کرتے ہیں کہ چوری کرنا، غصب کرنا، قرض لے کر انکار کر دینا کسی کی امانت رکھ کر مکر جانا بس یہی جرم ہے ان کے علاوہ حق العباد میں اور کوئی جرم نہیں حالانکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حق العبد مال ہی میں منحصر نہیں بلکہ اور بھی حقوق ہیں اور وہ حقوق مالیہ کے برابر بلکہ ان سے بھی معظم ہیں۔ چنانچہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دریافت فرمایا کہ یہ کون سا دن ہے؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ادب کی وجہ سے عرض کیا "**الله و رسوله اعلم**" فرمایا "**الیس یوم عرفه**" کیا یہ عرفہ کا دن نہیں ہے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا "بلی" بیشک یہ عرفہ کا دن ہے پھر پوچھا یہ کونسا مہینہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ادب سے وہی جواب دیا "**الله و رسوله اعلم**" آپ نے فرمایا "**الیس ذی الحجه**" کیا یہ حج کا مہینہ نہیں ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا بیشک یہ حج کا مہینہ ہے پھر دریافت کیا فرمایا یہ کونسا شہر ہے اس پر بھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ادب سے "**الله و رسوله اعلم**" ہی کہا آپ نے فرمایا "**الیس بالبلد الحرام**" کیا یہ بلد حرام نہیں ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا بیشک یہ بلد حرام ہے اس تمہید کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا ان اموالکم ودمائکم واعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم

هذا فی شھرکم هذا فی بلدکم هذا من یومکم الی یوم القیامة (اوکمال قال) (الصحیح للبخاری فی کتاب الحج باب الخطبة ایام منی رقم: ۱۷۴۱، ۳:۵۷۳)

''سن لو! تمہارے اموال اور جانیں اور آبروئیں آج سے قیامت تک ویسی ہی حرام ہیں جیسے اس یوم معظم، شہر معظم اور بلد معظم میں حرام ہیں، ہمیشہ کیلئے ان کی حرمت ویسی ہے جیسی آج ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حقوق العباد کی تین قسمیں ہیں ایک حقوق نفس، دوسرے حقوق مال، تیسرے حقوق عرض، جب شریعت سے حقوق معلوم ہوتے ہیں تو آپ کو صرف مال میں حق العبد کو منحصر کرنے کا کیا حق ہے۔ صاحبو! جان کا بھی حق ہے آبرو کا بھی حق ہے، مال کا بھی حق ہے، جان کا حق تو یہ ہے کہ کسی کو ناحق قتل نہ کرو، خیر تو اس بادشاہت میں بکثرت کون کر سکتا ہے اس کی طاقت تو یہاں کسی کو نہیں، گو شاذونادر کبھی ایسا ہو جاتا ہے مگر وہ چھپ نہیں سکتا، فوراً مقدمہ قائم ہو کر پھانسی ہو جاتی ہے اس لئے اس سے سب ڈرتے ہیں ہاں یہ حق البتہ باقی ہے کہ کسی غریب کے دو چار ڈنڈے لگا دیئے گو ہمارے قصبہ میں یہ حق بھی باقی نہیں رہا وہاں کسی کی مجال نہیں کہ جو کسی بھنگی کو بھی مار سکے یا بیگار میں کام لے سکے۔ ہمارے بھائی کے ایک کارندہ ہیں حاجی حاجی، اب تو کارندگی سے انہوں نے استعفیٰ دیدیا ہے مگر جس زمانہ میں وہ کارندہ تھے اس زمانہ کا قصہ بیان کرتے تھے۔ ایک دن میں نے سڑک صاف کرنے والے بھنگی سے کہا کہ جب تو سڑک پر جھاڑو دیا کرے تو ذرا ہمارے دروازہ پر بھی جھاڑو دے دیا کر، تو وہ کیا کہتا ہے کہ حاجی جی! کنون تو ہے نہیں خیر تمہاری خاطر سے دے دیا کروں گا تو وہاں کے بھنگی بھی قانونی ہیں۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

حکومت عادلہ کی مثال

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جبلۃ الایہم شاہ غسان اسلام لایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے اسلام سے خوشی ہوئی تھی کیونکہ بادشاہ کے مسلمان ہونے سے اس کی رعیت کے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔ دوسرے اس سے مخالفین پر بھی رعب پڑتا ہے مگر اس خوشی کا اثر نہ تھا کہ جبلہ کی ایسی رعایت کی جاتی کہ وہ جس پر چاہے ظلم کرنے لگے اور کچھ باز پرس نہ ہو چنانچہ ایک مرتبہ جبلہ لنگی باندھے ہوئے

خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، لنگی باندھنا اہل عرب کا عام شعار تھا، بادشاہ اور غریب سب لنگی باندھتے تھے تو اس وقت اتفاق سے کسی غریب کے پیر سے جبلہ کی لنگی کا کونہ دب گیا، جبلہ نے جو قدم آگے بڑھایا دفعۃً لنگی کھل گئی، غصہ سے سرخ ہو گیا اور اس غریب مسلمان کے بڑی زور سے طمانچہ مارا اس کا دانت ٹوٹ گیا، اس نے جبلہ کو تو کچھ نہ کہا سیدھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجلاس میں جا کر دعویٰ دائر کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبلہ کو بلایا اور پوچھا کہ تو نے اس مسلمان کو طمانچہ مارا ہے اس نے اقرار کیا آپ نے مدعی سے فرمایا کہ تم جبلہ سے قصاص لے سکتے ہو جبلہ نے کہا اے امیر المؤمنین اس بازاری کو مجھ جیسے بادشاہ کے برابر کس چیز نے کر دیا جو اس کو مجھ سے قصاص لینے کا حق حاصل ہو گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اسلام نے تم دونوں کو برابر کر دیا، جبلہ نے کہا اچھا مجھے کل تک کی مہلت دی جاوے میں کل قصاص دیدوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں مہلت نہیں دے سکتا یہ مدعی کا حق ہے اگر وہ چاہے مہلت دے یا نہ دے بیچارہ غریب آدمی ذرا سی بات پر پسیج جاتا ہے۔ مدعی نے کہا کہ مجھے کل تک کی مہلت دینا منظور ہے پھر رات کو وہ کمبخت چپکے سے نکل کر بھاگ گیا اور مرتد ہو کر نصرانیوں سے جاملا مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذرا بھی پروانہ ہوئی اور نہ اسلام کو جبلہ کے ارتداد سے کچھ نقصان پہنچا بلکہ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی رعایت کرتے تو اس سے بیشک اسلام کو ضرر پہنچتا۔ کیونکہ عقلاء کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ اسلام میں ضعیف کا حق قوی سے نہیں دلایا جاتا بلکہ زبردستوں کی رعایت کی جاتی ہے اور یہ خلاف عدل ہے اور اب تو گو ظاہر میں ایک جبلہ اسلام سے نکل گیا مگر عدل اسلامی کی نظیر تمام دنیا کے سامنے قائم ہو گئی اور سب کو معلوم ہو گیا کہ قانون اسلام میں کوئی زبردست کسی کمزور کا حق نہیں دبا سکتا جس سے ہزاروں لاکھوں آدمی عدل اسلامی کے شیدا بن گئے۔ ۱۲ جامع) اور تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں جبلہ بھی اپنے ارتداد پر بہت پچھتاتا تھا اور باوجودیکہ نصرانیوں میں اس کی بڑی عزت اور آؤ بھگت ہوتی تھی اور ہر قسم کے سامان عیش اس کے لئے مہیا تھے مگر بعض دفعہ وہ رو کر یہ کہتا تھا کہ اے کاش میں اس دن قصاص کو گوارا کر لیتا تو وہ میرے لئے اس عزت سے ہزار درجہ بہتر ہوتا۔ اسلام واقعی ایسی چیز ہے کہ اس کو چھوڑ کر

کبھی چین نہیں مل سکتا تو جہاں حکومت مسلمہ عمریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو وہاں کسی رئیس یا بادشاہ کی کسی غریب کے مقابلہ میں کچھ رعایت نہ ہوگی۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

خصوصی حقوق

اگر کوئی شخص مسلمان بھی ہے تو اسلام کی وجہ سے اس کا حق اور بھی بڑھ جائے گا مثلاً مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ بیمار ہو تو عیادت کرو، جب ملے تو سلام کرو، اس کو چھینک آدے اور الحمدللہ کہے تو یرحمک اللہ کہو، مر جاوے تو جنازہ کی نماز پڑھو، دفن کفن میں شریک ہو وغیرہ وغیرہ۔ ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی شخص ہمارا پڑوسی ہے جوار کی وجہ سے اس کا حق بڑھ جائے گا۔ ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی ہمارا محسن بھی ہے جیسے استاد یا پیر یا کوئی دوست وغیرہ۔ سو احسان کی وجہ سے ان کے حقوق عام مسلمانوں کے حقوق سے زیادہ ہوں گے۔ محسن ہونے میں باپ ماں کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ ان کے حقوق سب سے زیادہ ہیں۔

اسی طرح بعض اور رشتے بھی بواسطہ احسان میں داخل ہیں۔ مثلاً سسرالی رشتہ جیسے بیوی کی ماں اس کا باپ وغیرہ کہ وہ بیوی کے محسن ہیں اور بیوی سے دوستی کا رشتہ ہے تو دوست کے محسن گویا اپنے ہی محسن ہیں ان کے حقوق بھی عام لوگوں سے زیادہ ہیں۔ غرض کہ خصوصیات کیوجہ سے حقوق عامہ پر حقوق خاصہ کا اضافہ ہو جاتا ہے اس وقت نہ میں اس کی تفصیل کر سکتا ہوں نہ اتنا وقت ہے۔ علماء کی کتابیں موجود ہیں جن میں سب کے حقوق لکھے ہوئے ہیں۔ غرض اسلام میں سب انسانوں کے لئے کچھ نہ کچھ حقوق ہیں۔

میری ایک کتاب مختصر اس بارے میں طبع ہو چکی ہے جس کا نام حقوق الاسلام ہے اس کو دیکھو۔ اس میں مختصراً سب کے حقوق لکھے ہوئے ہیں۔ ایک مسلمان ڈپٹی نے وہ کتاب ایک انگریز کو دکھائی تھی۔ اس نے جو دیکھا تو اس میں رعایا اور حکام کے بھی حقوق تھے کہ رعایا کو حکام کے ساتھ اس طرح رہنا چاہیے اور حکام کو رعایا کے ساتھ یوں برتاؤ کرنا چاہیے۔ ایک حق تو حاکم مسلم کا ہے وہ الگ ہے۔ اسلام میں مطلق حاکم کا بھی بوجہ معاہدہ کے نیز بوجہ احسان انتظام راحت کے ایک حق ہے چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم، تو وہ انگریز بڑا متعجب ہوا کہ اسلام میں حکام کے بھی حقوق ہیں، اس کو اسی پر تعجب ہوا۔ اسے یہ خبر نہ ہوئی کہ اسلام میں بہائم کے بھی حقوق ہیں تو اور زیادہ تعجب ہوتا۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

حقوق العباد کی تلافی کا طریقہ

ایک سوال ہے وہ یہ کہ ایک شخص نے کسی پر ظلم کیا ہو اور کسی سے رشوت لی ہو کسی کی غیبت کی ہو اور اب وہ مر چکے ہیں یا لا پتہ ہیں تو انکے حقوق کیونکر ادا کر سکتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں کوئی صورت لاعلاج نہیں ہے، کرنے والا ہونا چاہیے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ اول تو پوری کوشش کرے، ان لوگوں کے پتہ لگانے میں اگر ان کا پتہ لگ جائے تب تو ان کو حق پہنچائے۔ اگر معلوم ہوا کہ وہ مر گئے ہیں تو مالی حقوق ان کے ورثاء کو پہنچائے۔ اگر ورثاء کا بھی پتہ نہ لگے تو جتنی رقم تم نے ظلم و رشوت سے لی ہے اتنی رقم خیرات کر دو اور نیت کر لو کہ یہ ہم ان کی طرف سے دے رہے ہیں۔ یہ حقوق مالیہ کا حکم ہے۔

غیبت، شکایت اور جانی ظلم کی تلافی کا طریقہ یہ ہے کہ مظلوم مر گیا ہو یا لا پتہ ہو گیا ہو تو اس کے حق میں دعا کرو، نماز اور قرآن پڑھ کر اس کو ثواب بخشو اور عمر بھر اس کے لئے دعا کرتے رہو۔ ان شاء اللہ حق تعالیٰ ان کو تم سے راضی کر دیں گے جس کی صورت قاضی ثناء اللہ صاحب نے یہ لکھی ہے کہ قیامت میں مسلمانوں کو بڑے بڑے خوبصورت عالی شان محل دکھلائیں جائیں گے اور حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان محلات کا خریدار کوئی ہے اور ارشاد ہوگا کہ ان کی قیمت یہ ہے کہ جس کا جو حق کسی کے ذمہ ہوا سے معاف کر دے، اس وقت کثرت سے اہل حقوق اپنے حق معاف کر دیں گے، پھر سرکار کی طرف سے مثل داخل دفتر ہو جائے گی۔ قاضی صاحب اپنے زمانے کے محدث اور محقق تھے۔ انہوں نے تحقیق کر کے یہ روایت کہیں سے لکھی ہوگی، ہم کو ان پر اعتماد ہے۔

غرض معذرت کرنے والوں کی وہاں بڑی قدر ہے۔ ان کے حقوق اللہ تعالیٰ خود ادا کر دیں گے، وہاں تو اینٹھ مروڑ پر گرفت ہوتی ہے کہ باوجود ظلم و تعدی کے پھر بھی فکر نہ ہو اور ادائے حقوق کا اہتمام نہ ہو۔ اب ایک سوال اور رہ گیا وہ یہ کہ کسی نے مثلاً دس ہزار روپے سود یا رشوت میں لیے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ کس کس سے لیے ہیں۔ اب وہ چاہتا ہے کہ اس کا حق ادا کرے تو کیونکر کرے اس لئے کہ اس وقت اس کے پاس دس ہزار روپے نہیں ہیں، ساری عمر میں جو حرام مال کھایا تھا آج ایک دن میں سب کیسے ادا کر دے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے یہاں کام کا شروع کر دینا اور ادا کا عزم کر لینا

بھی مقبول ہے۔تم اول تو صاحب حق سے معافی کی درخواست کرو، اگر وہ خوشی سے معاف کردے تب تو جلدی ہلکے ہوئے اور اگر معاف نہ کرے تو اب تھوڑا تھوڑا جتنا ہو سکے اس کا حق ادا کرتے رہو مگر یہ ضروری ہے کہ اپنے فضول اخراجات کو موقوف کردو۔ بس ضروری ضروری خرچوں میں اپنی آمدنی خرچ کرو اور اس سے جتنا بھی بچے وہ حقدار کو ادا کرو اور اگر وہ مر گئے ہوں تو ان کے ورثاء کو دو اور اگر ورثاء بھی نہ معلوم ہوں تو ان کی نیت سے خیرات کرتے رہو۔ ان شاء اللہ اول تو امید ہے کہ حق تعالیٰ ادا کردیں گے۔ حق تعالیٰ کے یہاں نیت کو زیادہ دیکھا جاتا ہے جس کی نیت پختہ ہو کہ میں حق ادا کروں گا پھر اس پر عمل بھی شروع کردے، حق تعالیٰ اس کو بالکل بری کردیتے ہیں۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

من سلم المسلمون من لسانه ويده (انظر تخريج الحديث الرقم: ۴۳)

(کامل مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ سالم رہیں) (کف الاذی ج ۴)

تین حق

حدیث شریف کے الفاظ ہیں کہ **من سلم المسلمون** (جس سے مسلمان سالم رہیں) کا یہ مطلب نہیں کہ غیر مسلم کی رعایت ضروری نہیں کیونکہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ

المومن من امن الناس بوائقه.

(کہ مومن وہ ہے جس کے خطرات سے تمام آدمی امن میں رہیں) تو تمام لوگوں کی رعایت ضروری ہوئی خواہ وہ مسلم ہوں یا کافر اور ان سب ہی کے حقوق بھی ہوئے۔ البتہ حربی اس حکم میں داخل نہیں تو یہاں صرف اس لئے مسلمون فرمایا کہ یہ موقع اسی کا تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کتاب تو تصنیف فرمائی نہیں جس سے الفاظ کا عام ہونا ضروری ہو بلکہ جس وقت جس امر کی ضرورت دیکھی زبان مبارک سے بیان فرمادیا۔

اور مسلمون جو جمع کے صیغہ سے فرمایا تو جمع سے کبھی تو مجموعہ مراد ہوتا ہے اور کبھی ہر ہر واحد تو ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہر ہر واحد مراد لیا جاوے کہ ہر مسلمان اس کی ایذاء سے محفوظ رہے اور اگر مجموعہ مراد ہوگا تو اس پر یہ شبہ ہوگا کہ مجموعہ مسلمین کو تکلیف نہ دی جائے۔ اگر بعض کو تکلیف دی جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان احکام میں سے ہے کہ جہاں مجموعہ اور ہر ہر واحد کے حکم میں

فرق نہیں ہوتا تو بصورت مجموعہ مراد ہونے کے یہی معنی ہوں گے کہ مجموعہ مسلمانوں کا ہر ہر واحد تکلیف سے بچا رہے۔ اب وہ شبہ جاتا رہا کہ اگر بعض کو تکلیف پہنچ جائے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ جب ایک مسلمان نہ بچا تو مجموعہ کہاں بچا کیونکہ ایک جز و نکل جانے سے مجموعہ نہیں رہا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ کسی کو بھی تکلیف نہ پہنچے۔

آگے فرماتے ہیں **من لسانه ویده** (اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے) اس میں دو قسم کے حقوق کی طرف اشارہ ہے۔ گو یہ حقوق تروک (چھوڑانے کے) ہیں۔ تین قسم کے مالی جانی عرضی جس کو اس حدیث میں صاف فرمایا:

ان دماء کم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا.

(الصحیح للبخاری فی کتاب الحج باب الخطبة ایام منی رقم: ۱۷۴۲، ۳: ۵۷۳)

(تحقیق تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تم پر حرام ہیں مثل تمہارے اس دن کی حرمت کے)

یعنی نہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرے، نہ ناحق مال لے، نہ آبروریزی کرے، پس یہ تین قسم کے حق ہیں مگر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مال اور جان کے حقوق تو اکثر ہاتھ سے تلف ہوتے ہیں اور عرضی اکثر زبان سے، مال کا حق مثلاً کسی کا مال لوٹ لیا یا کسی کو لکھ دیا لوٹنے کے لئے تو اس کا آلہ بھی یہی ہاتھ ہوگا۔ اب رہا جان کا حق یہ بھی ہاتھ ہی سے ہوتا ہے اور اگر کسی کو زبان سے کسی کے قتل کرنے کو کہا تو یہ بھی پورا ہاتھ ہی سے ہوگا۔ اب رہی آبرو وہ کبھی ہاتھ سے تلف کی جاتی ہے اور اکثر زبان سے سو یہ حقوق گو تین قسم کے ہیں مگر ہیئت اضافہ کے اعتبار سے انہیں دو صورتوں میں داخل ہے من لسانہ ویدہ (اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے) پس اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں حقوق کو جمع کر دیا، اجمالاً پس حاصل اس حدیث کا یہ ہوا کہ نہ جان کو تکلیف دے نہ مال کو نہ آبرو کو، اب ہر شخص کو دیکھ لینا چاہیے کہ کہاں تک اس پر عمل کرتا ہے اور کتنے حقوق ترک ہوتے ہیں۔ (کف الاذیٰ ج ۴)

دوسروں کی راحت کا خیال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو آہستہ سے اٹھتے تھے اور آہستہ ہی سے سلام کرتے تھے۔ پس ایسی چیزوں کا مدلول حدیث ہونا خفی ہے مگر ہے مدلول صریح۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بستر پر سے اٹھے اور آہستہ سے جوتیاں پہنیں اور آہستہ ہی سے دروازہ کھولا اور آہستہ ہی بند کیا۔ وہاں یہ الفاظ ہیں:

وفتح الباب رویدا واغلق الباب رویدا "وخرج رویدا"

(یعنی آپ نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور آہستہ سے دروازہ بند کیا اور آہستہ سے باہر نکلے)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شبہ ہوا کہ شاید حضور کسی اور بی بی کے ہاں جاتے ہیں اور وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عاشق تھیں اور عشق میں یہ حالت ہوا کرتی ہے۔

عشق است وہزار بدگمانی　　باسایہ ترانمی پسندم

(یعنی عشق میں ہزاروں بدگمانیاں ہیں اس لئے ہم آپ کے سایہ کے ساتھ رہنا بھی پسند نہیں کرتے ہیں)

بس اس شبہ کی وجہ سے آپ بھی پیچھے پیچھے ہولیں۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں پہنچے اور وہاں پہنچ کر اموات کے لئے دعا فرمائی۔ جب دعا کر چکے تو وہاں سے واپس ہوئے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جلدی جلدی چلیں اور پہلے آ کر بستر پر لیٹ رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **مالک یا عائشۃ حشیا رابیۃ** (یعنی اے عائشہ کیا بات ہے کہ تمہارا سانس پھولا ہوا ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ کچھ نہیں۔ فرمایا کہ یا تو بتلا دو ورنہ مجھ کو خدا تعالیٰ خبر دے دیں گے۔ تب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سارا واقعہ بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے تھے کہ بقیع میں جا کر مومنین کے لئے دعا استغفار کرو۔ اس لئے میں وہاں گیا تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسا بے تکلفی کا علاقہ اور پھر وہ آپ پر عاشق چنانچہ کہتی ہیں۔

لاثرن بالقطع القلوب علی الید　　لواحی زلیخا لوراین جبینہ

(یعنی اگر زلیخا کو ملامت کرنے والی عورتیں آپ کی جبین مبارک کو دیکھ لیتیں تو بجائے ہاتھوں کے قطع کرنے کے قلوب کو قطع کر لیتیں)

سو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس قدر عاشق زار تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے کسی فعل سے بھی ان کو اذیت نہ ہوتی مگر اس پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رعایت کی کہ رات کو جب اٹھے تو سارے کام آہستہ کیے تاکہ ان کی نیند میں خلل نہ آوے۔ سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو جہاں ناگواری کا احتمال بھی نہ ہوتا وہاں بھی ایسے امور کی رعایت فرماتے تھے اور ہماری یہ حالت ہے کہ رات کو اٹھے تو دھڑ دھڑ کرنا شروع کر دیا۔ خصوصاً اگر انگریزی جوتے ہوں یا رات کو ڈھیلے لیتے ہیں تو بھڑا بھڑا توڑتے ہیں حالانکہ اس سے لوگوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے مگر کچھ پروانہیں تو یہ امور ظاہراً نا جائز نہیں اس لیے ان سے بچنے کو دین نہیں سمجھتے مگر واقع میں نا جائز ہیں۔ (کف الاذی ج ۴)

کافر کا مال

مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے ایک عجیب بات فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا مال لینا مسلمان کے مال لینے سے بھی زیادہ برا ہے۔ چنانچہ مولانا نے فرمایا کہ بھئی اگر کسی کا حق ہی رکھنا ہو تو مسلمان کا رکھ لے کافر کا نہ رکھے کیونکہ قیامت میں ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دی جاویں گی تو اگر کسی مسلمان پر ظلم کیا تو نماز روزہ ظالم کا اس کے بھائی ہی کو ملے گا۔ خیر اگر ظاہر میں ظلم کیا تو باطن میں قومی ہمدردی بھی تو کی کہ اپنی نیکیاں اسے دے دیں اور اگر کافر کا حق رکھا تو ایک تو اپنی نیکیاں پرائے گھر، پھر اس صورت میں نہ تمہارا بھلا نہ اس کا بھلا کیونکہ وہ تو پھر بھی جہنم ہی میں گیا۔ (اسرار العبادۃ ج ۷)

نئی ایجادوں سے تائید دین

ایک صاحب اس پر الجھے ہوئے تھے کہ اگر معراج جسمانی ہوئی تو ہوا کے کرہ کے بعد آگ کا کرہ ہے یا یوں کہئے کہ ہوا نہیں ہے جہاں بغیر سانس لیے کوئی زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں نے کہا کہ اس دعویٰ کی کہ بغیر سانس لیے ہوئے زندہ نہیں رہ سکتے دلیل کیا ہے تو قاعدہ سے تو اتنا ہی جواب میرے ذمہ تھا۔ مگر ایک بات دفع استبعاد کے لیے بعد میں سمجھ میں آ گئی کہ سیر کی دو قسمیں ہیں۔ سیر سریعی اور سیر بطیئ یعنی ایک جلدی گزرنا اور ایک ٹھہر ٹھہر کے گزرنا۔ سو جلدی گزرنے میں استبعاد بھی نہیں کیونکہ سرعت کے ساتھ آگ میں سے نکل جائے تو جل نہیں سکتا۔ جیسے ایک شعلہ ہو، اس کے اندر سے جلدی جلدی انگلی کو یا ہاتھ کو نکالو تو رونگٹا بھی

نہیں جلے گا۔ بس اگر اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی معراج میں اس سرعت کے ساتھ پہنچا دیئے گئے کہ یہ چیزیں اثر نہ کرسکیں تو استبعاد بھی نہیں رہا۔

اسی طرح ان چیزوں کے بولنے میں امتناع عقلی تو نہیں ہے صرف استبعادی ہے اور اب تو استبعادی بھی نہیں کیونکہ روزانہ نئی ایجادیں نکلتی ہیں جن سے بہت سے مستبعدات کا مشاہدہ ہونے لگا۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ ایسے لوگوں سے تائید دین کا کام لیا ہے جو کافر ہیں کہ وہ نئی نئی ایجادیں کردیں جن سے بہت سے شبہات حل ہوگئے۔ (ایضاً)

اہمیت حقوق العباد

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس کو قاضی ثناء اللہ نے رسالہ حقیقت الاسلام میں نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا روز ہوگا بڑے بڑے عالی شان محل لوگوں کو نظر پڑیں گے اور ندا ہوگی کہ ہے کوئی ان محلوں کا خریدار وہ حیران ہوں گے عرض کریں گے کہ اس کو کون خرید سکتا ہے ارشاد ہوگا کہ قیمت تو پوچھی ہوتی (پھر مایوسی ظاہر کی جاتی) وہ قیمت دریافت کریں گے جواب ملے گا کہ اس کی قیمت یہ ہے کہ جس کے ذمہ کسی دوسرے کا حق آتا ہو وہ معاف کردے اس کے عوض یہ محل مل سکتے ہیں۔ ہزاروں آدمی محل خریدنے کو حقوق معاف کر دیں گے اور یہ انہی لوگوں کے ساتھ برتاؤ ہوگا جن کو بخشنا حق تعالیٰ کو منظور ہوگا لیکن خود معاف نہ فرمائیں گے۔ معافی جب ہی ہوگی جب کہ بندے باہم خود معاف کریں شہادت اتنی بڑی چیز ہے مگر حقوق العباد اس سے بھی نہیں معاف ہوتے۔ (شعبان ج ۷)

حقوق العباد

حقوق العباد اتنی بڑی چیز ہیں۔ لوگوں کو اس کی پرواہی نہیں۔ نماز روزہ کرتے ہیں تسبیح پڑھتے ہیں۔ کسی کا اناج دبالیا، زمین دبالی، خصوصاً زمینداروں کو بالکل اس طرف توجہ نہیں اور وہ کہتے ہیں۔

لاریاسة الا بالسیاسة ای بالسیاسة المتلفة لحقوق الغیر

ریاست بدون سیاست کے نہیں ہوتی یعنی ایسی سیاست سے جو حقوق غیر کو تلف کرنے والی ہو۔

ایک صاحب بہت معمر ہمارے ہاں کے پرنالہ کا چونا اکھاڑ رہے تھے۔ کہا گیا یہ کیا کرتے ہو۔ جواب دیا اجی میں مخادیم بھی ہوں جیون بھی ہوں۔ غرض یہ مخدومیت و شیخ زادگی کا

قیام بغیر ظلم نہیں ہوتا اس لئے ظلم کرتا ہوں کہ ظلم نہ کرنا شیخ زادگی کے خلاف ہے چونکہ مخادیم ہیں اس لئے بغیر ظلم کئے کیسے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔انہوں نے ہی کہیں مسخرے پن سے کیکر کاٹ لیا کہیں کسی کا قرض لے کر مار لیا چار سو، پانچ سو، چار ہزار، پانچ ہزار کچھ پرواہی نہیں۔زمینداری میں بڑا ظلم ہوتا ہے۔اس سے قلب مسخ ہو جاتا ہے۔(بھلائی برائی کی تمیز نہیں کر سکتا)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ کافر کا حق مار لو۔اس کا کچھ حرج نہیں۔حالانکہ یہ زیادہ حرج کی بات ہے۔اس لئے کہ قیامت میں جب نیکیاں چھین کر اہل حقوق کو دی جاویں گی تو مسلمان کو ہی اگر ملیں تو اچھا ہے اس سے کہ کافر کو ملیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ بڑے محقق عالم تھے فرمانے لگے کہ اگر بے ایمانی ہی کرنا ہو تو مسلمان کا حق مارے۔کافر کی حق تلفی نہ کرے تا کہ نیکیاں کافر کے پاس نہ جاویں۔(شعبان ج ۷)

ریل کا کرایہ

میرے ایک دوست نے اس رقم ریلوے کے ادا کرنے کی ایک ترکیب سوچی ہے اور مجھ سے بیان کیا کہ جس لائن کی رقم رہ گئی ہے اس رقم کا اسی لائن کا ٹکٹ جتنی دور تک کا مل سکے خرید کر چاک کر ڈالے اور استعمال میں نہ لاوے (اس لئے کہ جس لائن کا نقصان کیا تھا وہ اس طریق پر پورا کر دیا گیا) میں نے بھی پسند کیا مگر خیال رہے کہ ایک لائن کا حق دوسری لائن کا ٹکٹ لینے سے ادا نہ ہوگا۔اس لئے کہ کمپنی جدا ہے۔ایسٹ انڈیا اودھ روہیل کھنڈ وغیرہ۔مگر یہ وقت ایسا عجب ہے کہ اگر کوئی حقوق سے سبکدوش ہونا چاہے تو اس کو احمق بتاتے ہیں۔

چنانچہ میرے ایک دوست بی ،اے سفر میں بوجہ تنگی وقت بغیر وزن کرائے اسباب کے ریل میں سوار ہو گئے۔اسٹیشن پر پہنچ کر ٹکٹ بابو سے کہا کہ اسباب بظاہر زیادہ ہے اور قصہ بیان کیا اور کہا کہ آپ وزن کر کے محصول لے لیجئے وہ منہ دیکھنے لگا اور کہا لے بھی جاؤ بغیر محصول کے۔انہوں نے کہا کہ آپ مالک نہیں اس لئے آپ کیسے چھوڑ سکتے ہیں وہ ان کو اسٹیشن ماسٹر کے پاس لے گیا۔اس نے بھی وہی کہا جو ٹکٹ بابو نے کہا تھا۔انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو اس کو جواب دیا تھا۔پھر وہ دونوں باہم انگریزی میں گفتگو کرنے لگے۔یہ بھی بی اے تھے گفتگو کو سمجھ گئے۔وہ کہہ رہے تھے کہ اس شخص نے شراب پی ہے انہوں نے کہا میں نے شراب نہیں پی۔اہل حق کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔(ایضاً)

وقف ومیراث

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ آپ چراغ کی روشنی میں مال وقف کا حساب لکھ رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے ان کو آتے ہوئے دیکھ کر آپ نے چراغ گل کر دیا انہوں نے دریافت کیا کہ اس میں کیا مصلحت تھی آپ نے فرمایا کہ یہ چراغ بیت المال کے تیل کا ہے اگر روشن رہنے دیتا اور آپ سے باتیں کرتا تو باتوں میں اس کا صرف کرنا درست نہ تھا اور اگر آپ سے باتیں نہ کرتا تو مروت کے خلاف تھا۔

اسی طرح میراث میں سلف سخت احتیاط کرتے تھے ایک بزرگ ایک دوست کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے وہاں گئے تو ان کو نزع کی حالت میں پایا چنانچہ تھوڑی دیر میں ان کا انتقال ہو گیا وہاں چراغ جل رہا تھا آپ نے فوراً اسے گل کر دیا اور اپنے پاس سے پیسے دے کر تیل منگایا اور اس سے چراغ روشن کیا اور فرمایا کہ وہ تیل مرحوم کی ملک اسی وقت تک تھا جب تک کہ وہ زندہ تھے اور انتقال کرتے ہی تمام ورثاء کی ملک ہو گیا۔ جس میں بعض ورثاء یتیم ہیں۔ بعض غائب ہیں۔ اس لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔

فیصلہ کا طریقہ

لایقضی القاضی و هو غضبان (کہ قاضی کو چاہیے کہ غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے)

میاں جی وغیرہ کو بھی چاہیے کہ غصہ میں نہ ماریں جب غصہ آئے تو خاموش ہو جائیں جب غصہ اتر جائے تو غور کریں کہ کتنی سزا دینی چاہیے اور ہر جرم پر تھپڑ یا قمچیوں کا عدد مقرر کر لیں یہ نہیں کہ بے طرح مارنا شروع کر دیا خواہ ہاتھ ٹوٹے یا ٹانگ کہ جو شخص اس دستور العمل کا لحاظ رکھے گا اس کے ہاتھ سے ظلم نہ ہوگا۔ (احکام الجاہ ج ۸)

اہل خانہ کی خبر گیری

ابھی کل پرسوں کا واقعہ ہے کہ میں صبح کی سنتیں پڑھ رہا تھا کہ بڑے گھر سے آدمی دوڑا ہوا یہ خبر لایا کہ گھر میں سے کوٹھے کے اوپر سے گر گئی ہیں میں نے خبر سنتے ہی فوراً نماز توڑ دی یہاں تو سب سمجھ دار لوگ ہیں مگر شاید بعض ناواقف اپنے دل میں اس وقت یہ کہتے ہوں کہ ہائے بیوی

کے واسطے نماز توڑ دی بیوی سے اتنا تعلق ہے کہ خدا کی عبادت کو اس کے لئے قطع کر دیا۔ بے شک اس وقت اگر کوئی دکاندار پیر ہوتا وہ ہرگز نماز نہ توڑتا کیونکہ اس سے جاہل مریدوں کی نظر میں ہیٹی ہوتی مگر الحمدللہ مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کوئی کیا کہے گا اگر کسی کی نظر میں اس فعل سے میری ہیٹی ہوئی وہ شوق سے کوئی دوسرا شیخ تلاش کر لیں جب خدا کا حکم تھا کہ اس نماز کو توڑ دو تو میں کیا کرتا کیا اس وقت جاہلوں کی نظر میں بڑا بننے کے لئے میں حکم خداوندی کو چھوڑ دیتا اور جریج عابد کی طرح نماز میں مشغول رہتا وہ تو اس حکم سے ناواقف تھے اس لئے معذور تھے مگر میں بحمداللہ اس حکم سے ناواقف نہ تھا ظاہر ہے کہ جب بیوی کوٹھے پر سے گری تو اس کی چوٹ کو شوہر ہی ہلکا کر سکتا ہے اور وہی دریافت کر سکتا ہے کہ چوٹ کہاں لگی کہاں نہیں لگی خصوص ایسی حالت میں کہ گھر کے اندر بجز ایک ناسمجھ بچی کے اور ایک معذور بڑھیا کے کوئی امداد کرنے والا بھی نہ تھا اور امداد کرنے والے ہوں بھی تو کوٹھے سے گر جانا بعض دفعہ ہلاکت کا سبب ہو جاتا ہے فوراً ہی کوئی تدبیر ہو جائے تو زندگی کی آس ہو سکتی ہے اس لئے بھی مجھ کو فوراً جانا ضروری تھا اس لئے میں نے شرعاً نماز کا توڑ دینا اور فوراً جا کر ان کی خبر گیری کرنا ضروری سمجھا۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے کہ حضرات حسین رضی اللہ عنہ میں سے کوئی ایک صاحبزادے مسجد میں آ گئے اس وقت وہ چھوٹے بچے تھے چلتے ہوئے لڑکھڑاتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ توڑ کر انکو دور ہی سے گود میں اٹھا لیا حالانکہ خطبہ بحکم صلوٰۃ ہے جو بدون کسی سخت عذر کے قطع نہیں ہو سکتا۔

تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نواسوں کے لئے خطبہ توڑ دیا تو میں کیا چیز تھا کہ اتنے بڑے حادثے کے وقت سنتوں کی نیت نہ توڑتا اس میں بیوی کی رعایت نہ تھی بلکہ حق تعالیٰ کی رعایت تھی کیونکہ اس وقت خدا کا حکم یہی تھا خدا کے حکم کے سامنے بیوی کیا چیز ہے اگر حق تعالیٰ کسی وقت بیوی کے قتل کا حکم دیں تو سچا مسلمان ایسا بھی کر دے گا اور جہاں وہ اس کی خبر گیری کا حکم دیں وہاں وہ اس کے لئے نماز بھی توڑ دے گا اور دونوں صورتوں میں دونوں فعلوں کا سبب حق اللہ ہی ہوگا پس جس جگہ شریعت ترک معمولات کا امر کرتی ہو جیسے سفر میں رفقاء کی رعایت سے فرائض وسنن موکدہ پر اکتفا کرنا یا جس جگہ نماز توڑنے کا امر کرتی ہو جیسے کسی مسلمان کی حفاظت وخبر گیری کے لئے ایسا کرنا وہاں معمولات کی پابندی کرنا غلو فی الدین اور تقویٰ کا ہیضہ ہے۔ (ماعلیہ الصبر ج ۹)

بچوں پر ظلم

بعض دفعہ چھوٹوں پر بھی بری طرح غصہ کیا جاتا ہے اور وہ بالکل بے بس ہوتے ہیں ان کی طرف سے کچھ بھی بدلہ نہیں ہوسکتا' بچوں پر جو ظلم ماں باپ سے یا میانجی صاحباں سے ہوتا ہے وہ اسی قبیل سے ہے بعضے ماں باپ ایسے قصائی ہوتے ہیں کہ بچوں کو اس طرح مارتے ہیں جیسے کوئی جانوروں کو مارتا ہے بلکہ جیسے کوئی چھت کوٹتا ہو اور جو کوئی کہے تو کہتے ہیں ہمیں اختیار ہے ہم اس کے باپ ہیں یاد رکھئے باپ ہونے سے ملک رقبہ حاصل نہیں ہوتی ورنہ یہ بھی ہوتا ہے کہ باپ بیٹے کو بیچ لیا کرتا باپ کا رتبہ حق تعالیٰ نے بڑا بنایا ہے نہ اس واسطے کہ چھوٹے اس کی ملک ہوں اور اس سے چھوٹوں کو تکلیف پہنچے بلکہ اس واسطے کہ چھوٹوں کی پرورش کرے اور ان کو آرام دے ہاں کبھی اس آرام دینے ہی کی ضرورت سے سزا اور تادیب کی حاجت بھی پڑتی ہے اس کی اجازت ہے اور ''الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ'' (ضروری بقدر ضرورت ہی ضروری ہوتا ہے) کے قاعدہ سے اتنی ہی تادیب کی اجازت ہوسکتی ہے جو پرورش اور تربیت میں معین ہو نہ اتنی جو درجہ ایلام تک پہنچ جائے اور ماں باپ سے ایسی زیادتی قطع نظر گناہ ہونے کے انسانیت اور فطرت کے بھی خلاف ہے ماں باپ کو تو حق تعالیٰ نے محض رحمت بنایا ہے ان سے ایسی زیادتی ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص انسانیت سے بھی خارج ہے اور میانجی صاحبوں کی تو کچھ پوچھئے ہی نہیں انہوں نے تو ایک مثل یاد کرالی ہے کہ ہڈی ماں باپ کی اور چمڑی استاد کی نہ معلوم یہ کوئی قرآن کی آیت ہے یا حدیث ہے یا فقہ میں کہیں لکھا ہے اور لطف یہ ہے کہ بعض دفعہ غصہ تو آتا ہے بیوی پر کیونکہ گھر میں لڑائی ہوئی تھی اب بیوی پر تو کوئی بس چلا نہیں وہ غصہ باہر بچوں پر اترتا ہے یہ تو عیسائیوں کا کفارہ ہوگیا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی میانجی صاحبان یاد رکھیں کہ قیامت کے دن اس کا دینا ہوگا یہاں بچوں کی چمڑی آپ کی ہے وہاں آپ کی چمڑی بچوں کی ہوگی کیا تماشا ہوگا کہ وہ بچے جوان کے محکوم تھے علی روس الخلائق ان کو پیٹ رہے ہوں گے قطع نظر اس سے ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ زیادہ مارنا تعلیم کے لیے بھی مفید نہیں ہوتا بلکہ مضر ہوتا ہے ایک تو یہ کہ بچے کے قوے کمزور ہوجاتے ہیں دوسرے یہ کہ ڈر کے مارے سارا پڑھا لکھا بھی بھول جاتا ہے تیسرے جب بچہ پٹتے پٹتے عادی ہوجاتا ہے تو بے حیا بن جاتا ہے پھر پٹنے سے اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا

اس وقت یہ مرض لا علاج ہو جاتا ہے اور ساری عمر کے لیے ایک خلق ذمیم یعنی بے حیائی اس کی طبیعت میں داخل ہو جاتی ہے الغرض غصہ میں کبھی تو ظلم ہوتا ہے جبکہ انتقام کی قدرت ہو اور جب انتقام کی قدرت نہ ہو تو کینہ پیدا ہوتا ہے پھر اس سے طرح طرح کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً حسد پیدا ہوتا ہے پھر اس سے ایذا رسانی کی فکر ہوتی ہے پھر مکر و فریب کی عادت پڑ جاتی ہے یہ سب امراض ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اور یہ سب اولاد ہے اسی ایک مرض کی جس کا نام کبر ہے اب تو آپ کو اس کی برائیاں معلوم ہو گئی ہوں گی۔ (اوج قنوج ج ۱۱)

اہل اللہ کی حالت

اہل اللہ اپنے متبعین پر گویا فدا ہوتے ہیں ہمارے حضرت نے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر اب میں تھانہ بھون جاؤں تو کہاں ٹھہروں، پھر خود ہی فرمایا کہ اشرف علی کے ہاں ٹھہروں، دیکھئے کسی عزیز قریب کا نام نہیں لیا' لیا تو ایک خادم ہی کا نام لیا' یہ شفقت ہوتی ہے بزرگوں کے خدام پر ایک مرتبہ حضرت نے میری اہلیہ کو ایک کپڑا بطور تبرک دیا' اس پر ایک خادمہ نے عرض کیا کہ فلانی آپ کی رشتہ دار پوتی ہے اس کے لیے بھی دیجئے فرمایا ہم کسی بیٹی پوتی کو نہیں جانتے ہمارے پوتے وہی ہیں جن کو اللہ کے لیے ہم سے تعلق ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ اولاد اور رشتہ داروں سے ان کو تعلق نہیں ہوتا' ان کو تعلق سب سے ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی ان کے رشتہ داروں سے بدسلوکی کرے تو اول جوش انہیں کو ہوگا کیونکہ ادائے حقوق ضروری ہے اور اہل اللہ سے بہتر کوئی ادائے حقوق نہیں کر سکتا کیونکہ یہ حقوق کو شریعت کے موافق ادا کرتے ہیں اور شریعت سے بہتر کوئی حقوق کو نہیں جان سکتا اور وہ جوش بجا ہوتا ہے کیونکہ کسی شخص کے رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس شخص کے ساتھ محبت نہ ہو' رشتہ دار تو بڑی چیز ہیں ادنیٰ تعلق جس چیز کو محبوب کے ساتھ ہوتا ہے محب کے نزدیک وہ بھی محبوب ہوتی ہے۔ دیکھئے سگ لیلیٰ کے ساتھ مجنوں نے کیا برتاؤ کیا اس کو گود میں اٹھا لیا' کسی نے کہا کہ یہ کیا حرکت ہے تو وہ کہتا ہے:

پاسبان کوچہ لیلیٰ است ایں

(یہ لیلیٰ کے کوچہ کا چوکیدار ہے)

محبت ایسی ہی چیز ہے یہ وجہ اہل اللہ کے اس غصہ کے بجا ہونے کی حضرت شیخ عبدالقدوس رحمتہ اللہ علیہ کے ایک بیٹے کے ساتھ بعض خلفاء شیخ نے بدسلوکی کی تو شیخ کو

بڑے غصہ کا خط ان کے پاس گیا' ان کا غصہ دراصل ان رشتہ داروں کی طرف داری سے نہیں ہوتا بلکہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مدعی محبت کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہوا اس تصنع سے وہ بھڑک اٹھتے ہیں تو کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہل اللہ کو اولاد سے کوئی تعلق نہیں یا ان کو ہم سے بھی زیادہ تعلق ہوتا ہے چنانچہ ہمارے وطن میں ایک معلمہ کے پاس ایک لڑکی پڑھنے آئی' وہ لڑکی سید کی تھی تو اس معلمہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں اور کہا ہماری بچی آئی ہے اس پر اچھی طرح توجہ رکھنا' دیکھئے کتنے بعید رشتہ کا یہ خیال ہے۔ غرض اہل اللہ کو عزیز واقارب سے بھی محبت ہوتی ہے اور متبعین سے بھی ہوتی ہے اور انہیں کی محبت کا عکس متبعین کی محبت میں دکھائی دیتا ہے۔ (اوج قنوج ج۱۱)

مسلمان اور حقوق انسانی

حضرت اسلام ایسی چیز ہے کہ مسلمان انسانی حقوق تو کیا ضائع کرتا وہ تو حیوانات پر بھی رحم کرتا ہے۔ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ انہوں نے سفر میں ایک دکاندار سے شکر خریدی اور کپڑے میں باندھ لی۔ گھر جا کر کھولا تو اس میں ایک چیونٹی نظر آئی یہ دیکھ کر آپ کو بے حد قلق ہوا کہ نہ معلوم بیچاری اپنے کس کس عزیز سے الگ ہوئی ہوگی' اس کا دل ان کی جدائی سے تڑپتا ہوگا۔ آخر اسی طرح کپڑا باندھ کر پھر سفر کر کے جہاں سے شکر لائے تھے وہیں لا کر اسی دکان پر کپڑا کھولا اور چیونٹی کو اس کے مستقر پر پہنچایا۔ تو دیکھئے اتنی ہمدردی۔ یہ اثر ہے تعلیم اسلام کا کہ انسان تو انسان حیوان پر بھی اسلام ہمدردی کرتا ہے۔ اتنا ترحم ہے اسلام میں کہ حیوانات کے بھی حقوق مقرر کئے ہیں۔ ان پر بھی ظلم وستم کو جائز نہیں رکھا۔ اس کے متعلق بھی بہت سے احکام ہیں۔ چنانچہ اس میں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ میں نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے اس کا نام ہے ارشاد الہائم فی حقوق البہائم۔ اس میں بتلایا ہے کہ حیوانات کے حقوق کیا ہیں اور کیا برتاؤ ان سے کرنا چاہیے۔ اور ہر حکم حدیث سے ثابت کیا ہے اپنی طرف سے نہیں لکھا۔ تو جس اسلام نے جانور پر بھی رحم کیا ہے' کیا وہ انسان پر رحم نہ کریگا۔ ضرور کریگا۔ اب اگر کسی حکم میں کسی کو جبر وتشدد کا شبہ ہو تو چونکہ وہ ایسے اسلام کے حکم سے ہوا ہے جس میں اتنا رحم ہے تو وہ واقع میں جبر وتشدد نہیں ہے ضرور اس میں کوئی عظیم مصلحت ہوگی۔ مگر حقیقت میں جس کی وجہ سے وہ جبر عین رحمت و مصلحت ہے اس وقت وہ مصلحت

اسی کو مقتضی ہے اس کو ہر شخص اپنے معاملات میں غور کر کے سمجھ سکتا ہے کہ بعض دفعہ ہم ضرورت کی وجہ سے اولاد تک کے ساتھ سختی کرتے ہیں اور مجبوراً کرنا پڑتی ہے بدون اس کے کام نہیں چلتا۔ یعنی دوسرے کی اصلاح بدوں اس کے نہیں ہوتی۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

حقوق المال

ہمارے ایک دوست کا، جو کہ بی اے ہیں، واقعہ ہے کہ وہ ایک بار ریل کا سفر کر رہے تھے، ان کے پاس اسباب پندرہ سیر سے زیادہ تھا، اسٹیشن پر تنگی وقت کی وجہ سے وہ اس کو وزن نہ کرا سکے۔ اس وقت تو جلدی میں سوار ہو گئے لیکن جب منزل مقصود پر اترے تو وہاں کے بابو سے جا کر اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں جلدی میں اسباب کو وزن نہ کرا سکا۔ اب آپ اس کو وزن کر لیں اور جو محصول میرے ذمہ ہو اس کو وصول کر لیجئے۔ بابو نے انکار کیا کہ مجھ کو فرصت نہیں تم ویسے ہی لے جاؤ ہم تم سے محصول نہیں لیتے۔ انہوں نے کہا کہ صاحب آپ کو اس معافی کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ آپ ریلوے کے مالک نہیں بلکہ ملازم ہیں آپ کو محصول مجھ سے لینا چاہیے مگر اس نے پھر بھی انکار کیا تو یہ اسٹیشن ماسٹر کے پاس گئے۔ اس نے بھی کہا کہ آپ بلا تکلف سامان لے جائیں ہم آپ سے محصول نہیں لیتے۔ انہوں نے اس سے بھی کہا کہ آپ کو معافی کا کوئی حق نہیں۔ اس کے بعد اسٹیشن ماسٹر اور اس بابو میں انگریزی میں گفتگو ہونے لگی۔ وہ یہ سمجھے کہ یہ مسافر انگریزی نہیں سمجھتا ہوگا (کیونکہ ان کی صورت ملانوں کی سی تھی)۔

غرض ان دونوں کی اس گفتگو میں یہ رائے قرار دی کہ یہ شخص شراب پئے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ہمارے انکار کے یہ محصول دینے پر اصرار کرتا ہے۔

انہوں نے جواب دیا کہ صاحب! میں نے شراب نہیں پی بلکہ ہمارا مذہبی حکم ہے کہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رکھو۔

اس پر وہ دونوں بولے کہ صاحب! ہم تو اس وقت اسباب وزن نہیں کر سکتے آخر یہ اسباب اٹھا کر پلیٹ فارم سے باہر لائے، اور سوچنے لگے کہ یا اللہ! اب میں ریلوے کے اس حق سے کس طرح سبکدوشی حاصل کروں۔ آخر خدا نے امداد کی، اور یہ بات دل میں ڈالی کہ جتنا اسباب زیادہ ہے اس کے محصول کے برابر ایک ٹکٹ اسی ریلوے کے کسی اسٹیشن کا لیکر چاک کر دیا جاوے۔ اس طرح ریلوے کا حق اس کو پہنچ جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔

میرے ایک دوست کا جو کہ ڈپٹی کلکٹر بھی تھے۔ واقعہ ہے کہ ان کا ایک بچہ ریل کے سفر میں ان کے ہمراہ تھا، جس کا قد بہت کم تھا کہ دیکھنے میں دس سال کا معلوم ہوتا تھا۔ مگر اس کی عمر تقریباً تیرہ سال کی تھی اور ریلوے کے قاعدہ سے اس عمر کے بچے کا ٹکٹ پورا لینا ضروری ہے انہوں نے اس کا ٹکٹ لینا چاہا تو ساتھیوں نے بہت منع کیا کہ اس کو تیرہ سال کا کون کہہ سکتا ہے آپ آدھا ٹکٹ لے لیجئے۔ کوئی کچھ نہ کہے گا انہوں نے کہا کہ بندے کچھ نہ کہیں گے تو کیا حق تعالیٰ بھی باز پرس نہ فرمائیں گے کہ تم نے دوسرے کی چیز میں تھوڑی اجرت پر بدوں اس کی اجازت کے کیوں تصرف کیا۔ غرض انہوں نے پورا ٹکٹ لیا اور ان کے ساتھی ان کو بیوقوف بناتے رہے مگر

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد　　　جو دیوانہ نہیں ہوا وہی دیوانہ ہے

حقیقی مفلسی

حدیث مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا **اتدرون من المفلس فیکم** (کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟) صحابہ نے عرض کیا **من لا درھم له ولا دینار** (الصحیح لمسلم کتاب البر والصلۃ: ۵۹، سنن الترمذی: ۲۴۱۸، کنز العمال: ۱۰۳۲۷۔) جس کے پاس درہم و دینار نہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ مفلس وہ ہے جو آخرت میں اس حالت میں جائے گا کہ اس کے پاس نماز بھی ہے روزہ بھی ہے زکوٰۃ بھی ہے حج بھی ہے اور بہت سے اعمال ہر قسم کے ہیں مگر اسی کے ساتھ ہی اس نے کسی کو مارا بھی تھا کسی کو گالیاں بھی دی تھیں کسی کی غیبت کی تھی، پس ایک آیا اس کی نماز لے گیا، دوسرا آیا اس کی زکوٰۃ لے گیا، کوئی حج لے گیا کوئی اور اعمال لے گیا پھر بھی بعضے حقدار باقی رہ گئے تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے گئے وہ تو جنت میں چلے گئے اور یہ سب کے گناہوں کو لے کر جہنم میں بھیج دیا گیا، یہ شخص اپنے کو غنی سمجھتا تھا مگر حقوق العباد ضائع کرنے کی وجہ سے سب نیکیاں اہل حقوق لے گئے اور یہ کورے کا کورا رہ گیا۔ درمختار میں روایت ہے (واللہ اعلم بصحتہا وضعفہا ۱۲) کہ ایک دانگ کے بدلہ میں سات سو مقبول نمازیں دی جائیں گی بھلا اتنی نمازوں کو کون چھوڑ دے گا تم ہی سوچو! وہاں تو ہر شخص ایک ایک نیکی پر جان دے گا۔ صاحبو! اس کی فکر بہت ضروری ہے مگر افسوس کہ لوگوں کو ذرا فکر نہیں۔ (المودۃ الرحمانیہ ج ۱۴)

ذاتی حقوق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:" ان لنفسک علیک حقا وان لعینک علیک حقا و ان لجسدک علیک حقا و ان لاھلک علیک حقا "

(الکامل لابن عدی ۳:۷:۹۰۷، مسند أحمد ۱:۲۰، کنز العمال ۳:۱۲۹۱۸)

تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور آنکھ کا بھی اور جسم کا اور اہل وعیال کا بھی حق ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان اشیاء میں آپ خود مختار نہیں ہیں بلکہ یہ حق تعالیٰ کی امانتیں ہیں جن کی حفاظت آپ کے ذمہ ضروری ہے اس حیثیت سے ان کے ساتھ محبت کرنا عین محبت حق ہے باقی لنفسک اور لعینک اور لجسدک میں جو آپ کی طرف اضافت ہے یہ محض آپ کا دل بہلانے کیلئے اور دل خوش کرنے کے واسطے ہے تا کہ تم کو یہ شبہ نہ ہو کہ جب یہ چیزیں انہی کی ہیں تو نامعلوم کب لے لیں اس لئے تمہارا دل بہلا دیا کہ نہیں یہ چیزیں تمہاری ہی ہیں مگر ہمارے کہنے سے ان کے حقوق ادا کرو۔ (ایضاً)

اہمیت حقوق

بعض ایسا کرتے ہیں کہ باوجود وسعت کے ایک ہی جانور کی قربانی کرتے ہیں اگر کسی کو وسعت کافی ہو تو اس کو چاہیے گو واجب نہیں مگر آخر حقوق بھی کوئی چیز ہیں اس بناء پر مناسب ہے کہ اپنے بزرگوں کی طرف سے بھی قربانی کرے اور ایک قربانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی کرے آپ کو امت کے ساتھ کیسی محبت تھی کہ آپ اپنی طرف سے تو قربانی کرتے ہی تھے ایک قربانی زیادہ کرتے تھے اور فرماتے کہ یہ ان لوگوں کی طرف سے ہے کہ جو میری امت میں سے قربانی کی وسعت نہیں رکھتے اور ایک روایت میں ہے کہ عن محمد وامتہ اور ایک روایت میں ہے ھٰذا عمن آمن بی و صدقنی (ہکذا فی جمع الفوائد) (یہ اس کی طرف سے جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تعریف کی) دیکھئے کیسی محبت تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ساتھ حالانکہ ہم اس وقت موجود بھی نہ تھے مگر آپ کو ساری امت سے غائبانہ محبت تھی۔

مانبودیم و تقاضا ہم نبود لطف تو ناگفتہ مامی شنود

(نہ ہم تھے نہ ہمارا تقاضا تھا تیرے لطف نے ہمیں بغیر مانگے ہی نواز دیا)

ادائے حق محبت عنایت ست ز دوست ورنہ عاشق مسکین بہ ہیچ خورسندست

(محبت کا حق ادا کرنا دوست کی عنایت ہے ورنہ مسکین عاشق کے پاس تو کچھ نہیں بھی تو پھر بھی راضی ہے) (سنت ابراہیم ج ۱/۷)

حقوق کی نگہداشت

حقوق العباد کو حتی الوسع ادا کرے اس وقت حقوق کے متعلق ذرا خیال نہیں ہے۔ یاد رکھو! کہ اگر کسی کے تین پیسے بھی کسی کے ذمے رہ گئے تو اس کی سات سو نمازیں اس صاحب حق کو دلوائی جائیں گی۔ آج کل دوسرے کا حق ادا کرنا ایسا گراں ہوتا ہے گویا کہ اپنے گھر سے دے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض اوقات تو صاحب حق کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ اللہ کے واسطے دے دو اور اسی سبب سے دوسرے کو قرض دینے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے اسی لیے قرض میں اٹھارہ گنا ثواب ملتا ہے اور صدقے میں دس کا ملتا ہے۔ اٹھارہ کا حساب اس طرح ہوا کہ اصل میں صدقہ سے مضاعف ملا تھا ایک کے مقابلہ میں دو مگر جب اصل روپیہ واپس مل گیا تو اس کے مقابلے میں دو کٹ گئے اور اٹھارہ رہ گئے اور ہمارے اس برتاؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر لوگوں کو قرض نہیں ملتا۔ آج مسلمانوں میں بہت سے لوگ اپنے بھائیوں کا کام نکال سکتے ہیں کہ مالدار ہیں مگر کسی وجہ سے خود تجارت نہیں کرنا چاہتے اور چاہتے ہیں کہ کوئی دوسرا کام میں لگا لے تاکہ حفاظت سے بچیں مگر اس خوف سے نہیں دیتے کہ ان سے وصول کون کرے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو وقت ضرورت مہاجن سے قرض لینا پڑتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند روز کے بعد تمام گھر بار کا مالک مہاجن ہی ہو جاتا ہے اور یہ محض مسلمانوں کی بے اعتباری کی وجہ سے ہے۔ مظفر نگر میں میرے ایک دوست سے ایک شخص نے دس روپے یہ کہہ کر قرض لیے کہ آج میرے مقدمے کی تاریخ ہے اور گھر سے دن کے دن منگا نہیں سکتا تم اس وقت دے دو میں وطن جاتے ہی بھیج دوں گا۔ غرض انہوں نے جب وطن جا کر بھی مدت تک نہ بھیجا انہوں نے تقاضا شروع کیا' اخیر میں کہا کہ کیا ہمارا کوئی رقعہ ہے صبر کر کے بیٹھ رہے اور پھر غضب یہ کہ اس حرکت کو دین کے خلاف بھی نہیں سمجھتے۔ صاحبو! کیا قبر میں جا کر جواب دو گے؟ اپنے سارے کام کر لیتے ہیں مگر دوسرے کا قرض نہیں دیتے اور اگر کوئی مانگتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ کیا قرض مار میں ہے اور اس سب کی وجہ ایک ہی بھاری مرض ہے کہ دین کی فکر نہیں۔ بہت

سے مسلمانوں کو دیکھا ہے کہ ریل میں زیادہ مال لے جاتے ہیں اور ذرا پروانہیں کرتے بلکہ بعضے تو کہتے ہیں کہ کافر کا حق مار لینا کچھ ڈر نہیں حالانکہ وہ بھی واجب التحرز ہے بلکہ ایک بزرگ تو یہ کہتے تھے کہ مسلمان کا تو چاہے لے لو لیکن کافر کا حق نہ لو کیونکہ مسلمان سے تو یہ امید ہے کہ وہ قیامت میں معاف کر دے اور کافر سے تو یہ بھی امید نہیں۔ دوسرے اگر معاف نہ کیا تو خیر اپنی نیکیاں اپنے ہی بھائی کے پاس جائیں گی دشمن کے پاس تو نہ جائیں گی۔ (ازالۃ الغفلۃ ج ۱۸)

میراث میں بے احتیاطی

میراث میں تو ایسی گڑبڑ ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ جس کے ہاتھ جو آ گیا وہ اس نے دبالیا' اکثر دیکھا گیا ہے کہ بیوی مہر معاف کر دیتی ہے لیکن پھر بعد وفات ورثاء سے اختلاف کر کے وصول کر لیتی ہے۔ بعضے لوگ شرعی حیلے ایجاد کر کے ورثاء کو نہیں دینا چاہتے۔ (ایضاً)

فضولیات سے اجتناب

میں کہتا ہوں کہ تمہارے کھانے کپڑے کے عوض میں بیبیاں تمہاری اس قدر خدمت کرتی ہیں کہ اتنی تنخواہ میں کوئی نوکر یا ماما ہرگز نہیں کر سکتی جس کو شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے بدوں بیوی کے گھر کا انتظام ہو ہی نہیں سکتا چاہے تم لاکھ خادم رکھو۔ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے جن کی معقول تنخواہ تھی مگر بیوی نہ تھی نوکروں کے ہاتھوں خرچ تھا تو ان کے گھر کا خرچ اس قدر بڑھا ہوا تھا جسکی کچھ حد نہیں نکاح ہی کے بعد گھر کا انتظام ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر بیوی کچھ بھی گھر کا کام نہ کرے صرف انتظام اور دیکھ بھال ہی کرے تو یہی اتنا بڑا کام ہے جس کی دنیا میں بڑی بڑی تنخواہیں ہوتی ہیں اور منتظم کی بڑی عزت وقدر کی جاتی ہے ۔ دیکھئے ویسرائے ظاہر میں کام کچھ نہیں کرتا کیونکہ اس کے تحت میں اتنا بڑا عملہ کام کرنے والا ہوتا ہے کہ اس کو خود کسی کام میں ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی مگر اس کی جو اتنی بڑی تنخواہ اور عزت ہے محض ذمہ داری اور انتظام کی وجہ سے پس بیویوں کا یہی کام اتنا بڑا ہے جس کا عوض نان ونفقہ نہیں ہو سکتا مگر ہم تو شریف زادیوں کو دیکھتے ہیں وہ خود بھی اپنے ہاتھ سے گھر کا بہت کام کرتی ہیں۔ خصوصاً بچوں کو بڑی محنت سے پرورش کرتی ہیں یہ وہ کام ہے کہ تنخواہ دار ماما کبھی بیوی کی برابری نہیں کر سکتیں۔ (رفع الالتباس عن نفع الالباس ج ۲۰)

حقوق محکوم پر حکایت عجیب

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں ایک باپ نے اپنے بیٹے پر دعویٰ کیا کہ یہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا حضرت عمرؓ نے لڑکے سے دریافت کیا اس نے کہا اے امیر المومنین کیا باپ ہی کا سارا حق اولاد پر ہے یا اولاد کا بھی باپ پر کچھ حق ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اولاد کا بھی باپ کے ذمہ حق ہے: کہا میں ان حقوق کو سننا چاہتا ہوں۔ فرمایا اولاد کا حق باپ پر یہ ہے کہ اولاد حاصل کرنے کے لئے شریف عورت تجویز کرے اور جب اولاد پیدا ہو ان کا نام اچھا رکھے اور جب ان کے ہوش درست ہو جائیں ان کو تہذیب اور تعلیم دین دے۔ لڑکے نے کہا کہ میرے باپ نے ان حقوق میں سے ایک حق بھی ادا نہیں کیا کیونکہ اس نے ایسی باندی کو میری ماں بنایا ہے جو آوارہ گرد تھی۔ اور جب میں پیدا ہوا تو میرا نام جُعَل رکھا (جس کے معنی ہیں گوہ کا کیڑا) اور مجھے دین کا ایک حرف نہیں سکھلایا مجھے دینی تعلیم سے بالکل کورا رکھا۔ یہ سن کر حضرت عمر کو باپ پر بہت غصہ آیا اور اس کو بہت دھمکایا اور یہ کہہ کر مقدمہ خارج کر دیا کہ جاؤ پہلے تم اپنے ظلم کی مکافات کرو اس کے بعد لڑکے کے ظلم کی فریاد کرنا۔ (رفع الالتباس عن نفع الالیاس ج۲۰)

خانگی معاملات

گھر کا خرچ دینے میں بھی یہی گڑبڑ ہے میاں جو کچھ کماتے ہیں بی بی کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں بی بی سمجھتی ہے کہ یہ سب مجھے دیدیا یعنی میری مِلک کر دیا اور جس طرح چاہتی ہیں کھاتی اُڑاتی ہیں اسی میں سے خیرات کرتی ہیں اسی میں سے اپنے میکہ والوں کو خوب دل کھول کر دیتی ہیں کیونکہ اطمینان ہے کہ میری ملک ہے بعض وقت جب میاں دیکھتے ہیں کہ اس بے دردی کے ساتھ میری کمائی اُڑائی جا رہی ہے اور باز پرس کرتے ہیں تو بی بی صاحبہ کہتی ہیں کہ یہ رقم تم نے مجھے دیدی تھی لہٰذا مجھے اختیار ہے جہاں چاہوں خرچ کروں میاں کہتے ہیں میں تجھے کیوں دیتا میں نے تو بطور امانت دیا تھا غرض خوب تکرار ہوتی ہے یہ خرابی اسی گول مول بات کی ہے۔ معاملہ صاف رکھو جو کچھ دو اس کے متعلق تصریح کر دو کہ یہ کس مد میں دیا ہے میری رائے یہ ہے کہ بیوی کو جو کچھ گھر کے خرچ کے لئے بھی دو اس کے متعلق بھی تصریح کر دو کہ یہ رقم امانت ہے گھر کے خرچ میں ہی صرف کر سکتی ہو لیکن بی بی کا یہ بھی حق ہے

کہ اس کو کچھ رقم ایسی بھی دو جس کو وہ اپنے جی آئی خرچ کر سکے جس کو جیب خرچ کہتے ہیں۔ اس کی تعداد اپنی اور بیوی کے حیثیت کے موافق ہو سکتی ہے مثلاً روپیہ دو روپیہ دس بیس پچاس روپیہ جیسی گنجائش ہو یہ رقم خرچ سے علیحدہ دو لیکن صاف کہہ دو کہ وہ رقم تو صرف گھر کے خرچ کی ہے اور یہ رقم تمہارا جیب خرچ ہے یہ تمہاری مِلک ہے اس کو جہاں چاہو خرچ کرو جب تم جیب خرچ الگ دو گے تو تمہارا یہ کہنے کو منہ ہوگا کہ یہ رقم جو گھر کے خرچ کے لئے دی ہے امانت ہے کیونکہ آدمی کے پیچھے بہت سے خرچ ایسے بھی لگے ہوئے ہیں جو اپنی ذات خاص کے ساتھ ہیں، اگر بیوی کو کوئی رقم ذات خاص کے خرچ کے لئے نہ دی گئی کہ جس کو جیب خرچ کہتے ہیں تو وہ امانت میں خیانت کرنے پر مجبور ہوگی اس صورت میں اس پر تشدد کرنا ایک گونہ ظلم اور بے حمیتی ہے یہ طریقہ ہے صحیح معاشرت کا اس میں جانبین کا دین محفوظ رہ سکتا ہے مگر ہم لوگوں کے رسم و رواج کچھ ایسے خراب ہو گئے ہیں کہ اگر اب ایسا کیا جاوے کہ گھر کی چیزوں کو الگ الگ میاں بیوی کے نامزد کیا جاوے تو ایک اچنبھے کی بات معلوم ہوگی اور سب ناک بھوں چڑھانے لگیں گے تمام کنبہ اور برادری میں چرچا ہونے لگے گا۔ چنانچہ ہمارے یہاں ایک بی بی نے ایک کٹورا ہدیۃً دیا تو میں نے پوچھا یہ تم نے کس کو دیا ہے مجھ کو یا گھر کے لوگوں کو تو اب سوچنے لگیں کہ کیا جواب دوں کیونکہ وہ تم رسم و رواج کے موافق اس واسطے لائی تھیں کہ گھر میں کام آوے گا اس سے کیا بحث کہ کس کی ملک ہوگا جب وہ پہلے سے نیت کر کے لائی ہی نہ تھیں تو میرے سوال کے جواب میں کیا کہتیں؟ آخر بہت سوچنے کے بعد یوں کہا اجی میں نے تو دونوں کو دیا ہے میں نے کہا خیر یہی معلوم ہو گیا کہ یہ کٹورا مشترک ہے'' اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے یہاں ایک چیز بھی گول مول نہیں مثلاً چارپائیاں گھر میں ہیں ان میں ایک چارپائی میری ہے ایک دوست نے ایک اچھی سی چارپائی دی تھی اس کو میں نے اپنے نام کر لیا ہے باقی چارپائیاں گھر کے لوگوں کی ہیں اسی طرح ہر چیز بٹی ہوئی ہے یوں برتنے میں سب کے آتی ہیں مگر یہ تو معلوم ہے کہ یہ مِلک کس کی ہے موت حیات سب کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اگر کوئی آدمی گھر میں سے کم ہو جائے تو صاف معاملہ کی صورت میں گڑبڑ تو نہ ہوگی کہ یہ چیز کس کی ہے اور یہ کس کی وہ کہے فلانے کی ہے وہ کہے فلانے کی۔ سارے گھروں میں یہ انتظام ہونا چاہئے اور اس سے جو لوگوں کو وحشت ہوتی ہے اور بُرا مانتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ رسم عام نہیں ہے اگر ایک دو آدمی

ایسا کرتے ہیں تو نئی سی بات معلوم ہوتی ہے اگر یہی رسم عام ہو جاوے تو نہ کوئی بُرا مانے گا نہ اس سے وحشت ہوگی اور اسکے فوائد دیکھ کر سب قائل ہو جاویں گے اور تحسین کرنے لگیں گے زیور میں بھی یہی چاہئے کہ جب بنوایا جاوے تو تصریح کر دی جاوے صاف کہہ دیا جاوے کہ بیوی تمہاری مِلک ہے اور اگر انکی مِلک کرنا نہیں ہے تو صاف کہہ دیا جاوے کہ مِلک میری ہے اور تمہارے واسطے عاریت ہے صرف پہننے کی اجازت ہے اب جو ایسا نہیں کیا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زیور کے متعلق جو حقوق شرعی ہیں ان میں یہی کوتاہی ہوتی ہے مثلاً زکوٰۃ کہ میاں بے فکر ہیں کہ میرے کام میں تھوڑا ہی آ رہا ہے میرے اوپر زکوٰۃ کیوں ہو اور بیوی بے فکر ہیں کہ میری ملک تھوڑا ہی ہے نتیجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کوئی بھی نہیں دیتا، جب خاوند کھسک گئے تو اب بیوی صاحب کہتی ہیں کہ یہ میری مِلک ہے انہوں نے مجھے دیدیا تھا عجیب بات ہے کہ یہ زیور تمام عمر تو پہننے کے لئے تھا اس لئے زکوٰۃ شوہر کے ذمہ واجب کی جاتی تھی اور بعد مرنے کے مالک بننے کے لئے بیوی صاحب موجود ہیں غرض خرچ کے لئے تو خاوند مالک اور آمدنی کے لئے بیوی یہ خرابی کاہے سے پیدا ہوئی۔ صرف اس وجہ سے کہ مِلک علیحدٰہ نہیں کی گئی اور اگر بنوانے کے بعد ہی تصریح کر دی جاتی کہ یہ کس کی مِلک ہے تو یہ کوتاہی نہ ہوتی اور زکوٰۃ دینے کے وقت یہ حیلہ بھی ذہن میں نہ آتا کہ ہر چیز میری تھوڑا ہی ہے بس معاملہ صاف ہونا چاہئے۔ اگر زیور بیوی کی مِلک کر دیا گیا ہے تو زکوٰۃ اسی کے ذمہ ہوگی اور اگر عاریۃً دیا گیا ہے تو زکوٰۃ خاوند کے ذمہ ہوگی (یہ اور بات ہے کہ بیوی کی طرف سے بھی اس کی اجازت سے خاوند ادا کر دے زکوٰۃ اس طرح بھی ادا ہو جاتی ہے۔ کاتب) (کساء النساء ج ۲۰)

مسئلہ حق العبد

ایک خرابی اور لیجئے کہ زیور ہزاروں روپے کا بی بی صاحب کو دیئے جاتے ہیں مگر یہ تصریح نہیں کرتے ہیں یہ زیور مہر بھی محسوب ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیوی کو سب کچھ دیدیا مگر مہر کا ایک پیسہ بھی ادا نہیں ہوا، لاکھ روپے خرچ ہو گئے مگر قرض دار کے قرض دار ہی رہے جو حق العبد ہے اور حق العبد کا جو نتیجہ ہے وہ آپ سن چکے ہیں کہ تین پیسہ کے بدلہ سات سو مقبول نمازیں چھین لی جائیں گی۔ پھر یہ کیا عقلمندی ہوئی کہ خرچ تو دیں مہر سے زیادہ ہو گیا مگر قرضہ بدستور ذمہ باقی رہا۔ ہاں جب دنیا میں مہر کا مطالبہ ہوتا ہے کہ بیوی مر گئیں اور

وارثوں نے مہر کا دعویٰ کیا یا طلاق کا اتفاق ہوا اور بیوی نے مہر کا دعویٰ کیا تو اب شوہر صاحب کہتے ہیں کہ یہ سب زیور میں نے مہر میں تو دیا تھا کوئی اس سے پوچھے کہ خدا کے بندے خدا تو نیت کو جانتا ہے بندوں کی نیت کی کیا خبر؟ تو نے کب کہا تھا کہ یہ زیور مہر میں ہے یوں تم کسی کو لاکھ روپے بخش دو۔ اگر اس کا ایک پیسہ آپ کے ذمہ قرض ہے تو وہ تمہارے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ قرض جب ادا ہوتا ہے جب یہ کہہ کر دو کہ یہ قرض کی رقم ہے تو اگر زیور مہر میں دینا ہے تو دیتے وقت تصریح کر دینا چاہئے کہ یہ مہر میں ہے اور اس کا حساب لکھو یا ذہن میں رکھو۔ غرض گول مول بات کیوں رکھتے ہو یہ حقوق کا معاملہ ہے ایک پیسہ بھی رہ جائے گا تو قرض ہی رہے گا غرض جو کام ہو باضابطہ ہو گول مول نہ ہو۔ (کساء النساء ج ۲۰)

مسئلہ مساواتِ مَرد وزن

لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ ناانصافی ہے کہ ایک صنف کو دوسری صنف سے گھٹا دیا جائے۔ بیبیو! تمہارا بائیں طرف رہنا ہی سلامتی کی بات ہے ہر چیز اپنے موقع پر اچھی ہوتی ہے۔ سَر کی چیز سر ہی پر اچھی ہوتی ہے اور پاؤں کی چیز پاؤں میں اور اس میں سلامتی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عورت میں عقل کم ہوتی ہے اور جس میں عقل کم ہو اس سے ہر کام میں غلطی کرنے کا احتمال ہے لہٰذا اس کے واسطے سلامتی اسی میں ہے کہ وہ زیادہ عقل والے کا تابع ہو، اسی واسطے حق تعالیٰ نے مردوں کو ان پر حاکم بنایا چنانچہ فرماتے ہیں:

الرجال قوامون علی النساء (مرد عورتوں پر حاکم ہیں)

تاکہ ان کے کام سب انکی نگرانی میں ہوں اور غلطی سے حفاظت رہے اس کا نام سختی نہیں ہے بلکہ یہ تو عین عدل و حکمت و شفقت ہے دیکھو بچے ناقص العقل ہوتے ہیں اب اگر ان کو خودسر بنا دیا جاوے اور وہ کسی کے تابع ہو کر نہ رہیں تو اس کا کیا انجام ہوگا؟ پس یہ حق تعالیٰ کی نہایت رحمت ہے کہ عورتوں کو خودسر نہیں بنایا ورنہ ان کا کوئی کام بھی درست نہ ہوتا دین اور دنیا سب کاموں میں ان سے غلطیاں ہوا کرتیں خودسری میں بڑی مصیبت ہے۔ (ایضاً)

حقوق والد و پیر

مردوں میں مشہور ہے کہ باپ کا رتبہ اتنا نہیں جتنا پیر کا رتبہ ہے اس پر ان کے پاس

کوئی شرعی دلیل نہیں محض قیاس ہے۔جس کے مقدمات یہ ہیں لغوی باپ سے تو جسمانی فیض ہوا ہے اور پیر سے روحانی فیض ہوا ہو اس کا رتبہ اس باپ سے زیادہ ہونا چاہیے جس سے جسمانی فیض ہوا ہو۔ان میں سے یہ مقدمہ تو مسلم ہے کہ پیر روحانی باپ ہے مگر یہ مقدمہ مسلم نہیں کہ روحانی باپ کا رتبہ جسمانی باپ سے زیادہ ہے اس واسطے کہ شریعت میں باپ کے حقوق جو کچھ آئے ہیں۔ان کو سب جانتے ہیں اور یہ حقوق اسی کے ہیں جس کو عرفاً باپ کہا جاتا ہے۔پس بدوں حکم شرعی محض تخمینی مقدمات سے فضیلت کا حکم کرنا کیسے صحیح ہے۔ اصل بات صرف اتنی ہے جو باپ حقیقۃً باپ ہے وہ باعتبار دنیا کے باپ ہے۔اور پیر باعتبار دین کے باپ کہا جاتا ہے پس حقیقی باپ کی طرف دنیا کے حقوق راجع ہوتے ہیں اور پیر کی طرف دین کے حقوق راجع ہوتے ہیں۔ان میں خلط ملط کر دینے سے غلطی پیدا ہوتی ہے۔

اب فیصلہ یہ ہے کہ دنیاوی باتوں میں باپ کا حکم مقدم ہے اور دین کی باتوں میں پیر کا۔ اگر پیر دین کی کسی بات کا حکم کرے اور باپ اس سے منع کرے تو ترجیح پیر کے حکم کو ہوگی مثلاً پیر کہتا ہے کہ اس وقت نماز فرض پڑھو اور باپ کہتا ہے کہ یہ وقت دنیا کے فلاں کام کا ہے اس میں حرج ہوگا اس وقت نماز مت پڑھو تو پیر کا حکم مقدم ہوگا اور درحقیقت اس کو پیر کا حکم کیوں کہا جاوے یہ تو خدا کا حکم ہے پیر تو صرف بتانے والا ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ خدا کا حکم سب کے حکموں سے مقدم ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ تقدم ان ہی احکام میں ہوگی جو خدا تعالیٰ کا حکم ہے یعنی مامور بہ ہے اور نوافل وغیرہ میں نہیں ہوگی اس میں باپ کی اطاعت پیر سے مقدم ہے کیونکہ نوافل من جانب اللہ مامور بہ نہیں محض مرغوب فیہ نہیں اور اگر یہ پیر یہ کہتا ہے کہ فلاں جگہ شادی کرلو اور باپ کہتا ہے کہ وہاں شادی مت کرو تو اس صورت میں باپ کا حکم مقدم ہوگا۔ خوب سمجھ لو گڑبڑ مت کرو ہر چیز کو اس کے درجہ میں رکھو افراط تفریط نہ کرو۔(کساء النساء ج ۲۰)

صرف نان نفقہ ہی عورت کا حق نہیں ہے بلکہ یہ بھی حق ہے کہ اسکی دلجوئی کی جائے حدیث میں اِستَوصُوا بِالنِّسَاءِ خَیراً فَاِنَّمَا هُنَّ عَوانٌ عِندَکُم یعنی عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو کیونکہ وہ تمہارے پاس مثل قیدی کے ہیں اور جو شخص کسی کے ہاتھ میں قید ہو ہر طرح اس کے بس میں ہو اس پر سختی کرنا جوانمردی کے خلاف ہے۔دلجوئی کے معنی یہ ہیں کہ کوئی بات ایسی نہ کرو جس سے اس کا دل دکھے، دل کو تکلیف ہو بیبیو! اس سے زیادہ اور وسعت کیا چاہتی ہو۔

نان نفقہ وغیرہ ضابطہ کے حقوق کو تو سب جانتے ہیں اور وہ محدود حقوق ہیں لیکن دلجوئی ایسا مفہوم ہے جس کی تحدید نہیں ہو سکتی کہ جس بات سے عورتوں کو اذیت ہو وہ مت کرو بھلا اسکی تحدید کیسے ہو سکتی ہے۔ اب کہا جا سکتا ہے کہ عورت کے حقوق غیر محدود ہیں اس حدیث میں ایک اور نکتہ پر متنبہ کرتا ہوں کہ لفظ عوان سے پردہ بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ مقید ہی ہو کر رہنے کا نام تو پردہ ہے نیز پردہ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ پردہ کا منشاء حیا ہے اور حیا عورت کے لئے امر طبعی ہے اور امر طبعی کے خلاف پر کسی کو مجبور کرنا باعث اذیت ہے اور اذیت پہنچانا دلجوئی کے خلاف ہے۔ پس عورتوں کو پردہ میں رکھنا ان پر ظلم نہیں ہے بلکہ حقیقت میں دلجوئی ہے اگر کوئی عورت اس کو بجائے دلجوئی کے ظلم سمجھے تو وہ عورت نہیں اس سے اس وقت کلام نہیں یہاں ان عورتوں سے بحث ہے جن میں عورتوں کی فطری حیاء موجود ہو، بے حیاؤں کا ذکر نہیں افسوس ہم ایسے زمانہ میں ہیں جس میں فطری امور کو بھی دلائل سے ثابت کرنا پڑتا ہے۔ (کساء النساء ج ۲۰)

خرچ زوجہ

بعض لوگ ضرورت کھانے پینے میں بھی عورت پر تنگی کرتے ہیں اور اسی کے لئے اصول مقرر کرتے ہیں مثلاً چار آنے روز سے زیادہ نہ دیں گے چاہے کوئی مہمان آوے یا کوئی بیمار ہو جاوے بات بات پر کہتے ہیں کہ بس اس سے زیادہ نہ ملے گا بھلے مانس عورت تو اہل وصول ہے اہل اصول نہیں ہے۔ تم بڑے اہل اصول ہو تو ذرا اپنی ذات کے لئے پابندی کر کے دکھلاؤ اپنے واسطے تو کوئی رقم دو آنہ چار آنہ یا روپیہ کی مقرر کرو کہ اس سے زیادہ کسی حال میں خرچ نہ کرو گے خواہ بیماری ہو یا شادی یا غمی ہو یا کوئی آفت ناگہانی مثلاً کوئی مقدمہ آپ کے سر پڑ جاوے پھر دیکھیں کہ آپ اصول کی پابندی کہاں تک کرتے ہیں سب اصول رکھے رہ جائیں گے ذرا اسی دیر میں سینکڑوں روپیہ پر پانی پھر جاوے گا پھر غریب بیوی کے ساتھ ہی کیوں اصول بگھارتے ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ عورتوں کو فضول خرچی کی اجازت دیدی جاوے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا نے جتنی وسعت تم کو دی ہے جیسا تم اپنی ذات کے لئے خرچ کرتے ہو ویسا ہی اس کو بھی خرچ کرنے دو شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عورت کو راحت دو اس کو پریشان اور تنگ مت کرو نان نفقہ فراغت کے ساتھ اس کی دلجوئی کرو اس کی بہت سی ایذاؤں پر صبر کرو۔ (کساء النساء ج ۲۰)

حقیقت حق

حدیث میں ہے: کُلّکُم رَاعٍ وَ کُلُّکُم مَسئُولٌ عَن رَعِیَّتِہٖ (تم میں سے ہرایک نگہبان ہےاور تم میں سے ہرایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا)

مرداپنے خاندان میں اپنے متعلقین میں حاکم ہے۔ قیامت میں پوچھا جائے گا کہ محکومین کا کیا حق ادا کیا اور محض نان ونفقہ ہی سے حق ادانہیں ہوتا کیونکہ یہ کھانا پینا تو حیات دنیا تک ہے آگے کچھ بھی نہیں اس لئے صرف اس پر اکتفا کرنے سے حق ادانہیں ہوتا چنانچہ حق تعالیٰ نے صاف لفظوں میں ارشادفرمایا: یآ یُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا قُوا اَنفُسَکُم وَاَھلِیکُم نَاراً۔ کہ اے ایمان والو! اپنی جانوں کواپنے اہل کو دوزخ سے بچاؤ یعنی انکی تعلیم کروحقوق الٰہی سکھاؤان سے تعمیل بھی کراؤ۔ جب قدرت ہواس میں آپ معذور نہ ہوں گے کہ ایک دفعہ کہہ دیارسم کے طور پر پھر چھوڑ دیا۔ آپ ایک دفعہ کہنے میں سبکدوش نہ ہوں گے اگر یہی مزاق ہے تو کھانے میں اگر نمک تیز کردیں تو اس وقت بھی اسی مزاق پر عمل کیا جائے ایک بار کہہ دیا کہ بی بی اتنا تیز نمک ہے کہ کھایانہیں جاتا یہ کہہ کر فارغ ہو جائے۔ پھر اگر ایسا اتفاق ہوتو کچھ نہ کہیئے حالانکہ وہاں ایسانہیں کرتے بلکہ اس پر ناراض ہوتے ہیں اگر پھر کرے تو مارنے کو تیار ہو جاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ وہاں سکوت سے ضرر سمجھا جاتا ہےاور دین کے معاملہ میں یوں کہہ دیتے ہیں کہ جیسا کرے گی ویسا بھرے گی اور غور سے دیکھئے تو وہاں ضرر ہی کیا پہنچا صرف یہ کہ کھانا بگڑ گیا اور کیا زیادہ بات ہوئی......؟ یہاں تو دین کا ضرر ہے......بس اب سمجھ لیجئے! جیسے سکوت سے وہاں آپ کا ضرر ہے۔ سکوت سے یہاں بھی آپ کا ضرر ہے۔ کہ ان کے متعلق آپ سے باز پرس ہوگی یہ کیا تھوڑا ضرر ہےاب دوسرے مزاق کے اعتبار سے اور گفتگو کرتا ہوں کوئی آپ کا چاہتا بچہ ہووہ دوانہ پئے تو آپ زبردستی دوا پلاتے ہیں بے مروتی گوارا کرتے ہیں اگر ویسے نہ پئے تو چمچہ سے اس کے منہ میں ڈالتے ہیں اس خیال سے کہ یہ تو بیوقوف ہے، نادان ہے، انجام پراس کی نظر نہیں مگر ہم کو تو اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی ہے وہاں اس کو آزادنہیں چھوڑتے ہرطرح سے اس کی حفاظت رکھتے ہیں سو کیا وجہ ہے کہ وہاں تو اس مزاق سے کام لیا جاتا اور یہاں نہیں لیا جاتا۔ سچ یوں ہے کہ مردوں نے بھی دین کی ضرورت کو ضرورت نہیں سمجھا کھانا ضروری، فیشن ضروری، ناموری ضروری، مگر غیرضروری ہے تو دین۔

دنیا کی ذرا ذرا سی مضرت کا خیال ہوتا ہے اور یہ نہیں سمجھتے اگر دین کی مضرت پہنچ گئی تو کیسا بڑا نقصان ہوگا۔ پھر وہ مضرت اگر ایمان کی حد میں ہے، تب تو چھٹکارا بھی ہو جاوے گا مگر نقصان جب بھی ہوگا گو دائمی نہ ہو اور اگر ایمان کی حد سے بھی نکل گئی تو ہمیشہ کا مرنا ہو گیا اور تعجب ہے کہ دنیا کی باتوں سے تو بے فکری نہیں ہوتی مگر دین کی باتوں سے کس طرح بے فکری ہو جاتی ہے ایک بزرگ نے فرمایا ہے

چوں چنیں کارے ست اندر رہ ترا   خواب چوں می آید اے ابلہ ترا

(جب راہ میں ایسا کام ہے تو بے وقوف تجھ کو نیند کیونکر آتی ہے) (العاقلات الغافلات ج ۲۰)

نکاح میں تناسب عمر

آج کل عورتوں کے حقوق میں لوگوں نے بہت کوتاہی کر رکھی ہے مثلاً بچی کا نکاح بوڑھے سے کر دیتے ہیں جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اگر شوہر پہلے مر جاتا ہے پھر لڑکی کی مٹی خراب ہوتی ہے اور کہیں دوسری طرح ظلم ہوتا ہے کہ بچہ سے جوان عورت کا نکاح کر دیتے ہیں اور اس مرض کا مجھے اب تک گو اجمالاً علم تھا مگر تفصیلاً نہ تھا یعنی جس درجہ پر وہ پہنچا ہوا ہے اس کا علم نہ تھا ایک واقعہ جو یہاں ہوا اس سے اس مرض کا پتہ چلا اور ایک بزرگ کے آنے سے اس پر زیادہ توجہ ہوئی وہ یہ کہ ایک نکاح یہاں ہوا ہے لالہ چھوٹا بہو بڑی کہ دونوں کی عمر میں اتنا تفاوت تھا کہ اگر اس عورت کے پہلوٹا لڑکا ہوتا تو شاید وہ اس کے برابر ہوتا مجھے یہ ناگوار ہوا مگر وہ ناگواری اس وجہ سے نہ تھی کہ وجوب یا حرمت تک پہنچی ہوئی ہو بلکہ صرف کراہت طبعی اور عقلی تھی کہ تناسب بین العمرین اگر ہو تو اس سے موانست ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ اَتْرَاب (نیچی نگاہ والی ایک عورت)

کہ حوروں کی ہیئت ایسی ہوگی جیسے ہم عمر ہوتے ہیں۔ دوسری آیت میں ہے اِنَّآ اَنشَأْنَاهُنَّ اِنشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَاراً عُرُباً اَتْرَاباً لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ۔

(ہم نے اٹھایا ان عورتوں کو اچھے اٹھان پر پھر کیا ان کو کنواریاں پیار دلانے والی ہم عمر)

غرض تفاوت عمر کا اثر اجنبیت ہوتی ہے۔ آپ دیکھئے بچہ سے بچہ کو جیسی محبت ہوتی ہے بڑے سے نہیں ہوتی۔ ایک حکایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وقت کی لکھی دیکھی ہے کہ:

ایک لڑکا نالی میں گھس گیا اور وہاں آپ ہنسنے لگے کوئی تدبیر نکالنے کی نہ تھی کیونکہ جتنا بلاتے اور نکالنا چاہتے وہ اور اندر گھسا جاتا تھا یہاں تک کہ نیچے گر پڑنے کا اندیشہ ہوا لوگ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ نے فرمایا کہ اسے کچھ مت کہو۔ ایک دوسرے لڑکے کو اس کے پاس بٹھلا کر کھیل میں مشغول کرو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، بچہ کو کھیلتا دیکھ کر یہ بھی بدرو سے نکل آیا اور اس کے ساتھ کھیلنے لگا۔ (عضل الجاہلیہ ج ۲۰)

نکاح کا جو اثر زوجہ پر ہوتا ہے اس سے بھی ہم کو سبق لینا چاہیے

اب نکاح کا ایک اور اثر جو لڑکی پر ہوتا ہے وہ یہ کہ نکاح سے پہلے تو لڑکی کا گھر وہ تھا جو اس کے ماں باپ کا گھر تھا اور اس کے دوست وہ لوگ تھے جو باپ ماں کے دوست تھے اور دشمن وہ تھے جو اس کے باپ ماں کے دشمن تھے مگر نکاح ہو جانے کے بعد ہی سے وہ کم عمر لڑکی جس کو دنیا کی ہوا بھی نہیں لگی آج ہی سے اپنی زندگی میں ایسا انقلاب عظیم کر لیتی ہے کہ آج سے اس کا گھر وہ ہے جو شوہر کا گھر ہے اور اس کا دوست وہ ہے جو شوہر کا دوست ہے اور دشمن وہ ہے جو اس کے شوہر کا دشمن ہے یہاں تک کہ اگر کبھی خدانخواستہ اس کے باپ اور شوہر میں جھگڑا ہو جائے تو عموماً دیکھا جاتا ہے کہ لڑکی اپنے باپ کا ساتھ نہیں دیتی بلکہ اس کا گوشہ خاطر اس وقت بھی شوہر کی طرف ہوتا ہے۔صاحبو! ایک کم عمر لڑکی اپنے شوہر کے تعلق کا یہ حق ادا کرتی ہے اور اس کی وجہ سے ایسا انقلاب اپنی زندگی میں کر دیتی ہے افسوس آپ مرد ہو کر خدا کے تعلق کا اتنا حق بھی ادا نہیں کرتے کہ خدا سے تعلق رکھنے والوں کو یگانہ و آشنا سمجھو اور جو اس سے بے تعلق ہو اس کو بیگانہ و ناآشنا سمجھو۔خدا کے دوستوں کو اپنا دوست اور اس کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھو، افسوس آپ اس کم سن لڑکی سے بھی گئے گزرے۔

صاحبو! محبت کا یہ بہت بڑا حق ہے اس کو ادا کرو آج کل اس میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے بس آپ کی تو یہ شان ہونا چاہیے

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد　　　فدائے ایک تن بیگانہ کاشنا باشد

(ہزاروں عزیز و اقارب جو حق سبحانہٗ تعالیٰ سے بیگانہ نہیں، اس ایک شخص پر قربان جائیں جس کو تعلق مع اللہ نصیب ہے) (غایۃ النجاح فی آیاۃ النکاح ج ۲۰)

میاں بیوی میں کبھی شکر رنجی بھی ہو جاتی ہے

تعلق نکاح کا ایک اور اثر سنئے اور اس سے بھی سبق لیجئے کیونکہ واقعی یہ تعلق ایسا پاکیزہ

ہے کہ بلاتشبہ دنیا میں یہ تعلق مع اللہ کی نظیر ہے وہ اثر یہ ہے کہ میاں بیوی میں چاہے کیسی ہی لڑائی ہو جائے مگر تھوڑی دیر کے بعد پھر پوری صفائی ہو جاتی ہے اور ایسی صفائی ہوتی ہے کہ پہلے رنج کا مطلق کوئی اثر باقی نہیں رہتا اس سے یہ سبق لیجئے کہ جب ایک تنگ ظرف کی یہ حالت ہے کہ محبت اور تعلق کے بعد اگر کچھ اس کو ناگواری پیش آ جائے تو ذرا سی دیر میں اس کو دل سے نکال دیتی اور دل کو صاف کر لیتی ہے کہ ذرا اس کے دل میں کینہ نہیں رہتا بلکہ مثل سابق بدستور شوہر کی خیر خواہ جان نثار ہو جاتی ہے تو کیا نعوذ باللہ اگر آپ سے تعلق مع اللہ کے بعد کوئی گناہ یا خطاء سرزد ہو گی تو بعد توبہ استغفار کے وہ تعلق کو بحال نہ کریں گے اور نعوذ باللہ تم سے کینہ رکھیں گے۔ حالانکہ وہ غیر متاثر ہیں کہ کسی کی نافرمانی ومخالفت سے ان کو بے اختیار ہو کر غصہ نہیں آتا۔ بلکہ ان کا غضب ورحمت سب اختیاری ہے پھر انکی شان یہ ہے۔ سبقت رحمتی علی غضبی! کہ رحمت غصہ پر غالب ہے تو کیا تم نے خدا کو نعوذ باللہ کم حوصلہ سمجھ لیا ہے ہرگز نہیں ہرگز نہیں پس اس کا تصور کیا کرو جیسے میاں بیوی میں شکر رنجی کے بعد بہت جلد صفائی ہو جاتی ہے یوں ہی حق تعالیٰ سے تعلق کے بعد اگر کچھ کوتاہی ہو جائے تو بعد توبہ ومعذرت کے وہ تعلق کو ویسا ہی بحال کر دیں گے اس کو سوچ کر دیکھو بہت نفع ہوگا۔ (غایۃ النجاح فی آیاۃ النکاح ج ۲۰)

مرد بیوی کی باتوں کا بہت تحمل کرتا ہے

میاں بیوی کے تعلقات میں ایک بات یہ ہے کہ بعض دفعہ میاں کو بیوی کی جہالت ونادانی سے تکلیف بھی ہوتی ہے تو وہ تحمل کرتا ہے خاص کر بیوی محبوبہ بھی ہو تو اس کے ہر امتحان پر تحمل کیا جاتا اور اس کے نازنخروں کو برداشت کیا جاتا ہے پھر یہ کیا غضب ہے کہ حق تعالیٰ کے امتحانات کا تحمل نہ کیا جائے کہ اگر کبھی وہ بیمار کر دیں یا مال کا نقصان کر دیں یا کسی عزیز کو موت دے دیں تو اس پر ناگواری ظاہر کی جاتی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ ظاہری تکلیف بھی نہ ہو اور طبعی رنج بھی نہ ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ عقلاء کو رنج وشکایت نہ ہونا چاہئے بلکہ عقلا کو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے ویسا ہی راضی اور خوش رہنا چاہئے جیسا انعامات اور راحت کے وقت خوش رہتے ہو مولانا فرماتے ہیں۔

تو بیک زخمے گریزانی زعشق تو بجز نامے چہ میدانی زعشق

(تم ایک ہی چرکہ میں عشق کو خیر باد کہنے لگے تم سوائے عشق کے نام کے اور کچھ نہیں جانتے) (ایضاً)

حقوق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دو اقسام

حقوق الرسول کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ حق جو خود ذات رسول کی طرف راجع ہے جیسے کوئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مال کی چوری کر لے یا ان کو کوئی اذیت پہنچائے دوسرے وہ کہ انہوں نے جو احکام الٰہی تعلیم فرمائے ہیں ان کی مخالفت کرے قسم اخیر کو حق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہنا مجازاً ہوگا اس لئے کہ وہ احکام خود رسول کے بنائے ہوئے نہیں ہاں بتائے ہوئے ہیں شارع تو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہیں اور پہلی قسم حقیقۃً حق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے پس صحابہؓ کی کوتاہی قسم ثانی سے ہے جو حقیقۃً اللہ تعالیٰ کا حق اور مجازاً رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے تو اس کوتاہی کو اللہ تعالیٰ خود معاف کر سکتے تھے چنانچہ کر بھی دیا چنانچہ ارشاد ہے۔ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ لیکن کیا انتہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا کہ آپ سے بھی فرمائش ہے کہ ہم نے تو معاف فرما دیا آپ بھی معاف فرما دیں اگر کوئی کہے جبکہ وہ کوتاہی محض حق اللہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف بھی کر دیا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معاف کرانے کے کیا معنے اور وہ کون چیز باقی رہ گئی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معافی متعلق ہوگی۔ بات یہ ہے کہ ایک تو توبہ ہے دوسرے تکمیل توبہ تو حق تعالیٰ کے معاف فرمانے سے توبہ تو متحقق ہوگئی لیکن تکمیل اس توبہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاف کرنے سے ہوگی۔ (التوکل ج ۲۱)

بیوی بچوں کو چھوڑ کر حجرہ سنبھالنا معصیت ہے

خوب سمجھ لو کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر حجرہ سنبھالنا محبت الٰہی نہیں بلکہ معصیت حق ہے محبت الٰہیہ ان کو چھوڑنے کا امر نہیں کرتی بلکہ پہلے سے زیادہ ان کی دل داری دلجوئی کا امر کرے گی۔ (الفصل والانفصال ج ۲۱)

حقوق العباد کا اہتمام حقوق اللہ سے زیادہ ہے

حدیث شریف میں آیا ہے۔ **ودیوان لا یترکه اللّٰه ظلم العباد فیما بینهم حتی یقتص بعضهم من بعض ودیوان لا یعبأ اللّٰه بظلم العباد فیما بینهم وبین اللّٰه فذاک الی اللّٰه ان شاء عذ به وان شاء تجاوزعنه** ۔یعنی حق اللہ

معاف ہوسکتا ہے لیکن حق العباد بدوں ادا کئے چارہ نہیں اور اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ حق اللہ کا اہتمام نہ کرنا چاہئے کیونکہ ان شاء ارشاد ہے یعنی اگر اللہ چاہے تو معاف کردے گا معافی کا حتمی وعدہ نہیں ہے جس کی بناء پر حقوق خداوندی سے بے پرواہی کا فتویٰ دیا جاسکے اور حقوق مالیہ زیادہ قابل اہتمام ہیں کیونکہ حرام مال سے خیرات قبول نہیں اور کھانے پینے یا کپڑے میں حرام صرف کر کے نماز قبول نہیں ہوتی نہ حج قبول ہوتا ہے جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں امید ہے کہ اس مختصر معروض کو قبول کر کے اس ظلم عام کی رفع کی طرف توجہ منعطف فرمائیں گے تفصیل کا یہ محل نہیں ۲ (جامع) (شفاء العی ج ۲۱)

باپ کے مرجانے کے بعد اس کا حق

حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ کے مرجانے کے بعد اس کا حق میرے ذمہ کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے دوستوں کے ساتھ احسان کرو اور جو قرابت اس کی وجہ سے ہے اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو تو جب دوستوں کے ساتھ احسان کرنے سے بھی باپ کا حق ادا ہوتا ہے تو اس کی اولاد کے ساتھ احسان کرنے سے اس کا حق کیونکر نہ ادا ہوگا۔ (تحقیق الشکر ج ۲۱)

حقوق اللہ کی ادائیگی ذکر اللہ حقیقی ہے

ذکر اللہ حقیقی اور ذکر اللہ کا فرد کامل یہی ہے ذکر لسانی بھی ذکر اللہ کا ایک فرد ہے مگر ناقص اور صرف صوری۔ ہاں اگر دونوں جمع ہو جائیں یعنی ادائے حقوق کے ساتھ ذکر لسانی بھی ہو تو سبحان اللہ درجہ اکمل ہے۔ غرض اس آیت میں ذکر اللہ کو ہمارے مرض کا علاج قرار دیا گیا، اجمالاً سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ذکر اللہ کتنے معنوں کو حاوی ہے اگر آپ غور سے دیکھئے تو ظاہر ہو جائے گا کہ کوئی خیر دنیا و آخرت کی نہیں جو اس میں نہ آ گئی ہو۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

حقوق اللہ کی اقسام

حقوق اللہ کی بہت قسمیں ہیں جیسے عقائد اعمال، اخلاق، معاملات، حقوق الناس۔

(تفصیل الذکر ج ۲۲)

حقوق العباد حقوق اللہ کی قسم ہے

حقوق الناس کے لفظ پر کوئی صاحب یہ شبہ نہ کریں کہ حق العبد اور چیز ہے اور حق اللہ اور چیز۔ وہ بندوں کی طرف منسوب ہے وہ اللہ کی طرف اور دونوں کے احکام میں فرق ہے۔ حق اللہ توبہ کرنے سے معاف ہو جاتا ہے اور حق العبد توبہ سے معاف نہیں ہوتا۔ (اگر ایسا ہوتا تو پھر کیا تھا بڑی سہولت ہوتی کسی کا مال چھین لیا اور ہضم کر لیا پھر توبہ کر لی) حق العبد میں صاحب حق کے معاف کرنے کی ضرورت ہے حتیٰ کہ حج اور شہادت سے بھی اس سے ذمہ فارغ نہیں ہوتا۔ پس جب حقوق العباد قسیم ہیں حقوق اللہ کی تو تم نے اس کو قسم کیسے بنا دیا۔ حل اس شبہ کا یہ ہے کہ پوچھا جاتا ہے کہ بندوں کے حقوق کہاں سے پیدا ہوئے، بندہ خود مخلوق اور مملوک ہے تو اس کے حقوق اس کے پیدا کردہ تو ہو نہیں سکتے دوسرے کے عطا کردہ ہوں گے۔ یعنی حق تعالیٰ کے حقوق العباد وہ حقوق ہوئے جن کو حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر کر دیا۔ نظیر اس کی یہ ہے کہ کہتے ہیں یہ گھر فلاں شخص کا ہے ظاہر ہے کہ کہنے والے کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ اس کی ذاتی ملک ہے بلکہ ملک حقیقی حق تعالیٰ کی ہے ہاں حق تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس کو مالک بنا دیا ہے اس سے حق تعالیٰ کی ملک سے گھر نکل نہیں گیا حالانکہ تمام حقوق مالکانہ دنیا میں اسی شخص کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اسی طرح حقوق العباد حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں کیلئے مقرر ہوئے ہیں۔ (ایضاً)

حق العبد کی اہمیت

ہر شخص سے قیامت کے دن ہر ایک دانگ کے بدلے جو تین پیسے کا ہوتا ہے سات سو مقبول نمازیں چھین لی جائیں گی۔ یہ حالت اگر لوگوں پر منکشف ہو جائے تو کوئی اس کے معمولی کھانے کو بھی گوارا نہ کرے۔ چہ جائیکہ ولیمہ کرنا جب اس مال میں سے ایک مسنون رسم ادا کرنے کا یہ حکم ہے تو ان رسموں کا حال قیاس کر لیجئے جو رسوم کفار ہونے سے فی نفسہ بھی قبیح (بری) ہیں جن کا ادا کرنا اپنی ملک میں سے بھی جائز نہیں۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

حقوق العباد کی ادائیگی درویشی میں داخل ہے

کیا حقوق العباد کا اہتمام درویشی سے خارج ہے یہ بھی درویشی میں داخل ہے چنانچہ

کسی نے امام محمد صاحب سے کہا کہ حضرت آپ نے سب فنون میں کتابیں لکھی ہیں اور فن تصوف میں کوئی تصنیف نہیں ہے امام محمد صاحب کی نو سو ننانوے یعنی ایک کم ہزار تصانیف ہیں، فرمایا کہ میاں لکھی تو ہے پھر ایک فقہ کی کتاب کا نام لیا اور فرمایا کہ کیا یہ کتاب لکھی نہیں، تصوف میں سائل نے کہا حضرت یہ تو فقہی کتاب ہے فرمایا میاں یہ بھی تصوف ہے اس کے ذریعے سے حلال وحرام کی تمیز ہوگی، حرام سے بچیں گے اس سے نور پیدا ہوگا، علم و عمل کی توفیق ہوگی اور اس سے قرب الٰہی نصیب ہوگا۔ یہی تو تصوف ہے اور تصوف میں کیا رکھا ہے اسی طرح ریلوے مسائل کی تحقیق بھی تصوف ہی ہے۔ مقصود ان کی تحقیق سے یہ ہے کہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رہے اس زمانہ میں تو بڑے بہادر لوگ ہوئے ہیں جو بلا ٹکٹ سفر کرتے ہیں پرانے لوگ بھی دغا فریب کرتے تھے مگر ان کا مکر سادہ ہوتا تھا جو چھپتا نہیں تھا چنانچہ ایک سفر میں دو آدمی ساتھ ہوئے، ایک نے تو ٹکٹ لیا اور دوسرے کو اسٹیشن پر پہنچنے سے پہلے بستر میں باندھ کر اسباب بنا کر سر پر رکھ کر چلے۔ جب بابو کو ٹکٹ دینے لگے اتفاق سے جو بستر میں بندھا ہوا تھا اس کو چھینک آئی، بابو نے کہا اسباب میں چھینک کیسی، پھر ان کو گرفتار کر لیا تو پرانے لوگوں کو مکر نہ آتا تھا اور یہ نئی روشنی والے بڑے استاد ہیں یہ تو مکر کے فن داں ہیں بالخصوص جنٹل مین ان کو تو کوئی پوچھتا ہی نہیں کہ تمہارے پاس ٹکٹ ہے یا نہیں کیونکہ قیمتی اور فیشن کا لباس دیکھ کر بابو ان سے یہ کہتے ہوئے شرماتا یا بعض دفعہ ڈرتا ہے کہ ٹکٹ لاؤ حالانکہ سب سے زیادہ یہی لوگ بے ٹکٹ سفر کرتے ہیں مگر لباس کی وجہ سے کوئی ان کو نہیں پوچھتا اور غریب وسادہ لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ ٹکٹ دکھاؤ حالانکہ یہ لوگ بے ٹکٹ سفر نہیں کرتے اسی وجہ سے ایسے موقع پر بعض لوگ جنٹل مینوں کے کپڑے پہن کر چلے جاتے ہیں اور خیر مرد تو ہوتے ہی ہیں چالاک، ہم نے ایک عورت کو بھی دیکھا ہے جس کے ساتھ ایک بکری کا بچہ بھی تھا جس کا محصول نہیں دیا تھا اس نے کمال کیا کہ بابو جب جا بجا ٹکٹ چیک کرنے کو آتا تھا تو وہ بکری کے بچہ کو تخت کے نیچے کر لیتی تھی مگر جیسے اس کو چھینک آتی تھی (یعنی بستر والے کو) ایسے ہی بکری کا بچہ بھی اس دفعہ بولا اس نے یہ چالاکی کی کہ اپنے بچہ کے ایک چپت لگایا کہ کیوں رے بکری کی بولی بولتا ہے میں نے کہا سچ ہے **ان کیدکن عظیم** (ان کا عذاب کم نہ کیا جائے گا) بابو کو اول تو عورت سے بولتے ہوئے شرم آتی ہے نیز وہ

سمجھا کہ بچے ایسی شرارت کیا ہی کرتے ہیں اس کو کیا خبر یہ اس کا مکر ہے پھر میں تو پہلے اتر گیا تھا نہ معلوم منزل مقصود تک کیا کیا ہوا۔ شاید وہاں بھی کوئی ایسا ہی عزیز قریب آن کر لے گیا ہوگا تو کیا اس کا مواخذہ نہ ہوگا ضرور ہوگا۔ (رطوبۃ اللسان ج ۲۲)

حقوق کی تین اقسام

آج کل بعض لوگ ریل کا سفر کرتے ہیں اور کرایہ نہیں دیتے مگر خوب سمجھ لو کہ یہ مالی حق ہے بدون ادا کیے معاف نہیں ہوگا بہر حال حقوق العباد کا بہت اہتمام سے لحاظ کرنا چاہیے خواہ کسی قسم کے ہوں کیونکہ ان میں بعض حقوق مالیہ ہیں، بعض بدنیہ ہیں بعض عرضیہ ہیں اب لوگ حقوق مالیہ کی اور کسی درجہ میں بدنیہ کی تو کچھ رعایت کرتے بھی ہیں مگر حقوق عرضیہ کا تو بالکل ہی لحاظ نہیں کرتے اس سے بالکل ہی لاپروائی ہے حتیٰ کہ اس میں مشائخ بھی مبتلا ہیں چنانچہ غیبت سے خواص تک محفوظ نہیں ہیں اور ان کا نفس کسی تاویل کی بناء پر یہ سمجھا دیتا ہے کہ اس میں گناہ ہی نہیں ہوا اور یہ وہی بات ہے جو ایک گاؤں کا آدمی کہتا تھا (یہ گاؤں کے لوگ بڑے ہوشیار ہوتے ہیں) کہتا تھا کہ اگر لکھے پڑھے جھوٹ بولیں تو کہتے ہیں مبالگہ ہے مبالگہ (یعنی مبالغہ ہے مبالغہ) اور اگر ہم اس کام کو کرتے ہیں تو کہتے ہیں لعنت لی لعنت لی (یعنی لعنت اللہ لعنت اللہ) واقعی اگر ہم گناہ بھی کرتے ہیں تو اس پر جھول پھیر کر جیسے وہی تانبے پر سونے کا جھول پھیر کر اسے سونا بنا لیتے ہیں، دیکھنے سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید سونا چاندی ہے مگر آگ یا کسوٹی پر حقیقت کھل جاتی ہے اسی طرح ہم لوگ گناہ کرتے ہیں مگر رنگ طاعت کا چڑھا کرتا کہ معتقدین نہ بگڑیں چنانچہ وہ غریب دھوکہ میں آجاتے ہیں اور یہی کہتے ہیں کہ حضرت کوئی گناہ تھوڑا ہی کرتے ہیں، عوام تو اپنے گناہ کو گناہ بھی سمجھتے ہیں مگر خواص کی یہ مصیبت ہے کہ وہ اس کو طاعت بتاتے ہیں ان کا حال اور ابتر ہے۔ جامی خوب فرماتے ہیں:

گناہ آمرز رندان قدح خوار　　　بطاعت گیر پیراں ریا کار

(رند شراب خور کے گناہوں کو بخشتا ہے اور ریاکاروں کی طاعت کو پکڑتا ہے)

آدمی گناہ کرے اور اپنے کو گناہگار سمجھے یہ اچھا ہے اس سے کہ گناہ کو رنگ عبادت میں ظاہر کرے۔ یہ بہت ہی برا ہے گناہ کو گناہ تو سمجھو۔ الغرض جیسے عوام اس گناہ میں مبتلا ہیں خواص کا بھی یہی مشغلہ ہے کہ جہاں دو آدمی بیٹھے کسی بات کو لے کر گو وہ مباح ہو اب وہ تو ختم ہوگئی پھر غیبت

شروع ہوجاتی ہے۔صاحبو اور بھی تو وعظ و نصیحت کی باتیں ہیں وہ کرو مگر نہیں کرتے کیونکہ لذت اسی میں ہے وعظ و نصیحت میں مزہ کہاں ہے اسی کو میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ زبان کے گناہ میں آج کل کثرت سے مبتلا ہیں کسی کو تو اس میں مزہ آتا ہے اور کوئی اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتا۔(رطوبۃ اللسان ج ۲۲)

سفر ریل میں زائد اسباب لے جانے کی ممانعت

صاحبو! ان میں سخت ضرورت۔ ہے مسائل دین کے سیکھنے اور معلوم کرنے کی بتلایئے کہ جب بدن پر ناجائز مال لپٹا ہوا ہوگا تو نماز روزے کی توفیق اور اعمال صالحہ کی ہمت کیونکر ہوگی۔ اسی طرح سفرِ ریل میں اکثر عورتیں اور بعض مرد بھی اس قدر اسباب لے جاتے ہیں کہ وہ حد اجازت سے زیادہ ہوجاتا ہے اور نہ اس کا محصول دیتے ہیں نہ اس کو وزن کراتے ہیں اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ خود تو تیسرے درجے کا ٹکٹ لیا تھا لیکن اتفاق سے درمیانہ درجے میں کوئی دوست بیٹھا ہے اس کے پاس جاکر بیٹھ گئے اور دو تین اسٹیشن تک اس میں بیٹھے چلے گئے یا ٹکٹ لیا دو تین اسٹیشن کا اور چلے گئے بہت دور تک ان سب صورتوں میں یہ شخص ریلوے کمپنی کا قرضدار رہتا ہے اور قیامت کے دن اس سے وصول کیا جائے گا۔اگر کبھی ایسی غلطی ہوگئی ہو تو اس کا سہل طریقہ ادا کرنے کا یہ ہے کہ حساب کرکے جس قدر قیمت ریلوے کی اپنے ذمہ نکلے اس قیمت کا ایک ٹکٹ خرید کر اس سے کام نہ لے اس سے کمپنی کا روپیہ بھی ادا ہوجائے گا اور اس شخص پر کوئی الزام بھی نہ آئے گا۔اب معاشرت کو لیجئے کہ اس میں لوگوں سے بہت گناہ ہوجاتے ہیں آج کل نوجوانوں نے اہل یورپ کی تقلید کو تہذیب اور انسانیت سمجھ رکھا ہے۔(تفصیل التوبہ ج ۲۳)

مالی حقوق کی اہمیت

اگر ایسا اتفاق ہوا کہ بضرورت قرض لیا تھا پھر اس کے ادا کرنے کی گنجائش نہیں ہوئی تو حق تعالیٰ قلب کو دیکھتے ہیں اگر نیت میں فتور نہیں ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ جتنی گنجائش ہوتی ہے ادا کردیتا ہے۔ یہ نہیں کہ حلوے اور مٹھائیاں اڑاؤ اور جب قرض مانگا جاتا ہے تو جواب دے دو کہ ہے نہیں۔نہیں بلکہ ایک روپیہ کا حلوا کھاؤ تو ایک تو قرض میں بھی دے دو تو اگر نیت سالم ہے تو امید ہے کہ جو ادا ہونے سے رہ گیا ہوگا وہ قیامت کے دن معاف کردیا جائے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے ایک روایت لکھی ہے کہ مومنین سے

حق تعالیٰ قیامت کے دن حقوق باہمی کی معافی اس طرح کرائیں گے کہ صاحب حق کو بڑے بڑے محل جنت کے دکھلائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ اگر تم اپنے بھائی کا حق معاف کردو تو تم کو یہ محل ملیں۔ پھر کون ہے کہ معاف نہ کردے۔ (اول الاعمال ج ۲۳)

غیر مالی حقوق کا طریق معافی

دیکھئے حقوق العباد وہ چیز ہیں کہ جنت میں جانے سے مانع ہوں گے کہ تاوقتیکہ ان سے سبکدوشی نہ ہو جائے جنتی شخص بھی جنت میں نہ جا سکے گا اور ان کو حق تعالیٰ براہ راست خود معاف نہ کریں گے بلکہ صاحب حق سے اس ترکیب سے معاف کروائیں گے یہ بھی محض رحمت ہے جب حاکم چاہے تو معافی ہو ہی جاتی ہے اور بعض حقوق العباد غیر مالی ہیں ان میں کوئی چیز ادا کرنے کی نہیں ہے ہاں اس کی ضرورت کہ صاحب حق سے معافی حاصل کرو اس کی خوشامد درآمد کر کے یا اس کے ساتھ سلوک کر کے یا گڑگڑا کر یا جس طرح ممکن ہو اس صورت میں اگر آپ نے اپنے امکان بھر کوشش کر لی اور وہ معاف نہیں کرتا تو اب وہ گنہگار ہے بعض لوگ ایسے سنگدل اور بے رحم ہوتے ہیں کہ قصوروار کا قصور کسی طرح معاف ہی نہیں کرتے اور اسی کو فخر اور شان سمجھتے ہیں کہ وہ خوشامد کر رہا ہے اور ان کی ناہاں نہیں ہوتی یہ تکبر ہے سمجھ لینا چاہیئے کہ تم بھی خدائے تعالیٰ کے قصوروار ہو کہیں تمہارے ساتھ بھی یہی معاملہ نہ کیا جائے کہ تم معافی چاہو اور معافی نہ دی جائے تب کیا ہوگا۔ غرض حقوق العباد اگر حقوق مالیہ ہیں تو ان سے توبہ یہ ہے کہ ان کو ادا کیا جائے یا معاف کرایا جائے اور اگر حقوق مالیہ نہیں ہیں تو ان سے توبہ یہ ہے کہ صاحب حق سے معاف کرایا جائے۔ (اول الاعمال ج ۲۳)

حقوق اللہ کی دو اقسام

حقوق اللہ میں تفصیل یہ ہے کہ وہ دو قسم ہیں۔ منہیات یعنی وہ امور جن سے منع کیا گیا ہے اور مامورات جن کو طاعات بھی کہتے ہیں یعنی وہ امور جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے نہ کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ ان میں سے قسم اول تو توبہ کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں مثلاً کوئی شراب پیتا ہے یا زنا میں مبتلا ہے پھر توبہ کرلے تو یہ سب معاف ہو جاتے ہیں اور قسم دوم یعنی طاعات اگر رہ گئیں تو ان کے لئے صرف توبہ کافی نہیں بلکہ ان کو ادا کرنا چاہیئے اور اگر ادا کرتا

رہا مگر کچھ رہ گئیں تو امید ہے کہ حق تعالیٰ معاف کر دیں اور بعض کا فدیہ بھی دینا چاہیئے جیسے روزے کسی کے ذمہ رہ گئے یا نمازیں کچھ رہ گئیں تو وصیت کر جانا چاہیئے جیسے حج اگر رہ گیا۔ تو ضرور ہے کہ حج بدل کے لئے وصیت کر جائے اور اگر نہ فدیہ ہو سکا نہ وصیت کا موقع ملا مثلاً مرگ مفاجات ہوگئی تو حق تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں مگر اپنی طرف سے فدیہ اور وصیت کی فکر اور عزم سے غفلت نہ چاہیئے ۔ یہ تفصیل ہے بطور کلی اقسام گناہ کی اور توبہ کی ۔ (ایضاً)

بیوی کے الگ رہنے کا مطالبہ اس کا حق ہے

ایک ظلم بیوی پر اور بھی ہوتا ہے جس میں دینداری کے مدعی بکثرت موجود ہیں وہ یہ کہ جو کچھ کماتے ہیں ماں باپ کی نذر کر دیتے ہیں اور بیوی کو ان کا دست نگر رکھتے ہیں اور ماں باپ بھی بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اس کی خبر گیری نہیں کرتے اور بیوی الگ رہنا چاہے تو الگ نہیں کرتے کہتے ہیں کہ گھر کی ہوا نکل جائے گی ۔ پرانی بڑھیوں کے زیادہ تر ایسے ہی خیالات ہیں یاد رکھو حق تعالیٰ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں اگر بیوی الگ رہنا چاہے تو الگ رکھنا اس کا حق اور ضروری ہے بلکہ اس زمانہ میں تو اسی میں مصلحت ہے کہ الگ رہیں شامل رہنے میں بہت فساد ہیں یہ پرانی عورتیں اکثر بہوؤں کو بہت ستاتی ہیں اور عجیب بات ہے اگر بیٹا بیوی کی طرف ملتفت ہوتا ہے وہ اس سے بھی جلتی ہیں اور اگر ملتفت نہ ہو تو نمک پڑھواتی پھرتی ہیں ۔ تعویذ کراتی ہیں الگ رہنے میں ان سب بکھیڑوں سے نجات ہے اور اگر یہ کہو کہ بہوویں آجکل نالائق ہوتی ہیں ساسوں سے لڑتی ہیں ۔ دق کرتی ہیں ۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ ان کو الگ کر دو ۔ غرض علیحدہ رہنے میں طرفین کو راحت ہے یہ تو بیوی کے حقوق کا ذکر تھا ۔ (الظلم ج ۲۳)

اولاد کے حقوق

عورتوں کے ساتھ بھی اور اولاد کے ساتھ بھی ۔ اولاد کے بہت سے حقوق والدین کے ذمہ ہیں ۔ مگر اسی کے ساتھ اولاد کا درجہ والدین کے مساوی نہیں بلکہ اولاد محکوم ہے اور والدین حاکم ہیں ۔ چنانچہ اولاد کا ایک حق والدین کے ذمہ یہ بھی ہے کہ ان کے اخلاق کی اصلاح کریں انکو تعلیم دیں بعض لوگ اولاد کو تعلیم نہیں دیتے بلکہ ناز و نعم میں پالتے ہیں اس کا انجام یہ ہوتا ہے ۔ جو میں نے کانپور میں دیکھا کہ ایک نواب صاحب ماہوار پر جامع مسجد

کا سقادہ بھرا کرتے تھے سب لوگ ان کو نواب نواب کہتے تھے میں نے اول تو یہ سمجھا کہ اس کا نام ہی نواب ہوگا پھر معلوم ہوا کہ نہیں یہ واقع میں نواب تھے انکے پاس بڑی ریاست تھی مگر عیاشی میں سب برباد کردی اور اس وقت ان کی زندگی بہت تلخ تھی ۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

نفس کا حق

ایک بزرگ شاہ جہاں کے پاس بیٹھے تھے۔ ذرا دیوار جھکی تو فوراً ہٹ گئے بادشاہ بھی بعد میں ہٹے۔ تو ان سے شکایت کی کہ آپ کو اپنی جان کی فکر پڑ گئی میرا کچھ خیال نہ ہوا فرمایا کہ واقعی یہی بات ہے کیونکہ تم مرجاتے تمہارا بیٹا تمہاری جگہ کام کرتا مگر میں مرجاتا تو میری جگہ کون دین کا کام کرتا۔ غرض یہ حضرات اس لئے اپنی جان کی قدر کرتے ہیں کہ وہ سرکاری چیز ہے اور سرکاری چیز کی نگہبانی اور قدر لازمی ہے۔ اگر کوئی شخص سر میں تیل اس لئے لگائے کہ یہ سرکاری مشین ہے اگر اس کو تیل نہ دوں گا خراب ہو جائے گی پھر سرکار ناراض ہوں گے۔ تو اس کو تیل لگانے میں بھی ثواب ہے اور اگر محض یہ نیت ہے کہ مجھے اس سے آرام ملے گا اس نیت سے ثواب نہ ملے گا اور اسی نسبت پر اس حدیث کو محمول کر سکتے ہیں۔ ان لنفسک علیک حقا ان لعینک حقا (مسند احمد ۶:۲۶۸' المستدرک للحاکم ۴:۶۰) (یعنی تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے) یعنی یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی ہیں تمہارے پاس بطور امانت کے ہیں۔ ان کا حق ادا کرنا تمہارے ذمہ خدا نے فرض کیا ہے تو خدا کی چیز سمجھ کر ان کا حق ادا کرو۔ اس صورت میں تم کو سونے میں کھانے میں بھی ثواب ملے گا۔ اسی مضمون کو کسی نے نظم کیا ہے

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است　　　　افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

(اپنی آنکھوں کی وجہ سے مجھ کو ناز ہے کہ انہوں نے آپ کے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے قدموں سے مجھ کو محبت ہے کہ انہوں نے آپ کے کوچہ کا شرف حاصل کیا ہے)

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را　　　　کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

(یعنی ہر دم اپنے ہاتھوں کو ہزاروں بوسے دیتا ہوں اس لیے کہ اس نے محبوب کا دامن پکڑ کر اس کو میری طرف کھینچا ہے) (الاسراف ج ۲۵)

والدین کے حقوق کی رعایت

شریعت کا مسئلہ ہے کہ ایک شخص مسلمان ہو اور ماں باپ اس کے کافر ہوں تو اس کے لئے یہ حکم تو نہیں ہے کہ اس حالت میں اس کی اطاعت کرو لیکن یہ حکم اب بھی ہے کہ ان کا ادب کرو۔ حتیٰ کہ اگر جہاد میں بیٹا تو مسلمانوں کے ساتھ ہو اور باپ کافروں کے ساتھ اور دونوں کا مقابلہ ہو جائے تو ایسی حالت میں بیٹے کو یہ اجازت نہیں کہ باپ کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے ہاں اگر ایسی ہی ضرورت پڑ جائے تو وہ کسی دوسرے مسلمان کو باپ کے مقابل کر دے کہ وہ قتل کر دے دیکھئے شریعت میں کس قدر حدود کی رعایت اور کیسا عدل ہے۔ اور حکمت اس رعایت میں یہ ہے کہ باپ تمہاری ہستی کا واسطہ بنا ہے لہذا تم اس کی نیستی کا سبب نہ بنو رہا یہ کہ وہ تم کو جہنمی بنانا چاہتا ہے یعنی مرتد کرنا تو تم اس کے جواب میں اسے جہنمی کیوں نہ بنا دو یعنی قتل کیوں نہ کر دو کہ ابھی جہنم میں پہنچ جاوے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جہنمی بننا نہ بننا فعل اختیاری ہے وہ باوجود اغوا کے اس میں واسطہ نہیں بن سکتا تم اگر اغوا کے بعد جہنمی بنو گے تو اپنے اختیار سے بنو گے وہ تم کو مجبور نہیں کر سکتا۔ بخلاف خلق اور تکون کے جس میں وہ واسطہ بنا ہے کہ وہ تمہارے اختیار سے نہیں ہوا لہذا اس کا احسان اس اساءت سے بڑھا رہا۔ (الصالحون ج ۲۶)

جھوٹی گواہی دینے کا حکم

وہ جھوٹ جو حق العبد کے متعلق ہو جیسے جھوٹی گواہی دے کر کسی کا حق مار دینا کہ یہ تو ایسا گناہ ہے کہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ صاحب حق ہی نہ معاف کرے آج کل یہ حالت ہے کہ بعض لوگوں نے گواہی دینے کا پیشہ کر لیا ہے چار آنہ پیسہ میں بھی جھوٹی گواہی دے دیتے ہیں کس قدر بے وقوفی ہے کہ چار آنہ کے پیچھے جہنم مول لیتے ہیں۔ بعض جگہ اس حرکت سے یہ نوبت ہوئی کہ حاکم کو معلوم ہو گیا کہ فلاں فلاں گواہی کا پیشہ کرتے ہیں ان کو مردود الشہادت کر دیا اور کچہری کے احاطہ میں آنے کی ممانعت کر دی خسر الدنیا والاخرة (دنیا و آخرت میں خسارہ اٹھایا) دین میں تو مردود تھے ہی دنیا میں بھی پھٹکار پڑی کہ ہر شخص ان سے نفرت کرتا ہے۔ (ذم المکروہات ج ۲۶)

حقوق العباد کی چار قسمیں

پس حقوق العباد چار ہیں نمبرا کسی کے دین کونقصان پہنچانا آبرو کونقصان پہنچانا جان کو نقصان پہنچانا مال کونقصان پہنچانا ان سب سے بچنا واجب ہے اور سب میں زیادہ سخت دین کونقصان پہنچانا ہے اس کی یہ صورت ہے کہ کسی مسلمان کو مسئلہ غلط بتلا دیا یا اس کو بدعت میں مبتلا کر دیا مگر اس کو حق العباد میں کوئی شمار نہیں کرتا بلکہ محض حق تعالیٰ سمجھتے ہیں مگر نصوص میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ حق العبد بھی ہے ایک حدیث میں غلط مشورہ دینے کی خیانت فرمایا گیا ہے اور مشورہ میں دنیا کی تخصیص نہیں اور خیانت کا حق العبد ہونا ظاہر ہے۔ نیز جب اس پر حق العبد کی تعریف صادق آتی ہے یعنی جس میں عبد کا ضرر ہو۔ پھر حق العبد ہونے میں کیا شبہ ہے اور دین کا ضرر سب ضرروں سے اشد ہے پھر دین کے بعد آبرو کا درجہ ہے آبرو کی تنقیص جان و مال کی تنقیص سے بھی اشد ہے مگر آج کل اس کی ذرا پرواہ نہیں کی جاتی چنانچہ اس میں رات دن مبتلا ہے حتیٰ کہ وہ اتقیاء بھی جو کسی کا ایک پیسہ مارنا بھی جرم سمجھتے ہیں غیبت سے احتراز نہیں کرتے۔ (الارتیاب والاغتیاب ج ۲۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

دیکھو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین حق ہیں ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہو، دوسرے یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت قلب میں ہو، تیسرے یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی جائے اس وقت بعض نے عظمت کو تو لیا مگر محبت اور متابعت دونوں کو بالکل چھوڑ دیا تو بعض نے متابعت تو کی مگر محبت اور عظمت کو چھوڑ دیا اور بعض نے محبت وعظمت دونوں کو لیا مگر متابعت چھوڑ دی۔ (ضرورۃ العمل فی الدین ج ۲۷)

حضرت خوب سمجھ لیجئے کہ صرف ضابطہ کا تعلق حقوق پرورش کے ادا کرنے کے لیے کافی نہیں ہے دوسری مثال اور لیجئے دیکھئے اگر بیوی سے محبت نہ ہو صرف قانونی تعلق ہو تو یہ قسم قسم کے زیور اور نوع بنوع کے جوڑے آپ ہرگز نہ بناویں اور بیمار ہوتی ہے تو سینکڑوں روپیہ جو آپ خرچ کرتے ہیں ہرگز نہ کریں، اس لیے شرعاً زوج کے ذمہ زوجہ کا معالجہ نہیں اسی طرح زوجہ کو اگر زوج سے محبت نہ ہو تو خانہ داری کے متعلق وہ خدمات جو قانون شرع سے اسکے ذمہ

نہیں ہرگز نہ کرے۔ ہمارے تھانہ بھون میں ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب واعظ آئے تھے انہوں نے وعظ میں یہ کہہ دیا کہ کھانا پکانا عورتوں کے ذمہ نہیں ہے جن عورتوں پر قانونیت غالب تھی وہ بہت خوش ہوئیں اور انہوں نے اپنے خاوندوں کی مخالفت شروع کر دی۔ میں نے جب یہ رنگ دیکھا تو میں نے وعظ میں یہ کہنا شروع کیا کہ اگر کھانا پکانا عورتوں کے ذمہ نہیں ہے تو دوا دارو کرنا مردوں کے ذمہ نہیں لیکن یہ اثر ان ہی عورتوں پر ہوا تھا کہ جن پر ضابطہ اور قانون غالب تھا اور جن میں محبت تھی ان کو کچھ اثر نہیں ہوا۔ (مظاہر الاحوال ج ۲۷)

احکام چندہ

آج کل جو چندہ لیا جاتا ہے اس میں بھی اکثر خوش دلی کا اہتمام نہیں کیا جاتا گو اس میں دینے والوں پر بھی ملامت ہے کہ وہ دین کے کاموں میں خوشی سے کیوں نہیں خرچ کرتے لیکن اگر وہ یہ کوتاہی کرتے ہیں تو اس سے لینے والوں کو وہ چندہ حلال نہ ہو جائے گا۔ حدیث میں صاف حکم موجود ہے **الا لا یحل مال امرأ مسلم الا بطیب نفس منه** (یاد رکھو کسی مسلمان آدمی کا مال بدوں اس کی خوش دلی کے حلال نہیں ہوتا) اگر کسی نے محض شرم ولحاظ سے چندہ دیا ہو تو اس کا لینا ہرگز جائز نہیں اگر یہ کہا جائے کہ صاحب اتنی احتیاط کی جائے تو چندہ بہت کم آئے گا جس سے کام نہیں چل سکتا تو اول تو مجھے اسی میں کلام ہے کہ کام نہیں چل سکتا۔ (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

بہنوں کا حق

اہل علم نے تاویل کر لی ہے کہ اس نے تو اپنا حق معاف کر دیا میں پوچھتا ہوں کہ ذرا انصاف سے کہنا کیا بہنوں نے خوشی سے اپنا حق چھوڑا ہے ہرگز نہیں بلکہ محض بدنامی کے خوف سے کیونکہ بہنوں کے لئے یہ بات عیب شمار کی جاتی ہے کہ وہ باپ کی جائیداد سے حصہ لیں۔ نیز وہ اس خیال سے بھی نہیں لیتیں کہ اگر ہم حصہ لے لیں گے تو پھر شادی بیاہ کے موقعہ پر بھائی ہمیں پوچھیں گے نہیں اور چھوٹ چھٹاؤ ہو جائے گا تو یہ دینا کچھ خوشی کا دینا نہ ہوا۔ دوسرے دینا اس شخص کا معتبر ہوتا ہے جسے شئے موہوب کی حقیقت بھی معلوم ہو یعنی جس چیز کو دے رہا ہے وہ اس کی حقیقت بھی سمجھتا ہو اور جسے اپنے فعل کی حقیقت بھی معلوم نہ ہو۔

پھر تمہاری ان سب باتوں کے مان لینے کے بعد بھی یہ بات ہے کہ بہن جو بھی کہہ

دیتی ہے میں نے اپنا حق معاف کر دیا اس سے تو کسی طرح بھی بھائی کے لئے بہن کا حق حلال نہیں ہوسکتا چاہے وہ خوشی ہی سے معاف کرتی ہو کیونکہ معافی کی حقیقت ابراء ہے اور ابراء دیون سے ہوتا ہے نہ کہ اعیان سے اور اگر اس کو ہبہ کہا جائے تو اول تو اس لفظ کے یہ معنی نہیں اور اگر ہوں بھی تو ہبہ کے لئے موہوب کا مقسوم ومفرز ہونا شرط ہے مشاع کا ہبہ درست نہیں اور عموماً بہنوں کی یہ معافی تقسیم وقبضہ سے پہلے ہوتی ہے۔ اس لئے کسی حال میں اس لفظ سے بہن کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ اگر کسی بہن کو اپنا حق خوشی سے دینا ہی منظور ہو تو اس کی بے خلجان صورت یہ ہے کہ معافی کا لفظ نہ کہے بلکہ بھائی سے یوں کہے کہ میں نے اپنا حصہ تمہارے ہاتھ اتنے روپیہ میں بیچ کیا اور وہ کہے میں نے قبول کیا اب زمین بہن کی ملک سے نکل گئی اور بھائی کے ذمہ زرثمن واجب ہوگیا۔ اس زرثمن کو یہ بہن اگر چاہے معاف کردے۔ اب بتلایئے اس طرح کون کرتا ہے اور افسوس یہ ہے کہ طریقہ معلوم ہونے کے بعد بھی کسی کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ بہن کی گذشتہ معافی معتبر نہ تھی لاؤ اب اس سے دو بول پھر کہہ لیں ذرا سی سستی اور غفلت میں عمر بھر حرام کھاتے ہیں بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ زبان ہلانے میں کیا خرچ ہوتا ہے۔ مجھے نہایت افسوس ہوتا ہے مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر کہ وہ معاملات میں قانونی رعایات تو بہت جلدی کر لیتے ہیں مگر شرعی رعایات نہیں کرتے اس کی پرواہ نہیں کہ اس معاملہ میں شرعاً سقم ہے لاؤ اس کی اصلاح کر لیں اگر کوئی یہ عذر کرے کہ بہن سے زبانی کہتے ہوئے شرم آتی ہے تو خط میں لکھ بھیجو۔ (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

شریعت میں اعتدال کی تعلیم

شکایت اس بات کی ہے کہ محبت کثیر کیوں ہے خواہ وہ محبت مال کی ہو یا اولاد کی ہو یا بیوی کی ہو شریعت ہر شے میں اعتدال کی تعلیم کرتی ہے۔ شریعت کا مقصود یہ نہیں کہ سارا مال خیرات کر کے اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر رہبانیت اختیار کر لو بلکہ مقصود یہ ہے کہ اعتدال کی رعایت رکھو نہ اتنی محبت ہو کہ آخرت سے غافل کر دے اور نہ اتنی بے تعلقی ہو کہ حقوق ادا کرنے میں کوتاہی ہونے لگے کہ اہل وعیال بھوکے مر رہے ہیں اور یہ اپنے ذکر وشغل میں لگ رہے ہیں اور جہت افراط کا نام جبکہ مال میں ہو حرص مذموم ہے اور جب شہوت میں ہو تو

وہ فجور ہے اور جو ضرورت سے بھی کم ہو خمود ہے اور ان کے درمیان عفت ہے۔ غرض ہر شے کی رغبت کا اعتدال عفت کہلاتا ہے۔ شریعت کو بھی عفت مطلوب ہے۔ (العفۃ ج ۲۹)

خشوع مستحب اور خشوع واجب

خشوع کے پیدا کرنے کا وقت کون سا ہے' آیا ہر وقت خشوع ہی کے اہتمام میں رہیں یا اس کا کوئی خاص وقت ہے تو اب سنئے کہ ایک خشوع تو مستحب ہے اور دوسرا واجب ہے۔ مستحب تو یہ ہے کہ ہر وقت یہی حالت استحضار کی قلب پر غالب رہے لیکن یہ ہر شخص کے لیے نہیں ہے۔ صرف اسی کو جائز ہے جس کی ایسی حالت نہ ہو کہ نہ تو خود اس کی ضروریات میں مخل ہو' نہ کسی دوسرے کی حق تلفی کا باعث ہو ورنہ تباہی کی نوبت آ جائے گی۔ مستحب کے لیے واجبات ترک ہونے لگیں گے' بجائے ثواب کے الٹا وبال ہو جائے گا۔ مثلاً اگر کسی کی بی بی آٹے کے لیے پیسے دے کہ آٹا لے آؤ بچے بھوکے ہو رہے ہیں اور وہ لگے رہیں خشوع حاصل میں جس کی وجہ سے بچے بھوکے مریں' تو ایسا خشوع موجب قرب نہیں ہو سکتا' خدا سے دوری کا باعث ہوگا۔ حکایت ہے کہ ایک ولایتی صاحب کسی مسجد میں ٹھہرے تھے۔ جب رات کو تہجد پڑھنے کھڑے ہوئے تو دیکھا کہ ایک مسافر جو وہاں سو رہا تھا' خراٹے لے رہا ہے' آپ نے اس کو کئی دفعہ تو اٹھا اٹھا کر بٹھا دیا اور کہا کہ تم کس طرح سوتے ہو ہمارے خشوع میں خلل پڑتا ہے' وہ بے چارہ تھکا ہوا تھا پھر سو گیا' آپ کو جو غصہ آیا نکال چھرا اس کا کام تمام کر دیا' اچھا خشوع حاصل کیا کہ بے چارے کی جان ہی لے ڈالی۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنی بی بی بچوں کو تباہ کر رکھا ہے اور غلطی میں مبتلا ہیں۔ دائمی حضور قلب اور خشوع کے پیچھے حق تلفیاں کرتے ہیں۔ یہ امر نہایت نازیبا ہے۔ (حقیقت احسان ج ۲۹)

حقوق کی رعایت

اتحاد جب باقی رہے گا جب تقویٰ کی رعایت ہوگی کیونکہ جب تقویٰ کی رعایت ہوگی تو خدا کا خوف ہوگا اور دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا خیال ہوگا اور جب دوسروں کے حقوق ادا ہوتے رہیں گے تو پھر نااتفاقی پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ نااتفاقی جب ہی پیدا ہوتی ہے جب کسی کو ضرر پہنچایا جائے یا اس کے حقوق تلف کئے جائیں۔ پھر شریعت میں حقوق کی

رعایت ایسی ہے کہ صرف جان و مال ہی کے حقوق نہیں ہیں بلکہ معاشرت کے بھی حقوق ہیں جن کی اس قدر رعایت ہے کہ اگر تین آدمی بیٹھے ہوں تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمیوں کو خفیہ باتیں کرنا ممنوع ہے بھلا ایسی رعایت کسی دنیوی دستور العمل میں بھی ہے پھر یہ حکم ہے کہ بدون استیذان کے کسی کے گھر میں بلکہ اپنے گھر میں بھی نہ جاؤ۔ اور یہ حکم زنانہ گھر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں کیونکہ وہاں تو حجاب ہی ضرورت استیذان کی کافی دلیل ہے۔ بلکہ مردانے میں بھی استیذان کی ضرورت ہے مگر مردانہ مکان میں تفصیل ہے ایک صورت یہ ہے کہ کسی مجلس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں اور کوئی پردہ وغیرہ پڑا ہوا نہ ہو اور لوگوں کی آمد و رفت جاری ہو اس صورت میں استیذان کی ضرورت نہیں وہ مجلس عام ہے۔ ایک صورت ہے کہ مردانہ مکان میں کوئی شخص پردہ چھوڑے ہوئے یا کواڑ بند کئے ہوئے بیٹھا ہو یہاں استیذان کی ضرورت ہے بدون اجازت کے پردہ اٹھانا یا کواڑ کھولنا ممنوع ہے اور استیذان کا طریقہ یہ ہے کہ دروازہ پر کھڑے ہو کر اول سلام کرو پھر کہو کہ میں اندر آ جاؤں تین دفعہ ایسا ہی کرو اگر اجازت ملے تو اندر آ جاؤ ورنہ لوٹ جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خود کر کے دکھلا دیا ہے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر قباء میں تشریف لے گئے جو مدینہ سے تین کوس پر ہے آپ نے تین بار سلام کر کے اجازت چاہی حضرت سعد نے بلند آواز سے جواب نہ دیا کہ اچھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سلام کریں کیونکہ سلام دعا ہے۔ یہ بھی ایک حال ہے بعض لوگ اس کو بے ادبی کہیں گے مگر عشاق کا ادب دوسروں سے الگ ہے جب تیسری بار کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام نہ فرمایا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف واپس جا رہے ہیں۔ دوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روک لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ واپس کیوں چلے فرمایا میں نے تین بار سلام کیا تم نے جواب نہ دیا اس لئے واپس جا رہا ہوں کیونکہ تین بار سے زیادہ استیذان کا حکم نہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے تو آپ کی دعا لینا چاہی تھی اس لئے خاموش رہا تا کہ اور برکت ہو بھلا آج تو کوئی ایسا کر کے دکھائے ایک دفعہ ہی کے بعد جواب نہ ملنے پر غصہ آ جائے گا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا نا گواری نہیں ہوئی خوش خوش مدینہ کو واپس ہو گئے پھر جب وہ

دوڑے آئے دوبارہ پھر تشریف لے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے واسطے کچھ خصوصیت نہیں رکھی بلکہ خود بھی قانون کے ویسے ہی تابع رہے جیسے دوسروں کو تابع بنایا تھا اسلام میں ملاقات کا بھی کتنا اچھا طریقہ ہے کہ اول السلام علیکم کرتے ہیں اس میں مخاطب کو سلامتی کی دعا ہے اور سلامتی ایسا جامع مضمون ہے جس میں ہر طرح کی خیر و خوبی داخل ہے۔ نیز اس میں سلامتی کا اظہار کر کے مخاطب کو مطمئن کر دیا جاتا ہے کہ تم مجھ سے مامون و بے فکر رہو میں تمہارا خیر خواہ اور طالب سلامت ہوں دوسری قومیں تو ایسا طریقہ اپنے یہاں بتلائیں۔ (الاخوہ ج ۳۰)

اصلی کام

دنیا کے کام کرو اور ساتھ ساتھ اللہ اللہ بھی کرتے رہو آدمی جس کام کو اصلی کام سمجھتا ہے تو اگر وہ دوسرے کام میں لگ جاتا ہے تو اس کو انتظار رہتا ہے کہ یہ کام ختم ہو جاوے تو میں اپنے اصلی کام میں لگوں بس یہی حال تمہارا ذکر کے ساتھ ہونا چاہئے اپنی زندگی کا سرمایہ ذکر کو سمجھو اور اگر کسی وقت بھول جاؤ تو بجائے اس کے کہ اس کا افسوس کرو ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔ یہ بھی شیطان کا ایک جال ہے کہ افسوس و حسرت کے اندر لگا دیتا ہے کچھ خیال نہ کرو بس جب یاد آوے فوراً ذکر میں مشغول ہو جاؤ اور نسیاں سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ تسبیح ہر وقت ہاتھ میں رکھو اس کی کچھ پرواہ نہ کرو کہ لوگ ریاکار کہیں گے تسبیح مذکر ہوتی ہے حضرت جنید بغدادی کے ہاتھ میں کسی نے تسبیح دیکھی تو پوچھا کہ حضرت اب تو آپ منتہی ہو گئے اب اس کی کیا ضرورت ہے فرمایا کہ اسی نے تو ہم کو خدا تک پہنچایا ہے ایسے رفیق کو ہم کیسے چھوڑ دیں بس تم بھی تسبیح بھاننا شروع کر دو اور کچھ شرم نہ کرو ایسی ہی شرم کی نسبت کسی نے کہا ہے جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم اگر ایسی ہی شرم ہمارے آبا و اجداد کرتے تو آج ہم مسلمان نہ ہوتے انہوں نے شرم و حیاء کو بالائے طاق رکھ کر دین حق کو قبول کیا اور دین آبائی کو آگ لگا دی۔ (الذکر ج ۳۰)

ترکیب تحصیل خلوص و احسان

خلوص و احسان کے حصول کی ترکیب حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے دل میں القا فرمائی ہے اس میں نہ مجاہدہ ہے نہ ریاضت ہے نہ دنیا کے مشاغل چھوڑنے کی ضرورت بلکہ ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جن معاصی میں ابتلاء تم کو ہو رہا ہے ان کا بھی کچھ غم نہ کرو بس اس دستور

العمل پر اللہ کا نام لے کر عمل شروع کر دو گو اس علاج سے دیر میں شفا ہوگی لیکن ہوگی ضرور اس معالجہ کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شفیق طبیب جب دیکھتا ہے کہ مریض اپنی کم ہمتی یا افلاس یا مشاغل کی وجہ سے با قاعدہ میرے پاس رہ کر علاج نہیں کر سکتا تو وہ مقتضائے شفقت کوئی مختصر سی دوا ایسی تجویز کرتا ہے کہ جس میں نہ پرہیز کی ضرورت ہو نہ تمام کام چھوڑ کر طبیب کے پاس رہنے کی حاجت ہو نہ کسی وقت کی قید نہ نبض و قارورہ دکھانے کی حاجت ہو اور کہہ دیتا ہے کہ اس کو ہمیشہ ہمیشہ کھاتے رہو ایک دن ایسا ہوگا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے اثر سے طبیعت غالب ہو کر مرض کو دفع کر دے گی تو ظاہر ہے کہ یہ صورت علاج کی سہل تو بہت ہے لیکن شفا بدیر ہوگی اور ایک وہ مریض ہے جس نے اپنے کو بالکل طبیب کے سپرد کر دیا اور دوا اور پرہیز کا با قاعدہ پابند ہے اور طبیب جو دوا خواہ وہ تلخ ہو یا شیریں تجویز کر دے وہ بخوشی اس کو پیتا ہے ایسے مریض کو ظاہر ہے کہ جلدی شفا حاصل ہوگی۔ تو آپ کو با قاعدہ معالجہ کرنے اور نا گوار نضج و مسہل پینے کی اگر فرصت و ہمت نہ ہو تو یہ مختصر سی پڑیہ سستا نسخہ میں نے تم کو بتلا دی ہے اسی کو استعمال کرو اور اگر اس سہل نسخہ کو بھی استعمال نہ کیا تو ظاہر ہے کیا ہوگا کہ مرض غالب ہوگی طبیعت مغلوب ہو جاوے گی اور آخر ایک دن ہلاکت کا دن سامنے آ جائے گا اور امراض جسمانیہ میں تو ہلاکت جسمانی ہی ہوگی اور امراض روحانیہ میں ہلاکت اور خسران ابدی ہوگا۔ صاحبو میں پھر مکرر سہ کرر کہتا ہوں کہ اس سستے نسخہ کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دو اور ہر وقت اللہ اللہ کرنا شروع کر دو۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی　　شاید کہ نگاہے کند و آگاہ نباشی

اس شہنشاہ حقیقی سے پلک جھپکنے کی دیر بھی غافل نہ ہو شاید کہ وہ نگاہ فرمائیں اور تمہیں اس کی خبر نہ ہو۔ (الذکر ج ۳۰)

فقہی مسائل

☆ اسلام کے ہزاروں مسائل کے بارہ میں فقہی حل
☆ بیسیوں شرعی احکام کے اسرار و نکات

☆ دین کے تمام شعبوں سے متعلق جدید مسائل
☆ کے بارہ میں فقہی رہنمائی
☆ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے علمی کمال کے شاہکار مسائل و معارف
☆ ہزاروں منتخب جواہرات کا مجموعہ

ارادہ عمل کا سبب غالب ہے

خطا و عمد میں شریعت نے فرق کیا ہے۔ اگر قصداً کسی کو قتل کیا گیا تو اس میں گناہ بھی بہت زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خیال تھا کہ قتل عمد کے لیے توبہ بھی نہیں۔ اگرچہ جمہور نے اس کو رد کیا ہے اور صورت میں قاتل پر قصاص بھی آیا ہے کہ مقتول کے عوض اس کو قتل کر دیا جائے اور اگر خطاء بھول چوک سے قتل ہو گیا اور قتل کا ارادہ نہ تھا۔ مثلاً تیر شکار پر چلایا تھا کسی آدمی کے لگ گیا اور وہ مر گیا تو اس صورت میں گناہ بھی نہیں ہوتا نہ قصاص آتا ہے صرف دیت آتی ہے۔ نیز اگر کسی معصیت کا پختہ عزم ہو جائے تو گناہ فوراً لکھا جاتا ہے اور اگر بدوں ارادہ کے غلطی اور خطا سے گناہ ہو گیا تو کچھ بھی گناہ نہیں ہوتا' وہ معاف ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ ارادہ سبب غالب ہے' اس عمل کے ہو جانے کا اور ایسے سبب کے لیے حکم مسبب کا ہوا کرتا ہے۔

مثلاً سنکھیا سبب غالب ہے ہلاکت کا تو اگر کوئی شخص بے قاعدہ بلا مشورہ طبیب خودکشی کی نیت سے سنکھیا تولہ بھر کھالے تو چاہے بعد میں دست و قے کرا کے اس کی جان بچ بھی جائے تب بھی اس کو گناہ خودکشی کا ہو گیا کیونکہ اس نے تو کوئی کسر جان ہلاک کرنے میں نہ رکھی تھی۔ یہ اتفاقی بات تھی کہ وہ اس کے بعد بھی بچ گیا۔ اسی طرح جب کسی شخص نے پختہ ارادہ کر لیا کسی گناہ کا تو گویا اس نے اس کے کرنے میں کوئی کسر نہیں رکھی کیونکہ عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ پختہ ارادہ کے بعد عمل ہو ہی جایا کرتا ہے۔ یوں کبھی اتفاقاً نہ ہوا تو یہ نادر ہے۔ ''والنادر کالمعدوم'' اس لیے یہ شخص ارادہ پختہ کر لینے سے ایسے سبب کا مرتکب ہو گیا جو اکثر مفضی الی المسبب ہو جاتا ہے اس لیے گناہ کا مستحق ہو گیا۔ اسی طرح کسی شخص نے نیک کام کا قصد کیا تو وہ ثواب کا مستحق ہو گیا کیونکہ سبب کے بعد اکثر کام ہو جاتا ہے۔ کبھی نہ ہونا اتفاقی بات ہے لہٰذا وہ مثل کرنے والے کے سمجھا جائے گا اور اس کو اس عمل کا ثواب مل جائے گا۔ اب معلوم ہوا کہ

ارادہ کتنی بڑی چیز ہے جو کہ عمل کے وجود کے لیے سبب غالب ہے جس کے بعد اکثر کام ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شریعت میں اس کو عمل ہی کے مثل شمار کیا گیا ہے۔ (المرادج ۱)

حق تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ آدمی کے بدن میں قسم قسم کی نجاستیں اور گندگیاں بھر رہی ہیں اور معدہ اور اندرون جسم سے ظاہر بدن تک کئی منفذ بھی ہیں مگر ان منافذ سے بو نہیں آتی۔ اگر ان منفذوں سے بو آنے لگے تو آدمی کو بڑی مشکل ہو جائے' کہیں بیٹھنے کے قابل بھی نہ رہے جہاں جائے دھکے دے دیئے جائیں۔ چنانچہ کبھی کبھی اس کا نمونہ دکھلا دیتے ہیں بخر یعنی گندہ دہنی کا بعض لوگوں کو مرض ہو جاتا ہے ایسے شخص کے پاس کھڑا ہونا موت ہو جاتا ہے۔ جب میں دیوبند میں طالب علمی کرتا تھا' نماز میں ایک شخص کبھی کبھی میرے پاس آ کر کھڑے ہو جاتے تو نماز پوری کرنا مصیبت ہو جاتی تھی۔ فقہاء سبحان اللہ! کیسے حکیم ہوئے ہیں' فرماتے ہیں کہ جس شخص کو بخر کی بیماری ہو اس کو چاہیے کہ جماعت سے نماز نہ پڑھے' علیحدہ پڑھا کرے' جماعت کا ہی ثواب ملے گا۔ پس یہ بخر معدہ ہی کی رطوبت سے ہوتا ہے۔

پس انسان کا یہ کلمہ کہ نہیں جانتے ہو میں کون ہوں' بڑے کبر اور جہل کی بات ہے پس ہماری جب یہ حالت ہے تو کسی شے کو اپنی کہنا کیسے صحیح ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے: **یقول ابن آدم مالی مالی مالک الا ما اکلت فافنیت او لبست فابلیت او تصدقت فامضیت.**

یعنی آدمی کہتا ہے کہ میرا مال ہے میرا مال ہے' تیرا کیا ہے مگر جو تو نے کھا لیا وہ تو فنا کر دیا اور جو پہنا وہ پرانا کر دیا اور جو صدقہ دیا وہ آگے بھیج دیا' وہ بے شک تیرا ہے۔ (الدنیاج ۱)

میلاد منانے کا آسان طریقہ

میں اس کا بہت آسان طریقہ بتلاتا ہوں مگر وہ طریقہ نفس کو گوارا نہ ہوگا۔ وہ یہ کہ خفیہ خرچ کیا کرو' مثلاً ربیع الاول کے مہینہ میں پچاس روپیہ خرچ کرو مگر ظاہر نہ کرو اور ایک ایک روپیہ ایک ایک مسکین کو دے دو۔ اگر واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے تو اس طریقے پر عمل کرو مگر میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ کبھی نہ ہو سکے گا' نفس کہے گا کہ میاں پچاس روپے بھی خرچ ہوئے اور کسی کو خبر تک بھی نہ ہوئی۔ (الرضا بالدنیاج ۱)

برتنوں کی واپسی

حالانکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس برتن میں کھانا بھیجا جائے اس کھانے کو دوسرے برتن میں نکال کر کھانا چاہیے' اسی برتن میں کھانا ناجائز ہے۔ ہاں اگر وہ ایسا کھانا ہے جس کو دوسرے برتن میں لوٹنے سے اس کی لذت جاتی رہے یا صورت بگڑ جائے تو اس کو اسی برتن میں کھانا جائز ہے جیسے فیرنی کو طشتری میں جما کر بھیجا تو اس کو دوسرے برتن میں لوٹنے سے صورت خراب ہو جاتی ہے۔ فیرنی کا لطف یہی ہے کہ جس برتن میں اس کو جمایا گیا ہے اسی میں کھایا جائے' لوٹ پوٹ کرنے سے بدنما ہو کر اس کی طرف رغبت ہو جاتی ہے' ہاں کوئی بہت ہی بھوکا ہو تو ہر حالت میں رغبت ہو سکتی ہے۔ (ترجیح الآخرہ ج ۱)

احکام چندہ

ایک مقام پر ایک مدرسہ کا جلسہ تھا۔ اس میں میرا بیان تھا وہ زمانہ چندہ بلقان تھا۔ بعد جلسہ کے کسی نے مختصراً اس کی بھی تحریک کر دی اس پر ایک تحصیلدار پنشنر نے اس چندہ میں سو روپے دیئے۔ میں باہر جا رہا تھا' چند آدمی ایک جگہ باتیں کرتے نظر آئے' دریافت پر یہ قصہ معلوم ہوا۔ میں نے جزاک اللہ کہہ دیا' بس یہ میرا جرم تھا جس پر انہوں نے مجھ کو بعد میں پریشان کیا۔

قصہ یہ ہوا کہ ان تحصیلدار صاحب نے جن لوگوں کو چندہ دیا تھا ان کو مجبور کیا کہ میرے سو روپیہ کی رسید علیحدہ منگا کر دو' انہوں نے اس درخواست کو لغو سمجھ کر کچھ توجہ نہ کی۔ جب وہ مایوس ہو گئے چونکہ میں نے جزاک اللہ کہا تھا' اس جرم میں وہ میرے سر ہوئے اور میرے پاس خط آیا کہ مجھے سو روپیہ کی رسید منگا دو' میں نے بواسطہ ایک دوست کو لکھا کہ جن کو تم نے چندہ دیا ہے ان سے رسید مانگو' مجھ سے کیا واسطہ! انہوں نے پھر مجھے لکھا کہ یا تو رسید منگا دو ورنہ روپیہ واپس دو' نہیں تو عدالت میں دعویٰ کروں گا۔ میں نے چندہ کرنے والوں کو لکھا کہ اس شخص کا روپیہ واپس کر دو۔ معلوم ہوا کہ وہاں تو خرچ روانہ ہو گیا۔ میں نے دفع فتنہ کے لیے سو روپے اپنے پاس سے ایک دوست کے پاس واپس بھیج دیئے کہ ان کو دیدیں مگر وہاں کے میرے دوستوں نے ان کو اپنے پاس سے رقم ادا کر دی اور میری رقم واپس کرنا چاہی' میں نے انکار کیا' جب جانبین سے اصرار و انکار بڑھا' آخر سب کے اتفاق سے وہ رقم ایک نیک کام میں لگا دی گئی۔

تو اس وقت ایک عالم صاحب نے مجھے رائے دی تھی کہ تم نے اپنے پاس سے کیوں دیا اس مد میں اور چندہ بھی تو آ رہا تھا' اس میں سے بھیج دیتے۔ میں نے کہا مجھے آپ کے اس فتویٰ پر حیرت ہے' مجھے کہاں جائز ہے کہ میں دوسروں کا روپیہ اس شخص کو دوں' کیا لوگوں نے اس واسطے چندہ دیا ہے۔ بھلا آپ ہی سوچیں کہ اگر آپ چندہ میں روپیہ دیں اور میں اس کو اس طرح خرچ کر دوں تو کیا آپ کو یہ گوارہ ہوگا' ہرگز نہیں۔ پھر دوسروں کی رقم میں آپ مجھے یہ رائے کس طرح دیتے ہیں؟ اور تعجب یہ کہ وہ عالم مدرس بھی تھے اور صاحب فتویٰ بھی تھے۔ (ترجیح الآخرہ ج ا)

مدعی مجتہد کا واقعہ

ایک مدعی اجتہاد عالم صاحب نے ساس کو حلال کر دیا۔ ایک شخص کو اپنی ساس سے تعلق ہو گیا تھا' کم بخت نے بیوی کو چھوڑ کر اس سے نکاح کرنا چاہا' علماء سے فتویٰ لیا۔ سب نے یہی کہا کہ ساس سے نکاح حرام ہے مگر ایک عالم نے ایک ہزار روپیہ لے کر فتویٰ دیدیا کہ حلال ہے مگر چونکہ ساس کا حرام ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔ ''وَ اُمَّھٰتُ نِسَآئِکُمْ'' اس سے آپ نے تاویل نکالی کہ آج کل عورتوں میں جہالت زیادہ ہے جس کی وجہ سے بعض کلمات ان کے زبان سے ایسے نکل جاتے ہیں جن کی وجہ سے ایمان زائل ہو جاتا ہے تو اس کی منکوحہ کی زبان سے ایسے کلمات نکلے ہوں گے اور نکاح کے وقت تجدید ایمان نہیں ہوئی اس لیے منکوحہ سے اس کا نکاح درست نہیں ہوا' جب نکاح درست نہیں ہوا تو منکوحہ کی ماں اس کی ساس بھی نہیں ہوئی۔ رہا حرمت مصاہرت کا مسئلہ سو یہ محض امام ابوحنیفہؒ کا مسئلہ ہے' ہم اس کو نہیں مانتے۔ حدیثیں اس کے خلاف ہیں۔

غرض اس نے گڑھ مڑھ کر ساس کو حلال کر دیا۔ محض اس لیے کہ اس کو ایک ہزار روپیہ ملتا تھا۔ کم بخت حرص نے اس عالم کو تحریف دین پر آمادہ کر دیا' یہ حرص بری بلا ہے۔ اس میں انسان جو کچھ نہ کرے تھوڑا ہے۔ (ایضاً)

تقریبات میں کھانے کا مسئلہ

فقہاء نے صاف لکھا ہے کہ اباحت میں کھانا مالک کی ملک میں رہتا ہے' اگر مالک لقمہ اگلوانا چاہے تو اس کو اس کا بھی حق ہے۔ البتہ تملیک کی صورت میں وہ کھانا لینے والے کی ملک

ہو جاتا ہے جیسے تقریبات کے اندر کھانا گھروں میں بھیجا جاتا ہے وہ ملک ہے۔ باقی مہمانوں کے سامنے جو کھانا آتا ہے وہ اس کی ملک نہیں ہوتا وہ محض اباحت ہے کہ جتنا تم کھا سکو کھالو باقی مالک کو واپس کردو، مگر آج کل بعض اہل علم تک کو بھی اس کا لحاظ نہیں۔ (ترجیح الآخرۃ ج۱)

تلاوت قرآن کا مسئلہ

اول سے آخر تک قرآن کا پڑھنا فرض عین نہیں گو فرض کفایہ ضرور ہے اور ایک آیت کا یاد کرنا فرض عین اور سورۂ فاتحہ اور ایک سورۂ کا سیکھنا گو چھوٹی سی ہی سورۃ ہو واجب علی العین ہے۔ (الفاظ قرآن ج۲)

میراث میں مقررہ حصے

ابھی ہمارے یہاں ایک واقعہ پیش آیا ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اس کے ورثہ میں ایک بیوی تھی ایک بیٹی اور ایک عصبہ جو ذرا دور کا تھا۔ اور جس سے مرنے والے کے ورثا کی مخالفت تھی۔ جب فرائض نکلوائے گئے تو مولویوں نے اس عصبہ کا حصہ بھی لکھا۔ بس اس پر سارے ورثا فتوئ کو اور مفتی کو برا بھلا کہنے لگے کہ یہ بھی کوئی بات ہے کہ اتنے دور کے رشتہ دار کو وارث بنایا جائے۔ میں نے کہا کہ شریعت کی قدر کوئی اس عصبہ کے دل سے پوچھے جس کو خلاف امید رقم مل گئی۔ اگر تم شریعت کو برا کہو گے تو جس کے پاس رقم جائے گی وہ اچھا کہے گا۔ ظالمو! اگر تم کو کسی ایسی جگہ سے شریعت میراث دلوادے جہاں سے تم کو امید و وہم بھی نہ ہو تو پھر اس وقت تم ہی شریعت کی تعریف کرنے لگو گے۔ (ایضاً)

مال میراث غبن کرنے رواج

ایک اور خط آیا ہے اس میں لکھا ہے کہ ایک عورت کا انتقال ہو گیا۔ شوہر اور بھائی وارث ہیں ۔مگر شوہر شیعہ ہے اور شیعہ کا نکاح سنیہ سے جائز نہیں۔ اس لئے تنہا میں ہی وارث ہوں یعنی بھائی۔ تو میں نے اس پر لکھا کہ سوال کیسا تھ یہ بھی تو لکھا ہوتا کہ میری بہن نے بیس سال تک حرام کرایا اور میں اس پر راضی رہا۔ تم کو شرم نہیں آتی کہ چار پیسوں کے واسطے اپنی بہن کو بعد مرنے کے زانیہ بنانے اور اپنے کو دیوث قرار دینے لگے۔ جب تم کو معلوم تھا کہ شیعہ سے سنیہ کا نکاح جائز نہیں تو تم نے اپنی بہن کا نکاح جان بوجھ کر شیعہ سے کیا ہی کیوں تھا؟ پھر

میں نے لکھا کہ اگر نکاح سے پہلے مجھ سے مسئلہ پوچھتے تو میں نکاح کو ناجائز ہی کہتا۔ باقی اب تو میں تمہارے چار پیسے سیدھے کرنے کیلئے ایک مسلمان عورت کو زانیہ نہیں بنا سکتا۔ مسلمانوں کو تعلیم قرآن اور تلاوت قرآن کا پابندی کے ساتھ اہتمام کرنا چاہیے۔ (الفاظ قرآن ج ۲)

صحت قرأت کا اہتمام

جب الفاظ قرآن مقصود ہو گئے تو ان کے صحیح پڑھنے کا بھی اہتمام ضروری ہے کیونکہ جب تک الفاظ کو صحیح طور پر ادا نہ کیا جائے گا، اس وقت تک وہ عربی زبان نہ کہلائے گی اور تصحیح الفاظ کے بعد اگر عربی لہجہ (اس سے تکلف وتغنی کا لہجہ مراد نہیں بلکہ بے تکلف لہجہ جس میں صفات ومخارج کی پوری رعایت ہو۔ گو بلا قصد طبیعت کی موزونیت سے کسی لحن غنا پر منطبق بھی ہو جائے بقصد تطبیق نہ ہو۔ ۱۲ منہ) بھی حاصل کر لیا جائے تو نور علی نور ہے۔ جن میں اس کے وجوب (یعنی ایک درجہ قرأت کا واجب ہے اور وہ حروف کی تصحیح اور مخارج سے صحیح ادا کرنا ہے۔ دوسرا درجہ مستحب ہے۔ کہ صفات الفاظ ولہجہ ادا بھی حاصل کیا جائے۔ علاء السنن کے علاوہ کتاب القراۃ میں قرآن وحدیث وفقہ سے اس کے لزوم پر کافی بحث کی گئی ہے۔ قابل مطالعہ ہے ۱۲ ظ) واستحباب کے دلائل بالاستیعاب مذکور ہیں۔ (ایضاً)

ایک فقہی مسئلہ

فقہاء نے لکھا ہے کہ حرام مال پر بسم اللہ کہنا کفر ہے۔

کوئی حرام کام کسی نیت سے یا بسم اللہ کہنے سے جائز نہیں ہو جاتا۔ بلکہ ایسے کاموں میں خدا کا نام لینے سے ایمان پر اندیشہ ہے کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ کے نام کی بے تعظیمی ہے۔ جیسے کوئی شخص پاخانہ جانے کے وقت بسم اللہ کہنے لگے۔ فقہا نے اس کو کفر لکھا ہے اور جو حدیث میں آتا ہے کہ پاخانہ میں جاتے ہوئے بسم اللہ کہو اس کا مطلب یہ ہے کہ پاخانہ کی حد سے باہر بسم اللہ کہو۔ یہ مطلب نہیں کہ اندر جا کر کہو۔ خوب یاد رکھو۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ پاخانہ میں خبیث شیاطین ہوتے ہیں۔ جب آدمی ننگا ہوتا ہے تو اس کے بدن کو دیکھتے ہیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے ستر کو شیاطین سے چھپانے کے لئے ان کو یہ تعلیم فرمائی کہ پاخانہ میں جانے سے

پہلے بسم اللہ اعوذباللہ من الخبث والخبائث کہہ لیا کرو۔ اس کے بعد نہ وہ تمہارے بدن کو دیکھ سکیں گے نہ ایذاء دے سکیں گے۔ (تعیم التعلیم ج ۲)

بددعا سے ہلاکت میں تفصیل

شاہجہاں پور میں ایک شخص صاحب سماع تھے۔ بہت مخلص آدمی تھے عقائد بھی عمدہ تھے صرف اتنی کسر تھی کہ صاحب سماع تھے لیکن دوکاندار نہ تھے صاحب دل آدمی تھے۔ ایک بار میرے پاس ان کا خط آیا کہ ایک شخص میرا دشمن تھا مجھے بہت ستاتا تھا۔ ایک دن میرے منہ سے اس کے حق میں بددعا نکل گئی کہ الٰہی اس کو ہلاک کردے۔ اسی عرصہ میں وہ ہلاک ہو گیا۔

غرض ان بزرگ نے لکھا کہ میں نے بددعا کی تھی جس کے بعد وہ شخص ہلاک ہو گیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ واقعہ اگر کسی دوسرے کو پیش آتا تو وہ اپنے مریدوں میں بیٹھ کر ڈینگیں مارتا کہ دیکھو! ہماری بددعا سے ہلاک ہو گیا۔ بھلا ہماری بددعا خالی جاسکتی تھی۔ مگر ان بزرگ میں اس کی بجائے دوسری حالت پیدا ہوئی۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ قتل کا گناہ نہ ہوا ہو۔ سبحان اللہ! خوف خدا کی یہی شان ہوتی ہے۔ میرے اوپر اس خط کا بہت اثر ہوا۔ اور اس سوال سے مجھے سائل کی بہت قدر ہوئی۔ کیونکہ ایسا سوال عمر بھر مجھ سے کسی نے نہ کیا تھا۔ اور سوال بھی ایسے واقعہ کا جو ظاہر میں مشابہ کرامت کے معلوم ہوتا ہے۔

میں نے جواب لکھا کہ واقعی آپ کا اندیشہ درست ہے مگر اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ بددعا کے وقت دو حالتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ محض سرسری طور پر حق تعالیٰ سے درخواست کردی اور اپنے دل کو اور خیال کو اس کے ہلاک کرنے کی طرف متوجہ نہیں کیا۔ اس صورت میں اگر وہ شخص ہلاک ہوجائے تو یہ بددعا کرنے والا قاتل تو نہ ہوگا کیونکہ بددعا سے ہلاک ہونے میں اس کا دخل نہیں بلکہ اس میں محض حق تعالیٰ سے درخواست ہے اور حق تعالیٰ اپنی مشیت سے اس کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ پس یہ شخص قاتل تو نہیں۔ البتہ وہ شخص اگر بددعا کے قابل تھا تب تو گناہ بھی نہیں ہوا اور اگر بددعا کے قابل نہ تھا تو قتل کا گناہ تو نہیں ہوا مگر بددعا کرنے کا گناہ ہوا۔ اس سے توبہ واستغفار کرنا لازم ہے۔

اور ایک صورت بددعا کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے درخواست کرنے کے ساتھ اپنے دل کو بھی اس کے ہلاک کرنے کی طرف متوجہ کیا اور اپنے تصرف سے کام لیا۔ اس صورت میں

یہ تفصیل ہے کہ اگراس شخص کو تجربہ سے اپنا صاحب تصرف نہ ہونا معلوم ہے۔ مثلاً بار ہا تصرف کا قصد کیا مگر کچھ نہیں ہوا۔ اس وقت بھی قتل کا گناہ نہیں ہوا۔ البتہ اگر وہ شرعاً قابل قتل نہ تھا تو اس کی ہلاکت کی تمنا کا گناہ ہوگا۔ اور اگر تجربہ سے اپنا صاحب تصرف ہونا معلوم ہے تو یہ شخص قاتل ہے۔ کیونکہ تلوار سے قتل کرنا اور تصرف سے قتل کرنا برابر ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہ قتل عمد ہے اور یہ قتل شبہ عمد۔ (تعیم التعلیم ج ۲)

احکام مسجد

فقہا نے تصریح کی ہے کہ جو مدرس اور ملا بچوں کو تنخواہ لے کر پڑھاتا ہو اس کو مسجد میں نہ بیٹھنا چاہئے۔ کیونکہ مسجد میں اجرت کا کام کرنا بیع وشراء میں داخل ہے۔ اسی طرح جو شخص اجرت پر کتابت کرتا ہو یا جو درزی اجرت پر کپڑے سیتا ہو، یہ سب لوگ مسجد میں بیٹھ کر یہ کام نہ کریں (قلت الاان یکون معتکفا فیجوز لہ ذلک کما ھو مقتضی قواعدھم واللہ اعلم ۱۲ جامع) اور اگر اپنے لئے عمل پڑھا جائے تو تجارت تو نہیں مگر ہے دنیا کا کام وہ بھی مسجد میں نہ چاہیے۔ (ایضاً)

دین سیکھنے کی ضرورت

ہر مسلمان ہر وقت مسلمان ہونے کی حیثیت سے طالب علم ہے کیونکہ ایک درجہ طلب علم کا ہر مسلمان پر فرض ہے اور وہ ضروریات کا علم ہے۔ یعنی بقدر ضرورت عقائد کا اور احکام صلوٰۃ وصوم واحکام معاملات ومعاشرت کا علم ہر مسلمان پر لازم ہے۔ (طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم الحدیث ۱۲ ظ) نیز اس کی بھی ضرورت ہے کہ دین اور علم دین سے مناسبت پیدا کرے اور دین کی سمجھ حاصل کرے اور فہم کو بڑھائے اور اسی کا نام طالب علمی ہے (**الحکمة ضالة المؤمن فیحث وجدھا فھو احق بھاالحدیث ۱۲ ظ**) (کوثر العلوم ج ۲)

اجرت ونفقہ میں فرق

اجرت اور نفقہ میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ تنخواہ میں تعین ہوتا ہے اور نفقہ میں تعین نہیں ہوتا بلکہ اس میں قدر ضرورت کا استحقاق ہوتا ہے زیادہ کا استحقاق نہیں ہوتا مگر کبھی نفقہ زوجہ میں بھی فرض جائز ہے تاکہ نزاع نہ ہو اور جانبین کے مصالح محفوظ رہیں۔ اس

تعین سے وہ نفقہ ہونے سے نہیں نکل جاتا۔ چنانچہ نفقہ زوجہ فرض قاضی کے بعد بھی نفقہ ہی رہتا ہے۔ اسی طرح اگر مدرسین کی تنخواہ معین ہو تو محض تعلیم سے وہ تنخواہ اجرت تعلیم نہ ہوگی بلکہ حق احتباس اور نفقہ میں داخل رہے گی۔ (ایضاً)

مسجد میں بیع سے بچنا چاہئے

ایک بار مجھ کو اپنے ایک دوست کی کہ ان کو تلمذ کا تعلق بھی تھا ایک بات نہایت پسند آئی کہ مسجد میں بیٹھا تھا ایک روپیہ کی ریزگاری ایک شخص نے خریدی انہوں نے فوراً متنبہ کیا کہ یہ بیع ہے اور مسجد میں نہ چاہئے۔ (آداب المساجد ج ۴)

احکام نماز

بدوں طہارت کے نماز نہیں ہوتی اور گو بدوں نظافت کے ہو جاتی ہے مگر بد ہیئت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے یہ بھی حکم ہے کہ جس شخص کے کپڑوں میں سے پسینہ کی سخت بدبو آرہی ہو اس کو جماعت میں شریک ہونا مکروہ وممنوع ہے۔ (علوم العباد من علوم الرشاد ج ۴)

احکام تصرف

تصرف سے کسی سے کچھ وصول کرنا یہ بھی حرام ہے بعض اہل تصرف اس کو بزرگی سمجھتے ہیں کہ کسی کی طرف متوجہ ہو گئے کہ یہ شخص ہم کو پانچ سو روپے دے گا تصرف کے اندر یہ اثر ہے کہ اس شخص کا قلب مغلوب ہو کر متاثر ہو جاتا ہے اور وہ وہی کام کرتا ہے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حلال ہے حالانکہ حرام ہے اور ایسا ہی حرام (۱) ہے جیسے کسی کو مار کر کچھ چھین لیا جائے اور ایسے دیئے ہوئے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بعد میں آدمی پچھتاتا ہے ایک فقیر صاحب تصرف تھا وہ کچھ پڑھ کر پیشانی پر مٹی لگا لیتا تھا ایک مرتبہ وہ ایک انگریز کے پاس گیا اس انگریز نے اس کی صورت دیکھتے ہی خانساماں کو حکم دیا کہ اس کو سو روپیہ دے دو جب وہ چلا گیا تو بہت پچھتایا کہ میں نے کیا کیا فوراً خانساماں سے کہا کہ اس کو پکڑو جب وہ آیا صورت دیکھتے ہی کہا کہ اس کو وہ سو روپے دیدو کچھ نہ کہو پھر وہ چلا گیا تو نادام ہوا پھر خانساماں نے کہا کہ آپ تو دق کرتے ہیں آپ لکھ دیجئے چنانچہ سو روپیہ دینا اس سے لکھوالیا اس وقت وہ نادم تو ہوا۔ (التہذیب ج ۴)

رسمی مشائخ کا ظلم

ایک طبقہ اور ہے جو بچوں کی جان و مال پر ظلم کرتا ہے وہ رسمی مشائخ کا طبقہ ہے یہ تو مریدوں کو اپنی ملک سمجھتے ہیں اوران سے آئے دن فرمائش کرتے ہیں، کبھی پاؤں دبواتے ہیں، کبھی پنکھا جھلواتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ اب کے آؤ تو انگور لانا، بعضے گھوڑے کے لئے گھاس منگواتے ہیں اور ایسی خدمتیں لیتے ہیں جو اکثر ان پر بار ہوتی ہیں۔ یاد رکھو یہ بھی جائز نہیں ہے۔ کیسا ہی مخلص مرید ہو از خود اس سے کوئی فرمائش نہ کرنا چاہیے ورنہ تمہاری وہ حالت ہوگی جیسے ایک مرید نے کہا تھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ کی انگلیاں تو شہد میں بھری ہوئی ہیں اور میری انگلیاں پاخانے میں، وہ بڑے خوش ہوئے کہنے لگے کیوں نہ ہو، بحمد اللہ ہم پاک صاف ہیں اور تم دنیا دار گندگیوں کے اندر بھرے ہوئے ہو، کہنے لگا حضور یہ تو سچ ہے مگر ابھی خواب پورا نہیں ہوا۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیاں میں چاٹ رہا ہوں اور میری انگلیاں آپ چاٹ رہے ہیں۔ اب تو وہ بڑے جھلائے کہ نالائق ہے مردود ہے، کہنے لگا حضور میں نے خواب بیان کیا ہے جو دیکھا تھا وہی عرض کر دیا۔ واقعی اگر یہ خواب تھا تو اس کی تعبیر ظاہر ہے کہ مرید تو شیخ سے دین حاصل کر رہا ہے اور شیخ مرید سے دنیا وصول کر رہا ہے اگر اس نے گڑھا تھا تو بہت ہی موقع کے مطابق گڑھا۔ اس لئے مشائخ کو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ مریدوں کی دنیا پر نظر نہ کریں اور از خود کسی سے کچھ فرمائش نہ کریں، ہاں کسی سے بہت ہی بے تکلفی ہو جہاں بار ہونے کا مطلق احتمال نہ ہو۔ اس سے کوئی بہت ہی ہلکی فرمائش کا مضائقہ نہیں مگر ایسے مخلص ہزار میں ایک دو ہی ہوتے ہیں۔ (خیر الارشاد لحقوق العباد ج ۴)

خالی آنے جانے کا مسئلہ

مشہور ہے کہ خالی جاوے خالی آوے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو خلوص سے خالی جاویں وہ فیوض سے خالی آوے۔ یہ مطلب نہیں کہ جو فلوس سے خالی جاوے وہ بھی محروم ہی آتا ہے اور اگر کسی کو ایسا ہی التزام کا شوق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا اہتمام نہ کرے کہ ہر دفعہ بڑھیا چیز ہی لے جاوے بلکہ کبھی کبھی معمولی چیزیں بھی لے جایا کرے (مثلاً مسواک لے گئے یا ایک دو پیسہ کی روشنائی ہی لے گئے، یا ایک دو قلم لے گئے، کبھی

دو چار خوشبودار پھول لے آئے وغیرہ وغیرہ ۱۲) بزرگان سلف ایسا ہی کرتے تھے کہ جب ہدیہ کا شوق ہوا تو جو چیز بھی ملی خواہ کیسی ہی معمولی ہو وہی لے گئے اس کے لئے اہتمام اور تکلف نہ کرتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک بزرگ دوسرے بزرگ سے ملنے گئے، راستہ میں خیال ہوا کہ کچھ ہدیہ لے چلنا چاہیے، کوئی دوسرا ہوتا تو گھر واپس آتا مگر انہوں نے یہ کیا کہ جنگل میں سے کچھ سوکھی ہوئی لکڑیاں اٹھالیں اور لاکران بزرگ کے سامنے رکھ دیں کہ یہ لکڑیاں حضرت کے لئے پانی گرم کرنے کو لایا ہوں، وہ بزرگ اس ہدیہ سے بڑے خوش ہوئے اور اس کی ایسی قدر کی کہ فوراً اپنے خادم کو بلایا اور کہا کہ لکڑیاں بہت حفاظت سے رکھو جب ہم مر جائیں تو ہمارے غسل کے لئے اس سے پانی گرم کیا جاوے۔ امید ہے کہ حق تعالیٰ اس ہدیہ حلال و خالص کی برکت سے میری مغفرت فرمادیں۔ سبحان اللہ! کیسے قدر دان لوگ تھے تو اس طرح اگر التزام بھی کرو تو کچھ مضائقہ نہیں اگر گھاس پھوس نہ ملے تو کم از کم دو چار مٹی کے ڈھیلے ہی استنجاء کے لئے لے جائے اور اگر یہ خیال ہو کہ ایسے حقیر ہدیہ سے شیخ ناخوش ہوں گے اور اس کی قدر نہ کریں گے تو یاد رکھو ایسا شخص شیخ بنانے کے قابل نہیں جس کو خلوص کی قدر نہ ہو، فلوس ہی کی قدر ہو۔ صاحب تم کر کے دیکھو محبت کی قدر ضرور ہو جاتی ہے، چاہے ہدیہ ظاہر میں قلیل ہی ہو اور دنیا میں قدر نہ ہو تو خدا کے یہاں تو ضرور قدر ہوگی۔ حضرت سلطان نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداہ ابائنا وامہاتنا وارواحنا، ومابایدنا ۱۲) کی روح پر فتوح کو ثواب پہنچانے کے لئے کھانا پکوایا تھا (کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدیہ ثواب سے زیادہ اور کس چیز میں وہ خرچ کرتے ۱۲) کھانا تیار ہو گیا تو خدام نے اجازت چاہی کہ اس کو اٹھا کر تقسیم کر دیا جائے۔ سلطان جی نے فرمایا کہ ابھی ذرا ٹھہرو، پھر کچھ دیر کے بعد پوچھا تو فرمایا ابھی ٹھہرو، کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ اب تقسیم کرو۔ کسی خادم نے وجہ پوچھی کہ آپ کو کس کا انتظار تھا، پہلے بار بار انکار کیوں تھا اور اب اجازت کیسے دے دی، فرمایا اس وقت میرے بھائی علی احمد صابر نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کی ثواب کے لئے بھونے ہوئے چنے تقسیم کئے تھے تو اپنا کھانا تقسیم کرنا نہیں چاہا بلکہ میں نے یہ چاہا کہ ذرا حضور ادھر متوجہ ہوں تو کھانا اٹھاؤں، تو دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صابر کے چنے

اس قدر محبوب تھے کہ آپ ہمہ تن اس طرف متوجہ تھے حالانکہ حضرت سلطان جی کے کھانے ظاہر میں ان سے بہت بڑھے ہوئے تھے مگر چونکہ حضرت صابر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس زیادہ سامان نہ تھا انہوں نے ساری عمر گولر اور درخت کے پتے کھا کر ہی گزار دی حتیٰ کہ چند سیر سے زیادہ اناج عمر بھر میں بھی ان کے پیٹ میں نہیں پہنچا۔ واقعی بڑے صابر تھے مگر آج کل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جیسا ہدیہ ہوگا ویسا ہی ثواب ہوگا، اگر ہدیہ قلیل ہو تو ثواب بھی قلیل ہوگا۔ صاحبو! یہ صحیح نہیں بلکہ وہاں تو خلوص کو دیکھا جاتا ہے اگر ہدیہ قلیل ہو مگر خلوص زیادہ ہو تو ثواب زیادہ ملے گا اور ہدیہ زیادہ ہو تو خلوص کم ہو تو ثواب کم ہوگا۔ البتہ اگر دونوں زیادہ ہوں، خلوص بھی اور ہدیہ بھی تو بے شک یہ نور علیٰ نور ہوگا۔ ہاں اس کے بعد پھر اس کو بھی دیکھا جاتا ہے جس نے زیادہ دیا ہے، وہ صاحب وسعت ہے اور جس نے کم دیا ہے وہ صاحب وسعت نہیں، تو باوجود خلوص میں برابر ہونے کے بھی کم وسعت والے کا ہدیہ صاحب وسعت کے ہدیہ سے بڑھ جائے گا۔۱۲) (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

حکام کا ظلم

بعض حکام یہ ظلم کرتے ہیں کہ دورہ کے وقت کہیں سے بلا قیمت دودھ منگواتے ہیں، کہیں سے پھل منگواتے ہیں اور بعض جگہ قصبات کے رؤسا ان کے لئے یہ چیزیں بھیجتے ہیں۔ پہلی صورت تو صریح ظلم ہے اور دوسری صورت رشوت میں داخل ہے اور اس میں بھی اکثر ظلم کر کے ان سے لیتے ہیں اور حکام کے ڈیرہ پر پہنچاتے ہیں۔ جب حکومت کی طرف سے دورہ کرنے والوں کو ماہوار تنخواہ ملتی ہے اور دورہ کا بھتہ بھی ملتا ہے پھر ان کو بستی والوں سے یہ چیزیں لینے کا کیا حق ہے۔ مسلمانوں کو اس طریقہ سے بچنا چاہیے۔

بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ حاکم خود تو منتظم ہوتا ہے کسی سے رشوت نہیں لیتا نہ کسی پر ظلم کرتا ہے مگر ان کے متعلقین چپڑاسی وغیرہ ظلم کرتے ہیں۔ اس لئے حاکم تنہا اپنی احتیاط سے نجات نہیں پا سکتا بلکہ اس کا انتظام بھی اس کے ذمہ ہے کہ متعلقین بھی ظلم نہ کرنے پائیں جس کی صورت یہ ہے کہ عام طور سے اشتہار دے دے کہ میرے یہاں رشوت کا بالکل کام نہیں اس لئے اگر میرے عملہ میں سے کوئی شخص کسی سے رشوت لے تو ہرگز کوئی نہ دے بلکہ ہم سے اس کی اطلاع کرے۔ پھر اطلاع کے بعد جس نے ایسی حرکت کی ہو اس سے رقم واپس کرائے

اور کافی سزا دے۔ نیز جو شخص حاکم سے ملنے آئے اس کو خود جا کر دروازہ سے باہر تک پہنچائے تا کہ نکلتے ہوئے کوئی چپڑاسی وغیرہ اس کو تنگ نہ کرے۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

عظمت مساجد

بعض لوگ مسجد کو تماشا گاہ بنادیتے ہیں جس کی کراہت حدیث شریف میں ہے:

لتزخرفن المساجد کما زخرفت الیھود والنصاریٰ۔ (موارد الظمآن للھیثمی: ۳۰۵)

''مساجد (کی زیب وزینت اور نقش ونگار) پر فخر کریں جیسے یہود ونصاریٰ اپنی عبادت گاہوں پر فخر کرتے ہیں۔''

مگر سنوارنا اور بات ہے اور استحکام اور بات ہے سو فقہاء نے لکھا ہے کہ استحکام جتنا چاہو کر لو حقیقت میں فقہاء اور صوفیاء ہی حکمائے امت ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ذاکر کا حجرہ اتنا تنگ ہو کہ پاؤں نہ پھیلا سکے اور اس میں کسی قسم کا سامان آرائش وغیرہ نہ ہوتا کہ عبادت کے وقت قلب کو مشغولی نہ ہو دیکھئے! (اصلاح الیتمی ج ۴)

نماز جمعہ

مثلاً اذان جمعہ کے وقت بیع وشراء (خرید وفروخت) کرنا کہ اگر جمعہ کی طرف چلتے ہوئے راہ میں بیع وشراء کریں تو جائز ہے مگر افسوس ہمارے قصبہ میں عین جمعہ ہی کے وقت بازار لگتے ہیں۔ شاید یہ کسی بڑے بوڑھے کی اچھی نیت تھی کہ گاؤں والے لوگ بھی آکر نماز جمعہ میں شریک ہو سکیں گے مگر ''حفظت شیئا وغابت عنک اشیاء'' (ایک چیز کا تو خیال کیا اور بہت سی چیزوں کو نظر انداز کر دیا)

ایک چیز کا تو خیال کر لیا کہ نماز جمعہ میں شریک ہو سکیں گے مگر اس کا خیال نہ کیا کہ جب تک وہ گاؤں میں ہیں اس وقت تک ان پر جمعہ واجب نہیں۔ اگر جمعہ پڑھنے کے لئے یہاں نہ آئیں تو کچھ حرج نہیں اور جب یہاں آ گئے تو ان پر جمعہ واجب ہو گیا۔ اب اگر نہ پڑھیں گے تو گنہگار ہوں گے اور اذان جمعہ کے وقت بیع وشراء کرنا بھی حرام ہے اس حرام میں بھی مبتلا ہوں گے۔ خیر اہل علم اس مسئلہ کو تو خوب جانتے ہیں۔ (الوقت ج ۴)

اہل علم کو احتیاط کی ضرورت

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اہل علم کو اس دعوت سے بچنا چاہیے جس میں ذلت ہو۔ وجہ یہ کہ اہل علم کی ذلت خود علم کی ذلت ہے، قبول کرنے کے لائق صرف وہ دعوت ہے جو محض محبت سے ہو، حلال کھانا ہو، نہ اس میں رسم کی پابندی ہو نہ تفاخر اور نہ ریا ہو، نہ ذلت ہو بلکہ اس کی بنا محض محبت ہی محبت ہو۔ (حقوق المعاشرت ج ۴)

آداب تعزیت

حقوق میں سے تعزیت وشرکت جنازہ بھی ہے۔ اس کے بھی آداب ہیں۔ مثلاً کندھا دینا، قبر میں اترنا، کچھ پڑھ کر ثواب بخشنا مگر شریعت کے موافق اس کو نفع پہنچے ورنہ بیکار ہے۔ مثلاً بعض لوگ ایصال ثواب کے لیے میت کے تمام پارچات پوشیدنی دے دیتے ہیں اور تمام ورثاء سے اجازت نہیں لیتے یا ورثاء نابالغ ہیں جن کی اجازت قبل از بلوغ معتبر نہیں۔ سو یہ تصرف میت کے ترکہ میں جو کہ سب ورثاء میں مشترک ہے ناجائز ہے۔ ہاں بعد تقسیم ترکہ جس کا جی چاہے اپنے حصے میں سے دے سکتا ہے اور ایسے کپڑے وغیرہ اشیائے استعمال اکثر مساجد اور مدارس میں آتے ہیں۔ لہٰذا مدرسہ اور مسجد والوں کے ذمہ ضروری ہے کہ امور مذکورہ کی تحقیق کر لیا کریں۔ (ایضاً)

مسئلہ عشر وزکوٰۃ

پس سنئے کہ شریعت میں اس حق کو جو پیداوار زمین پر مقرر کیا گیا ہے عشر کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ لفظ اصطلاح شرع میں دسویں حصہ اور بیسویں حصہ دونوں کو شامل ہے مگر یہ اصطلاح ولغت کا فرق ہے کہ جو لفظ لغۃً خاص تھا اور اصطلاح شریعت میں اس کو عام کر دیا گیا جیسے حضرات چشتیہ کی اصطلاح میں ایک وظیفہ کا نام بارہ تسبیح ہے حالانکہ اس میں تیرہ تسبیحیں ہیں ممکن ہے کہ شروع میں بارہ ہی تسبیحیں ہوں مگر اب تیرہ ہیں اور نام وہی ہے۔
اب سمجھئے کہ زکوٰۃ مال کی طرح زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے جس کے دو محل ہیں۔ ایک حبوب دوسرے ثمرات، ان کے علاوہ بعض اشیاء اور بھی ہیں جن میں عشر واجب

ہے جیسے دواؤں کی کھیتی جبکہ استقلالاً آمدنی کے لیے بطور کھیت کے بویا ہو ورنہ قدرے قلیل میں نہیں مگر دواؤں کی مستقل کاشت ہمارے دیار میں بہت کم ہے۔ یہاں محل عشر عادۃ دو ہی ہیں۔ایک تو حبات دوسرے جنات ہیں یعنی باغات اس کے متعلق حکم یہ ہے ''**واتوا حقه یوم حصاده**'' اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرو، ان کے کاٹنے اور پھل توڑنے کے وقت۔

بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ حصاد سے مراد حصاد بالفعل نہیں بلکہ بالقوہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب پھل آفات سے محفوظ ہو جائے تو عشر واجب ہو گیا۔ یہ امام صاحب کا قول ہے، اگر مالک نے ایسی حالت کے بعد بیع کیا تو عشر بائع کے ذمہ ہوگا، مشتری کے ذمہ نہ ہوگا اور محض پھل آ جانے کے بعد اس حصاد کے قبل اگر بیع کر دیا تو مشتری کے ذمہ عشر ہے، بائع کے ذمہ نہیں اور صاحبین کے نزدیک حصاد بالفعل مراد ہے مگر یہاں ایک نازک مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ بعض لوگ کہر آتے ہی بیع کر دیتے ہیں تو اس کا عشر کس کے ذمہ ہے کھیتوں میں تو بیع میں کوئی خرابی نہیں جب چاہو بیچ دو کیونکہ وہ تو جڑ سمیت بکتے ہیں۔ گو اس کے عشر میں تفصیل ہے کہ اگر تیاری سے پہلے بیچ دی تو عشر مشتری کے ذمہ ہے اور اگر تیاری کے بعد بیچ دی تو بائع کے ذمہ ہے مگر ہر حال میں بیع جائز ہے بخلاف پھلوں کے کیونکہ یہاں باغ کے درخت نہیں بکتے ہیں اور پھل موجود نہیں ہے تو بیع کس چیز کی؟ کیا معدوم کی بیع ہے۔ سو بیع معدوم باطل ہے۔

میں اس بلوہ عام سے بچنے کی ایک آسان تدبیر بتلاتا ہوں جس سے دوسروں کو تو یہ خریدے ہوئے آم حلال ہو جائیں اور حرام کا سلسلہ نہ چلے وہ یہ کہ جو لوگ پھل آنے سے پہلے باغ فروخت کر چکے ہیں وہ اب پھل آنے کے بعد دو جملے کہہ دیں یا یہ کہہ دیں کہ میں قیمت معلومہ پر باغ کا پھل اب بیچتا ہوں۔ مشتری کہہ دے کہ میں خریدتا ہوں، صرف دو لفظوں کی بات ہے۔ اس سے یہ ہوگا کہ پہلے جو گناہ ہوا سو ہوا لیکن آئندہ تمام مخلوق کو حرام کھلانے کا تو گناہ نہ ہوگا پہلے گناہ سے اب توبہ کر لیں اور آئندہ گناہ سے بچنے کے لیے یہ دو لفظ کہہ دیں تو بہت کچھ گناہ کم ہو جائے۔

مگر افسوس کہ ہمارے بھائی مسلمانوں کو دوزخ میں جانا منظور ہے مگر یہ دو جملے کہنا منظور نہیں۔

ایک یہ کہ زمین بٹائی پر دیں، اس صورت میں اپنے اپنے حصہ کا عشر دونوں کے ذمہ ہے۔ کاشت کار کے بھی اور زمیندار کے بھی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ زمین ٹھیکہ پر دی جائے۔ مثلاً فی بیگھہ من بھر غلہ لیں گے یا فی بیگھہ دو روپیہ، اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ عشر کس کے ذمہ ہوگا مگر ہم لوگ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ عشر کاشت کار کے ذمہ ہے کیونکہ کاشت کا وہی مالک ہے۔ اب ایک مسئلہ قابل غور یہ ہے کہ عشر کس زمین میں ہے تو یاد رکھو کہ عشر زمین عشری میں ہے اور یہ وہ زمین ہے کہ جب سے مسلمانوں نے اس کو فتح کیا ہے تو وہ زمین کسی کافر کے قبضہ میں نہ آئی ہو، اب زمین کی تین حالتیں ہوں گی۔
ایک یہ کہ معلوم ہو جائے کہ یہ زمین مسلمانوں کے ہاتھوں میں آتی رہی ہے اس میں تو عشر کا وجوب ظاہر ہے۔ دوسرے یہ کہ معلوم ہو جائے کہ یہ زمین کافروں کے ہاتھ سے آئی ہے اس میں عشر نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ معلوم نہ ہو کہ یہ کافروں کے ہاتھ سے آئی ہے یا مسلمانوں کے مگر اس وقت وہ مسلمان کے ہاتھ میں ہے۔ یہ بھی باستصحاب حال قسم اول کے حکم میں ہے۔

ایک بات یہ معلوم کرنا چاہیے کہ عشر کی مقدار کیا ہے؟ سو اس کا مدار پانی کے اوپر ہے تو جس زمین کو کنویں سے پانی دیا جائے یا جس میں سرکاری نہر سے پانی دیا جائے اس میں پیداوار کا بیسواں حصہ ہے اور جو بارانی ہو اس میں دسواں حصہ ہے۔

ایک بات یہ جاننا چاہیے کہ لوگ عام طور سے کھیت ہی کو محل عشر سمجھتے ہیں، باغات میں عشر کو لازم نہیں سمجھتے حالانکہ باغات میں عشر واجب ہے جبکہ زمین عشری ہو اور اس کی مقدار کا مدار بھی پانی پر ہے۔ (العشر ج ۴)

عشر کا مصرف

عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے کہ اس میں بھی تملیک فقراء واجب ہے اور اس کا مصرف فقراء مسلمین ہیں۔ اگر مردہ پر کفن ڈال دیا یا مسجد میں لوٹے منگا دیئے یا فرش بنا دیا یا کافر کو دے دیا تو عشر ادا نہیں ہوا۔

ایک بات اور ہے جس کے بیان کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر ضرورت کی وجہ سے بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ بعض لوگ جو مولوی ہوتے ہیں وہ زکوٰۃ وعشر کے مصرف میں ایک حیلہ کرتے ہیں۔ مثلاً ان کو زکوٰۃ کا روپیہ یا عشر کا غلہ مدرسہ کی عمارت میں یا مدرسین کی تنخواہ میں لگانا ہے تو ایک غریب طالب علم کو بلاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ ہم تم کو کچھ روپیہ زکوٰۃ

کا دیں گے تو اس کو لے کر مدرسہ میں ہبہ کر دینا وہ کہتا ہے بہت اچھا، اب انہوں نے اس کو روپیہ دیدیا اوراس نے مدرسہ میں دیدیا۔ مولوی صاحب خوش ہیں کہ زکوٰۃ بھی ادا ہوگئی اور رقم مدرسہ کی عمارت میں یا تنخواہوں میں بھی لگ گئی مگر یاد رکھو کہ یہ حیلہ محض لغو ہے۔

اہل علم وہ گناہ تو نہیں کرتے جو عوام کرتے ہیں مگر علم کے پردہ میں یہ بھی گناہ کرتے ہیں، مولویوں کا گناہ بھی مولوی ہوتا ہے۔ اسی طرح صوفیوں کا گناہ صوفی ہوتا ہے۔ صوفیوں کا گناہ یہ ہے کہ تسبیح ہاتھ میں لیے بیٹھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے عابد، ذاکر، شاغل ہیں مگر باطن کا یہ حال ہے کہ

از بروں چوں گور کافر پر حلل   واندروں قہر خدائے عز وجل

از بروں طعنہ زنی بر بایزیدؒ   وز درونت ننگ میدارد یزید

(باہر سے کافر کی قبر پر شکوہ اور شاندار ہے اور اسکے اندر خدائے عز وجل کا قہر برس رہا ہے، اپنی ظاہری حالت کی بنا پر تو حضرت بایزید بسطامیؒ پر طعنہ زنی کرتا ہے اور تیری باطنی حالت سے یزید بھی شرماتا ہے)

یہ بڑا گناہ ہے کہ لوگوں کو دکھانے کے لیے تسبیح ہاتھ میں رکھے یا گلے میں موٹے موٹے دانوں کی تسبیح ڈال لے۔ عارف اسی کو فرماتے ہیں۔

ریا حلال شمارند و جام بادہ حرام   زہے شریعت وملت زہے طریقت وکیش

(ریا کو جائز سمجھتے ہیں اور شراب کے جام کو حرام، یہی انکی شریعت وملت اور طریقت و مذہب ہے) (العشر ج ۴)

تاویل سے نفرت

میں زمانہ طالب علمی میں ایک بار میرٹھ گیا۔ وہ زمانہ نوچندی کے میلہ کا تھا، میرا بچپن تھا، اس لیے میں بھی میلہ دیکھنے چلا گیا۔ جب میلہ سے واپس آیا تو حافظ عبدالکریم صاحب رئیس کے صاحبزادہ غلام محی الدین مرحوم نے مجھ سے پوچھا کہ مولوی صاحب نوچندی کے میلہ میں جانا کیسا ہے۔ میں نے کہا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی اس غرض سے جائے کہ اس کو فتویٰ دینے کے لیے تحقیق کی ضرورت ہے تا کہ عوام کے سامنے اس کے مفاسد بیان کر سکے تو ایسے شخص کو جانا جائز ہے۔ صاحبزادہ صاحب بہت ہنسے اور کہنے لگے کہ مولوی گناہ بھی کرتے ہیں تو اس کو جائز کر لیتے ہیں۔

مجھے اس تاویل کے بعد تاویل سے ایسی نفرت ہوگئی ہے کہ اس سے زیادہ نفرت کسی چیز سے بھی نہیں اور اس تاویل سے مراد وہ تاویل ہے جس سے اپنے نفس کی نصرت مقصود ہو۔ عارف شیرازی اسی کو فرماتے ہیں۔

ترسم کہ صرفہ بزدروز باز خواست نان حلال شیخ بہ نان حرام ما

(یعنی اندیشہ ہے کہ کہیں قیامت میں ہمارا نان حرام شیخ کے نان حلال پر غالب نہ آ جائے کیونکہ ہم تو حرام کو حرام جانتے ہیں اور وہ حرام کو تاویل سے حلال بنا کر کھاتے ہیں) (العشر ج ۴)

حیلہ سے بچنے کی ترکیب

اب سنو! کہ اگر کوئی ایسی ضرورت ہو کہ زکوۃ یا عشر کی رقم ایسے مصرف میں لگانا جہاں تملیک کا تحقق نہیں ہوسکتا۔ مثلاً مسجد میں لگانا ہے یا تملیک کا تحقق تو ہوسکتا ہے مگر جہاں رقم بھیجنا ہے ان لوگوں پر اطمینان نہیں کہ وہ مصرف میں صحیح طور پر استعمال کریں گے یا نہیں، وہاں پہلی ترکیب نہ کرو بلکہ یوں کرنا چاہیے کہ مسکین سے کہا جائے کہ اگر تم ثواب چاہتے ہو تو کسی شخص سے اتنی رقم قرض لا کر اس کام میں دے دو اور ہم اس قرض کے ادا کرنے میں تمہاری امداد کردیں گے جب وہ کسی سے یا تم ہی سے رقم قرض لے کر چندہ میں دے دے، اب تم اس کو زکوۃ کی رقم دے دو کہ اس سے تم خواہ اپنا قرض ادا کرو یا جو چاہو کرو۔

اس صورت میں مسکین سے وہی رقم واپس نہیں لی جاتی جو اس زکوۃ میں دی گئی ہے کیونکہ زکوۃ کی رقم سے تو وہ اپنا قرض ادا کرے گا جو اس کا ذاتی خرچ ہے تو اس صورت میں تملیک کا تحقق پوری طرح ہوگیا کہ زکوۃ لے کر مسکین اپنے خرچ میں بھی لے آیا البتہ جو رقم اس نے کسی سے قرض لے کر چندہ میں دی ہے وہ خرچ ہونے سے پہلے مسکین کی ملک سے خارج نہیں ہوتی قبل از خرچ وہ اس کو واپس لینے کا اختیار رکھتا ہے مگر یہ اختیار تو اس حیلہ میں بھی رہتا ہے جو عام طور پر کیا جاتا ہے اس لیے یہ نقص اسی تدبیر کے ساتھ خاص نہیں اور اس کا تدارک یوں ہوسکتا ہے کہ جب مسکین رقم قرض لا کر چندہ میں دے دے اس کی اسی وقت مدرسہ یا مسجد یا ترکوں کے فنڈ میں خرچ کردیا جائے پھر ادائے قرض کے لیے اس کو زکوۃ کی رقم دی جائے تو اب واپسی کا حق اس کو نہ رہے گا اور متعارف تدبیر میں کوئی تدارک نہیں۔ (العشر ج ۴)

عشر اور زکوۃ کا فرق

عشر کے متعلق ایک مسئلہ اور سن لینا چاہیے وہ یہ کہ زکوۃ میں تو حکم یہ ہے کہ اگر صاحب نصاب کے ذمہ قرض ہو تو زکوۃ قرض کو منہا کرنے کے بعد بقیہ رقم پر واجب ہوتی ہے مگر عشر میں یہ حکم نہیں مثلاً ایک شخص کے پاس سو روپے جمع ہیں جن پر سال بھی گزر گیا مگر اس کے ذمہ پچاس روپیہ قرض بھی ہے تو زکوۃ تو پورے سو کی واجب نہیں بلکہ قرض کی رقم نکال کر باقی ماندہ پچاس میں زکوۃ فرض ہوگی اور عشر میں یہ قاعدہ نہیں بلکہ عشر تمام پیداوار پر فرض ہوگا یہ نہیں کہ بنیے کا قرض ادا کرنے کے لیے غلہ الگ کر کے باقی میں سے عشر نکالا جائے۔ (العشر ج ۴)

قنوت نازلہ پڑھنا

میں آج کل نوازل کی وجہ سے صبح کی نماز میں قنوت پڑھتا ہوں مگر بعض دفعہ نہیں پڑھتا کیونکہ حنفیہ کے نزدیک قنوت صبح کی نماز میں سنت دائمہ نہیں۔ ہاں شافعیہ کے نزدیک سنت دائمہ ہے۔ تو حنفی کو گاہے گاہے ترک کر دینا چاہیے تا کہ التزام نہ ہو جائے شاید مقتدی کسی دن میری قنوت نہ پڑھنے سے یہ سمجھے ہوں کہ آج پیشاب کا تقاضا زیادہ ہوگا جو قنوت نہیں پڑھی مگر اس ترک کی وجہ یہ نہیں بلکہ وہ ہے جو میں نے ابھی عرض کی۔ (نور النور ج ۵)

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی وقت خدانخواستہ کفار کسی نبی کو گرفتار کر لیں اور ان کو ترس (ڈھال) بنا لیں اور کفار پر حملہ کرنے سے نبی کی ایذاء کا اندیشہ ہو تو اس وقت کیا کیا جائے فقہاء فرماتے ہیں کہ اس وقت ان نبی ہی سے دریافت کیا جائے کہ حضرت اس حالت میں ہم کو کیا حکم ہے؟ حملہ کریں یا نہ کریں۔ جو وہ کہیں اس پر عمل کرو۔ (نور النور ج ۵)

ایک سوال کا جواب

ایک صاحب کا سوال آج کل آیا ہے۔ ہمارے یہاں عجیب عجیب سوالات آتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک شخص کسی عورت پر عاشق تھا۔ عورت شریف خاندان کی تھی اور یہ عاشق صاحب گھٹیا خاندان کے تھے۔ اس کے کفو نہ تھے۔ جب آپ نے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے عدم کفائت کا عذر کیا کہ تیرے نکاح سے میری نسل بگڑے گی۔ عاشق صاحب نے

کہا کہ میں تو نکاح کر کے صرف دیدار چاہتا ہوں اور کچھ نہ کروں گا۔ چنانچہ وہ اس شرط پر نکاح کرنے کو آمادہ ہوگئی کہ مجھ سے مقاربت نہ کرنا۔ عورت بھی بڑی ہمت کی تھی۔ اور اسی شرط پر نکاح ہو گیا کچھ دنوں تو عاشق نے صبر کیا مگر پاس لیٹ کر پھر صبر کس سے ہو۔ اب میاں کی جان پر بنی تو استفتاء کیا ہے کہ اگر میں صحبت کرلوں تو خلاف شرط ہونے کے سبب نکاح میں تو خلل نہ آئے گا اور یہ بھی لکھا کہ وہ راضی نہیں ہے۔

میں نے لکھا پاگل ہے جو اس شرط کی رعایت کرتا ہے۔ یہ شرط فاسد ہے اور نکاح صحیح ہو گیا اور عورت کی ناراضی کی کچھ پرواہ نہیں تم کو پورے اختیارات ہیں۔ کیا تم عورت ہو جو ایک عورت پر قابو یافتہ نہ ہوسکو۔ اگر فقہاء نہ ہوتے اور آج کل کے محدث ہوتے جن کو محدث (بے وضو) کہنا چاہئے۔ تو وہ کہتے کہ نکاح ہی صحیح نہیں ہوا کیونکہ حدیث میں ہے نھی عن بیع وشرط۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔ اسی لئے بیع میں شرط کرنے سے بیع بھی فاسد ہو جاتی ہے اور شرط بھی اور نکاح بھی مثل بیع کے ایک معاملہ مالیہ ہے کیونکہ اس میں منافع عورت کو مہر کے معاوضہ میں لیا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں بھی نکاح اور شرط دونوں فاسد ہونے چاہئیں۔

حضرت اگر فقہاء کا وجود نہ ہوتا تو یہ لوگ بیع اور مشروط بشرط فاسد کی طرح تمام عقود کو فاسد کہتے۔ مگر خدا جزائے خیر دے حضرات فقہاء کو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس ہیں۔ وہ حضور کے لب ولہجہ کو پہچانتے ہیں۔ (المورد الفرخی فی المولد ابرزخی ج ۵)

جبہ شریف کے متعلق احکام

بعض لوگ یہاں تک غلو کرتے ہیں کہ جبہ شریفہ کے لئے نذریں مانتے ہیں۔ فقہاء نے اس کو حرام لکھا ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لئے نہیں ہوسکتی۔ عبادت خالق جل واعلی شانہ کے لئے خاص ہے۔ بحرالرائق میں اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ نذر ماننا مخلوق کے لئے سب کے نزدیک اتفاقاً حرام ہے نہ وہ نذر منعقد ہوگی اور نہ اس کا پورا کرنا ذمہ میں واجب ہوگا۔ اور وہ حرام بلکہ سخت حرام ہے۔

مجاوروں کو اس کا لینا، کھانا اور اس میں کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں۔ اصل عبارت یہ ہے۔

فی البحر النذر للمخلوق لایجوز لانه عبادة والعبادة لایکون

للمخلوق و فيه الاجماع على حرمته النذر للمخلوق ولا ينعقد ولا تشتغل الذمة منه وانه حرام بل سحت ولايجوز الخادم الشيخ اخذه ولا اكله ولا التصرف فيه بوجه من الوجو

بعض لوگ جبہ شریف کے عرس وغیرہ کے لئے زمینیں وقف کرتے ہیں تو یاد رکھئے اگر وقف کرنے والے کی نیت اس وقف سے یہی ہے کہ ان بدعات وخرافات میں اس کا روپیہ صرف کیا جائے تب تو یہ وقف باطل ہے جائز نہیں اور وقف کرنے والا گنہگار ہے۔

و فی العالمگیریة و منها ان من شرائط صحته ان یکون قربته من ذاته و عند التصرف الخ

یعنی صحت وقف کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس کام کے لئے وقف کیا گیا ہے وہ فی نفسہ بھی قربت ہو۔ اور وقت تصرف کے بھی قربت ہو۔ اور ظاہر ہے کہ عرس وغیرہ کا دلائل شرعیہ سے حرام ہونا معلوم تو اس کی نیت سے وقف بھی صحیح نہ ہوگا اور نہ اس کے لئے چندہ دینا درست ہوگا البتہ اگر اس نیت سے وقف کیا جائے کہ جو فقراء ومساکین اس کی زیارت کو حاضر ہوں ان پر صرف کیا جائے اور جو لوگ اس کے متولی ہوں وہ بھی بقدر حاجت اس میں سے لے لیا کریں تو یہ وقف صحیح ہے اور اس نیت سے خدام جبہ کو کچھ دینا بھی جائز ہے۔

غرض جبہ شریف کے لئے نذریں ماننا بالکل حرام ہے اس سے مسلمانوں کو احتراز لازم ہے۔ (راس الربعین ج ۵)

دینی احکام علماء نے نہیں بنائے

ایک بیرسٹر الہ آباد میں ہیں۔ وہ مولانا محمد حسین صاحب سے کہتے تھے مولوی صاحب! اب تو مسلمانوں کو بہت تنزل ہے اگر علماء سود کی اجازت دے دیں تو بہت اچھا ہے کہا قرآن مجید میں اس کی حرمت منصوص ہے کس کی مجال ہے اس کو حلال کرے توبہ کرو توبہ کرو! آپ کہتے ہیں کیا قرآن مجید میں اس کی حرمت آئی ہے؟ کہا ہاں! تو آہستہ آہستہ رخسارہ پر طمانچے مارے مولانا یہ معلوم نہ تھا اگر یہ ہے تو سر آنکھوں پر میں تو واللہ یہ سمجھے ہوئے تھا کہ ان مولویوں نے یہ احکام تجویز کر لئے ہیں۔

تو بعضوں کا یہ گمان ہے کہ مولویوں نے یہ احکام اپنے گھر سے بنالئے ہیں۔ غنیمت ہے مولویوں تک ہی تیرا پہنچایا آگے حضور تک نہیں پہنچے۔ الحمد للہ کہ علماء وقایہ تو ہو گئے حضور کے سبحان اللہ غرض یہ ہے کہ اپنے نزدیک اس قسم کی اصلاحات کرتے ہیں اس کی بنا یہ ہے کہ وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم کو بالکل آزاد رکھا گیا ہے۔ اس لئے بہت سے احکام کی تشریح کا انکار ہے۔ سو بعضے اس اعتقاد کے لوگ مسلمانوں میں بھی ہیں اب اگر کوئی دوسرا شخص بھی ہوتا تو ان پر بھی فتویٰ دیتا۔ (نقد اللبیب فی عقد الحبیب ج ۵)

مثلاً قانون شریعت میں اس کے متعلق کوئی قید نہیں کہ عمامہ میں چار پیچ ہوں زیادہ نہ ہوں تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا قانون نے اس سے تعرض ہی نہیں کیا حالانکہ یہ نہیں ہے بلکہ قانون نے اس کے متعلق بحث کی ہے اور بحث کر کے اجازت دی ہے تو علماء کا اعتقاد یہ نہیں ہے کہ بعض امور کے متعلق شریعت نے بحث ہی نہیں کی۔ نہیں بلکہ شریعت نے بحث کی ہے اور بحث کر کے ان امور کی اجازت دی۔ غرض یہ ہے کہ جن امور کو علماء نے جائز کیا ہے ان امور کے متعلق شریعت سے فتویٰ جواز کا ملا تب جائز کیا۔ اگر شریعت سے فتویٰ جواز کا نہ ملتا تو ہرگز جائز نہ کرتے اور آزاد لوگ شریعت میں جواز کا فتویٰ تلاش ہی نہیں کرتے۔ یہ فرق ہے علماء کی آزادی میں اور ان لوگوں کی آزادی میں بہرحال قرآن مجید رد کر رہا ہے ان کے اس خیال کو۔ (ایضاً)

مقدار مہر

آج کل مہر کی زیادتی کو بھی بڑا فخر سمجھا جاتا ہے۔ میری بھتیجی کے نکاح میں پانچ ہزار کا مہر باندھا گیا۔ ایک رئیس تھے سندھ کے وہ بھی نکاح میں شریک تھے میرے یہاں آئے ہوئے تھے انہوں نے سن کر تعجب کیا کہ اجی پانچ ہزار اس قدر زیادہ۔ انہیں اتنے ہی پر تعجب ہوا۔ حالانکہ ہمارے پاس ایک قصبہ ہے جلال آباد۔ وہاں تو سوا لاکھ روپیہ کا مہر باندھا جاتا ہے۔ اس سے تو پانچ ہزار سستا ہی ہے مگر ان کے یہاں کے مقابلہ میں یہ بھی مہنگا تھا۔ کہنے لگے اجی ہمارے یہاں تو ایک بکری یا ایک گائے یا سات آٹھ روپیہ بہت سے بہت دس روپیہ بڑے بڑے رئیسوں کا یہی مہر ہوتا ہے۔ لیجئے ان کے یہاں مہر بس اتنا ہی ہے۔

واقعی صاحب! مہر تو بس کم ہی اچھا اور خاص کر جب لینا دینا ہی نہیں تو پھر زیادہ مقدار سے فائدہ ہی کیا۔ اگر شان ہے تو دینے میں ہے محض نام لینے میں کیا شان اور

اگر نام ہی لینے میں شان ہے تو پھر لاکھ ہی کے اوپر کیوں رہ ہفت اقلیم کا نام لے دیا کرو بلکہ دنیا و مافیہا بلکہ اخری و مافیہا بلکہ عرش اور کرسی اور جنت سب ہی کا نام کیوں نہ لے دیا کرو۔ جب لینا دینا ہی نہیں تو پھر کیوں کسر رکھے۔

چنانچہ ایک جگہ مہر عجیب طرح سننے میں آیا۔ دس مٹکے مچھروں کے دس مٹکے پسوؤں کے۔ لاحول ولاقوۃ۔ یہ کیا خرافات ہے۔ مطلب یہ کہ ساری عمر مرد دبا رہے اور دے ہی نہ سکے۔ اور ایک مقام پر سوا سیر کودوں کا مہر ہوتا ہے۔ اس کو سن کر میں بڑا خوش ہوا کہ بہت ہی سستا مہر ہے مگر اس کی تفسیر کی گئی کہ سستا نہیں ہے سوا سیر کودوں سے مراد سوا سیر کودوں کا اناج نہیں ہے بلکہ اتنے روپے جتنے سوا سیر کودوں میں دانے ہوتے ہوں گے۔ جن کا گننا بھی مشکل ہے۔ تو سوا سیر کودوں کے یہ معنی کہ لاکھوں روپیہ۔

اب آپ ہی فرمایئے کہ کیا ہے محض رسوم قبیحہ۔ اجی مہر نہ اتنا کم ہی ہو کہ لڑکی کی تحقیر ہی ہو نہ وسعت سے زیادہ ہو کہ دیا ہی نہ جا سکے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی کا مہر گیارہ سو بھی تھا۔ حساب سے صرف تین چار روپیہ کم ہوتے ہیں گیارہ سو سے۔ اگر بہت ہی بڑا فخر کرنا ہے تو گیارہ سو کا مہر باندھ دو۔ مگر کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ گیارہ سو کا مہر زیادہ تھا۔ کیونکہ ایک بادشاہ تھے حبشہ کے حضرت نجاشی۔ یہ نکاح حضور کا انہوں نے کیا تھا اور یہ مہر بھی انہوں نے اپنے ہی ذمہ رکھا تھا۔ تو دیکھئے ایک بادشاہ نے اپنے ذمہ صرف گیارہ سو روپے رکھے۔ تو یہ بھی بڑی رقم نہ ہوئی۔ بادشاہ کے یہاں گیارہ لاکھ تو ہوتے۔ اگر ایسا ہی شوق ہے تو زیادہ مہر باندھنے کا تو خیر یہ مقدار گیارہ سو کی بھی موجود ہے مگر اتنا تو نہ بڑھاؤ کہ دیا ہی نہ جا سکے۔ رہی شان تو شان کو رہنے دو۔ (نقد اللبیب فی عقد الحبیب ج ۵)

ایک جاہل کی حکایت

قصہ یہ تھا کہ ایک داماد ساس پر فریفتہ ہو گیا تو اس نے ایک مفتی سے کہا کہ کیا ترکیب کروں کہ اس سے نکاح کر سکوں۔ اس نے کہا ہزار روپیہ دو ترکیب میں بتا دوں گا چنانچہ اس نے ہزار روپے دیئے۔ ہزار روپیہ لے کر اس نے کیا ترکیب کی کہ یہ لکھا کہ ساس اس کو کہتے ہیں جو منکوحہ کی ماں ہو پہلا مقدمہ۔ منکوحہ اس کو کہتے ہیں جس کا نکاح شریعت کے موافق ہوا ہو۔ دوسرا مقدمہ عموماً عورتیں کلمات شرک و کفر اپنی زبان سے جاری کرتی ہیں جس سے مرتد ہو جاتی ہیں اور مرتدہ کا نکاح درست نہیں ہوتا اس لئے قبل نکاح تجدید

ایمان ضروری ہے تیسرا مقدمہ یہ مشرکہ تھی کہ عادت کے موافق کلمات شرک وکفر زبان پر لاتی تھی چوتھا مقدمہ۔ اوراسے تجدید ایمان نہیں کرائی گئی پانچواں مقدمہ۔ لہذا نکاح شرعاً نہیں ہوا کہ مشرکہ سے مومن کا نکاح نہیں ہوا۔ جب یہ منکوحہ نہ ہوئی اس کی ماں ساس بھی نہیں ہوئی۔ رہ گئی حرمت مصاہرت سو یہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی گھڑت ہے جو حدیث کے خلاف ہے اس لئے حدیث کے مقابلہ میں ہم ابوحنیفہ کا قول نہیں مانتے اسے اس لئے بس وہ حرمت مصاہرت سے بھی بری ہوگئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ (الشریعت ج ۶)

چاندی کا مسئلہ

اگر آپ نے چاندی خریدی تو اس میں مسئلہ یہ ہے کہ چاندی کا مقابلہ اگر چاندی سے ہو تو زیادتی کمی حرام ہے۔ اگر آپ کہیں کہ صاحب اچھا مسئلہ سنا کہ نرخ کے حساب سے سو روپیہ کی چاندی ایک سو بیس بھر آئی مگر اب سو روپیہ کی سو ہی روپیہ بھر ملی۔ اچھا عمل کیا کہ بیس روپیہ کا خسارہ ہوا۔ اب ساری عمر کے لئے مولویوں کو خیر باد کہہ دیں گے۔ تو سنئے بات یہ ہے اگر مولوی صاحب سے یوں پوچھتے کہ مولوی صاحب جب چاندی میں زیادتی حرام ہے تو اب اگر اس پر اس خاص صورت میں عمل کریں تو بڑا نقصان ہوگا۔ کیا کوئی جائز شکل معاملہ کی ہے تو مولوی صاحب یوں کہتے ہیں کہ ان روپوں میں ایک گنی بھی ملالو تو ایک سو بیس روپیہ بھر چاندی جو آئے گی تو پچاس روپیہ بھر تو پچاس کی آئے گی اور باقی کو اس گنی میں شریعت محسوب کر دے گی۔ تم کو نیت کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ شریعت خود فیصلہ کر چکی ہے۔ (نفی الحرج ج ۶)

مقام ادب

علماء نے اس قدر ادب کیا ہے کہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو طبیب کہنا جائز نہیں ہاں شافی کہنا جائز ہے۔ یہاں رائے وعقل سے کام لینا جائز نہیں کیونکہ۔

دور بیناں بارگاہ الست غیر ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

(الغالب للطالب ج ۶)

حرمت سود

مسائل ربوا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مثلاً بمثل یدابید والفضل

ربوا (شرح معانی الآثار للطحاوی ۴:۶۶ ' ۶۷) اور دوسری جگہ یہ فرمایا کہ دعوا الربوا والربیہ اس سے معلوم ہوا کہ ربوا حرام ہے مگر اس کی جزئیات کا پتہ اس سے نہیں چلتا تھا۔ ہمارے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بمثل اور ید ابید سے سب جزئیات کو نکال دیا جن کو عوام الناس نہ سمجھ سکتے تھے اور اسی لئے علم اصول مدون کیا۔ نیز یہ بھی کہہ دیا کہ **القیاس مظھر لا مثبت** جس میں اس بات کا اقرار ہے کہ ہم نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ جو کچھ کہا ہے۔ (تقویم الزیغ ج۶)

مسئلہ درود

ایک تو وہ شخص ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنے اور صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا حق ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا جائے یا سنا جائے تو صلی اللہ علیہ وسلم کہنا واجب ہے۔ اگر نہ کہے گا تو گناہ ہوگا ایسے ہی حق تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ جل جلالہٗ یا اور کوئی لفظ مشعر تعظیم کہنا واجب ہے ورنہ گناہ ہوگا۔ لیکن ایک مجلس میں اگر چند بار نام لیا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر صلی اللہ علیہ وسلم کہنا (اور حق تعالیٰ کے نام پر جل جلالہ یا تعالیٰ کہنا) ایک بار تو واجب ہے اور ہر بار کہنا مستحب ہے وہ اس کا مصداق ہوگا۔

اعدذکر نعمان لنا ان ذکرہ ھو المسک ما کررتہ یتضوع

حضرت نعمان کا تذکرہ ہمارے سامنے دہرایئے کیونکہ ان کا تذکرہ کستوری ہے جتنا تو اسے دہرائے گا پھیلے گی۔ (العید والوعید ج۶)

نماز عید

اگر شہر میں عید کی نماز بلا عذر پڑھی جاتی ہے تو یہ خلاف سنت ہے اور اگر بعذر رہے تو ان کو بھی وہی ثواب ملے گا جو شہر سے باہر پڑھنے کو ملتا ہے اور ان کا عدم خروج اگر کسی کے بے راہی سے ہے تو اس کا وبال ان لوگوں پر ہوگا۔ جن کی وجہ سے یہ لوگ خروج سے معذور ہیں اور اگر حدیث میں خروج من البیت مراد ہو تو یہ تو ہر حال میں متحقق ہوگا۔ (ایضاً)

فکر دین کے ثمرات

ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ وجد میں اگر غشی کی حالت میں گر پڑوں تو وضو رہے

گا یا نہیں۔ میں اس سوال سے بہت خوش ہوا اور میں نے کہا کہ عمر بھر میں آج تم نے یہ سوال کیا ہے اور کسی نے نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے تم کو دین کی فکر ہے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں وضو کا اعادہ ضروری ہے، وہ کہنے لگا کہ درویشوں میں کوئی بھی وضو کا اعادہ نہیں کرتا۔ اس صورت میں مرید تو کیا پیر کی بھی نماز درست نہیں ہوتی مگر نماز کا اہتمام اور اس کی قدر وقعت ہو تو مسائل جاننے کی فکر ہو۔ (اصل العبادۃ ج ۷)

مسئلہ طلاق ومیراث

طلاق کے متعلق میرے پاس ایک استفتاء آیا تھا کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دی۔ عورت نے کہا میں تو نہیں لیتی۔ سائل نے پوچھا تھا کہ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں۔ یہاں سے جواب گیا کہ طلاق ہوگئی۔ عورت کے نہ لینے سے کچھ نہیں ہوسکتا، اس کو تو جھک مار کے لینا پڑے گی اور نہ لے جب بھی پڑ جائے گی۔

گر نہ ستانی بہ ستم مے رسد (اگر نہیں لیتی تو زبردستی پہنچے گی)

اب اگر کوئی عورت کہے کہ میری لیاقت اور شائستگی تھی کہ میں نے تمہاری خاطر سے طلاق کو قبول کر لیا تو کوئی عقلمند اس کا احسان مانے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ ہر شخص اس کی بات پر ہنسے گا کہ سبحان اللہ! یہ بڑا کمال کیا آپ نے۔ بھلا اس کے نہ قبول کرنے سے ہوتا کیا ہے۔ ذرا قبول نہ کر کے تو دیکھ لیجئے۔ مثلاً طلاق وانقضائے عدت کے بعد کے متعلق اگر عدالت میں نالش کرے اپنے نان ونفقہ کی تو عدالت خواہ رسمی ہو خواہ قانونی، خواہ عرفی ہو خواہ شرعی، یہی حکم کرے گی کہ چونکہ طلاق واقع ہوگئی اس لیے نان ونفقہ واجب نہیں رہا۔ جب نہ قبول کرنے کا کچھ اثر نہیں تو قبول میں کچھ کمال بھی نہیں، قبول کرنا اسی چیز کا کمال ہے جو نہ قبول کرنے سے رد ہو سکے۔ (اسراء العبادۃ ج ۷)

بہنوں کا حصہ میراث

بعض اہل علم بھی ایک غلطی میں مبتلا ہیں۔ وہ یہ کہ بعض دفعہ کوئی خاص وارث اپنا حق نہیں لینا چاہتا مثلاً بہن عام طور پر اپنا حق نہیں لیتی اور اس کی بناء ابتداء تو ظلم سے ہوئی ہے مگر اب رسم عام ہوگئی کہ میراث میں سے حصہ لینا عورت کے لیے عیوب میں داخل سمجھا جاتا ہے،

اس واسطے وہ حصہ نہیں لیتی بلکہ یہ کہہ دیتی ہے کہ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ میرا حصہ بھائی لے لے تو اس کے اس کہنے سے بھائی اس بہن کے حصہ کا مالک نہیں ہوتا کیونکہ اول تو جب اس رسم ورواج کی بناء ظلم پر ہے تو بہن نے طیب قلب سے اپنا حصہ نہیں چھوڑا اور بدون طیب قلب کے کسی کا مال دوسرے کے لیے حلال نہیں۔ دوسرے اگر فرض کیجئے کہ اس کہنے کی بنا ظلم بھی نہ ہو بلکہ طیب خاطر سے بھی کہہ دے تب بھی بوجہ اس کے اضطرار مالک ہو جانے کے وہ حصہ اس کی ملک ہو گیا اور ملک ہو جانے کے بعد کوئی عقد انتقال ملک کا پایا نہیں گیا۔ اس لیے وہ حصہ اس کی ملک سے خارج نہیں ہوا بلکہ وہ ترکہ میں سے اپنے حصہ کی بدستور مالک ہے۔

اب اس مسئلہ کے چند فروع ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اس نے اپنی زندگی میں نہ لیا تو مرنے کے بعد بہن کی اولاد اس کا حصہ پاوے گی اور اگر ماموں سے لینا چاہیں تو شرعاً مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اس میں غلطی کی بناء یہ ہوتی ہے کہ بہن کے اس کہنے کو کہ میں اپنا حصہ لینا نہیں چاہتی کافی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کافی نہیں۔ اس پر شاید یہ سوال ہو کہ اچھا پھر کیا کہیں؟ کیا یوں کہہ دے کہ میں اپنے حصہ سے دست بردار ہوتی ہوں، سو یہ بھی کافی نہیں کیونکہ ابراء دیون سے ہوتا ہے اعیان سے نہیں ہوتا۔

یعنی اگر کسی کے ذمہ میرے دس روپے آتے تھے اور میں نے کہا کہ میں نے یہ روپیہ معاف کر دیا تو میرے اس کہنے سے قرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو گیا۔ یہ تو ہے برأت عن الدین اور اگر میرا قلمدان رکھا ہے میں نے کہا جاؤ میں نے تمہیں یہ قلمدان معاف کر دیا تو اس کہنے سے نہ وہ میرے ملک سے خارج ہوا نہ آپ کی ملک میں داخل ہوا۔ وہاں ''وہبت نحلت اعطیت'' (میں نے ہبہ کیا یا بخشش کیا یا عطا کیا) یا اور انہیں کے ہم معنی الفاظ کی ضرورت ہوگی۔

اسی طرح تمام شرائط ہبہ کا پایا جانا ضروری ہوگا۔ اس واسطے بہن کے معاف کر دینے سے وہ حق وراثت معاف نہیں ہوا اور نہ بھائی کی ملک میں داخل ہوا کیونکہ وہ حصہ حصہ عین ہے دین نہیں ہے۔ اگر اس کے واقعی دینے کی نیت ہو تو اس کو الفاظ ہبہ کے ساتھ ہبہ کرنا چاہیے یا بیع کرنا چاہیے اور جو کچھ کرے اس کی شرائط پورے ادا کرنا چاہئیں۔

مثلاً اگر ہبہ کرے تو مسئلہ یہ ہے کہ قبل تقسیم کے ہبہ صحیح نہیں۔ مثلاً ایک جائیداد قابل تقسیم ہے اور اس میں بہن کا حصہ ہے اور بہن نے تقسیم سے پہلے ہبہ کیا تو یہ ہبہ جائز نہیں اور اگر تقسیم کے بعد ہبہ ہوا

ہے تو بشرط قبض صحیح ہے غرض ہبہ صرف کاغذی نہیں ہونا چاہیے حسی و حقیقی ہونا چاہیے۔ کاغذ تو محض تکمیل ہبہ کی سند اور حکایت ہے جس سے پہلے محکی عنہ کا وجود ضروری ہے۔ (اسرار العبادۃ ج ۷)

دیکھئے آپ ایک مرتبہ لقطہ کے احکام کا بیان فرما رہے تھے کہ کسی کو کوئی گمشدہ بکری ملے تو اس کو چاہئے کہ پکڑ لے۔ اگر مالک مل گیا تو وہ لے لے گا ورنہ تصدیق کے بعد اور کسی کے کام میں آوے گی۔ اگر اس کو ویسے ہی چھوڑ دے گا تو ممکن ہے کہ بھیڑیا لے جاوے۔ ایک شخص نے عرض کیا فضالۃ الابل کہ گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے۔ اس پر آپ کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا اور فرمایا مالک **ولها معها حذاء ها وسقاء ها** مطلب یہ تھا کہ اونٹ ایسا جانور نہیں کہ اس کو کوئی درندہ پکڑ لے کوئی اس کو ستا نہیں سکتا اس شخص نے بے ڈھنگا سوال کیا تھا اس پر آپ نے غصہ فرمایا اور وہ شخص معذور تھا نہیں کیونکہ اتنی بات وہ بھی جانتا تھا اس قصہ میں آپ نے ضابطہ پر عمل کیا اور اس پر کچھ بھی نہیں ہوا۔ (شکر العطایا ج ۷)

مسائل نماز جمعہ

جمعہ میں ایسی وسعت نہیں بلکہ اذان کے بعد فوراً ہی نماز کے لئے چلنے کا حکم ہے اور سب کام بعد اذان کے چھوڑ دینے کا حکم ہے اس حکم سے اشارۃً یہ بھی سمجھ آیا کہ جمعہ متعدد مسجدوں میں مناسب نہیں اور سب جگہ نماز جمعہ برابر نہیں اگر برابر ہو تو اس قدر تنگی کیوں کی جاتی کہ فوراً اذان ہوتے ہی نماز کے لئے چلنا واجب کر دیا گیا کیونکہ اگر ایک شخص کو ایک جگہ جمعہ میسر نہ ہوتا تو دوسری مسجد میں پڑھ لیتا اصلی مرضی یہی ہے کہ سب لوگ جمع ہو کر جماعت سے ایک جگہ جمعہ ادا کریں اس زمانہ میں بعضے مجتہدین پیدا ہوئے ہیں، جو بغیر جماعت کے بھی اور جنگل میں بھی جمعہ صحیح فرماتے ہیں اور شہر اور جماعت کو شرائط جمعہ نہیں کہتے۔ سو یاد رکھو کہ مجتہد ہونا ہر ایک کے لائق نہیں

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

یعنی یہ ضروری نہیں کہ جو شخص بھی آئینہ رکھتا ہو وہ سکندری بھی جانتا ہو۔

مجتہد ہونا بڑا مشکل ہے بہت علم اور فہم درکار ہے افسوس ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو کہا جاتا ہے کہ فقط سترہ حدیثیں جانتے تھے غضب کی بات ہے کہ اتنی حدیثوں پر اس قدر اجتہاد ممکن نہیں کہ یہ روایت صحیح قرار دی جاوے کیسے ہو سکتا ہے کہ سترہ حدیثیں معلوم کر کے محدث اور مجتہد ہو جاوے بہر حال یقیناً آپ کے ماخذ وسیع

ہیں مگر پھر بھی آپ کا زیادہ اجتہاد عمق نظر سے تھا۔ اور اجتہاد ایک ذوقی امر ہے وسعت نظر پر موقوف نہیں اور عمق نظر ہر ایک کو نصیب نہیں۔

شاہد آں نیست کہ موی و میانے دارد بندہ طلعت آن باش کہ آنے دارد

محبوب وہ نہیں کہ جس کے بال عمدہ اور کمر پتلی ہو بلکہ محبوبیت اس کی ایک آن اور ادا میں ہوتی ہے جو محبوب اور دلکش ہوتی ہے۔ (شعبان ج ۷)

شب برأت کی بدعات

بعض بدعات و معاصی اس شب میں واقع ہوتی ہیں۔ چنانچہ ۱۴ شعبان کو لوگوں نے یہ دستور کر رکھا ہے کہ حلوا پکاتے ہیں اور تیوہار کی طرف عزیزوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ سو یہ عید بنانا ناجائز ہے۔ ہاں اتنی تو وسعت ہے کہ پندرھویں شب کو نہ کہ چودھویں دن شعبان کو (اس لئے کہ فضیلت چودھویں شعبان کی نہیں) کھانا پکا کر خیرات کر دیا جاوے اور اگر زیادہ ہو اور ہمیشہ کسی عزیز کے لئے دینے کا قاعدہ ہو تو اس روز بھی دے دے۔ (ایضاً)

سفر میں روزہ

جس سفر میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے خود نفس سفر کی وجہ سے نہ کسی اور عارض کی وجہ سے وہ سفر ہے جس کی حد تین منزل ہے جس کی مقدار علماء نے یہاں کے کوسوں کے حساب سے ۳۶ کوس اور انگریزی میل کے حساب سے ۴۸ میل مقرر کر دی ہے لیکن انگریزی میل کا حساب آسان ہے کیونکہ یہ ہر جگہ یکساں ہے، بخلاف کوس کے کہ اس کا حساب مختلف مقامات پر مختلف ہے۔ چنانچہ یورپ میں بہت بڑا کوس ہوتا ہے یعنی وہاں دو میل کا کوس ہوتا ہے۔ لہٰذا ۴۸ میل کا حساب زیادہ آسان ہے کیونکہ وہ ذرا منضبط ہے۔

ہر چند یہ تین منزل شرعی مقدار تھی جس کی تحدید میلوں سے شرع نے نہیں کی۔

لیکن علماء نے جیسا کہ حوض میں ایک تحدید مقرر کر لی ہے یعنی دہ در دہ کی مقدار انتظام اور سہولت کے لیے مقرر کر لی ہے اسی طرح یہ حد بھی سفر کی انتظام اور سہولت کے لیے مقرر کر لی ہے ورنہ شریعت نے تو دار و مدار احکام سفر کا تین منزل کو قرار دیا ہے مگر چونکہ عرفاً اوسط منزل بارہ کوس کی ہوتی ہے اس لیے علماء نے سفر شرعی کی مقدار ۳۶ کوس مقرر

کردی ہے تاکہ عوام میں پریشانی اور اختلاف نہ ہو ورنہ اگر عوام کی رائے پر چھوڑ دیتے تو وہ صرف پانچ کوس ہی کی منزل کر کے پندرہ کوس ہی کے اندر احکام سفر کو جاری کر لیتے اور کہہ دیتے کہ ہم تو صاحب پانچ کوس سے زیادہ نہیں چل سکتے تو تحدید کے اندر یہ ایک نفع ہوتا ہے انتظام کا۔ بہر حال جو سفر ٣٦ کوس کا ہو یا ٤٨ میل کہئے وہی سفر شرعی ہے اور اسی سفر کے اندر روزہ کا افطار بھی ہے اور اسی سفر کے اندر نماز کا قصر بھی ہے۔

لیکن ایک فرق ہے وہ یہ کہ نماز کا قصر کرنا تو واجب ہے اور روزہ کا افطار کرنا واجب نہیں، ہاں روزہ کا افطار کرنا جائز ہے لیکن فی نفسہ واجب نہیں جب تک کہ سخت ضرر کا اندیشہ نہ ہو اور نماز کا قصر کرنا بہر حال واجب ہے۔ تو یہ وہ سفر ہے جو سفر شرعی کہلاتا ہے مسافر اور مریض کے لیے ارشاد ہے کہ روزہ افطار کر لینا جائز ہے۔ "**وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ**"۔ یہ شیخ فانی کا حکم ہے یعنی اس کے لیے روزہ کا فدیہ ہے۔ ایک مسکین کا کھانا دو وقت کا شکم سیر کر کے اور اگر کوئی زیادہ دے دے اپنی خوشی سے تو یہ زیادہ اچھا ہے۔ گو بعض یہ سمجھتے ہیں کہ "**اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ**" سے متعلق ہے مگر اس کی کوئی دلیل نہیں۔ ظاہراً تو تینوں ہی کے متعلق ہے۔ یعنی مسافر مریض اور شیخ فانی ان تینوں کے لیے روزہ رکھ لینا بہتر ہے مگر دوسرے دلائل کی وجہ سے اس حکم میں قید یہ ہے کہ تحمل ہو یعنی اگر تحمل ہو تو روزہ رکھ لینا اچھا ہے۔ تو "**اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ**" سے مسافر کے لیے بھی روزہ رکھنا افضل ہوا اور اگر قرآن کو اس بارے میں نص نہ کہا جائے کیونکہ بعض کے نزدیک اس کا تعلق شیخ فانی کے ساتھ محتمل ہے اور "**اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**" مگر حدیثیں تو صریح ہیں۔ چنانچہ صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں روزہ رکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہیں فرمایا، اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا جیسا جاویسا ہی افضل بھی ہے۔ بہر حال سفر میں روزہ رکھنا ہی افضل ہوا۔ (شرائط الطاعۃ ج ۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصف اخیر شعبان میں روزہ سے نہی فرمائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت روزہ رکھنے سے کہیں ضعف نہ ہو جائے۔ پھر اس سے رمضان کے روزہ میں خلل واقع ہو۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف شعبان کے بعد روزہ سے نہی فرمادی۔ اب اس علت کے معلوم ہو جانے سے اس کا درجہ بھی متعین ہو گیا۔ وہ یہ کہ فی نفسہ روزہ حرام نہیں ایک عارض کی وجہ سے ممانعت ہے۔ اگر وہ عارض نہ پایا جاوے تو روزہ رکھنے

میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ مثلاً کسی کو ضعف نہ ہوتا ہو اور وہ عادی ہو ان ایام میں روزہ رکھنے کا اور روزہ رکھنے سے کوئی اثر معتدبہ رمضان میں واقع نہ ہو تو اس کو روزہ رکھنا جائز ہوگا۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رمضان شریف سے دو تین روز قبل روزہ نہ رکھے مگر جس کی عادت ہو۔ (شعبان فی شعبان ج ۷)

بڑھیا کا مسجد میں آنا

ہمارے امام صاحبؒ نے اس باب میں نہایت سختی فرمائی ہے کہ عجوز (بڑھیا) کو بھی مسجد میں آنے کی اجازت نہیں دیتے۔ وہ فرماتے ہیں۔

لکل ساقطة لاقطة گری پڑی چیز کا اٹھانے والا موجود ہے یعنی ہر عورت کی طرف کوئی نہ کوئی میلان کرنے والا موجود ہے۔

اور دوسرے علماء نے بھی اگرچہ کسی قدر نرمی کی ہو مگر اولی اسی کو سمجھا ہے لیکن کسی نے اس انکار کو رد نہیں کیا۔ (المال والجاہ ج ۸)

کافر سے سود لینا

ایک مرتبہ میرے پاس ایک عہدہ دار کا خط آیا کہ کافر سے سود لینا کیوں حرام ہے میں نے لکھا کہ کافر عورت سے زنا کرنا کیوں حرام ہے اور خلاصہ ان کے اس سوال کا علت کا سمجھنا تھا تو سمجھ لیجئے کہ علت کا سمجھنا خواص کا کام ہے تو ان عہدہ دار صاحب نے علت پوچھی تھی تو اگر میں خوش خلقی کو کام میں لاتا اور کچھ لکھ دیتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ

مغز ماخورد و حلق خود بدرید

ہمارا مغز کھایا اور اپنا حلق پھاڑا۔ یعنی ہمارا دماغ بھی خالی کیا اور خود کوئی فائدہ بھی نہ اٹھایا۔

تو میں نے یہ لکھ دیا کہ زنا کیوں حرام ہے وہ بہت خفا ہوئے اور مجھ کو لکھا کہ علماء کو ایسا خشک اخلاق نہ ہونا چاہیے میں نے اس کو ردی میں ڈال دیا۔ اس کے بعد اتفاق سے وہ مجھے ایک سفر میں ملے اور زبانی گفتگو سے سمجھ گئے اور پھر کبھی کوئی بات فضول نہیں پوچھی۔ (ایضاً)

مغلوب العقل کا چندہ

چندہ کے متعلق ایک مسئلہ سنو خوب یاد رکھو کہ جو شخص جوش میں آ کر اپنی حیثیت سے

زیادہ چندہ دیتا ہے وہ مغلوب العقل کے حکم میں ہوتا ہے ایسی حالت میں اس سے چندہ لینا اوراس کو خالی کر کے چھوڑ دینا دین کے تو خلاف ہے ہی عقل کے بھی خلاف ہے، ہمدردی کے بھی خلاف ہے۔ کیوں کہ یہ اس کو فقیر کر دینا ہے۔ (احکام المال ج ۸)

حق شفعہ

شریعت نے جس چیز کو متقوم نہیں قرار دیا اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں مثلاً آپ کا حق شفعہ تھا۔ آپ نے سو روپیہ لے کر اس کو چھوڑ دیا تو یہ سو روپیہ واجب الادا ہیں اور حق شفعہ بھی نہیں رہا کیونکہ شریعت نے شفعہ کی کوئی قیمت مقرر نہیں کی یا مثلاً کسی نے حاکم سے سفارش کر دی اور پچاس روپیہ لے لئے یہ پچاس روپیہ حرام ہیں اکثر لوگ رشوت مقدمات میں کچھ لینے کو کہتے ہیں حالانکہ یہ سب بھی رشوت میں داخل ہیں حاکم سے سفارش کرنا بھی ایسا ہی فعل ہے کہ شریعت نے اس کی کوئی قیمت مقرر نہیں کی۔ (ایضاً)

رائے دینے اور مسئلہ بتانے کی اجرت

اسی طرح سے رائے دینا بھی ہے کہ اس کی قیمت لینا جائز نہیں۔ اگر رائے کی قیمت ہے تو جو بھی کوئی رائے دے دے قیمت لے لیا کرے اگر کہو کہ اوروں کی رائے میں اور ہماری رائے میں فرق ہے کہ ہم قانون دان ہیں۔ ہماری رائے سے لوگوں کا کام چلتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر کسی کو کوئی رائے دے دی تو اس میں کون سی محنت پڑی اور اگر کہو کہ اس میں محنت یہ ہے کہ سوچنا پڑتا ہے یہ دماغ خرچ کرنے کی قیمت ہے تو میں کہوں گا کہ اگر محنت اس کا نام ہے تو پھر رومال میں روپے باندھنے پڑیں گے اور پھر گھر تک لانے پڑیں گے پھر ان کو صندوق میں رکھنا پڑے گا ان سب باتوں کی بھی قیمت ہونی چاہیے کیونکہ ایسی محنت ان کے اندر بھی ہے بس اس کا سارا گھر لے لو۔

اسی طرح مسئلہ بتلانے کی قیمت لینا جائز نہیں کیونکہ اس میں دین فروشی ہے اور وہ حرام ہے البتہ تعلیم دین بطرز تدریس پر اجرت لینا جائز ہے کیونکہ اس میں مشقت ہے لیکن مسئلہ بتلانے کی کیا اجرت بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ پانچ روپے لاؤ جب مسئلہ بتلائیں گے۔ یہ جائز نہیں

ایک شخص نے تو کمال ہی کر دیا کہ ایک فتویٰ دیا اور ہزار روپیہ لے لیا۔ فتوے میں عجیب تماشا یہ کیا کہ پھیر پھار کے ایسی صورت نکالی کہ ساس سے نکاح کرنا جائز کر دیا۔ (احکام المال ج۸)

نفلی حج کا مسئلہ

اگر کسی شخص کی بابت اس کے مجموعی حالات سے ثابت ہو جاوے کہ حج کے راستہ میں اس سے نماز کی پابندی نہ ہو سکے گی تو اس کو حج نفل سے منع کیا جاتا ہے۔ اگر کسی شخص کو ایک نماز کے بھی قضا ہونے کا گمان غالب ہو تو اس کو حج نفل کرنا جائز نہیں اسی کے بارہ میں عارف مسعود بک کہتے ہیں۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید　　　معشوق در ینجاست بیائید بیائید

یعنی تم کہاں چلے حج کرنے تمہارا محبوب یعنی اللہ میاں تو یہاں ہیں۔

اس شعر میں مطلق حج مراد نہیں جس سے شبہ پڑے کہ حج سے روک رہے ہیں بلکہ حج نفل جس سے کوئی فرض چھوٹتا ہو وہ مراد ہے۔ (ایضاً)

باطنی تصرف

اگر کوئی درویش باطنی تصرف سے کسی کے قلب میں یہ خیال ڈال دے کہ فلاں شخص کو ایک ہزار روپیہ دیدو تو اس کا لینا بھی حرام ہے لوگ اس کو کمال سمجھتے ہیں اگر یہ صورت حرام ہے کہ باطنی تصرف سے کسی کا مال لیا جاوے۔ تجربہ ہے کہ ایسی صورت میں آدمی دب کر کچھ دے دیتا ہے پھر بعد میں پچھتاتا ہے یہ اس کی علامت ہے کہ خوش دلی سے نہیں دیا تھا۔ (احکام الجاہ ج۸)

نکاح کیلئے تعویذ

کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور وہ نہیں چاہتی اور اس پر نکاح کرنا واجب بھی نہیں، تو اس نے کسی سے تعویذ کرایا اس غرض سے کہ وہ نکاح کر لے تو یہ بھی جائز نہیں نہ ایسا تعویذ دینا جائز ہے کیونکہ اس میں بھی عامل کی قوت خیالی کا اثر ہوتا ہے اور قلب سے کسی کو مجبور کرنا جائز نہیں البتہ میاں بی بی کی موافقت کے لئے تعویذ کرنا جائز ہے کہ دونوں میں موافقت ہو جائے اور شوہر حقوق کو ادا کرنے لگے مگر عامل یہ تصور نہ کرے کہ شوہر اس پر فریفتہ ہو جاوے بلکہ صرف تصور ادائے حقوق واجبہ کا رکھے اور جس کو آج کل تسخیر کہتے ہیں اس کا قصد نہ کرے۔ تعویذ دینے والے اور لینے والے سب کو یہی لحاظ رکھنا چاہیے۔ (ایضاً)

حج اور تجارت

اگر اصل مقصود حج ہو اور تجارت تابع ہو جس کی علامت یہ ہے کہ تجارت کا سامان نہ ہوتا جب بھی ضرور حج کو جاتا تو اس صورت میں خلوص محفوظ ہے اور ثواب حج بھی کم نہ ہوگا۔ اور اگر حج اور تجارت دونوں کی نیت برابر درجہ میں ہے تو اس حالت میں تجارت جائز تو ہے مگر خلوص کم ہوگا۔ اور جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حج کے ساتھ ایک فعل مباح ہی کو منضم کیا ہے فعل حرام کو تو منضم نہیں کیا اور اگر تجارت اصل مقصود ہے اور حج تابع ہے تو اس صورت میں گناہ ہوگا اور یہ شخص ریا کار ہوگا کیونکہ یہ مخلوق کو دھوکہ دے رہا ہے کہ جاتا ہے تجارت کے لئے اور ظاہر کرتا ہے کہ میں حج کو جارہا ہوں۔

رہا یہ کہ اگر اصل مقصود حج ہو اور تجارت تابع ہو تو اس صوت میں مال تجارت لے جانا افضل ہے یا نہ لے جانا افضل ہے تو اگر زاد راہ بقدر کفایت موجود ہے تو افضل یہ ہے کہ تجارت کا سامان نہ لے جائے کیونکہ اس میں خلوص زیادہ ہے اور اگر زاد راہ بقدر ضرورت ہی ہے بقدر کفایت نہیں اور نیت تجارت تابع ہے تو اس نیت سے کہ سفر میں سہولت و اعانت ہوگی مال تجارت لے جانا موجب ثواب ہے۔ (علاج الحرص ج ۸)

احکام و مسائل نکاح سیکھنا ضروری ہیں

جو شخص نکاح کا ارادہ کرے اس پر نکاح کے احکام سیکھنا ضروری اور فرض ہیں مگر اس وقت وہی احکام فرض ہوں گے کہ جو وقت تزوج کے ہیں۔ طلاق کے احکام اس وقت سیکھنے فرض نہ ہونگے کیونکہ نکاح بہ نیت طلاق موجب معصیت ہے یعنی اس نیت سے نکاح کرنا کہ میں طلاق دے دوں گا موجب گناہ ہے۔ اور اس نیت سے گناہ ہوتا ہے البتہ نکاح ہو جاوے گا مگر گناہ ضرور ہوگا۔ اور نکاح نافذ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ زنا کا گناہ نہ ہوگا۔ بہر حال جب یہ عزم اور یہ ارادہ معصیت ہوا تو یہ ارادہ نہ کیا جائے گا کہ طلاق دوں گا اور جب یہ ارادہ نہ ہوگا تو تزوج کے وقت احکام طلاق کا سیکھنا ضروری اور فرض بھی نہ ہوگا البتہ جب عزم طلاق ہو اس وقت احکام طلاق سیکھنے فرض ہونگے کہ طلاق کس وقت دینی چاہئے۔ طہر میں یا حیض میں اور کے دینی چاہئیں۔ مثلاً تین طلاق دفعۃً دینی چاہئیں یا متفرق طور سے۔ پھر جب طلاق

موافق سنت دے دی تو اب یہ احکام سیکھنے ضروری ہیں کہ یہ طلاق رجعی ہوئی یا بائن اور عدت کے احکام سیکھنے لازم ہوں گے کہ عدت میں نفقہ ضروری ہے یا نہیں تو ان احکام کا اس وقت سیکھنا ضروری ہے۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں زیادہ مثالوں کی ضرورت نہیں۔

فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ علماء کو دستاویز پر دستخط نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس سے عداوت ہوتی ہے اسی طرح علماء کو کھال کے قصہ میں بھی نہ پڑنا چاہئے کیونکہ یہ بھی باعث عداوت ہے اگر کہیں سے آ گئی لے لی ورنہ پھرنے پھرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (تاسیس البنیان ج ۸)

ایام تعزیت کی حد

فقہاء نے لکھا ہے کہ تین روز کے بعد تعزیت کرنا پاس والوں کو ممنوع ہے۔ ہاں جو لوگ باہر رہتے ہوں ان کو تین دن کے بعد تعزیت کی اجازت ہے۔

وجہ یہ ہے کہ تین دن میں طبعی غم ہلکا ہو جاتا ہے اس کے بعد تعزیت کرنا اس کو بڑھانا ہے۔ اب اگر وہ آ کر تعزیت نہ کرے۔ تو طرفین میں بدمزگی ہوگی صاحب واقعہ اپنے دل میں کہے گا کہ اس ظالم کو میری مصیبت سے غم ہی نہیں ہوا۔ اس نے ایک حرف بھی تسلی کا نہ کہا۔ اس لئے مسافر کو تین دن کے بعد بھی جب وہ آئے تعزیت کرنی چاہئے اور اس کی تعزیت سے صاحب واقعہ کا غم نہ بڑھے گا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ شخص ضرورت کی وجہ سے اتنے دنوں کے بعد تعزیت کر رہا ہے۔ یہ پہلے نہ آ سکتا تھا۔

فقہاء نے تین دن کی حد کو غالباً اس حدیث سے استنباط کیا ہو۔

لا یحل لمؤمن ان یھجر اخاہ فوق ثلثۃ ایام

''کوئی شخص اپنے بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ ہجراں نہ کرے۔''

یعنی اگر کسی سے دنیوی معاملہ میں رنج و تکرار ہو گیا ہو تو تین دن تک تو بات چیت سلام کلام ترک کرنا جائز ہے۔ اس سے زیادہ جائز نہیں کیونکہ شارع علیہ السلام نے عادت انسانیہ سے یہ معلوم کر لیا ہے کہ طبعی غم و غصہ تین دن میں کم ہو جاتا ہے اس کے بعد تکلف بڑھانے سے رنج بڑھے گا۔ اگر اسباب زیادہ اختیار نہ کئے جائیں تو تین دن کے بعد رنج کا غلبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ تو جب طبعی رنج کا غلبہ تھا اس وقت تک شریعت نے بھی اس کو ترک کلام میں معذور سمجھا جب غلبہ جاتا رہا اب یہ معذور نہیں۔ اب ترک کلام و سلام محض خبث نفس کی وجہ سے ہے اس کی اجازت نہیں۔

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی رحمت فرمائی کہ تین دن تک ہجران کی اجازت دیدی۔ اگر کوئی فلسفی ہوتا تو ایک دن کے لئے بھی ہجران کو جائز نہ رکھتا اور یہ کہتا کہ ہجران اتفاق او اتحاد باہمی کے خلاف ہے پس رنج وتکرار کو جلد رفع کرنا اور فوراً صفائی کر لینا چاہئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جذبات نفس پر بڑی گہری نظر ہے آپ نے تین دن تک ہجران کی اسلئے اجازت دی کہ فوراً صفائی کرنا عادۃً دشوار اور نفس پر بہت گراں ہوتا ہے۔ آپ نے ہمارے اوپر گرانی اور دشواری ڈالنا گوارا نہیں فرمایا۔

دوسرے رنج وتکرار کے وقت چونکہ دونوں طرف نفس میں رنج وغصہ بھرا ہوگا تو فوراً صفائی کرنے سے یہ صفائی بیکار ہوگی۔ گو ظاہر میں دونوں بات چیت کرنے لگیں گے۔ مگر دلوں میں سخت غبار ہوگا۔ اس حالت میں صفائی کرنے سے کینہ پیدا ہو جائے گا۔ اور اس سے جو غرض تھی یعنی اتحاد واتفاق وہ مطلق حاصل نہ ہوگی۔ اس لئے آپ نے معاً صفائی کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ تین روز تک ترک کلام وہجران سے دل کا غبار نکالنے کے اجازت دیدی جب تین دن میں دل کا غبار نکل گیا اور غلبہ رنج فرو ہو گیا۔ اب ملنے جلنے کا حکم دیا اس وقت صفائی سے نفع بھی ہوگا اور چونکہ غبار نکل چکا ہے اس لئے کینہ بھی پیدا نہ ہوگا واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں جذبات نفس کی جس درجہ رعایت ہے۔ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

(اور یہ حکم دنیوی رنج وتکرار کا ہے اور اگر کسی سے دینی معاملہ میں رنج ہو گیا ہو تو اس میں یہ حد نہیں۔ بلکہ جب تک دوسرا شخص اس معصیت سے جو سبب ہجران تھی توبہ خالص نہ کرے اسوقت تک ہجران کی اجازت ہے اور بعض مواقع میں واجب ہے۔ (الصبر ج ۹)

تفقہ فی الدین

ایک بار امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سفر میں تھے اونٹ پر چلتے ہوئے نیند آ گئی اور بالکل طلوع شمس کے قریب آنکھ کھلی جلدی سے اتر کر وضو کیا نماز شروع کی امام ابو یوسفؒ امام بنائے گئے امام ابو یوسفؒ نے چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھیں اور تمام ارکان میں تخفیف کی رکوع اور سجدہ وغیرہ جلدی جلدی ادا کیا اس وقت کوئی زاہد خشک ہوتا تو یوں کہتا کہ نماز ناقص ہوئی مگر امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے نماز کے بعد فرمایا۔

الحمد لله صار یعقوبنا فقیہا

خدا کا شکر ہے کہ ہمارے یعقوب۔یعنی امام ابو یوسف فقیہ ہو گئے۔

اس وقت ان کا نماز میں جلدی کرنا تفقہ کی علامت تھی کیونکہ طلوع شمس قریب تھا اگر وہ جلدی نہ کرتے تو نماز قضا ہو جاتی اور گناہ ہوتا دوسرے ادا نماز کا درجہ قضا سے بہت بڑھا ہوا ہے پس اس وقت جلدی کرنے ہی سے نماز کامل ہوئی خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھنے سے ناقص ہوتی مگر ان باتوں پر فقیہ کی نظر ہی پہنچ سکتی ہے کہ اس وقت جلدی مناسب ہے یا ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا مناسب ہے جاہل تو ہر حالت میں ایک سی ہی نماز پڑھے گا چاہے وہ ادا ہو یا قضا ہو جائے یا رفقاء کو ایذا ہونے لگے۔(ماعلیہ الصبر ج۹)

فقہاء کی کمال فراست

فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص ایک دانہ گیہوں کی تعریف یعنی تشہیر کرتا پھرے کہ یہ دانہ کس کا ہے اس پر تعزیر جاری کی جائے آخر کیوں اسی لئے کہ یہ ورع نہیں بلکہ ورع کا ہیضہ ہے۔(ایضاً)

بلوغ کی قسمیں

فقہا نے جو پندرہ برس کی عمر پر بلوغ کا حکم کیا ہے اور وہ بھی علی الاختلاف، یہ بلوغ فی احکام الدنیا کے لئے ایک معیار ہے حقیقی بلوغ کا معیار نہیں۔پس جس طرح شہید کی دو قسمیں ہیں۔ایک شہید آخرت یعنی شہید فی الاحکام الاخرویہ۔دوسرے شہید فی الاحکام الدنیویہ۔

اسی طرح بلوغ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ایک بلوغ حقیقی یعنی بلوغ فی الاحکام الآخرویہ۔وہ تو خاص علامات کے ظہور پر ہوگا۔دوسرے بلوغ فی الاحکام الدنیویہ یہ پندرہ برس کی عمر سے ہو جاتا ہے۔اب اگر کوئی بچہ عمر کے لحاظ سے پندرہ برس کا ہو گیا ہو مگر اس میں علامت بلوغ نہ پائی گئی ہوں۔جیسی حالت وعظ کی موضوع مرحومہ کی تھی میرے خیال میں عنداللہ وہ نابالغ ہے۔اور لم یبلغوا الحنث کا مصداق ہے اور یہ سب اجر وفضیلت اس سے متعلق ہوگی۔(آداب المصاب ج۹)

چند مسائل

ا:جس بیماری میں روزہ رکھنا نہایت شاق ہو اس میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔

۲: سفر شرعی حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اپنی جائے قیام سے تین منزل کے قصد سے سفر کرے تو رستہ میں تو یہ مسافر ہو گیا۔ اب منزل مقصود پر پہنچ کر اگر پندرہ روزہ یا زیادہ قیام کا ارادہ کر لیا تو مسافر نہ رہا۔ اور اگر پندرہ روزے سے کم کے قیام کا ارادہ کیا تو پھر بھی مسافر ہے۔

غرض! جو شخص شرعی مسافر ہو اس کو جائز ہے کہ باوجود روزہ رکھ سکنے کے روزہ نہ رکھے لیکن ایسی حالت میں زیادہ افضل یہی ہے کہ رکھے۔

۳: یہ مریض اور مسافر جن کا ذکر کیا گیا اگر اس روز کے روزہ کی نیت نہ کر چکے تھے تو روزہ نہ رکھنا درست ہے اور اگر نیت کر چکے ہوں تو بلا تکلیف شدید روزہ توڑنا جائز نہیں۔

۴: یہ مریض اور مسافر جتنے دن روزہ نہ رکھیں ان دنوں کا شمار یاد رکھیں۔ اور جب مرض اور سفر ختم ہو جاوے بعد رمضان گزر جانے کے اتنے دنوں کا روزہ بہ نیت قضا رکھیں۔ اور یہ قضا کے روزے خواہ ایک دم سے رکھیں اور خواہ ایک ایک دو دو کر کے رکھیں اور بعد ختم ہونے مرض اور سفر کے اگر کچھ رمضان بھی باقی ہے تو بقیہ رمضان کا روزہ ادا کر کے اس کے گزرنے کے بعد یہ قضا روزے رکھ سکتے ہیں۔

۵: شروع اسلام میں جب لوگوں کو بتدریج روزہ کا خوگر کرنا۔۔۔ منظور تھا یہ حکم ہو گیا تھا کہ باوجود استطاعت روزے کے فدیہ کی اجازت تھی اب یہ حکم منسوخ ہے البتہ جو شخص بہت بوڑھا ہو یا ایسا بیمار ہو کہ اب صحت کی توقع نہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ حکم اب بھی ہے کہ فی روزہ یا تو ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیں یا خشک جنس دینا چاہیں تو فی روزہ اسی روپے کے سیر سے پونے دو سیر دیا کریں۔ اگر اتنے گیہوں دو مسکین کو دیں گے درست نہیں یا ایک مسکین کو ایک تاریخ میں دو دن کا فدیہ دیں گے تب بھی درست نہیں۔ اور اگر فدیہ دینے کے بعد اس شخص میں طاقت آ گئی یا وہ مرض جاتا رہا تو ان روزوں کو پھر قضا کرنا ہو گا۔ اور اگر کسی کو فدیہ دینے کی بھی وسعت نہ ہو تو بجائے فدیہ کے وہ صرف استغفار کرے اور نیت رکھے کہ جب ہو سکے گا ادا کروں گا۔ (آداب المصاب ج۹)

احداث فی الدین

جو شخص احداث فی الدین کرتا ہے وہ در پردہ مدعی نبوت کا ہے کہ مجھے بھی شریعت میں اضافہ کرنے کا اختیار ہے۔ نیز در پردہ شریعت پر نقص کا الزام لگاتا ہے کہ ابھی شریعت مکمل

نہیں۔ بلکہ میرے اضافہ کی ضرورت ہے اوراس کا سخت جرم ہونا ظاہر ہے۔اب لوگ اس راز کوتو سمجھتے نہیں خواہ مخواہ علماء سے جھگڑتے ہیں کہ فاتحہ اور مولود میں کیا خرابی ہے یہ تو اچھا کام ہے پھراس سے کیوں منع کرتے ہیں اس کا حقیقی جواب یہی ہے کہ جن قیود کے ساتھ تم ان افعال میں ثواب کے قائل ہو شریعت نے ان قیود پر ثواب نہیں بیان کیا۔مگر عوام اس کو کیا سمجھیں۔اس لئے میں ان لوگوں سے الزامی گفتگو کیا کرتا ہوں۔

چنانچہ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ گاؤں میں جمعہ کیوں نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ پہلے آپ یہ بتلائیں کہ بمبئ میں حج کیوں نہیں ہوتا۔بس خاموش ہو گئے۔

اسی طرح ایک گاؤں والے نے مجھ سے پوچھا کہ فاتحہ دینا کیسا ہے۔ میں نے کہا میاں تم نے کبھی لکڑیاں بھی اللہ واسطے دی ہیں کہا جی ہاں! میں نے کہا تم نے کپڑا بھی کبھی دیا ہے کہا ہاں! میں نے کہا پھر اس پر بھی فاتحہ پڑھی تھی کہا نہیں۔ میں نے کہا پھر کھانے ہی پر فاتحہ کیوں پڑھتے ہو۔تو وہ گاؤں والا کہنے لگا کہ جی ہاں! بس یہ تو فضول سی بات ہے۔ میں نے کہا ہاں خود سمجھ لو۔اگر ثواب ہی پہنچانا ہے تو فاتحہ الگ پڑھ دو۔ کھانا الگ دے دو۔ دونوں میں جوڑ لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ گاؤں والے سمجھنے کے بعد حجتیں نہیں نکالتے کیونکہ ان کی طبائع میں سلامتی ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک صاحب نے فاتحہ کے متعلق مجھ سے سوال کیا تو میں نے کہا کہ آپ پوری دیگ پر فاتحہ کیوں نہیں پڑھتے۔ پلاؤ کی دیگ میں صرف ایک طباقی میں کھانا رکھ کر اسی پر کیوں پڑھتے ہو۔کیا اللہ تعالیٰ کو نمونہ دکھلاتے ہو۔

اور ایک شخص کو میں نے یہ جواب دیا کہ بتلاؤ ثواب پہنچتا ہے پکانے کا یا کھلانے کا۔ کہا ثواب تو کھلانے کا ہوتا ہے۔ میں نے کہا پھر کھلانے کے بعد فاتحہ پڑھ دینا اور ثواب پہنچا دینا۔ (الاجر النبیل ج ۹)

آج کل کے مجتہد

بعض مدعی اجتہاد اس زمانہ میں ایسے ہیں کہ صرف ترجمہ دیکھ کر اجتہاد کرتے ہیں اجتہاد کیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تحریف کرتے ہیں۔چنانچہ میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے یہ رائے دی

تھی کہ اب وضو کی ضرورت نہیں ۔اس وجہ سے کہ وضو سے مقصود تطہیر اعضا ہے اور ہم لوگ اس زمانہ میں ویسے ہی صاف ستھرے رہتے ہیں۔اس لئے اب کیا ضرورت ہے وضو کی۔ پہلے زمانہ میں گردوغبار پڑتا رہتا تھا۔میلے کچیلے رہتے تھے اس لئے وضو کی ضرورت تھی۔اب ہم آئینوں کے مکانوں میں رہتے ہیں۔گردوغبار پاس کو بھی نہیں آتا۔تو اب وضو کی کیا ضرورت ہے۔یہ ان صاحب نے اجتہاد کیا۔یا تو اس قدر اجتہاد کا زعم اور یا اس طرف التفات بھی نہیں۔

چنانچہ مولوی محمد حسین صاحبؒ ایک بیرسٹر کا قصہ سناتے تھے کہ اس نے ان سے یہ کہا کہ علماء کو چاہیے کہ جمع ہو کر سود کی حلت کا فتویٰ دے دیں۔انہوں نے جواب دیا کہ یہ علماء کے گھر کی بات تھوڑا ہی ہے کہ جیسے چاہیں پھیر لیں۔سود کی حرمت تو کلام اللہ میں منصوص ہے۔کلام اللہ کے خلاف کون جرأت کر سکتا ہے اس پر آپ حیرت سے پوچھتے ہیں کہ کیا سود کی حرمت قرآن شریف میں ہے،ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ مولویوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔

دیکھئے یہ حال ہے ان لوگوں کی اجنبیت کا قرآن سے کہ اعلیٰ درجہ کی لیاقت کے بیرسٹر تھے اور مولوی بھی کہلاتے تھے مگر اتنی خبر نہ تھی کہ یہ قرآن کا مسئلہ ہے لیکن چونکہ مسلمان تھے اس وجہ سے معلوم ہونے کے بعد اپنے منہ پر طمانچے مارے اور بہت نادم ہوئے۔سو آج کل کے عقلاء دعویٰ تو اجتہاد کا کرتے ہیں مگر ان کی اجنبیت کا قرآن سے یہ حال ہے۔

ایک اور قصہ ہے کسی معقولی کا کہ ان سے ایک دفعہ لوگوں نے کہا کہ کچھ بیان کیجئے۔آپ نے نماز کا بیان شروع کیا۔کچھ یاد تھا نہیں۔بہت سوچ کر آپ نے فرمایا کہ آج کل لوگوں کا کیا حال ہو گیا ہے کہ نماز نہیں پڑھتے حالانکہ قرآن شریف میں ہے **من ترک الصلوۃ متعمدًا فقد کفر**۔اس پر کسی نے ان حضرت کو ملامت کی کہ آپ نے اسے (یعنی حدیث شریف کو) قرآن شریف میں کیسے بتلا دیا۔تو آپ تعجب سے فرماتے ہیں کہ کیا یہ قرآن کی آیت نہیں ہے۔

یہ حالت رہ گئی ہے اس زمانہ میں۔یہ بھی خبر نہیں کہ یہ قرآن کی آیت ہے یا حدیث ہے۔اس حالت پر اندیشہ ہے کہ قیامت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں نہ فرمانے لگیں (الصلوۃ ج ۱۰)

صدقہ فطر

یہ صدقہ صاحب نصاب کے ذمہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے اور اپنے نابالغ بچوں کی طرف

سے ادا کرے۔ اولاد بالغ اور بیوی کی طرف سے واجب نہیں اگر بیوی اور بالغ اولاد خود مالدار بنصاب صدقہ فطر ہوں تو خود اپنی طرف سے ادا کریں ورنہ ان کے ذمہ بھی واجب نہیں۔

اگر گیہوں سے صدقہ فطر ادا کیا جائے تو پونے دو سیر نمبری سیر سے ادا کرنا چاہیے اور اگر پورے دو سیر دے دے تو زیادہ بہتر ہے اور اگر جو دیوے تو اس سے مضاعف (دو چند) دیوے۔ مگر یہ دو چند وزن کے اعتبار سے دینا جو بعضی اردو کی کتابوں میں لکھا ہے غلط ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس برتن میں پونے دو سیر گیہوں سماویں اس سے دو چند بڑے برتن میں جتنے جو سماویں وہ صدقہ فطر میں دیئے جائیں گے۔ حاصل یہ ہے کہ دو چند ہونے میں کیل یعنی ناپ کا اعتبار ہے وزن اور تول کا اعتبار نہیں خوب سمجھ لو اور یاد رکھو اسی طرح جن کے نام حدیث میں آئے ہیں مثلاً تمر وہ گندم سے مضاعف ہیں اور جن کا نام نہیں آیا ہے جیسے مکی، چاول، چنے وغیرہ۔ سو اس کا حکم یہ ہے کہ کسی منصوص کی برابر قیمت میں دے دیا جائے۔ بنگال میں چاول کا یہی حکم ہے کہ چاول اتنے دینے پڑیں گے جو قیمت میں نصف صاع گندم یا ایک صاع جو یا تمر کے برابر ہو۔ اور جہاں گیہوں وغیرہ نہیں ہوتے وہاں قیمت کا اندازہ کرنے کا طریق جزئیہ تو دیکھا نہیں مگر قواعد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اقرب البلاد میں جس نرخ سے فروخت ہوتے ہیں اس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے۔

ایک امر قابل ذکر یہ ہے کہ صدقہ فطر نماز سے پہلے دینا مناسب ہے۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنت ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ جیسے تمہارے عید ہے ایسے ہی مساکین کی عید ہے تو اگر نماز سے پہلے ان کو پہنچ جائے گا تو بیچارے پکا کر کھالیں گے یہ قومی ہمدردی ہے۔ (الفطر ج ۱۰)

افتاء کی مہارت

ایک استفتاء میرے پاس آیا وہ مثال ایک مسئلہ کی تحقیق کے ضمن میں مجھے پیش آئی۔ وہ مسئلہ تو خیر سب کو معلوم ہی ہے لیکن مجھے اس کی مثال عرض کرنا ہے کہ ہر فن میں بہت سی باریک باتیں ایسی ہوتی ہے جنہیں ماہر ہی سمجھتا ہے غیر ماہر نہیں سمجھ سکتا۔ چنانچہ جو بات میں عرض کروں گا وہ اس سے پہلے شاید کسی کے ذہن میں بھی نہ آئی ہوگی۔

ایک شخص نے استفتا کیا کہ میرے گھر میں کچھ ایسا سلسلہ ہے کہ جب رمضان

المبارک کا مہینہ قریب آتا ہے تو بچہ پیدا ہوجاتا ہے اور روزے دودھ، چلہ چھٹی میں قضا ہوجاتے ہیں پھر سال بھر تک ضعیف رہتی ہے۔ پھر وہی بچہ۔ غرض قضا روزوں کے رکھنے کی نوبت ہی نہیں آنے پاتی۔ اب کیا کرے جب قضا روزے نہیں رکھ سکتی تو کیا فدیہ دیدے۔

میرے ذہن میں یہ آیا کہ مسئلہ تو یہ ہے کہ جب تک امید رہے عود قوت اور عود صحت کی روزہ ہی رکھے فدیہ نہ دے۔ خیر یہ مسئلہ تو ہے ہی۔ مگر میرے جی میں یوں آیا کہ یوں لکھ دوں کہ بالفعل چاہے فدیہ بھی دیدے لیکن اگر کبھی صحت اور قوت عود کر آئے تو اس فدیہ کو کافی نہ سمجھے بلکہ ان روزوں کی قضا بھی کرے۔ یہ آیا ذہن میں۔ میں نے اپنے نزدیک اس میں یہ احتیاط سمجھی کہ اگر صحت اور قوت نے عود نہ کیا تو یہ فدیہ ہی دینا کافی ہوجائے گا اور سال کے سال دیتے رہنے میں سہولت رہے گی ورنہ بہت سا جمع ہوگیا تو شاید پھر نہ دے سکے اس میں دونوں رعایتیں ہوجائیں گی کہ نفع تو بہت اور نقصان کچھ نہیں۔ نفع تو یہ کہ اگر صحت اور قوت نے عود نہ کیا تو تھوڑا تھوڑا کرکے دینے میں فدیہ آسانی کے ساتھ ادا ہوجائے گا ورنہ جمع ہوکر کثیر رقم ہوجائے گی جس کا ادا کرنا بھی دشوار ہوگا اور اگر صحت اور قوت نے عود کیا تو روزے رکھ لیے جائیں گے اور وہ فدیہ جو دیا جاچکا ہے تطوع ہوجائیگا۔ وہ گویا نفل خیرات ہوجائے گی جس کا ثواب الگ ملے گا۔ بس قریب تھا کہ یہی لکھ دوں لیکن اللہ تعالیٰ نے سنبھالا۔ دست گیری فرمائی۔ معاً شرح صدر ہوا کہ حالت عوام کی یہ ہے کہ فدیہ کو بدل سمجھتے ہیں روزہ کا۔ اگر فدیہ دیدیا تو پھر بے فکر ہوجائیں گے اور قلب میں تقاضا قضائے صوم کا پیدا نہ ہوگا کہیں گے کہ فدیہ تو دے ہی چکے ہیں لہٰذا مجھے یہ لکھنا پڑا کہ جائز نہیں فدیہ دینا جب تک صحت وقوت سے ناامید ہی نہ ہوجائے تو دیکھئے یہاں فدیہ ظاہراً اہل علم کے نزدیک بھی فخر ہے لیکن کتنے بڑے شر عظیم کو مستلزم تھا۔ (رمضان فی رمضان ج۱۰)

واعظ کا تقرر

فقہ کا یہ مسئلہ ہے کہ جس جگہ حاکم نہ ہو وہاں اگر متقی پرہیزگار اہل الرائے مسلمان کسی ایک شخص کو کوئی منصب دیدیں تو وہ سب مل کر امیر کے قائم مقام سمجھے جائیں گے اور ان کا اعطا امیر ہی کا اعطا ہوگا کیونکہ اگر غور کرکے دیکھا جائے تو اعطاء مناصب

کا اختیار جو امام کو ہے وہ بھی درحقیقت اہل اسلام ہی کو ہے اور امام بحیثیت ان کا نائب ہونے کے ان کا کام کرتا ہے کیونکہ امام کا امام ہونا تو خود اہل اسلام کے اتفاق پر ہے پس اگر وہ موجود نہ ہو تو خود ان کا فعل جائز ضرور ہوگا۔

جیسے جمعہ کی نماز کے لئے انتخاب امام کا کہ اگر امیر موجود نہ ہو اور مسلمان مل کر کسی کو منتخب کرلیں تو وہ امام صحیح ہو جاتا ہے یا ناظر وقف کو امام کی عدم موجودگی میں اہل اسلام کے انتخاب سے کسی خاص شخص کو عہدہ نظارت وقف دیا جاسکتا ہے۔ پس جب دیندار فہیم مسلمانوں نے مل کر ایک شخص کو وعظ و نصیحت کے لئے انتخاب کرلیا ہو خواہ قولاً یا حالاً تو ایسے شخص کو وعظ کہنا جائز ہے۔ باقی بدوں اہل دیں اور اہل عقل کے انتخاب کے جو لوگ اس کام کو کررہے ہیں اور اہل نہیں ہیں تو وہ وعظ کے رنگ میں گمراہی پھیلا رہے ہیں۔ ضروری مسائل تک سے ان کو واقفیت نہیں ہوتی اور وعظ کہنے کی جرأت کر بیٹھتے ہیں۔ (احکام العشر الاخیرہ ج ۱۰)

قریب المرگ کیلئے حکم

یہ جو مشہور ہے کہ مردہ کے پاس صرف الا اللہ پڑھنا چاہیے لا الہ اس کے ساتھ نہ ملاوے اس لئے کہ اگر لا الہ پر دم نکل گیا تو بے ایمان مریگا کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ کوئی معبود نہیں ہے تو اس سے حق تعالیٰ کی معبودیت کی نفی بھی ہوگئی اور یہ کفر ہے۔

یہ بھی بالکل بے اصل اور خلاف عقل ہے اس لئے کہ اگر لا الہ پر خاتمہ ہوگیا اور دل میں اس کے تھا کہ الا اللہ بھی کہوں گا تو کفر کہاں لازم آیا۔ اللہ تعالیٰ تو دل کو ہی دیکھتے ہیں اور نیز ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ لا اللہ کہنے نہ پایا۔ اسکو اس قدر وقت ہی نہ ملا۔ باقی یہ ظاہر ہے کہ توحید اس کے ذہن میں پہلے سے تھی۔

مابروں رانگریم وقال را   مادروں رابنگریم وحال را

(ہم کسی شخص کی ظاہری حالت اور اس کی گفتگو کو نہیں دیکھتے بلکہ ہم اس کی اندرونی کیفیت اور حالت کو دیکھتے ہیں) (ایضاً)

بحر الرائق میں لکھا ہے کہ اگر مرتے وقت کسی مسلمان کے منہ سے کلمات کفر نکلیں تو وہ سب معاف ہیں مرنے کا وقت بڑا نازک وقت ہے۔ تھوڑی سی آدمی کو تکلیف ہوتی ہے تو پریشان ہو جاتا ہے اور وہ وقت تو جان نکلنے کا ہے۔ اسی واسطے ایسے وقت

میں سمجھ دار آدمی پاس ہونا چاہیے تا کہ مردہ کی حالت کو سمجھیں۔ بعض حالتیں ایسی پیش آتی ہیں کہ پاس والوں کو بالکل سمجھ میں نہیں آتیں۔ (الہذیب ج ۱۰)

خسوف اور نکاح

ایک بات یہ مشہور ہے کہ کسوف وخسوف کا وقت منحوس ہوتا ہے۔ ایسے وقت نکاح یا کوئی شادی کی تقریب نہ کرنا چاہیے۔ میں نظام آباد علاقہ حیدرآباد میں اپنے بھتیجے کا نکاح کرنے گیا تھا جو دن اور جو وقت نکاح کے لئے قرار پایا تھا اس وقت خسوف ماہ ہو گیا۔ اب وہاں کے لوگوں میں کھلبلی پڑی کہ ایسے وقت میں کیا نکاح ہوگا۔ اور اگر ایسے وقت نکاح کیا تو تمام عمر نحوست کا اثر رہے گا۔ بہت سے جنٹلمین بھی ان مہملات میں مبتلا تھے چنانچہ جمع ہو کر میرے پاس آئے اور یہ کہا کہ عرض کرنا ہے میں نے کہا کہ فرمایئے کہنے لگے کیا چاند گرہن کے وقت بھی نکاح ہوگا۔ میں نے کہا اس وقت تو نکاح کرنا بہت ہی اولیٰ وافضل ہے اور میرے پاس اس کی دلیل بھی موجود ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ صاحبوں کو معلوم ہے کہ ہم ابوحنیفہؒ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ خسوف کے وقت ذکر اللہ ونوافل میں مشغول ہونا چاہیے۔

اب سمجھئے کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ نکاح میں مشغول ہونا نوافل میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔ پس ایسے وقت نکاح کا شغل اور بھی افضل واولیٰ ہے ان سب نے اس کو تسلیم کر لیا۔ (ایضاً)

حق العبد مقدم ہے

فقہاء نے لکھا ہے اس کا قاعدہ کہ حق العبد مقدم علیٰ حق اللہ بہت سی نظیریں اس کی مثلاً زکوٰۃ ہے اس کے بارہ میں یہ حکم ہے کہ جو مقروض ہو اس کے ذمہ زکوٰۃ نہیں اس واسطے کہ زکوٰۃ ہے خدا کا حق اور قرض ہے بندہ کا حق اور بندہ کا حق مقدم ہے۔ خدا کے حق پر اب یہاں یہ شبہ ہوتا ہے عوام کو کہ جب خدا بڑا ہے تو اس کا حق بھی بڑا ہونا چاہیے۔ (تکمیل الاعمال بتبدیل الاحوال ج ۱۱)

مریض کے احکام

فقہاء نے لکھا ہے کہ جس شخص سے جماعت کو ایذا ہو جیسے کوڑھ کا مریض یا خارش کا مریض یا گندہ دہن وغیرہ اس کو جماعت معاف ہے کیونکہ ایک کی وجہ سے دس کی جماعت جاتی

ہے بعض لوگوں کو اس ایذاء پر صبر نہ ہوگا تو وہ جماعت سے بیٹھ رہیں گے۔ فقہاء نے تکثیر جماعت کو مہتم بالشان سمجھا ہے اسی تکثیر کی وجہ سے امام کی صفات لکھی ہیں ان سب کی بناء اسی پر ہے کہ جماعت میں تکثیر ہو اور نفرت نہ ہو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر علم و فضل میں چند آدمی برابر ہوں تو ایک وجہ ترجیح کی خوبصورت ہونا بھی ہے جو ان میں سب سے زیادہ خوبصورت ہو اس کو امام بنایا جائے مگر امرد نہ ہو کیونکہ امرد کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کی طرف زیادہ رغبت ہوگی اور ایک وجہ ترجیح کی یہ بھی لکھی ہے کہ جو نسب میں بڑھا ہوا ہو نسب سے بھی آدمی کی عزت ہوتی ہے اور مقتدیوں کو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں عار نہیں آتی تو اس سے تکثیر ہوگی۔ جماعت کی یہاں تک لکھا ہے کہ جس کی بیوی زیادہ خوبصورت ہو اس کو امام بنایا جائے کیونکہ ایسا آدمی عفیف زیادہ ہوگا اور غیر عفیف سے عفیف کے پیچھے جماعت زیادہ جمع ہوگی اور اس سے کوئی یہ سمجھے کہ امام صاحب کی بیوی کو جا کر جھانکا کریں تا کہ اس کا حسین ہونا معلوم ہو بلکہ یہ بات آپس میں ملنے جلنے والوں کو معلوم رہتی ہے کہ کس کے گھر کی کیا حالت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مقتدیوں کو یہ بات معلوم ہو کہ فلاں شخص کی عورت حسین ہے تو یہ بھی کسی درجہ میں وجہ ترجیح کی ہوسکتی ہے فقہاء شرعی مذاق نہایت صحیح رکھتے ہیں شریعت کی تاکیدیں جماعت کے متعلق دیکھکر تکثیر جماعت کی صورتیں تجویز فرمائی ہیں' شریعت کو تکثیر جماعت کا خاص اہتمام ہے اس لیے امام کو تطویل قرأت سے منع فرمایا ہے اور تطویل کرنے والے کو فتان فرمایا ہے تا کہ جماعت میں تقلیل نہ ہو' امام کے متعلق ان جملہ احکام کی بناء تکثیر جماعت ہی ملے گی اس طرح شریعت نے مقتدیوں میں رعایت کی ہے کہ ان باتوں سے منع کیا ہے جو تکثیر جماعت میں حارج ہوں۔ مثلاً حدیث میں ہے جو شخص لہسن کھاوے وہ مسجد میں نہ آوے کیونکہ اس سے ایذاء ہوتی ہے جو مخل فی التکثیر ہے۔ (کثرت میں خلل انداز) (اوج قنوج جلد نمبر ۱۱)

نیت کے کرشمے

فتویٰ یہ ہے کہ اگر سفر میں مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے

اصل مدار نیت ہی پر ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص دھوکہ سے شراب پی لے تو اس کو گناہ نہیں ہوا گو صورت گناہ موجود ہے۔ کیونکہ نیت نہ تھی۔ اور اگر ایک شخص شراب پینے کے

لئے دوکان پر جائے اور دوکاندار بجائے شراب کے کوئی شربت اس کو دے دے جسے یہ شراب سمجھ کر پی لے تو اس کو گناہ ہوگا کیونکہ اس کی نیت تو شراب پینے ہی کی تھی۔اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مجامعت کرے مگر وہ اندھیرے میں یہ سمجھتا ہے کہ یہ میری بیوی نہیں بلکہ کوئی اجنبی عورت ہے' تو اس کو گناہ ہوگا۔اسی طرح اگر مجامعت میں تصور کسی اجنبیہ کا کرے یعنی بیوی سے مجامعت کرتے ہوئے یہ تصور کرے کہ میں گویا فلاں اجنبیہ سے مجامعت کررہا ہوں اور اس کی صورت ذہن میں حاضر کرکے اس سے لذت لے۔تب بھی گناہ ہوگا اور اگر شب زفاف میں عورتوں نے اس کے پاس غلطی سے بجائے اس کی بیوی کے کسی دوسری عورت کو بھیج دیا جس کے ساتھ یہ شخص یہ سمجھ کر ہمبستر ہوا کہ یہی میری بیوی ہے تو اس کو گناہ نہ ہوگا اور یہ وطی زنا شمار نہ ہوگی بلکہ وطی بالشبہ ہوگی جس سے ثبوت نسب بھی ہوجاتا ہے اور عدت بھی لازم ہوتی ہے۔(محاسن اسلام ج ۱۲)

کسی کو کافر کہنا

جو بعض لوگ تشدد کرتے ہیں کہ مسلمان کو کافر اور منافق کہہ دیتے ہیں یہ بڑی غلطی اور جرات ہے۔جب وہ زبان سے اسلام ظاہر کرتا ہے اور آج کل کوئی وجہ اس بات کی رہی نہیں کہ نفاق کا وتیرہ اختیار کیا جائے تو پھر کسی کو کافر اور منافق کہنے کے کیا معنی؟ کافر بڑا سخت لفظ ہے بڑی احتیاط چاہیے۔کافر کسی کو اس وقت کہہ سکتے ہیں جب کہ وہ کوئی فعل ایسا کرتا ہو جو محتمل تاویل کو بھی نہ ہو۔مثلاً کوئی شخص بت پرستی بلا اکراہ کھلم کھلا کرتا ہو تو اس وقت اس کو کافر کہہ سکتے ہیں۔(الاسلام الحقیقی ج ۷)

احتیاط کی ضرورت

اور اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ہم نے آج کل یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اپنا جو ایک مسلک قرار دے لیا ہے بس وہی اسلام ہے اور وہی ایمان ہے جو اس کے خلاف ہو وہ کافر ہے یہ بہت سخت بات ہے۔امام ابوحنیفہؒ کو دیکھئے۔صاحب مذہب تھے، مجتہد تھے۔ان کا یہ منصب تھا کہ ایک مسلک قرار دے لیتے ہم تو اس کے بھی اہل نہیں مگر ان کی احتیاط دیکھئے ان کے زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ اس شخص کے حق میں کیا فرماتے

ہیں جو یہ کہتا ہے کہ لا یدخل النار کافر یعنی کوئی کافر دوزخ میں نہیں جائے گا آپ نے شاگردوں سے پوچھا سب نے اس شخص پر کفر کا فتویٰ لگادیا کیونکہ یہ لفظ صراحۃً خدا تعالیٰ کے قول کے خلاف ہے قرآن شریف میں صاف آیا ہے کہ کفار دوزخ میں جائیں گے اور یہ شخص کہتا ہے کہ کوئی کافر دوزخ میں نہ جائے گا تو اس نے تکذیب کی حق تعالیٰ کے قول کی اور اس کا کفر ہونا ظاہر ہے امام صاحبؒ نے فرمایا کہ ظاہر معنی تو یہی ہیں مگر اس میں کوئی تاویل بھی ہو سکتی ہے یا نہیں لوگوں نے کہا ایسے صریح لفظ میں کیا تاویل ہو سکتی ہے۔ فرمایا نہیں میرے نزدیک ایک تاویل ہو سکتی ہے اس کا یہ کہنا کہ دوزخ میں کوئی کافر نہیں جائے گا اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ دوزخ میں جاتے وقت کوئی کافر نہ رہے گا کیونکہ قیامت میں کفار کو حق ظاہر ہو جائے گا اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہم غلطی پر تھے۔ جب اپنی غلطی ظاہر ہو جائے گی تو اس وقت انبیاء کی بھی تصدیق کریں گے اور جنت کی بھی اور نار کی بھی تو وہ منکر نہ رہے تو اب یہ کہنا ٹھیک ہو گیا کہ دوزخ میں جو کوئی جائے گا وہ منکر اور کافر نہ ہو گا یعنی اس وقت تو اس شخص نے کیا جھوٹ کہا پھر کفر کا فتویٰ کیوں لگایا جاوے۔ یہ اور بات ہے کہ اس وقت کا ایمان نفع نہ دے گا کیونکہ قیامت دار الجزاء ہے دار العمل نہیں ہے دار العمل تو دنیا ہے دنیا کا کیا ہوا عمل کام دے سکتا ہے نہ کہ آخرت کا۔

احکام تبلیغ ودعوت

نہی عن المنکر میں اگر اندیشہ ہو۔ ایسی اذیت کا کہ جس اذیت کا یہ متحمل نہ ہو تو اس وقت نہی عن المنکر معاف ہے اور جہاں ایسی اذیت نہیں۔ فقط یہ اندیشہ ہے کہ مخاطب برا مانے گا یا ہمارا مرتبہ اس کی نظر میں کم ہو جاوے گا یا ہمیں شاید کچھ دینے کا ارادہ رکھتا ہو تو نہ دے گا یہ سب خیال فاسد ہیں اس وجہ سے نہی عن المنکر معاف نہیں ہے مگر اب تو یہ نوبت ہے کہ محض اپنے حفظ جاہ و مال کے لئے نہی عن المنکر سے بچتے ہیں۔ اللہ کے بندے ایسے بھی تو ہوتے ہیں کہ نہی عن المنکر یا امر بالمعروف میں اندیشہ تو کیا، مقاسات اذیت بھی ہو جاوے تب بھی وہ باز نہیں آتے۔ (الدعوت الی اللہ ج ۱۳)

ایک حکایت

جیسے ایک نیم ملانے گاؤں کے ایک چودھری کو مسئلہ بتایا۔ کہ نیت کے بغیر روزہ نہیں ہوتا۔ اس نے

پوچھا نیت کیا ہے؟ آپ نے کہا نیت یہ ہے **اللّٰھم وبصوم غد نویت** دوسرے روز جو دیکھا تو چودھری مزہ سے بیٹھا حقہ پی رہا ہے۔ پوچھا، ارے یہ کیا۔ روزہ نہیں رکھا؟ اس نے کہا صاحب! میں کیا کروں بدوں نیت روزہ ہوتا نہیں اور نیت ابھی یاد نہیں ہوئی اس میں اس کی بھی غلطی ہے کہ یہ مسئلہ پھر پوچھ لیتا۔ کہ اگر کسی کو نیت یاد نہ ہو تو کیا کرے، اور مولوی صاحب کی بھی غلطی ہے کہ خواہ مخواہ انہوں نے گنوار کو عربی میں نیت بتلائی۔ اول تو زبان سے کہنا ہی ضروری نہیں اور اگر کسی کو کہنا ہی ہے تو اردو بھی کافی ہے۔ (الدعوت الی اللہ ج ۱۳)

اقسام تبلیغ

یہ بھی ایک فرد اعظم ہے تبلیغ کی اور اس میں بھی ایک تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک خطاب خاص ایک خطاب عام۔ امر بالمعروف خاص تو آپ کے ذمہ ہے۔ یہ کسی فرد بشر سے ساقط نہیں ہوتا اور امر بالمعروف عام یعنی وعظ کہنا یہ سب کے ذمہ فرض نہیں۔ بلکہ یہ صرف علماء پر واجب ہے اور امر بالمعروف خاص کا مدار قدرت پر ہے۔ یعنی جس کو جس کسی پر جتنی قدرت ہے۔ اس کے ذمہ واجب ہے۔ کہ اس کو امر بالمعروف کرے۔ مثلاً ماں باپ کے ذمہ واجب ہے کہ اپنی اولاد کو نماز روزہ کی نصیحت کریں۔ خاوند پر فرض ہے کہ اپنی بی بی کو احکام شرعیہ پر مجبور کرے۔ آقا کے لئے لازم ہے کہ اپنے نوکر چاکر جو ان کے ماتحت ہیں ان کو امر بالمعروف کرے۔

حدیث میں ہے: **مرو اصبیانکم بالصلوٰ ۃ اذا بلغوا، سبعاً واضربوھم اذا بلغو عشرا (مسند أحمد ۲: ۱۸۰، حلیة الأولیاء ۱۰: ۳۶)**

(اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو، جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور جب وہ دس برس کے ہو جائیں اور (نماز نہ پڑھیں) تو انہیں مارو)

غرض ہر شخص پر واجب ہے کہ اپنے ماتحتوں کو حکم کرے۔ امور خیر کا اور خلاف شرع باتوں سے روکے۔ اس میں عالم ہونے کی ضرورت نہیں، ہاں جہاں علم درکار ہے۔ مثلاً کوئی مختلف فیہ مسئلہ ہے یا ایسا کوئی مسئلہ ہے جس کے بہت شقوق ہیں اور وہ ان شقوق کا احاطہ نہیں کر سکا یا احاطہ تو کر لیا مگر درجہ معلوم نہیں۔ کہ متفق علیہ مسئلہ ہے یا مختلف فیہ۔ مسئلہ مختلف فیہ میں گنجائش ہوتی ہے تو ایسا مسئلہ بتلانا ہر شخص کے لئے جائز نہیں بلکہ جس کی نظر کافی نہ ہو اس کو ایسا مسئلہ بیان کرنا بھی جائز نہیں۔ یہ علماء کے بتلانے کا ہے پس تبلیغ خاص کے لئے تو مسئلہ کی حقیقت کا

پورے طور سے منکشف ہونا اور قدرت ہونا شرط ہے اور تبلیغ عام یعنی وعظ کہنا یہ علماء کا کام ہے۔ خواہ درسیات پڑھ کر عالم ہوا ہو یا کسی عالم سے مسئلے مسائل سن سن کر عالم ہو گیا ہو۔ اس کو بھی تبلیغ عام کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ کسی بڑے نے اس کو اس کام کے لئے معین کیا ہو۔ چنانچہ صحابہ نے کہاں پڑھا تھا۔ وہ بھی تو سن سن کر تبلیغ کرتے تھے۔ مگر ہر شخص خود نہ سمجھے کہ میں اس کے قابل ہوں۔ جب تک کوئی کامل نہ کہہ دے کہ تم قابل ہو۔ بقول ایک حکیم کے:

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را　　　عیسیٰ نتواں گشت بتصدیقِ خرے چند

(اپنا موتی کسی صاحب نظر کو دکھلا دے کیونکہ چند گدھوں کی تصدیق سے تم عیسیٰ نہیں ہو سکتے) (آداب التبلیغ ج ۱۳)

مسائل بتانے میں احتیاط

حضرت مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ گنگوہ میں ایک جاہل مفتی تھے۔ مولانا نے امتحاناً ان سے پوچھا کہ حاملہ سے نکاح کرنا کیسا ہے۔ مولانا نے مسئلہ بھی چھانٹ کر وہ پوچھا جو بہت ہی شقوق رکھتا ہے مگر وہ شخص تھا متدین۔ یہ جواب دیا کہ بیوہ حاملہ سے نکاح کرنا ایسا ہے جیسے گھیرا دے دینا۔ پوچھا کہ مطلب کیا ہے۔ کہا تم خود سمجھ لو۔ غرض وہ بڑا ہوشیار تھا۔ جواب ایسا دیا کہ مخاطب کو کچھ پتہ ہی نہ چلے۔ نہ حلت کا پتہ لگے نہ حرمت کا اور نہ عقیدہ بگاڑا۔ مگر سائل کو کیا حاصل ہوا بجز اس کے کہ متحیر رہے۔ مگر خیر پہلے کچھ تو اہلیت تھی۔ اب تو من گھڑت سے بھی باک نہیں۔ (ایضاً)

نماز سے غفلت

ایک شخص نے خود مجھ سے فخراً کہا کہ نماز تو چاہے قضا ہو جائے۔ مگر پیر نے جو وظیفہ بتلایا ہے وہ کبھی قضاء نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ جب قضاء آئے گی۔ اس وقت اس کا نتیجہ معلوم ہوگا۔ کہ نماز زیادہ ضروری تھی یا وظیفہ؟ اور ان میں بھی اسلم وہ ہیں جو وظیفے ثواب کے لئے پڑھتے ہیں۔ ورنہ اکثر تو دنیا ہی کے واسطے پڑھتے ہیں۔ چنانچہ کوئی قصیدہ غوثیہ کا ورد کرتا ہے۔ کوئی حزب البحر کا۔ اگر ان کو ثواب مطلوب ہوتا۔ تو ادعیہ ماثورہ میں ان سے زیادہ ثواب ہے۔ مگر دنیا مطلوب ہے۔ اس لئے ادعیہ ماثورہ سے دلچسپی نہیں۔ بلکہ اس قسم کے وظائف سے دلچسپی ہے۔ جن سے دنیوی منافع بھی حاصل ہوتے ہیں۔ (التواصی بالصبر ج ۱۳)

اہل دین سے دنیا کا سوال

قاضی ثناء اللہ صاحبؒ پانی پتی سے ایک شخص نے نماز کا مسئلہ پوچھا۔ قاضی صاحب نے حوض پر وضو کیا اور دو رکعت شکریہ کی پڑھیں۔ پھر مسئلہ بتایا۔ اس نے پوچھا۔ حضرت مسئلہ بتانے میں اتنا توقف کیوں کیا۔ فرمایا کہ کئی سال میں نماز کا مسئلہ پوچھا گیا۔ ورنہ حدود و قصاص بیع و شریٰ ہی کے مسائل سے سابقہ تھا۔ کیوں کہ قاضی تھے۔ قاضی کے یہاں تو دنیا کے جھگڑے پیش ہوتے ہیں اور غیر ممکن ہے کہ لوگ قاضی صاحب سے اس لئے نماز کے مسئلے نہ پوچھتے ہوں۔ کہ سمجھتے ہوں کہ فرصت نہیں۔ مگر ہمیں تو فرصت ہے کہ کوئی ویسا مشغلہ نہیں۔ مگر لوگوں کو خود توجہ نہیں۔ کہ کوئی شخص ہم ہی سے کوئی مسئلہ پوچھنے آتے بھی ہیں۔ تو یہی فرمائش ہوتی ہے کہ تعویذ دے دو۔

صاحبو! علماء سے تعویذ کی درخواست کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے سنار سے یہ کہنا کہ گھاس کھونے کا کھرپا بنادو۔ سنار کا کام تو یہ ہے۔ کہ وہ عمدہ نازک زیور بنائے۔ اسی طرح علماء کا کام مسئلے بتانا ہے۔ افسوس! گوشہ نشینوں سے دنیا کے کام کراتے ہو۔ کیا انہوں نے تمہارے دنیا کے کام کرنے کے لئے دنیا کو چھوڑا ہے۔ (آداب اصلاح ج ۱۳)

جمعیت قلب

فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو تیز بھوک لگ رہی ہو اور کھانا سامنے رکھا ہو، اِدھر جماعت شروع ہوگئی ہو تو پہلے کھانا کھالے پھر نماز پڑھے یہ مسئلہ تو حدیث میں صراحتاً مذکور ہے **اذا حضر العشاء والعشاء فابدؤا بالعشا** (جب کھانا سامنے آئے اور عشا کا وقت ہو جائے تو پہلے کھانا کھاؤ) جس سے معلوم ہوا کہ کم کھانا مطلوب نہیں بلکہ جمعیت قلب مطلوب ہے اسی لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں کھانے کو نماز سے مقدم فرمایا پھر فقہاء نے اس پر ایک دوسرے مسئلہ کی تصریح کی وہ یہ کہ اگر کسی کو بھوک زیادہ نہ ہو مگر کھانا ٹھنڈا ہو جانے کا اندیشہ ہے اور ٹھنڈا ہونے سے اس کی لذت جاتی رہے گی جب بھی اجازت ہے کہ کھانا پہلے کھالے اور نماز کو موخر کردے کیونکہ بعض کھانے ایسے ہیں جن کی لذت گرم ہی رہنے تک ہے مثلاً چائے گرم ہی اچھی لگتی ہے اور اہل ذوق کہتے ہیں کہ پلاؤ گرم ہی اچھا ہوتا

ہے اور زردہ ٹھنڈا اچھا ہوتا ہے اور ہمارا ذوق تو سب ہی سے نرالا ہے ہم تو اُس دیہاتی پیر کے مشابہ ہیں جس سے مرید نے کہا کہ حضور میں نے میٹھے چاول پکائے ہیں گھی سے کھائیں گے یا دودھ سے تو پیر نے کہا بھائی ہم بے سوادوں کا کیا سواد، ہم تو گھی لگا کر اوپر سے دودھ ڈال لیں گے۔ (سبحان اللہ! دونوں نعمتوں کو منگوا کر بھی بے سواد ہی رہے۔) اور آج کل جنٹلمینوں میں یہ نیا رواج نکلا ہے کہ چائے میں برف ڈال کر پیتے ہیں یہ تو محض یورپ کے مقلد ہیں اگر وہ کسی وقت ناک کٹوانے لگیں تو یہ ناک بھی اڑا دیں گے اس فیشن کی اصل یہ ہے کہ کوئی انگریز بڑے دَرجہ کا ریل سے اسٹیشن پر اتر کر ہوٹل میں کھانا کھانے گیا پھر چائے سامنے لائی گئی جو بہت گرم تھی ٹھہر ٹھہر کر پینے میں گاڑی چھوٹ جانے کا اندیشہ تھا اس نے اس مصلحت سے برف ڈال لیا تھا کہ ٹھنڈا کرنے میں دیر نہ لگے کسی ہندوستانی نے صاحب بہادر کا یہ فعل دیکھ لیا وہ سمجھے کہ یہ بھی فیشن ہے حالانکہ ایک خاص وجہ سے اس نے ایسا کیا تھا۔ (جمال الجلیل ج ۱۴)

اہل زمانہ سے واقفیت

فقہاء نے کہا ہے کہ عالم کو اپنے اہل زمانہ سے واقف ہونا چاہئے اور جو شخص اپنے زمانے والوں سے واقف نہیں وہ جاہل ہے۔ (ایضاً)

شرط داخلہ جنت

ایک شخص عمر بھر جنت کے عمل کرتا ہے لیکن آخر میں کوئی عمل اس سے ایسا سرزد ہو جاتا ہے کہ وہ دوزخ میں چلا جاتا ہے، یہ حدیث دیکھی بس اس حدیث کو دیکھ کر یہ مطلب سمجھ لیا کہ سارے عمل بیکار ہیں اب وہ عقیدہ پختہ ہو گیا کہ جنت اختیاری نہیں، ساری عمر تو کوشش کریں جنت میں جانے کی اور لو ذرا سی بات میں دوزخ میں چلے گئے، اب یہاں دو غلطیاں ہیں ایک تو یہ سمجھنا کہ ذرا سی بات میں دوزخ میں چلے جاتے ہیں۔ دوسری غلطی یہ کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اتنا اندھیرا ہے اتنے سارے عمل ذرا سی بات میں خبط ادنیٰ سی بات میں کیا کرایا ندارد، حالانکہ وعدہ یہ ہے **فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ** (جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا) پھر کیا بات ہے وہ خیر کہاں گئی جو کی تھی سو بات

یہ ہے وہ خود فرماتے ہیں فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ فَھُوَ فِیۡ عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ وَاَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُہٗ فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ (پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا وہ تو خاطر خواہ آرام میں ہوگا اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا) یعنی جس قسم کے اعمال زیادہ ہوں گے وہی غالب رہیں گے، اگر اعمال صالحہ زیادہ ہوں گے تو گناہ معاف ہو جائیں گے، گناہ معاف ہوکر جنتی ہو جائیں گے، ہاں اگر گناہ غالب ہوئے تو پھر دوزخ میں اُن گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد بشرط ایمان جنت میں داخل ہوں گے لیکن داخل ہوں گے ضرور، پھر اعمال صالحہ بیکار کہاں گئے، کیا کرایا سب کہاں مٹا، جنت میں تو ان کی بدولت پہنچ گئے۔ بلکہ اگر گناہ بھی غالب ہوں گے تب بھی اکثر کے ساتھ تو معاملہ رحمت ہی کا ہوگا اگر کوئی کہے کہ جب دوزخ میں بھیج دیئے گئے تو خَیۡرًا یَّرَہٗ کا اثر کہاں ظاہر ہوا، بات یہ ہے کہ شَرًّا یَّرَہٗ کا اثر تو اس طرح ہوا کہ پہلے دوزخ میں بھیجے گئے پھر نکل کر جنت گئے اب ظہور ہوا خَیۡرًا یَّرَہٗ کا یعنی گناہ کا اثر بھی ہوا کہ پہلے دوزخ میں بھیجے گئے اور خیر کا بھی اثر ہوا کہ اخیر میں نجات ہوگئی۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی چیز بیکار نہیں جاتی بلکہ سبقت رحمتی علی غضبی (میری رحمت میرے غصہ پر غالب آ گئی) سے یہ تو ہوا کہ گو گناہ غالب تھے اور اعمال صالحہ مغلوب مگر پھر بھی رحمت کا غلبہ ہوگیا کہ اخیر ہی میں نجات ہوگئی لیکن اس کا عکس کبھی نہیں ہوا کہ اوّل میں انعام راحت دے کر اخیر میں جہنمی کر دیا جاتا تو ایک غلطی تو یہ ہے کہ اعمال صالحہ کو بے اثر سمجھ گئے، دوسری غلطی یہ ہے کہ صاحب ذرا سی بات ہوگئی تھی، بس اُسی میں جہنمی ہوگئے، سو حضرت وہ بات ذرا سی نہیں ہوتی وہ بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ (آثار الربیع ج ۱۴)

بغاوت کی سزا

فرض کرو کسی نے گورنمنٹ کی خدمت پچاس برس تک کی پھر اس نے بغاوت کی اور ایک بم گولہ وائسرائے پر پھینک مارا وہ شخص گرفتار ہوگیا اور بعد تحقیقات کے اس کو پھانسی دے دی گئی، اب کوئی شخص کہے کہ دیکھئے صاحب یہ کیا اندھیر ہے اس کی ساری عمر کی خدمتیں اور وفاداریاں ایک ذرا سی بات میں نظر انداز کر دی گئیں بے چارہ نے کیا ہی کیا تھا ایک ذرا سا بم ہی تو چھوڑ دیا تھا۔ سبحان اللہ! آپ کے نزدیک گویا ذرا سی بات ہے۔ بم چھوڑ دینا ایک ذمہ دار حاکم پر۔ تو جیسے بم چھوڑنا بظاہر تو ذرا سا فعل ہے لیکن اتنا بڑا جرم ہے ساری خدمات

ملیا میٹ کر دینے کے لئے کافی ہے اور عمر بھر کی خدمت کو خاک میں ملا دیتا ہے، اسی طرح جو اللہ سے بغاوت کرتا ہے، اس کے تمام اعمال حبط ہو جاتے ہیں اور ہو جانے چاہئیں کیونکہ بغاوت جرم ہی ایسا ہے غرض اس غلطی کے متعلق ایک تو یہ تحقیق ہے کہ جس کو چھوٹی بات سمجھا جاتا ہے وہ دراصل بہت بڑی بات ہے، دوسری تحقیق یہ ہے کہ وہ جو بڑی بات ہے آیا وہ اختیار سے ہے یا بلا اختیار یعنی خود بخود ہو پڑی وہ بات جس سے وہ جہنمی ہو گیا یا اس کو اپنے قصد سے اپنے ارادہ سے اپنے اہتمام سے کیا تھا تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو بات بلا اختیار کے ہوتی ہے واللہ ثم واللہ اس سے مطلق ضرر نہیں ہوتا، چہ جائے کہ جہنمی ہونا، خوب سمجھ لو کہ دوزخی اُسی فعل سے ہوتا ہے جس کو اپنے قصد سے کرتا ہے اور اپنے اختیار سے کرتا ہے ورنہ ہرگز دوزخی نہیں ہوتا، پس پھر اب یہ کہاں سے لازم آیا کہ جس نے عمر بھر جنت کے عمل کئے تھے، ہائے وہ بلا اختیار خالد فی النار ہو گیا اور یہ کہاں سے لازم آیا کہ جس نے عمر بھر دوزخ کے عمل کئے تھے دیکھو وہ بلا اختیار ہمیشہ کے جنتی ہو گیا، خوب سمجھ لو کہ جنت میں جانا بھی اختیار سے ہوا اور جنت سے ہٹنا بھی اختیار ہی سے ہوا، وہ خود ہٹا جنت سے، جیسے دربار شاہی میں کوئی شخص حاضری دینے کے لئے چلا تھا جب دروازہ پر پہنچا تو یکا یک اس کی رائے بدل گئی اور بادشاہ کو گالیاں سناتا ہوا بجائے ایوان شاہی کے باغی کی کوٹھی پر جا پہنچا، ایوان شاہی صرف ایک بالشت رہ گیا تھا کہ خدا کی مار چلتے چلتے رائے جو بدلی جھٹ رُخ بدل کر باغی کے مکان کی طرف ہو لیا، اب کوئی یوں کہنے لگے کہ کیا کرے، بیچارہ تقدیر کی بات عمر بھر تو جنت میں جانے کے عمل کئے اخیر میں ذرا سی بات ایسی ہو گئی جس سے دوزخی ہو گیا، پھر کیا خود ہو گئی وہ بات کیا زبردستی اُسے دوزخ میں بھیج دیا گیا، ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، خدا کے یہاں ایسا ہرگز نہیں، حضرت وہ بہت ٹالتے ہیں، بہت طرح دیتے ہیں مگر پھر جو جان جان کر شرارت کرتا ہے اُسی کو دوزخ میں بھیجتے ہیں۔ (آثار الربیع ج ۱۴)

شہادت قلب کا حکم

ارشاد ہے: **استفت قلبک و لو افتاک المفتون** (اپنے دل سے فتویٰ لو اگرچہ مفتی فتویٰ دے دیں)

(الصحیح للبخاری 107:8، الصحیح لمسلم کتاب الذکر والد عاء باب:10، رقم :31 سنن الترمذی :3467، مشکوۃ المصابیح : 2298)

حضرت جب دل کولگتی ہے اس وقت جواز کے سارے فتوے رکھے رہ جاتے ہیں اور اس وقت تک چین نہیں ملتا جب تک کھٹک کی بات کو دور نہ کیا جائے۔ مولانا محمد منیر صاحب نانوتہ میں ایک بزرگ تھے ایک دفعہ ان کے ہاتھ سے مدرسہ دیوبند کی ایک امانت ضائع ہوگئی تھی، سفر میں کسی نے چرالی اور رقم ذرا زیادہ تھی۔ انہوں نے فوراً مدرسہ میں اطلاع کردی کہ وہ امانت میرے پاس سے چوری ہوگئی لیکن میں ضمان ادا کروں گا۔ مدرسہ والوں نے چاہا کہ مولوی صاحب سے ضمان نہ لیں کیونکہ ان کی دیانت پر پورا اعتماد تھا کہ انہوں نے قصداً حفاظت میں کوتاہی نہیں کی اور ایسی حالت میں شرعاً امین پر ضمان نہیں۔

چنانچہ اُن سے کہا گیا تو انہوں نے اس کو منظور نہ کیا اور کہا مجھے بدوں ضمان دیئے چین نہ آئے گا۔ مدرسہ والوں نے مولانا گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت مولوی منیر صاحب نہیں مانتے مدرسہ کا ضمان ادا کرنا چاہتے ہیں اگر آپ فتویٰ لکھ دیں تو وہ شاید مان جائیں۔ کیونکہ مولانا گنگوہیؒ کو ساری جماعت بڑا مانتی تھی اور مولانا کے فتوے پر ہر شخص کو پورا اعتماد تھا۔ حضرت نے فتویٰ لکھ دیا کہ جب امین نے حفاظت میں کوتاہی نہ کی ہو تو اس پر شرعاً ضمان نہیں۔

مدرسہ والوں نے یہ فتویٰ مولانا محمد منیر صاحب کو لا کر دکھلا دیا سو حالانکہ مولوی محمد منیر صاحب مولانا گنگوہیؒ کا بڑا ادب کرتے تھے۔ مگر اس وقت یہ فتویٰ دیکھ کر اُن کو بڑا جوش آیا اور ہم عمری کے سبب ناز کے لہجہ میں کہا بس میاں رشید احمد نے سارا فقہ میرے ہی واسطہ پڑھا تھا ذرا وہ اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں کہ اگر اُن کے ہاتھ سے مدرسہ کی امانت ضائع ہو جاتی تو کیا وہ خود بھی اس فتوے پر عمل کرتے یا بدوں ادا کئے چین نہ ملتا۔ لے جاؤ میں کسی کا فتویٰ نہیں دیکھنا چاہتا۔ حضرت انہوں نے نہیں مانا اور زمین بیچ کر یا نہ معلوم کس طرح مدرسہ کی رقم ادا کی جب چین پڑا۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

عظمت والدین

آج کل جس قدر ادب پیروں کا کرتے ہیں باپ کا نہیں کرتے۔ حالانکہ اطاعت عظمت کرنا والدین کی امر منصوص فی القرآن (قرآن شریف میں منصوص ہے ۱۲ص) ہے

شرعاً اگر باپ کہے کہ میرے پیر دباؤ اور پیر کہے کہ نفلیں پڑھو باپ کا کہنا واجب ہے اگر باپ سے سرکشی کر کے نفلیں پڑھے گا شرعاً گنہگار ہوگا۔ پس پیر کا اتنا ادب کرنا کہ رسول و والدین کا بھی اتنا حق نہ سمجھے یقیناً غلو فی العمل (عمل میں غلو۱۲اص) ہے جس کی اصلاح واجب ہے۔ بہت سے بہت پیر کا حق والدین کے برابر رکھو اگرچہ واقعی اس سے بھی کم ہے اور واقع میں تو اتنا ہے کہ جتنا حق استاد کا سمجھتے ہو اتنا سمجھو۔ اب تو پیر کا ادب خدا تعالیٰ کے برابر کرتے ہیں کہ اگر سجدہ کا بھی حکم کرے تو شاید کرلیں۔ (وحدۃ الحب ج ۱۵)

تکلیف دور کرنے کا نسخہ

جس کسی کو تکلیف و پریشانی میں مبتلا دیکھا جائے سمجھنا چاہئے کہ اُس کو غیر اللہ کے ساتھ تعلق زیادہ ہے۔ اس تعلق کو قطع کردو تکلیف جاتی رہے گی۔ یہ طریقہ تمام دنیا کی تکالیف کا خاتمہ کردینے والا ہے۔ یہی وہ مضمون ہے جو پہلے خود بخود ذہن میں آیا تھا۔ اس کے بعد یہ حدیث نظر سے گزری۔

اللھم اجعل حبک احب الاشیاء اِلَیَّ واجعل خشیتک اخوف الاشیاء عندی کہ اے اللہ تعالیٰ اپنی محبت کو میرے دل میں سب سے زیادہ محبوب بنا دے اور اپنا خوف میرے دل میں سب سے زیادہ پیدا کردے۔ سبحان اللہ! کیا جامع دعا ہے کیونکہ دو ہی طرح کے تعلقات ہوتے ہیں۔ رغبت کے یا ہیبت (ڈرنا۱۲اص) کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہی لفظوں میں سب تعلقات کو کھپا دیا کہ سارے تعلقات اس حد تک ہونے چاہئیں کہ خدا تعالیٰ سے زیادہ کسی کی محبت نہ ہو اور نہ خدا تعالیٰ سے زیادہ کسی کا ڈر ہو۔ سب تعلقات خدا کے تعلق سے مغلوب ہونے چاہئیں تو وہ مسئلہ وارد قلبی اچھی طرح ثابت اور سنت سے مؤید ہو گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے بھی اور فعل سے بھی۔ کیونکہ میں نے پہلے آپ کو جتلا دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال بیان کر کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز سے زیادہ تعلق نہ تھا۔ (ایضاً)

فضیلت طولِ قیام یا کثرتِ سجود

علماء کا اس مقام پر ایک اختلاف بھی ہے کہ طول قیام افضل ہے یا کثرت سجود یعنی رکعتیں

مختصر مختصر کر کے تعداد میں زیادہ پڑھنا افضل ہیں یا یہ افضل ہیں کہ رکعتِ تعداد میں خواہ کم ہوں مگر بہت طویل ہوں۔ غرض یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے مگر مجھے اس اختلاف کی بابت کچھ بیان کرنا نہیں۔ دو وجہ سے اول تو اس وجہ سے کہ میرا یہ مقصود نہیں۔ دوسرے اس وجہ سے بھی کہ مولانا محمد یعقوب صاحب سے اس مسئلہ میں ایسا فیصلہ سُن چکا تھا کہ جس سے مجھ کو دونوں مذہب میں کسی قسم کا اختلاف نہیں معلوم ہوتا اور وہ فیصلہ یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے سے من وجہ افضل ہے۔ جس وقت جس کو دل زیادہ چاہئے اور جس سے دلچسپی اور رغبت وشوق ہو اس پر عمل کریں جس وقت طول قیام مرغوب ہو اُسے اختیار کرے اور جس وقت کثرتِ سجود محبوب ہو اس وقت اس پر عمل کرے۔ حاصل فیصلہ یہ ہے کہ ہر ایک میں دوسرے کے اعتبار سے فضیلت ہے۔ (اعانۃ النافع ج۱۵)

ملکیت جسم

ہم کو حکم ہے کہ خودکشی نہ کرو اگر کسی نے خودکشی کی اور اپنے کو قتل کیا تو جرم کا مرتکب ہوا کیونکہ یہ ہمارا بدن ہماری چیز نہیں۔ اسی وجہ سے خودکشی حرام جیسا کہ کیرے کو ہل توڑنے کا اختیار نہیں۔ ہاں ہل چلانے کا اختیار ہے۔ اسی طرح ہمیں صرف اس جسم سے کام لینے کا اختیار ہے۔ مثلاً جو غلام ہماری ملک ہو اُس کو ہماری منشاء کے مطابق چلنے کا اختیار ہے۔ یہ ہرگز اختیار نہیں کہ زہر کی بوٹی کھا کر مر جاوے۔ اگر اُس نے ایسا کیا تو اُس نے ہماری خیانت کی۔ اسی طرح چونکہ ہمارا بدن اور جسم ہماری چیز نہیں سرکاری چیز ہے۔ اس لئے اس حیثیت سے اس کی خدمت وغیرہ میں بھی ثواب ہے۔ اور اسی جہت سے اُن کے ساتھ محبت بھی ہونا چاہئے۔ اسی کو کسی صاحب حال نے فرمایا ہے۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است   افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

یعنی اپنے ہاتھ پیروں پر بھی ناز کرتا ہوں اس واسطے کہ اس سے آپ تک وصول ہوا ہے نہ اس وجہ سے کہ میری چیز ہے آگے فرماتے ہیں۔

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را   کو دامنت گرفتہ بسوئم کشیدہ است

(اپنے ہاتھوں کو ہزاروں بار بوسہ دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے) (ایضاً)

ایمان کی حفاظت

ہمارے حضرات بعض لوگوں کو ترک ملازمت سے منع فرماتے تھے بلکہ بعض کو ناجائز

ملازمت کے ترک سے بھی منع فرمایا کہ جب تک حلال ملازمت ملے اس وقت تک اسی کو کئے جاؤ اور استغفار اور توبہ کرتے رہو۔ کیونکہ گو یہ ملازمت حرام ہے۔ مگر ایمان کا وقایہ ہے ایسا نہ ہو کہ افلاس کی پریشانی سے ایمان ہی جاتا رہے۔ ہم نے مسرف مفلس کو تو مُرتد ہوتے ہوئے بکثرت دیکھا ہے۔ کسی نے بخیل جمعدار کو مرتد ہوا دیکھا ہوا، تو بتلایئے۔ (افناء المحبوب ج ۱۵)

کمال کا تقاضہ

حسین جمیل آدمی ہو تو خواہ مخواہ ہر شخص کا دل اُسے دیکھنے کو چاہتا ہے۔ غرض جو چیز بھی کامل ہے اُس کے کمال کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ اپنی طرف دل کو کشش کرتی ہے اور توجہ کو مقتضی ہے۔

اب یہ الگ بات ہے کہ توجہ مفید ہے تو جائز ہے۔ ورنہ ناجائز ہے۔ جیسے نظر الی غیر المحارم ونظر الی الامارد۔ اسی طرح کسی کے مال کو حسرت سے تکنا وغیرہ کو ان تو جہات سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ (الصحات فی الاوقات ج ۱۵)

مسئلہ استیجار علی العبادۃ

قبر پر جا کر حافظ کو مقرر کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں بھی استیجار علی العبادۃ ہے اس پر بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ کیا ہو گیا ہے۔ علماء نے میت کا ثواب ہی بند کر دیا۔ ہم کہتے ہیں اس کا ثواب ہی نہیں پہنچتا پھر بند کیا کر دیا کیونکہ ثواب پہنچنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اول عمل خیر کرنے والے کو ثواب ملتا ہے پھر اس کو اختیار ہے جسے چاہے بخش دے۔ جیسے اپنا مال جسے چاہے دے دے۔ اور یہاں خود کو ہی ثواب نہیں ملا تو بخشا ہی کیا۔ اگر کوئی کہے کہ قرآن شریف کا پڑھنا ثواب کی بات ہے اور اجرت لینا گناہ تو ایک معصیت اور ایک ثواب ہو گیا تو ثواب پہنچ جائے گا اور گناہ ہمارے ذمہ رہ جائے گا پھر ہم توبہ کر لیں گے تو یہ عمل حسن رہ گیا' تو ہم کہیں گے انما الاعمال بالنیات (کاموں کا مدار تو نیتوں پر ہے)۔ قاری کی نیت دیکھ لیجئے کہ استحصال مال ہے نہ ثواب۔ پھر ثواب کہاں' جب اسی کو ثواب نہ ملا تو دوسرے کو کیا بخشے گا۔

بعض لوگ یہاں کہتے ہیں کہ یہ استیجار نہیں کیونکہ ہم کوئی مقدار مقرر نہیں کرتے جو ہمارے مقدر میں پہنچتا ہے۔ سبحان اللہ المعروف کالمشروط' جو بات مشہور ہوتی ہے اس میں ٹھہرانے کی کیا ضرورت ہوتی ہے اگر کسی طرح معلوم ہو جائے کہ یہاں کچھ نہ ملے گا وسط

رمضان ہی میں حافظ صاحب چھوڑ کر بیٹھ رہیں۔ ثابت ہوا کہ مقصود حافظ صاحب کو اجرت ہی ہے ختم سے بحث نہیں۔ اگر کوئی شخص خالی الذہن ہو اور اس جگہ رواج بھی دینے کا نہ ہو تو جو کچھ ہدیہ قبول کیا جائے اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ ان کو ان کی ضرورت کے موافق بطور ہدیہ دے دیا کرو اور چونکہ اس طرح سے دینے کی عادت نہیں اسی وجہ سے ان کی نیتوں میں فساد پیدا ہو گئے۔ اگر بلا سوال وحیلہ ان کے دے دیا جایا کرے تو نوبت کا ہے کو آئے۔ (تطہیر رمضان ج ۱۶)

مساجد کا استحکام ضروری ہے
نقش ونگار ضروری نہیں بلکہ ناجائز ہے

اکثر مسجدوں کے لئے بھی لوگوں سے محصل کی وجاہت کے ذریعہ سے وصول کرتے ہیں پھر اس میں بھی بعضے محض فضول زینت کے لئے جس کی ممانعت آئی ہے اگر چہ اپنے ہی مال سے ہو۔ ہاں استحکام منع نہیں ہے۔ مصالحہ عمدہ لگایا جائے۔ معمار تجربہ کار ہوں۔ اینٹ پختہ ہو۔ آرائش بالطبع کسی قدر ہو تو مضائقہ نہیں اور اس کی تو کسی درجہ میں ضرورت ہی نہیں کہ لوگوں سے غصب کر کے آرائش میں خرچ کیا جائے۔ مسجد چھپر کی بھی ادائے نماز کے لئے کافی ہے بلکہ جو مقصود ہے یعنی خشوع وہ چھپر میں پکی مسجد سے کچھ کم نہیں ادا ہوتا بلکہ اس کے تو نقش ونگار میں ہی خیال بٹ جاتا ہے اور وہ اس سے محفوظ ہے تو جب اصل مقصود ہی حاصل نہ ہوا تو یہ تزئین کیا کرے گی۔ ایسا ہی حال ہے مٹھائی میں کہ اس میں بھی کہیں جبر کہیں تفاخر ہوتا ہے اور اس کا امتحان یوں ہوسکتا ہے کہ اگر وسط صلوٰۃ میں آدمی زیادہ جمع ہو جائیں تو مٹھائی کی فکر پڑ جاتی ہے۔ نمازیوں کو بھی اور مہتممین کو بھی۔ مہتممین کو تو اپنی آبرو کی پڑ جاتی ہے اور نمازیوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ اب ایک ہی ایک بتاشہ ملے گا۔ خشوع تو کوسوں دور گیا۔ مٹھائی کیا آئی کہ اتنے گناہ چپکا لائی۔ علاوہ بریں اکثر عام بے نماز لوگ آتے ہیں اور تعجب نہیں کہ بعضے جب بھی ہوں پھر لوگ باتیں کرتے اور مغالطے دیتے ہیں اور لغویات بکتے ہیں۔ غیبتیں کرتے ہیں اور ایک دوسرے کا ظلم سمیٹتے ہیں۔ (ایضاً)

فقہاء وصوفیاء

حقیقت میں بھی دو گروہ حکماء ہیں ایک صوفیہ دوسرے فقہاء تو صوفیہ نے بھی اس کو

سمجھا کہ وہاں کی لذتوں کا نمونہ ہے اور فقہاء نے بھی اس کو سمجھا چنانچہ صاحب ہدایہؒ جن کی عادت ہے کہ ہر مسئلہ کی ایک دلیل نقلی بیان فرماتے ہیں اور ایک عقلی جہاں یہ مسئلہ تحریر فرماتے ہیں کہ حریر چار انگل تو جائز ہے اس سے زیادہ جائز نہیں۔ چار انگل اس طور پر کہ سنجاف یا بیل عمامہ یا ٹوپی یا اور کسی کپڑے میں لگا لے تو کچھ حرج نہیں۔ اول اس کی دلیل نقلی ارشاد فرمائی اس کے بعد حکمت عقلیہ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ نمونہ ہے۔ لباس اہل جنت کا کیونکہ لِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ (جنت میں ان کا لباس ریشمی ہوگا ۱۲) تا کہ تھوڑا دیکھ کر وہ یاد آوے اور اس کے حاصل کرنے کی رغبت ہو اور اس کا حصول موقوف ہے۔ اعمال صالحہ پر لہذا جب اس کی رغبت ہوگی تو اعمال صالحہ کی بھی رغبت ہوگی۔ سبحان اللہ حریر پہن رہے ہیں اور سلوک طے کر رہے ہیں۔ (روح الافطار ج ۱۶)

فقہاء و صوفیہ نے اس قاعدہ کا بہت لحاظ کیا ہے کہ جو مباح و مستحب مفضی الی المعصیت ہو جائے۔ وہ بھی ممنوع ہے۔ (تقلیل الاختلاط مع الانام ج ۱۶)

وجوب قربانی

ذی وسعت پر قربانی واجب اور اسکے ترک پر وعید وارد ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص وسعت رکھتا ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آوے۔ یہ عیدگاہ وہ جگہ ہے جس میں حاضر ہونے کی تاکید اور ترغیب بیان فرمائی ہے کہ جن پر نماز عید واجب بھی نہیں بلکہ ان کو نماز پڑھنا فرض بھی نہیں ان کو بھی پہلے یہ حکم تھا کہ عیدگاہ میں حاضر ہوں چنانچہ حیض والی عورتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا کہ وہ بھی عیدگاہ میں حاضر ہوں۔ حالانکہ حائضہ کو نماز پڑھنا جائز نہیں (مگر یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ کے ساتھ خاص تھا اس زمانہ میں بسبب فتنہ کے یہ حکم نہیں۔ (سنت ابراہیم ج ۱۷)

عیدگاہ میں نماز

مسلمانوں کو عیدگاہ میں ضرور جانا چاہئے اور وہیں نماز ادا کرنا چاہئے بعض لوگ اس میں تساہل کرتے ہیں اور بلا عذر اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ ہمارے فقہاء نے اس کو منع فرمایا ہے البتہ معذورین جو عیدگاہ جانے کی طاقت نہیں رکھتے ان کو اتنی اجازت دی

ہے کہ ان کے واسطے بستی میں ایک امام رہ جائے یا ایسا ہی کوئی عذر شرعی ہے ان کو بھی شہر کی مسجد میں پڑھنے کی اجازت ہے اور فقہاء یہ اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ قواعد سے جن کو وہ اپنی خداداد قوت اجتہاد سے سمجھتے کہتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ باری تعالیٰ کا فرمودہ ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

گفتہ او گفتہ اللہ بود | گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(سنت ابراہیم ج ۱۷)

مداومت کی قسمیں

مداومت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مداومت حقیقیہ اور دوسری مداومت حکمیہ۔ مداومت حقیقیہ تو یہ ہے کہ کسی فعل کو صورۃً بھی ہمیشہ کیا جاوے اور مداومت حکمیہ یہ ہے کہ کسی فعل کو صورۃً تو کسی مصلحت کی وجہ سے کبھی چھوڑ دیا ہو لیکن ارادہ میں اس فعل پر دوام ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ کو بھی بجائے فعل کے موثر سمجھنا چاہیے اور حضور کا ارادہ دوام تراویح کے متعلق خود اسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور آپ نے جماعت تراویح پر مداومت اس وجہ سے نہیں کی تا کہ یہ فرض نہ ہو جائے۔ اور امت دقت میں نہ پڑ جائے۔ یہ غایت درجہ کی امت پر شفقت ہے۔ یہ مصلحت امت تھی ترک دوام صوری میں چونکہ مداومت حکمیہ ارادیہ جو بمنزلہ فعل کے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکی تو یہ تراویح کی سنت مؤکدہ ہونے کی کافی بلکہ اکفی دلیل ہے۔ (ایضاً)

قربانی میں ریا کاری

بعض ایسے بھی ہیں کہ قربانی تو کرتے ہیں مگر محض برائے نام ہی کرتے ہیں خواہ عنداللہ مقبول ہونے کے قابل ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ کانپور میں ایک لوہار تھے انہوں نے قربانی کے لئے ایک ایسا بکرا تجویز کیا جس میں سب ہی عیب تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ میاں ایسا جانور کیوں ذبح کرتے ہو۔ لوہار بولا واہ صاحب ہماری بیوی صاحبہ کا فتویٰ ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے اس شخص نے کہا کہ ذرا ہم کو بھی دکھلانا چاہیے کہ آپ کی بیوی نے کہاں سے فتویٰ دیا ہے۔ لوہار گھر گیا اور بیوی سے ذکر کیا کہ حضور کے فتویٰ کو بعض لوگ نہیں مانتے ذرا انہیں بھی قائل کر دو۔ وہ اتفاق سے اردو پڑھی ہوئی تھی۔ اس نے فوراً اردو کا شرح وقایہ نکال کر دکھلایا کہ دیکھو

اس میں لکھا ہے کہ جس جانور کے تہائی سے کم دم و کان ناک وغیرہ کٹی ہوں وہ جائز ہے اس بکری میں چونکہ ہر چیز تہائی سے کم کٹی ہوئی ہے اور یہ عیب موثر نہیں لہٰذا جائز ہے اس شخص نے کہا کہ بھائی ہم شرح وقایہ تو سمجھتے نہیں علماء کے پاس چلو اور یہ جانور ان کو دکھلا لو پھر وہ جو حکم دیں۔ لوہار کہنے لگا کہ بس صاحب ہم کو تو ہماری بیوی کا فتویٰ کافی ہے کسی عالم کو دکھلانے کی حاجت نہیں۔ بس اس لوہار کو صرف قربانی کا نام کرنا تھا۔ (سنت ابراہیم ج ۱۷)

قربانی کی حقیقت

جب فضیلت قربانی کی صحابہؓ نے سنی تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ حقیقت قربانی کی کیا ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا **سنة ابیکم ابراهیم** (کنز العمال) یعنی تمہارے باپ ابراہیم کا طریقہ اور سنت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ فرمایا تو اس لئے فرمایا کہ مخاطب عرب ہیں اور اکثر عرب کا سلسلہ نسبی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے تو اس صورت میں ابراہیم کا باپ ہونا حقیقۃً ہوگا اور اگر مخاطب کل امت کو مانا جاوے اس صورت میں ابراہیم علیہ السلام کا کل امت کے لئے باپ ہونا مجازاً ہوگا یعنی روحانی باپ وہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے روح اور نفس کی اصلاح ہو اور ہماری روحانی اصلاح کا سلسلہ ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے لہٰذا وہ ساری امت کے روحانی باپ ہیں۔ تو باپ کے پہلے معنی ظاہری ہیں اور دوسرے معنی باطنی۔

اور اتفاق سے اسی طرح خود مقصود حدیث بھی دو معنی کو مشتمل ہے یعنی جس طرح ابیکم میں ایک ظاہری معنی ہیں ایک باطنی معنی اسی طرح سنت ابراہیم کے دو معنی ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **لکل آیة ظهر وبطن** (لم أجد الحديث في موسوعة) یعنی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ (ایضاً)

عمدہ قربانی کی جائے

بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ گھٹیا جانور کی قربانی کرتے ہیں حالانکہ قربانی بجائے اولاد کے ہے جیسا کہ بناء قربانی کا واقعہ اس پر شاہد ہے اس لئے چاہیے کہ عمدہ سے عمدہ جانور کی قربانی کی جاوے۔ غرض یہ ہے کہ اچھا جانور ذبح کرنا چاہیے۔ (ایضاً)

میت کی طرف سے قربانی

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ میت کی طرف سے قربانی کریں یا نہیں۔ اور اگر کریں تو کیونکر کیا کریں۔ تو قربانی مردوں کی طرف سے بھی جائز ہے ماں باپ پیر، استاد، حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی کر سکتے ہیں مگر ایک حصہ کئی مردوں کی طرف سے درست نہیں۔ (تعظیم الشعائر ج ۱۷)

حرام جانور کی قربانی

ایک یہ مسئلہ ہے کہ بعض لوگ قربانی کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ جانور شریعت کی رو سے ملک طیب ہے یا ملک خبیث تو بعض دفعہ ملک خبیث ہوتی ہے وہ خدا کے یہاں مقبول نہیں گو واجب اتر جاتا ہے اور بعض دفعہ ملک ہی نہیں ہوتی۔ جیسے چرائی کا بکرا کہ سال بھر میں ایک دفعہ زمیندار کو دیا جاتا ہے یہ آمدنی حرام ہے کہ لینے سے بھی اس کا کوئی مالک نہیں اور وجہ یہ ہے کہ گھاس کسی کی ملک نہیں اس میں سب کا حق ہے وہ دو طرح ملک ہو سکتی ہے۔ کاٹنے سے یا کھیت کی طرح سینچنے سے بھی ملک ہو جاتی ہے مگر یہ جو ہزاروں بیگھہ کا رقبہ پڑا ہے وہاں کون آبپاشی کرتا ہے تو کسی کی ملک نہیں ہے۔ اس سے سب کا انتفاع جائز ہے اس کی مثال آب باراں ہے کہ اس کا کوئی مالک نہیں تو گھاس کا بھی کوئی بھی مالک نہیں۔ جس کا کھر یا چل جائے تو مالک وہی ہے تو گھاس کے عوض جانور لینا ہرگز جائز نہیں۔ اور اگر کسی نے لیا تو وہ اس کی ملک میں نہیں آتا۔ بلکہ اسی کا ہے جس نے دیا ہے لینے والے کو اس میں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں اور اگر اس کی قربانی کی تو ادا نہ ہوگی بلکہ خود اس کے لئے اس کا تجویز کرنا معاذ اللہ ایسا ہے جیسے غلیظ کو کسی بڑے عظیم الشان حاکم کے پاس تحفتہً لے جائے خدا کا خوف کرنا چاہیے اول تو یہ جانور لینا نہ چاہیے اور اگر شیطنت سر پر سوار ہو اور لے ہی لو تو اس کی قربانی تو نہ کرو اور قربانی بھی کرو تو خدا کے لئے اسے خود ہی کھاؤ کسی اور مسلمان بھائی کو تو مت کھلاؤ۔ کوئی خود گوہ کھائے تو دوسروں کو تو نہ کھلائے۔ (ایضاً)

جانور کی خرید میں احتیاط

ایک وہ صورت ہے کہ ملک تو ہو جاتی ہے مگر خبیث ہوتی ہے جیسے حصے پر جانور لیتے

ہیں جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص نے اپنی گائے کا بچہ کسی دوسرے کو پالنے کے واسطے دیا اور اجرت یہ قرار دی کہ جب یہ بڑا ہو جائے گا تو اس کی قیمت لگا کر نصفا نصف بانٹ لیں گے یا تو مالک آدھی قیمت دیکر اس کو لے لیگا یا پالنے والا آدھی قیمت دیکر لے لے گا یہ عقد ناجائز ہے مگر پہلی صورت میں کہ مالک نے پالنے والے کو آدھی قیمت دیکر جانور اپنے پاس رکھا اس جانور میں کوئی خباثت نہیں وہ حلال طیب ہے اگر چہ عقد فاسد کرنے کا گناہ ہوا۔ اور دوسری صورت میں کہ پالنے والا جانور کو لے اور مالک کو آدھی قیمت دے اس کی ملک خبیث ہے اور برابر خبیث رہے گا۔ اس لئے ایسے جانور کی بھی قربانی جائز نہیں کیونکہ ان الله طیب لایقبل الاالطیب (الصحیح لمسلم کتاب الزکوٰۃ ۶۵) (اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور پاک ہی چیز کو قبول فرماتے ہیں) اگر چہ قربانی کر دینے سے واجب ذمہ سے ساقط ہو جائے گا مگر مقبول نہیں۔ (تعظیم الشعائر ج ۱۷)

گوشت کی تقسیم

کلہ پارچوں میں کمینوں کا حق سمجھا جاتا ہے تو اگر حق الخدمت سمجھ کر دیا تو اس قدر گوشت کے برابر قیمت تصدق کرنا واجب ہے گو لوگ تو یہ کہا کرتے ہیں کہ قربانی ہی نہ ہوگی تا کہ لوگ اس کو چھوڑ دیں اور بالکل نہ کریں کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس قدر گوشت کی قیمت تصدق کر دو تو لوگ دینا تو چھوڑیں گے نہیں اور تصدق بھی نہ کریں گے۔ مگر میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ احکام صاف صاف ہم کو بیان کر دینا چاہیے جس کا دل چاہے مانے یا نہ مانے رہی اس کی دلیل کہ قربانی ہو جائے گی تو میں طالب علم کو بتادوں گا کہ بعض عوام اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ اب رہی یہ بات کہ کمینے گالیاں دیں گے تو اہل ہمت کے لئے تو یہ جواب ہے کہ اگر گالی دیں بلا سے کچھ پرواہ نہ کرو بلکہ اور خوش ہونا چاہیے کہ اس کی نیکیاں تم کو مل رہی ہیں ایک بزرگ کا قاعدہ تھا کہ ان کو جو کوئی گالی دیتا اس کو مٹھائی بھیجتے اور راز اس میں یہی ہے کہ اس نے اپنی نیکیاں تمہیں دیں تو مٹھائی اس سے بہت کم قیمت ہے اس نے تم پر بڑا احسان کیا۔ اس لئے کیا اس کو مٹھائی دے کر بھی خوش نہ کیا جائے۔ مگر اہل ہمت کو میں ایک اور مشورہ دیتا ہوں کہ ان کمینوں کو بالالتزام نہ دیا کریں کبھی کبھی دے دیا کریں۔ مگر جب دیں

غریب سمجھ کر دیں۔ خدمت گار سمجھ کر نہ دیں۔ سو اس طرح دینے سے وہ اپنا حق نہ سمجھیں گے اور اگر گالیاں کھانے کی ہمت نہ ہو تو ہمیشہ دیدیا کرو۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہدو کہ تیرا حق تو کچھ ہے نہیں مگر تجھ کو غریب سمجھ کر دیتے ہیں۔ اس میں بھی حرج نہیں مگر یہ کم ہمتی کی بات ہے ایک مسئلہ یہ ہے جس کو اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ اگر کئی شخصوں کے حصے ہوں تو سب کو بدوں تقسیم کئے ہوئے یا بعض کو تقسیم کر کے اور بعض کو مشترک تصدق کرنا جائز ہے یا نہیں۔ تو سن لو کہ جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ کچھ مشترک تصدق ہو گیا ہو اور بقیہ کو تقسیم کر لو۔ مگر اندازے سے بانٹنا حرام ہے اگر ایک طرف کچھ زیادہ کم چلا گیا تو سود کا گناہ ہوا۔ دیکھو! اگر چھٹانک بھر بھی ایک طرف زیادہ ہوا تو سود خوروں میں دونوں لکھے جائیں گے۔ ہاں! اگر ایک طرف زیادہ گوشت ہو اور دوسری طرف کلے پائے ہوں تو جائز ہے کیونکہ جنس بدل گئی۔ (تعظیم الشعائر ج ۱۷)

کھال کا مصرف

ایک مسئلہ یہ ہے کہ کھال کا مصرف معلوم کر لینا چاہیے اس میں اکثر مؤذن ملا مولویوں پر خفا ہوتے ہیں کہ انہوں نے ہماری آمدنی کم کر دی مگر میں ان کو سمجھاتا ہوں کہ ہم کھال دینے سے منع نہیں کرتے کھال مؤذنوں ہی کو دو مگر اس طرح جس طرح ہم کہیں کہ اجرت سمجھ کر مت دو یعنی مؤذن مقرر کرتے وقت یہ نہ کہا جائے کہ بقرعید میں کھال بھی ملا کرے گی۔ یہ تو گویا تنخواہ ہو گئی بلکہ اس سے کہہ دو کہ کھال میں تمہارا کوئی حق نہیں اس کے بعد تنخواہ مقرر کر دو۔ جب تنخواہ دے چکو تو کھال بھی دیدو کیونکہ وہ بھی غریب ہے اور کھال میں غریبوں ہی کا حق ہے۔ تو ہم تو مؤذنوں کے خیر خواہ ہیں کہ تنخواہ الگ دلوائی۔ کھال الگ دلوائی ہاں یہ جو میں نے کہا کہ کھال بھی دے دو یہ صیغہ وجوب کا نہیں۔ بلکہ امر مستحب ہے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ان کی خاطر سے غیر واجب کو ہم واجب کہہ دیں اور یاد رکھو کہ اگر امام و مؤذن کو مسجد میں مقرر کرتے وقت کھال دینے یا نہ دینے کا ذکر بھی نہ ہو۔ تب بھی کھال دینا جائز نہیں۔ کیونکہ المعروف کالمشروط (معروف مثل مشروط کے ہوتا ہے) تو نہ سکوت جائز ہے نہ شرط ہاں یہ جائز ہے کہ اس وقت نفی کر دو اور وقت پر دیدو۔ اسی طرح سقے کی تنخواہ میں بھی کھال دینا جائز نہیں۔ اچھی آپ لوگوں نے اللہ میاں کے کاموں کی تنخواہ مقرر کی کہ یوں بیگار سمجھ کر قربانی کی کھال سے

پوری کی جاتی ہے اور کسی غنی کو خود کھال کا دے دینا یا اپنے کام میں لانا جائز ہے مثلاً ڈول بنوالو یا چرس بنوالو۔ مگر ایک بات یادر کھنے کی ہے کہ اگر اپنے کام میں لاؤ اور وہ شے پرانی ہو کر فروخت کرو تو یہ دام پھر خیرات کرنے پڑیں گے۔ جیسے چرسہ بنوالیا اور وہ پرانا ہو گیا اور اس کو فروخت کیا تو ان داموں کو خیرات کرنا ضروری ہے اور مصرف اس کا وہی ہے جو تازی کھال کے داموں کا ہے کہ سید کو اور غنی کو اس کا دینا نا جائز ہے اور شروع وقت قربانی ۱۰ تاریخ ذی الحجہ کی بعد نماز عید کے ہے اور ختم ۱۲ تاریخ کے غروب سے پہلے تک ہے لیکن دسویں کو افضل ہے اور گاؤں والوں کو جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی نماز سے پہلے بھی ذبح کرنا جائز ہے۔ (تعظیم الشعائر ج ۱۷)

ذبح کے مسائل

ایک مسئلہ اور قابل یادر کھنے کے ہے کہ جانور کے گلے میں ایک گھنڈی ہوتی ہے اس کے نیچے سے ذبح کرنا چاہیے اوپر ذبح نہ کرے کہ اکثر فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں احتیاط اسی میں ہے دیکھو ایک برتن میں اگر کھانا رکھا ہو اور ایک شخص کہتا ہے کہ اس میں کتے نے منہ ڈالا ہے اور دوسرا کہتا ہے نہیں ڈالا تو تم اس کو ہرگز نہ کھاؤ گے اسی طرح جانور کے ذبح کرنے میں خصوصاً قربانی کے معاملہ میں احتیاط پر عمل کرنا چاہیے یہ بھی اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ کہاروں اور چماروں کو بھی قربانی کا گوشت دینا جائز ہے جواب یہ ہے کہ جائز ہے بشرطیکہ کسی کام کی اجرت میں نہ دیا جائے کتابوں میں قربانی کے جانور کے ذبح کرنے کی ایک دعا بھی لکھی ہے یادرکھنا چاہیے کہ بغیر اس دعا کے بھی قربانی جائز ہو جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس قدر آدمی جانور کو لیتے ہوں سب کو بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے اگر ایک بھی نہ کہے گا تو قربانی نہ ہوگی یہ بالکل غلط ہے صرف ذابح کو کہنا ضروری ہے اور ذابح ایسا شخص ہونا چاہیے جو ذبح خوب سمجھتا ہو ہر شخص کے ہاتھ سے ذبح کرانا مناسب نہیں۔

اور بچوں کی طرف سے قربانی واجب نہیں۔ صدقہ فطر پر اس کو قیاس نہ کریں ایک بات زیادہ اہتمام کے قابل ہے وہ یہ کہ قصاب جانور کو ذبح کرنے کے بعد ٹھنڈا نہیں ہونے دیتے کھال کھینچنی شروع کر دیتے ہیں۔ یہ حرام ہے۔ جب جانور خوب ٹھنڈا ہو جائے اس وقت کھال کھینچنا چاہیے بعض لوگ نفس ذبح پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ جانور کو تکلیف دینا

ہے،ہم کہتے ہیں کہ ذبح میں تکلیف نہیں ہوتی موت طبعی میں زیادہ ہوتی ہے اور اگر ہوتی بھی ہوتو جو محبوب حقیقی کے امر سے ہو وہ سب محبوب ہے۔

ایک مسئلہ ضروری یہ ہے کہ بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ گابھن کی قربانی بھی درست ہے جواب یہ ہے کہ جائز ہے پھر اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کر دینا چاہیے۔(تعظیم الشعائر ج ۱۷)

نہایت اہم مسئلہ

ایک مسئلہ اچھی طرح سمجھ لو کہ جو لوگ مکہ اور مدینہ دونوں کے خرچ کو ملا کر اتنے خرچ ہونے پر حج فرض سمجھتے ہیں وہ بڑی غلطی میں ہیں جس کے مکہ تک کا خرچ ہے اس پر حج فرض ہے وہ حج کو جائیں البتہ جن پر حج فرض نہیں ہے وہ آج کل نہ جائیں کیونکہ جب فرض نہیں تو کیا ضرورت ہے کہ خدشہ میں پڑو اگر چہ یہ خدشہ ضعیف ہی ہے اس کے علاوہ آج کل کرایہ بھی گراں ہے اور گنجائش ہوتو مدینہ کو بھی جائیں۔کہ بڑی فضیلت ہے

؎ زہے سعادت کہ آں بندۂ کہ کرد نزول گہے بہ بیت خدا گہے بہ بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(بڑی خوش نصیبی اس بندہ کی کہ اس نے کبھی خانہ کعبہ کی زیارت کی اور کبھی مدینہ کی)(ایضا)

صبی کی اقتداء محققین کے نزدیک تراویح میں بھی درست نہیں ہے اس لیے کہ نوافل صبی ضعیف ہیں چنانچہ اگر شروع کر کے فاسد کر دے تو قضا نہیں ہے اور بالغ کے ذمہ قضا ہے۔(الجناح ج ۱۸)

زمانہ اجتہاد

ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ بعد چار سو برس کے اجتہاد نہیں رہا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ چار سو برس کے بعد کسی کو اجتہاد کے قابل دماغ نہیں ملا کیونکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ علاوہ ازیں یہ مطلقاً صحیح بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ ہر زمانہ میں ہزاروں ایسی جزئیات نئی نئی پیش آتی ہیں جن کا کوئی حکم آئمہ مجتہدین سے منقول نہیں اور علماء خود اجتہاد کر کے ان کا جواب بتلاتے ہیں۔پس اگر اجتہاد کا باب بالکل بند ہو گیا ہے اور اب کسی کا دماغ اجتہاد کے قابل نہیں ہوسکتا تو کیا ایسے نئے نئے مسائل کا جواب شریعت سے نہیں ملے گا؟ یا ان مسائل کے جواب کے لیے کوئی نیا نبی آسمان سے اترے گا؟ اگر یہی بات ہے تو خدا خیر کرے کہیں قادیان والے نہ سن لیں۔کہیں یہ بات ان کے کانوں میں پڑ گئی تو مسیح موعود کی دلائل نبوت کی فہرست میں ایک اور

دلیل کا اضافہ کرلیں گے، پھر اس آیت کے کیا معنی ہوں گے:"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" (آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی تکمیل ہو چکی سو دروازہ اجتہاد اگر بالکل بند کر دیا جائے تو پھر شریعت کی تکمیل کس طرح مانی جائے گی کیونکہ ظاہر ہے کہ بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ ان کا جواب کتب فقہ میں مذکور نہیں نہ آئمہ مجتہدین سے کہیں منقول۔ پچھلے دنوں میں ایک سوال آیا تھا کہ ہوائی جہاز میں نماز ہوسکتی ہے یا نہیں، اب بتلایئے اگر اجتہاد بعد چار سو برس کے بالکل جائز نہیں تو اس مسئلہ کا شریعت میں کوئی بھی جواب نہیں، پہلے زمانہ میں نہ ہوائی جہاز تھا نہ فقہاء اس کو جانتے تھے نہ کوئی حکم لکھا اب ہم لوگ خود اجتہاد کرتے ہیں اور ایسے نئے مسائل کا جواب دے دیتے ہیں تو فقہاء رحمہم اللہ کے اس قول کا یہ مطلب نہیں کہ چار سو برس کے بعد اجتہاد بالکل بند ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اجتہاد فی الاصول کا دروازہ بند ہو گیا اور اجتہاد فی الفروع اب بھی باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا اگر اجتہاد فی الفروع بھی اب نہ ہوسکے تو شریعت کے نامکمل ہونے کا شبہ ہوگا جو کہ بالکل غلط ہے، شریعت میں کسی قسم کی کمی نہیں۔ قیامت تک جس قدر صورتیں پیش آتی رہیں گی سب کا جواب علماء ہر زمانہ کے شریعت سے نکالتے رہیں گے کیونکہ یہ جزئیات اگر کتب فقہ میں نہیں تو اصول وقواعد تو سب پہلے مجتہدین بیان کر چکے جن سے قیامت تک کے واقعات کا حکم معلوم ہوسکتا ہے۔ البتہ قرآن وحدیث سے اصول مستنبط کرنا یہ اب نہیں ہوسکتا۔ یہ خاص اجتہاد فی الاصول بعد چار سو برس کے ختم ہو گیا کیونکہ اول تو جس قدر اصول وقواعد شریعت کے تھے وہ سب آئمہ مجتہدین بیان کر چکے، انہوں نے کوئی قاعدہ چھوڑ نہیں دیا، دوسرے ان کے بعد اگر کسی نے اصول مستنبط بھی کیے تو وہ مستحکم نہیں کہیں نہ کہیں ضرور ٹوٹتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد فی الاصول کے لیے اب دماغ قابل ہی نہیں رہے۔ یہ حضرات مجتہدین ہی کا خاص حصہ تھا کہ انہوں نے نصوص سے اس خوبی سے اصول مستنبط کیے جو کہیں نہیں ٹوٹ سکتے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ ہدایہ کے اصول مسلم نہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہدایہ غیر معتبر کتاب ہے۔ اس میں اصول غلط نقل کر دیئے گئے ہیں بلکہ شاہ صاحب کی مراد یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے بعض اصول خود شریعت سے مستنبط کیے ہیں جن میں وہ ناقل نہیں ہیں سو وہ معتبر نہیں باقی جزئیات اس کی سب معتبر ہیں۔ (الجلاء للابتلاء ج ۱۸)

اجتہاد فی الفرع باقی ہے

اجتہاد فی الفروع اب بھی باقی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آ سکتا کہ ہم بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مجتہد ہو گئے کیونکہ اصحاب سیاست خوب جانتے ہیں کہ قانون بنانا قانون جاری کرنے سے بہت زیادہ دشوار ہے، ہم لوگ سوائے اس کے کہ ان حضرات کے استنباط کردہ اصول کو حوادث الفتاویٰ میں جاری کر دیں اور کیا کر سکتے ہیں؟ کمال انہیں حضرات کا تھا کہ انہوں نے حدیث و قرآن میں سے غور کر کے ایسے اصول و قواعد سمجھے جو قیامت تک کے جزئیات کے لیے کافی ہیں' کوئی مسئلہ ایسا پیش نہیں آ سکتا جس کا حکم جواز و عدم جواز ان اصول سے نہ نکلتا ہو بلکہ ان حضرات نے صرف اصول و قواعد ہی پر اکتفا نہیں کیا جزئیات بھی اس قدر نکال کر بیان کر گئے کہ بہت ہی کم کوئی مسئلہ ایسا ہوتا ہے جس کو وہ صراحۃً یا دلالتہً بیان نہ کر گئے ہوں اور اگر کوئی شاذ و نادر ایسا مسئلہ معلوم ہوتا ہے جو فقہاء نے نہیں بیان کیا تو کبھی تو مفتی کی نظر کی کوتاہی ہوتی ہے کہ اس کو سب مواقع پر عبور نہیں ہوتا یا فہم کی کمی ہوتی ہے کہ وہ مسئلہ عبارت سے نکل سکتا ہے مگر مفتی صاحب کی سمجھ میں نہیں آیا اور اگر بالفرض جزئیہ انہوں نے نہیں بیان کیا تو اصول سے تو وہ ضرور ہی مستنبط ہوتا ہوگا۔ پس آج کل یہ کسی کا منہ نہیں کہ اپنے کو آئمہ مجتہدین کے برابر کہہ سکے جو فرق کہ خلافت صدیقی و خلافت عمری میں ہے وہی فرق آئمہ مجتہدین و فقہاء متاخرین میں سمجھنا چاہیے۔ قانون کا جاری کرنا اور چیز ہے قانون کا بنانا کچھ اور ہی ہے اور ہم لوگوں کو تو ان سے خاک بھی نسبت نہیں ہو سکتی۔ (ایضاً)

احکام المسجد

امرد صبی کی امامت کو فقہاء نے ناجائز کہا ہے۔ جوان یا میانہ عمر عورت کو مسجد میں آنے سے منع کیا ہے۔ البتہ بوڑھی کے لئے بجز امام صاحب کے اوروں نے اجازت دی ہے کہ اس میں فتنہ نہیں ہے مگر یہ اس زمانہ میں ہوگا آج تو ایسی گندی طبیعتیں ہو گئی ہیں کہ مطلقاً ناجائز کہا جائے گا۔ اگر چہ بڑھیا ہی ہو۔ (التعاظ بالغیر ج ۱۹)

یہ مسئلہ خوب کان کھول کر سن لیجئے کہ غصہ تو غصہ طلاق ہنسی سے بھی ہو جاتی ہے اس

میں نص موجود ہے ثلث جدھن جدوھزلھن جد۔ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں ہنسی اور بے ہنسی سب کا ایک حکم ہے۔ ان میں سے ایک طلاق بھی ہے کوئی ہنسی میں بلاارادہ اپنی عورت سے کہہ دے کہ میں نے طلاق دی تو طلاق ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ یا دو دفعہ دی تو رجعی ہوتی ہے یعنی اس سے عدت کے اندر رجوع کرنا ممکن ہے جبکہ وہ مدخول بہا ہو۔ رجوع کرنے سے نکاح بدستور رہے گا۔ اور اگر تین دفعہ کہہ دیا تو مغلظ طلاق ہوگئی۔ اب کوئی صورت اس نکاح کے لوٹنے کی نہیں رہی۔ گھر گھرستی کا خاتمہ ہو گیا۔ یہی حکم ہنسی کا ہے اور یہی حکم غصہ کا۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

جمال شریعت

شریعت نے بھی فی الجملہ یکسوئی کا اہتمام کیا ہے چنانچہ حکم ہے: **اذا حضر العشاء والعشاء ابذوا بالعشاء** کہ جب کھانا سامنے ہو اور عشاء کی نماز تیار ہو تو نماز کو مقدم نہ کرو بلکہ کھانے کو مقدم کرو۔ سبحان اللہ! شریعت بھی کتنی آسان ہے کہ ہم کو پریشانی کی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ پہلے کھانے سے فراغت کر لینے کی اجازت دی۔

افسوس! اب بھی لوگ شریعت کو دشوار کہتے ہیں۔ صاحبو! آپ نے ڈاکوؤں کو دیکھا ہے اس لئے شریعت کا جمال آپ سے مخفی رہ گیا۔ میں آپ کو شریعت کا جمال دکھانا چاہتا ہوں۔ واللہ شریعت نہایت حسین و جمیل ہے اس کی تو یہ حالت ہے کہ

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

(اصلاح ذات البین ج ۱۹)

شریعت کا کمال شفقت

ایک ہندو نابینا کنوئیں کے پاس سے جا رہا ہے اور اندیشہ اس کے گرنے کا ہے تو واجب ہے کہ اس کو بچایا جائے یہاں تک کہ اگر نماز بھی پڑھ رہے ہو تو نماز توڑ دینا ضروری ہے اور جب تمام زمین پر بسنے والوں پر رحم واجب ہے تو جتنی خصوصیات بڑھتی جائیں گی رحم کرنا زیادہ واجب ہوگا پس اگر کوئی شخص مسلمان بھی ہو جس کے بارے میں فرماتے ہیں **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ** کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں اس کے ساتھ رحم کرنا زیادہ ضروری ہوگا۔ اور گر مسلمان ہونے کے ساتھ کوئی نسبی قرابت بھی ہو تو وہ دوسروں سے

زیادہ مستحق رحم ہوگا یا قرابت کے سوا کوئی اور دوسری بات زیادہ ہو مثلاً وہ کوئی دین کا کام کر رہے ہوں تو وہ اور زیادہ مستحق رحم ہوں گے دوسروں سے۔ (مواساۃ المصابین ج۱۹)

چرم قربانی کا مسئلہ

زکوٰۃ کے روپے اور چرم قربانی کی قیمت میں شرط یہ ہے کہ جس کو دیا جائے اس کی ملک کر دیا جائے (ایضاً)

قدرت خداوندی

بہت عرصہ ہوا کہ ضلع اعظم گڑھ سے میرے پاس ایک سوال آیا تھا کہ ایک عورت مرد بن گئی ہے اب اس کا مہر خاوند کے ذمہ واجب رہے گا یا نہیں اور دیگر حقوق واجبہ کا کیا حکم ہے مجھے یہ سوال نہایت منکر معلوم ہوا کیونکہ یہ خیال ہوا کہ محض فرضی سوال ہے بھلا ایسا بھی کہیں ہوسکتا ہے کہ عورت مرد بن جاوے اس زمانہ میں جوانی کا جوش تھا میں نے ٹھان لی کہ جس طرح ہوگا اس سوال کو حل کر کے رہوں گا چنانچہ ساری فقہ کی کتابیں الٹ ڈالیں اور تمام شقوں کے جواب دلائل فقہیہ سے لکھے۔ اب جب عمر ڈھلی تو مجھے اپنے نکیر پر ہنسی آئی کہ اس میں تعجب کی کیا بات تھی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کیا بڑی بات ہے کہ عورت مرد بن جاوے چنانچہ بعد میں ایک شخص اسی موضع کے رہنے والے ملے انہوں نے کہا یہ تو ہمارے ہی گاؤں کا قصہ ہے اور واقعی وہ عورت مرد بن گئی تھی (بن گئی کہوں یا بن گیا) پھر وہ شخص (شخص کہوں یا شخصہ) حج کو گیا (یا گئی) غرض اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ عورت کو مرد اور مرد کو عورت کر دیں پس اے بیبیو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو کہیں تشبہ بالرجال کرنے سے تمہارے منہ پر داڑھی نہ نکل آوے۔ ہم نے لکھنو میں ایک تمباکو فروش عورت کو دیکھا ہے اس کے داڑھی نکل آئی تھی تو اس میں امکان عقلی اور امکان وقوعی دونوں موجود ہیں ممکن ہے کوئی بی بی ایسی بہادر ہوں کہ وہ اس کو بھی گوارا کرلیں اور کہہ دیں کہ اس میں حرج کیا ہے میں کہتا ہوں کہ بہت اچھا تم نے اس کو تو گوارا کرلیا مگر اس کا کیا علاج ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ جو مردوں کی سی وضع بنائے اس لعنت کو مسلمان کیسے گوارا کرسکتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ لعنت کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد

پر جو عورتوں جیسی وضع بنائے اور اس عورت پر جو مردوں جیسی وضع بنائے۔ علماء نے اسی حدیث سے عورتوں کے لئے کھڑے جوتے کو حرام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ عورتوں کو بھدا جوتا پہننا چاہیے۔ ہمارے قصبات میں تو اس عورت کو بازاری عورت سمجھا جاتا ہے جس کے پیر میں کھڑا جوتا ہو، مگر شہروں میں ایسی آزادی پھیلی ہے کہ بعض شہروں میں عورتیں اچکن بھی پہنتی ہیں اور یہ رواج تو عام ہو چلا ہے کہ عورتیں گرگابی جوتا پہنتی ہیں اور اس میں قصور عورتوں کا تو ہے ہی، کچھ ڈھیلا پن مردوں کا بھی ہے کہ وہ ان باتوں کو معمولی سمجھ کو عورتوں پر روک ٹوک نہیں کرتے حالانکہ یہ باتیں خفیف نہیں ہیں لعنت سے زیادہ اور کیا سختی ہوگی جب ان باتوں پر لعنت آئی ہے تو خفیف کیسی مگر یوں کہیئے کہ لوگوں کو دین کا اہتمام ہی نہیں سالن میں ذرا نمک تیز ہو جاوے تو مرد ایسے خفا ہو جاتے ہیں کہ کھانا نہ کھاویں اور رکابی بی بی کے منہ پر دے ماریں اسے مارنے پیٹنے کو کھڑے ہو جاویں مگر لعنت کے کام پر ذرا حرکت نہیں ہوتی بلکہ بعضے مرد تو ایسے آوارہ مزاج ہیں کہ باہر والی عورتوں کو دیکھ کر ان کے دل میں خود ہی شوق اٹھتا ہے کہ گھر والیوں کو ان ہی جیسا بنائیں افسوس...... ؟ کہاں گئی ان کی غیرت اور کہاں گئی شرافت؟ کیا شریف بیبیوں کو بازاری بنانا چاہتے ہیں؟ گھر میں رہنے والی عورتیں تو بس اول جلول ڈھیلی ڈھالی وضع ہی میں اچھی لگتی ہیں یہ کیا کہ کسی کسائی پھرتی ہیں یہ کوئی سپاہی ہیں جو ہر وقت کمر کسی ہوئی ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ میلی کچیلی نہ رہیں کیونکہ صفائی اور زینت یہ زوج کا حق ہے مگر یہ مناسب نہیں کہ آستینیں بھی کسی ہوئی ہیں پاجامے بھی ایسے چست ہیں کہ چٹکی لو تو کھال چٹکی میں آجاوے جوتا بھی چڑھا ہوا ہے یہ کیا لغو حرکتیں ہیں خدا تعالیٰ نے تو تم کو عورت بنایا ہے تم مرد کیسے بن سکتی ہو۔ (کساء النساء ج ۲۰)

مسائل طلاق

صاحبو! میرے پاس اس قسم کے سوالات بکثرت آتے ہیں کہ لڑکا تو نابالغ ہے کوئی ایسی تدبیر بھی ہے کہ نکاح ٹوٹ سکے۔ باپ کے اختیار میں جوڑنا تو ہے مگر توڑنا نہیں کیونکہ ولی صبی (بچہ کا سرپرست) کو منافع کا اختیار ہے مضار کا نہیں بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ اگر لڑکے سے طلاق دلوادیں تو ہو جائے گی یا نہیں تو نابالغ کی طلاق نہیں پڑتی۔ بعض دفعہ لڑکا نوجوان ہوتا ہے

اور لڑکی بہت جوان مگر بعض دفعہ سوال آتا ہے کہ بہو کا لڑکے کے باپ سے تعلق ہو گیا۔اب نتیجہ یہ ہوا کہ خاوند پر بھی حرام ہو گئی اور وہ احتیاط بھی نہیں کرتا کہ وہ ماں بھی ہوتی ہے اور بیوی بھی تو شریعت اس کو کیسے پسند کر سکتی ہے۔ہاں اگر دو چار برس کا تفاوت ہو تو کھپ سکتا ہے۔

کانپور میں ایک دیور سے زبردستی لڑکی کا نکاح کر دیا گیا۔عورت اس لئے مجبور ہوتی ہے کہ اگر سسرے کا کہنا نہ مانوں تو روٹی نہ ملے گی۔(عضل الجاہلیہ ج ۲۰)

نیوتہ کا حکم

لوگ کہتے ہیں کہ نیوتہ سلوک ہے گویا اس کو صلہ رحم میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔یاد رکھئے کہ یہ قرض ہے کیونکہ صلہ رحم میں بشرط عوض کی قید نہیں ہوتی اور اس میں یہ قید ہے صراحۃً ہو یا تعاملاً دیکھ لیجئے نیوتہ بجبر وصول کیا جاتا ہے۔ایک صاحب کے یہاں شادی ہوئی تو اس میں نیوتہ کم آیا انہوں نے کاغذ نکال کر دیکھا تو بہت سے آدمی نیوتہ دینے سے رہ گئے تھے۔شادی ختم ہو گئی مگر انہوں نے ایک تنخواہ دار نوکر کئی مہینہ تک تنخواہ دیکر تحصیل نیوتہ کے لئے مقرر کیا یہ کیسا صلہ رحم تھا جس طرح وصول کیا جاتا ہے۔خوب سمجھ لیجئے کہ یہ صرف تاویل ہے درحقیقت نیوتہ قرض ہے اس کو کسی اور عقد میں داخل کرنے کی گنجائش نہیں جب یہ قرض ہے تو اس پر احکام شرعی قرض کے جاری ہوں گے ان احکام میں آپ کو کوئی اختیار نہیں کہ کوئی تغیر تبدل کر سکیں جیسا کہ حاکم وقت کسی معاملہ کو ایک عقد میں داخل کر کے اس کے احکام جاری کر دیتا ہے تو وہ جبراً تسلیم کرنے پڑتے ہیں اس میں آپ کو اختیار نہیں ہوتا کہ ان احکام میں اپنی طرف سے کچھ ترمیم کر دیں۔

مثلاً ایک زمین کچھ مدت تک کاشت کرنے سے موروثی قرار دی جاتی ہے اور اس پر حاکم وقت یہ حکم مرتب کر دیتا ہے کہ اب مالک کاشتکار کو بیدخل نہیں کر سکتا تو یہ حکم لازم ہو جاتا ہے اس میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ موروثی ہے مگر اس حکم کو ماننے کی ضرورت نہیں کہ اب اس کا قبضہ نہیں چھوٹ سکتا۔ہماری ملک ہے جس طرح چاہیں تصرف کریں۔

جب دنیا کے بادشاہ کا ایک معاملہ پر حکم مرتب کرنا جس میں ابھی یہ بھی ثابت نہیں ہوا کہ یہ عقلاً صحیح ہے یا نہیں لازم ہو جاتا ہے تو خدائے احکم الحاکمین کے قرار دادہ احکام معاملات میں کیوں لازم نہ ہوں گے۔(منازعۃ الغویٰ ج ۲۰)

ایک مسئلہ

فقہ کا مسئلہ ہے کہ نابالغ کے تصرفات تبرعات کے متعلق نافذ نہیں غرض یہ مال جو تیجہ اور دسواں میں لگایا جاتا ہے مال سُحت ہے غنی کو یا فقیر کو کسی کو بھی اس کا کھانا جائز نہیں کیونکہ حق غیر ہے خاص کر اس صورت میں کہ جب وارث نابالغ ہوں کہ اس میں حق غیر ہونے کے ساتھ اتنا اور اضافہ ہے کہ مالِ یتامیٰ ہے جس پر قرآن شریف کی یہ وعید ہے۔

اِنَّ الَّذِينَ يَاكُلُونَ اَموَالَ اليَتَامٰى ظُلماً اِنَّمَا يَاكُلُونَ فِي بُطُونِهِم نَاراً وَسَيَصلَونَ سَعِيراً.

(ترجمہ: جو لوگ یتیموں کا مال بلا کسی حق کے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور عنقریب دوزخ میں جائیں گے) (ایضاً)

داڑھی کا ثبوت

ڈاڑھی کے متعلق ایک استفتاء چھپا تھا کہ داڑھی رکھنا قرآن سے ثابت کرو۔ میں نے کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے کہ قرآن ہی سے ثابت ہو۔ ضرورت تو دلیل صحیح کی ہے۔ خواہ قرآن سے ہو یا حدیث سے یا قیاس یا اجماع سے کیونکہ یہ چاروں ادلۂ شرعیہ (شرعی دلیلیں) ہیں تو جس دلیل سے بھی ثابت کر دیا جاوے اسکے بعد کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ اس دلیل سے نہیں فلاں دلیل سے ثابت کرو جیسے عدالت کے گواہ کہ وہاں ضرورت اس کی ہے کہ معتبر گواہوں سے دعوے کو ثابت کیا جائے۔ پس جب معتبر گواہوں سے دعوے کو ثابت کر دیا تو مدعا علیہ اگر یوں کہے کہ میں تو ان کی گواہی نہیں جانتا فلاں ہی شخص گواہی دے گا تو مانوں گا تو یہ بات اس کی ہرگز نہیں سنی جائے گی۔ کیونکہ گواہ معتبر ہونے چاہئیں یہ کیا واہیات کہ گواہ ہیں تو معتبر مگر میں ان کی نہیں مانتا تو اسی طرح شرعی ادلہ (شرعی دلیلیں) گواہ ہیں ہم کو اختیار ہے کہ خواہ قرآن سے ثابت کریں۔ خواہ حدیث سے خواہ قیاس سے خواہ اجماع سے سائل کو حق نہیں ہے کہ وہ فرمائش کرے کہ قرآن ہی سے ثابت کرو سائلوں کو خبط ہے، ہی مجیبوں کو بھی خبط ہے وہ بھی اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ہر بات کو قرآن سے ثابت کر دیں۔ چنانچہ ایک صاحب ملے کہنے لگے کہ مجھ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ داڑھی کا ثبوت قرآن سے ہونا چاہئے تو میں نے داڑھی کو قرآن سے ثابت کر دیا وہ

اس طرح کہ حضرت ہارونؑ کے قصہ میں ہے **لاتاخذ بلحیتی** یعنی میری داڑھی نہ پکڑیئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہارونؑ ڈاڑھی رکھتے تھے۔ میں نے کہا کہ اس کو سن کر وہ سائل کیا بولا کہنے لگے کہ وہ مان گیا میں نے کہا کہ اس سے تو داڑھی کا وجود ثابت ہوتا ہے وجوب کہاں ثابت ہوا تو آپ کیا جواب دیتے کہنے لگے کہ اس کو اتنی عقل کہاں تھی کہ یہ پوچھتا۔ سو آج کل مجیبوں نے یہ طرز اختیار کر رکھا ہے۔ مگر سمجھو کہ یہ بنیاد کو کھوکھلی کرنا ہے اگر ایسی بنیاد پر مکان بنائیں گے تو بہت جلد مکان گر پڑے گا مثلاً اگر وہ اسی وقت یہ کہہ دیتا کہ اس سے تو داڑھی کا صرف وجود ثابت ہوا وجوب کیسے ثابت ہوا۔ تو اب ان کے پاس کیا جواب تھا تو اگر ایسے جواب دیئے جاویں گے تو اس پر شبہات ہوں گے اور اس سے سائل سمجھے گا کہ شریعت کے دلائل ایسے ہی ہوتے ہیں سو اس طرز کے اختیار کرنے میں یہ ضرر ہے پس اصلی جواب یہ ہے کہ تم کو اس کے کہنے کا منصب نہیں ہے کہ قرآن سے ثابت کرو۔ ہم چاروں دلیلوں میں سے جس دلیل کو چاہیں گے ثابت کریں گے۔ ایک جماعت آج نکلی ہے کہ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن سے ہر چیز ثابت ہے حدیث کچھ نہیں ۔ پہلے ایک جماعت فقہ کی منکر نکلی تھی۔ یہ حدیث کے منکر نکلے اور عجب نہیں کہ کچھ دنوں میں لوگ کہنے لگیں لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ (اللہ تعالیٰ خود ہم سے کیوں نہیں کلام فرماتے) کہ ہم اس وقت مانیں گے جب کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خود کلام کریں۔ (اجابۃ الداعی ج ۲۱)

خبر قطعی کا حکم

حدیث میں ہے کہ جب تحویل قبلہ ہوا تو قبا میں اس وقت خبر ہوئی جبکہ لوگ صبح کی نماز میں تھے ایک شخص نے آ کر خبر دی کہ اب کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہو گیا ہے وہ سنتے ہی کعبہ کی طرف پھر گئے یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ پہلا حکم تو قطعی تھا اور یہ دوسرا خبر واحد سے معلوم ہوا جو کہ ظنی ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حکم ظنی حکم قطعی کا ناسخ نہیں ہو سکتا پھر اہل قبا نے اس خبر پر کیسے عمل کیا تو میری تقریر سے اس کا جواب ہو گیا کہ کلکٹر کے بنگلہ سے کہتا ہوا نکلا۔ خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ یہ خبر قطعی تھی کیونکہ قطعیات صرف خبر دینے والوں کی تعداد ہی سے نہیں ہوتی بلکہ قرائن مقامیہ سے بھی ہوتی ہے اور وہ قرینہ اس جگہ یہ ہے کہ عہد نبوت میں ایک شخص علی الاعلان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایسا کہے کہ آپ نے یہ حکم دیا ہے اس طرح جھوٹ کہنے کی کسی کو ہمت نہیں ہو سکتی۔ (اجابۃ الداعی ج ۲۱)

جن اسباب کا ترک کرنا حرام ہے

جو اسباب ایسے ہیں کہ عادتاً مسبب اسی پر مرتب ہوتا ہے ایسے اسباب کو ترک کرنا حرام ہے ہاں اس کی تقلیل کر دے جیسے کھانا پیٹ بھرنے کے لئے پینا سیرابی کے لئے سونا راحت کے واسطے اگر کسی نے یہ اسباب ترک کر دیئے اور مر گیا تو گناہگار ہوگا ہاں اگر کسی کے ساتھ حق تعالیٰ کی یہ عادت ہو جاوے کہ اس کے بغیر کھائے بھوک نہ لگے اور ضعف نہ ہو تو مستثنیٰ ہے جیسے بعض بزرگوں نے سال سال بھر نہیں کھایا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواتر کئی کئی روز بدون شب کو افطار کئے ہوئے روزہ رکھتے تھے صحابہؓ نے بھی دیکھ کر شروع کئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو فرمایا **ایکم مثلی انما یطعمنی ربی ویسقینی** یعنی تم میں مجھ جیسا کون ہے مجھ کو تو میرا رب کھلا پلا دیتا ہے ذکر اللہ سے ایسے حضرات کو ایسی سیری حاصل ہو جاتی ہے جیسے غذا سے کسی نے خوب کہا ہے ؎

وذکرک للمشتاق خیر شراب　　وکل شراب دونہ کسراب

(التوکل ج ۲۱)

ادنیٰ شئ مسکین کو کس نیت سے دینا جائز ہے

ادنیٰ شئے کسی مسکین کو رفع حاجت کے لئے دے دو۔ گو اجر اس سے بھی مل جاوے گا مگر اللہ کے نام پر خراب شئے دینے میں جو بے ادبی تھی اس سے احتراز ہو گیا کیونکہ تم نے وہ اللہ کے نام پر نہیں دی بلکہ مسکین کو رفع حاجت کے لئے دی ہے۔ دیکھئے احکام نہ جاننے سے اتنی کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ (شفاء العی ج ۲۱)

مشترکہ مال خرچ کرنے کے چند شرائط

مشترکہ مال خرچ کرنے کی چند شرائط ہیں ایک اجازت دوسرے اجازت دینے والے کا عاقل بالغ ہونا۔ تیسرے طیب خاطر سے اجازت دینا۔ یہ شرطین یہاں بھی ملحوظ رہیں تینوں باتوں کو خوب دیکھنے کے بعد خرچ کیا جاوے تو جائز ہوگا ورنہ حرام یعنی سب ورثہ سے اجازت لی جاوے اور ان میں کوئی نابالغ نہ ہوں مجنون نہ ہو اور اجازت خوشی سے دے دیں اگر کسی دباؤ سے یا بنا بر رواج کے اجازت دی گئی تو وہ معتبر نہیں کیونکہ اس میں طیب

خاطر نہیں ہوتی۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی وارث کا دل نہیں چاہتا مگر انکار میں سبکی ہوتی ہے اس لئے اجازت دی جاتی ہے۔ یاد رکھو حدیث شریف میں صاف وارد ہے الا **لایحل مال امریٔ مسلم الا بطیب نفس منه** یعنی کسی مسلمان کا مال بدون اس کے دلی خوشی کے لینا حلال نہیں۔ پس اصل صورت تو اس کی یہی ہے کہ ترکہ تقسیم کر کے ہر شخص کا حصہ اس کو پہنچا دیا جاوے۔ سب منقول و غیر منقول کو باہم تقسیم کر لو اس طرح کہ جو چیزیں ذوات الامثال ہیں مثلاً غلہ ان کو بجنسہ بانٹ لو اور جو متماثل نہ ہوں اس کی آسان صورت یہ ہے کہ اس کی قیمت لگا لو اور اگر اختلاف ہو تو قرعہ ڈال لو۔ یا نیلام کر کے دام تقسیم کر لو غرض سب کی رضامندی سے جب پورا ترکہ تقسیم ہو چکا تو پھر جس کا دل چاہے اپنے اپنے حصہ میں سے خیرات کر دے۔ یہ بیان تھا صدقہ کی کوتاہیوں کا۔ (شفاء العی ج۲۱)

ترکہ کی تقسیم میں چند عظیم کوتاہیاں

تقسیم ترکہ کی کوتاہی سنئے اول تو جس جس وارث کو شریعت نے مستحق ٹھہرایا ہے۔ اس کے مطابق آج کل ورثہ کے حقوق ہی نہیں سمجھتے بلکہ رواج عام جس کو وارث کہے وہی حقدار قرار دیا جاتا ہے یہ پورا اور صریح مقابلہ شریعت کا جس سے کفر کا اندیشہ ہے اس سے توبہ کرو اور شریعت کے مطابق میراث تقسیم کیا کرو۔ چنانچہ آج کل بہنوں کا ترکہ میں کچھ نہیں شمار کیا جاتا اور اگر کسی نے بہن کو حقدار سمجھا بھی تو اس سے معافی کرانے کی فکر کی جاتی ہے۔ معافی کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ جانتی ہے کہ مجھے کچھ ملتا تو ہے نہیں (کیونکہ ظالموں نے قانون میں بہن کو محروم الارث کر رکھا ہے) تو بھائی صاحب سے بری کیوں بنوں وہ تو مجبور ہو کر اپنا حق معاف کر دیتی ہے اور جہاں قانوناً اسے حق مل سکتا ہے (جیسا کہ اضلاع سہارنپور و مظفر نگر وغیرہ میں) وہاں بھائی صاحب سے حصہ لینے میں بدنامی سمجھی جاتی ہے اور دعوی کرتے ہیں متبع شریعت ہونے کا کہ ہم نے تو بہن سے کہا تھا اس نے خود ہی اپنا حق چھوڑ دیا۔

پس جاننا چاہئے کہ یہ معافی معتبر نہیں البتہ اگر ہمشیرہ کو اسکا حق سپرد کر دیا جاوے پھر وہ قبضہ کے بعد بلکہ چند روز اس سے منتفع ہونے کے بعد جس سے اس کو اس کی حقیقت منکشف ہو جاوے طیب خاطر سے ہبہ کر دے تو جائز ہو سکتا ہے ورنہ بلا طیب خاطر کے یہ رسمی اجازت ہرگز معتبر نہیں۔ (ایضاً)

دین کا مذاق اڑانا بھی کفر ہے

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کافر وہ ہے جو کفر کا کام کرے یا کفر کی بات کہے اگر چہ عقائد کفر یہ نہ ہوں پس اگر کوئی مسلمان کفر کا کام کرے گا جیسے بلا عذر زنار پہن لینا وہ بھی کافر ہو جاوے گا۔ یا جب زبان سے کلمہ کفر کہا فوراً کفر عائد ہو جاوے گا۔ اس سے بھی آج کل نہایت بے پرواہی ہو رہی ہے مثلاً بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ روزہ وہ رکھے گا جس کے پاس کھانے کو نہ ہو اور کچھ خیال نہیں ہوتا کہ ہم نے کس درجہ کا گناہ کیا حالانکہ وہ کافر ہو گیا۔ اب یا تو اس کو اپنے کفر کی خبر نہیں یا خبر ہے مگر کفر کی خفیف خیال کرتا ہے اور در حقیقت یہ کلمہ بہت شدید اور سخت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم نے تو مذاق میں کہا تھا تو سن لو کہ دین سے مذاق کرنا بھی کفر ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ (کہہ دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ اس کی نشانیوں اور اس کے رسولوں کا مذاق اڑاتے تھے) اس سے صاف معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ کے ساتھ تمسخر کرنیوالا بھی کافر ہے۔ (شفاء العی ج ۲۱)

کافر بنانا اور کافر بتانا میں فرق

آج کل کوئی عالم یہ فتویٰ دیتا ہے کہ تم کافر ہو گئے تو اس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں یہ کیسے مولوی صاحب ہیں جو مسلمانوں کو کافر بتاتے ہیں اے صاحب خبر بھی ہے کہ بنانے کے کیا معنی ہیں بنانے کی معنی ہیں تعلیم دینا چنانچہ مسلمان بنانے کے معنی سب کے نزدیک یہی ہیں کہ کافر کو اسلام کی تعلیم دینا تم جو مولویوں پر اعتراض کرتے ہو کہ یہ مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں تو کیا وہ کسی کو کفر کی تعلیم کرتے ہیں ہرگز نہیں ہاں وہ دلیل کی بناء پر کسی کسی کو کافر ضرور کہتے ہیں کہ کافر کہنا کافر بنانا نہیں دیکھو کافروں کو مسلمان کہہ دینے پر کسی کے نزدیک بھی مسلمان بنانا صادق نہیں آتا بلکہ کافروں کو اسلام کی تعلیم دینے سے البتہ کہا جاوے گا کہ اس نے فلاں کافر کو مسلمان بنایا ہے اسی طرح کافر بنانے کے یہی معنی ہوں گے کہ کسی شخص کو کفر کی بات سکھادیں تو ایسا کسی عالم کو دیکھا ہے اور اگر فتویٰ دیا تو اس کو کافر بنانا (نون سے) نہیں کہہ سکتے البتہ یہ تو کافر بتانا (تا سے) ایک نقطہ کا فرق ہے (اس نکتہ کو یاد رکھنا) پس یہ الزام علماء پر خواہ مخواہ کا ہے بلکہ وہ تو خیر خواہی کرتے ہیں کہ

تمہارے قول وفعل کا انجام بتلا کر اس سے محفوظ رہنے کا طریقہ سکھاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم مسلمان رہو تو درحقیت وہ مسلمان بناتے ہیں اور یہی ان کا کام ہے تا کہ مسلمان اس کفر سے محروم رہیں خصوصاً وہ لوگ جو علوم معاش میں ترقی کر رہے ہیں ان کا تو رات دین یہی شیوہ ہے کہ شریعت کا استہزار استخفاف کرتے رہتے ہیں۔ (شفاالعی ج۲۱)

یقینی امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کفر ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو فرمادیتے کہ نکاح ثانی کرواور اس کے قلب میں اس سے تنگی پیدا ہوتی تو اس وقت کیا بچاؤ ہوتا کیونکہ خطاب خاص خود دلیل ہوتی بطلان عذر کے لئے اور اس کے لئے نظیر موجود ہے کہ حضرت زینبؓ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ سے کرنا چاہا اور حضرت زینبؓ بوجہ عالی خاندان کے ہونے کے ذرا رکتی تھیں اور اسی طرح ان کے بھائی بھی فوراً یہ آیت نازل ہوئی **ماکان لمؤمن و لا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امر ان يكون لهم الخيرة ط۔**
(کسی مومن اور مومنہ کو شایاں نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی امر کا فیصلہ فرماویں تو اس امر میں ان کو اختیار ہو)
حالانکہ یہ ایک دنیا کا معاملہ تھا لیکن اس میں بھی حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چون وچرا کرنے کی اجازت نہیں ہوئی تو معلوم ہوا کہ آپ خواہ دنیا کا کام بتلاویں یا دین کا کام بتلاویں مگر جس کو فیصلہ کر کے فرماویں اس سے انکار کفر ہے تو اس وقت اگر ہم انکار کرتے تو فوراً کافر ہو جاتے اور اس وقت تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ مولویوں کے طرز بیان سے استنکاف ہے نہ کہ حکم شریعت سے تو ہمارے لئے اس زمانہ سے بعید ہونا ہی رحمت ہوا۔ (فوائدالصحبۃ ج۲۱)

رسومات کی حقیقت

رسم نبوت کے مفاسد

میں کہتا ہوں نیوتہ قواعد شرع کے موافق قرض ہے اور قرض کیوں نہ ہو اس کے واپس لینے کے لیے لڑائیاں ہوتی ہیں اور جو کوئی واپس نہ دے اس کو برادری سے خارج کیا جاتا ہے تو اس سے قطع رحم لازم آتا ہے یہ کیسا صلہ رحم تھا جو قطع ہوا غرض یہ قرض ہے اور قرض کے احکام میں شرعاً یہ ہے

کہ اس میں میراث بھی جاری ہوتی ہے یعنی اگر کوئی شخص اپنا قرض کسی پر چھوڑ مرے تو وارثوں کے اس کے حصول کرنے کا حق ہوتا ہے اس حکم کو یاد رکھئے اور نیوتے میں دیکھئے اگر کوئی شخص مرجائے جس کے دوسو روپے لوگوں کے ذمہ نیوتہ کے پڑے ہوں اور وہ دو بیٹے چھوڑ جائے تو رواج یہ ہے کہ جب ان دونوں بیٹوں میں سے بڑے کے نکاح کا وقت آئے گا تو سب ان نیوتوں کو ادا کریں گے اور اس کو لوگ بہت ہی خیر سمجھتے ہیں۔ اگر اس کے باپ نے اتنا نیوتہ نہ چھوڑا ہوتا تو بڑی بات بگڑ جاتی۔ اس وقت آڑے وقت میں کام چل گیا (بناء فاسد علی الفاسد) سمجھ لیجئے کہ شریعت کا حکم میراث میں یہ ہے کہ فرائض کے موافق تقسیم کی جائے جس کو خدا تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں بیان فرمادیا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ باپ کا قرض دو بیٹوں میں سے ایک کو دے دیا جائے بلکہ ادا کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں پر آدھوں آدھ بانٹے اور اگر ایسا نہ کرے گا تو عنداللہ گنہگار ہوگا۔ یہ حال تو ادا کرنے والے کا ہے اب اس بیٹے کا سنئے جس نے لیا۔ یاد رہے کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو باپ کے ترکہ میں قرض وصول ہو اس کو تمام ان وارثوں پر تقسیم کرے جو اس وقت موجود ہوں جن کو شریعت نے مستحق قرار دیا ہو بڑے بیٹے کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ کل روپیہ اپنے کام میں لگائے اگر اس بڑے بیٹے نے ان دوسو روپیہ کو تقسیم نہ کیا اور اپنی شادی میں لگایا اور اس سے وہ رسم کی جو شرعاً مسنون ہے مثلاً ولیمہ تو اس کا بھی حکم یہ ہے کہ مال سحت ہے جو کوئی اس کو کھائے گا آکل سحت ہوگا اور حق العبد گنہگار ہوگا جس کے معاف ہونے کی بھی کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ ارباب حق یعنی وارث معاف کریں تو یہ اس کے لیے کافی نہیں۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

باپ کی میراث میں عورتوں کا حصہ ہے

عورتوں کے ذہن میں سے قریب قریب یہ بات بالکل نکل ہی گئی ہے کہ باپ کی میراث میں کچھ ہمارا بھی حصہ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر ان بہنوں سے بھائی کہیں بھی کہ اپنا حق لے لو تو کہتی ہیں تم نے ہمیں ایسا غیر سمجھ لیا کہ باپ کے مال کے حصے بخرے کرنے لگے۔ اب ہبہ اور دعوے کی حقیقت سنئے کہ جب چند روز باپ کو مرے ہوجاتے ہیں اور ان کو کسی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ ہمارا بھی حق میراث میں تھا تو اپنے اس دعوے اور ہبہ کو واپس کرنے کی تدبیریں کی جاتی ہیں اس کاغذ کو جعلی ثابت کیا جاتا ہے جھوٹے گواہ بہم پہنچائے جاتے ہیں، خوب مقدمہ بازی ہوتی ہے جس میں طرفین کی بربادی ہوجاتی ہے۔ (واقعی دلی

اجازت اور ہبہ کے یہی معنی ہیں) یہ رسم بھی نہایت ہی قبیح رسم ہے کہ اناث کومحروم الارث (عورتوں کووراثت سے محروم کرنا) کر دیا جائے یہ صریح ظلم ہے اس کی بڑی احتیاط چاہیے

اور اگر وارثوں میں کوئی چھوٹا بھی ہے تو وہ اگر منہ سے صریح اجازت بھی دے تب بھی معتبر نہیں، نابالغ کے تصرفات خرچ میں نافذ نہیں ہوتے اس صورت میں کھانے والوں پر یہ وعید عائد ہوتی ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا وَسَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا○

یعنی جو لوگ یتیموں کا مال بلا کسی حق کے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں کو آگ سے بھرتے ہیں۔ عنقریب دوزخ میں جائیں گے (حق سے مراد حق شرعی ہی ہوسکتا ہے اور شریعت نے نابالغ کو اخراجات میں ممنوع التصرف (خرچ کرنے سے روکنا) قرار دیا ہے تو جو کچھ اس کی اجازت سے بھی صرف ہوگا ناحق ہی ہوگا) اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب کوئی مرتا ہے تو کچھ نہ کچھ وارث صغیر بھی ہوتے ہیں قریب ہوں یا بعید جن کو شریعت نے وارث قرار دیا ان سب کا حصہ ہے اور ان کا بھی حکم ہے خوب ولیمہ ہوا کہ تقریب خوشی کی تھی اور گناہوں کے بوجھ کے بوجھ شرکاء پر لد گئے۔ یہ حال اس رسم کا ہے جس کو آپ محمود کہتے ہیں اور جن کے قبیح ہونے کے آپ خود قائل ہیں ان کی نسبت کیا کہا جائے۔ اب یہ بھی سمجھ لیجئے کہ رسمیں اگرچہ از جنس اعمال ہیں لیکن اعمال کا منشا قلب ہے۔ آدمی ہاتھ پیر سے کوئی کام جب کرتا ہے کہ جب دل میں اس کی خواہش پیدا ہو اور دل میں خواہش جب پیدا ہوتی ہے جب اس کو اچھا سمجھے یا کم از کم اس کو برا نہ سمجھے۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

غدر وسرقہ کافر سے بھی حرام ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کافر کا مال جس طرح ہو لوٹ لو، کیوں صاحب کافر کو کیوں لوٹیں کیا یہ بھی کوئی قاعدہ شرعی ہے، شریعت نے غدر وسرقہ کو کافر کے ساتھ بھی تو حرام کیا ہے بلکہ مولانا محمد قاسم صاحب فرماتے تھے کہ کافر کا حق رکھنے سے تو مسلمان کا حق رکھ لینا اچھا ہے کیونکہ نیکی اگر جاوے تو اپنے بھائی مسلمان ہی کے پاس جاوے، دشمن کے پاس کیوں جاوے۔ اگر ہماری مغفرت نہ ہو تو بھائی ہی کی سہی اور وہاں تو دشمن کے پاس

تمہارے سب کیا کرایا جاوے گا جس میں نہ اس کا نفع نہ اس کا البتہ ہاں اس کی نیکی سے اس کافر کا عذاب کچھ کم ہو جائے گا مگر یہ کم کہنا بھی اضافہ ہے ورنہ حقیقتاً کم کسی کافر کا بھی نہیں، عذاب سب کا کامل ہے بس کسی کا شدید ہے کسی کا اشد ہے۔ چنانچہ اس معنی کو ارشاد ہے: "لَايُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ" (فرمائے گا بلکہ ہر ایک کے لیے دونا عذاب ہے) اور ارشاد ہے: "قَالَ لِكُلٍّ ضِعۡفٌ" ہاں اس اشد کے مقابلہ میں کچھ خفیف ہوگا مگر اس کو خفیف کہنا لغۃً تو صحیح ہے محاورہ میں صحیح نہیں، محاورہ میں خفیف وہ ہے جس کا اثر معتد بہ درجہ میں خفیف ہو ورنہ اس کو محاورہ میں خفیف نہیں کہتے۔ (رطوبۃ اللسان ج ۲۲)

بڑے مفسدہ کے خوف سے چھوٹے مفسدہ کو گوارہ کرنا

میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ وہ حضرات دنیائے مباح کو تو کیوں منع کرتے بعض اوقات دنیائے غیر مباح کو بھی کسی بڑے دینی ضرر سے بچانے کے لیے گوارا کر لیتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص ہے کہ وہ کسی ناجائز نوکری میں مبتلا ہے اور اس کے پاس اور کوئی جائز ذریعہ معاش نہیں ہے اس کو احساس ہوا کہ میں ناجائز کام کرتا ہوں اب وہ کسی محقق عالم سے پوچھتا ہے کہ میں یہ نوکری چھوڑ دوں تو وہ بحالت موجودہ اس کو یہ جواب دیتے ہیں کہ نہیں جلدی نہ کرو کسی جائز ذریعہ معاش کا انتظام کر لو پھر چھوڑنا اور ایسی حالت میں وہ حضرات اس واسطے منع نہیں کرتے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت تو وہ ایک ہی گناہ میں مبتلا ہے اس کو چھوڑ کر بہت ممکن ہے کہ ناداری کا تحمل نہ ہونے سے بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جائے کیونکہ احتیاج وہ چیز ہے کہ اسکی بدولت بہتوں نے خودکشی کر لی ہے، بہت سے (نعوذ باللہ) مرتد ہو گئے ہیں تو وہ محقق اندازہ کر لیتے ہیں کہ اس کے قلب میں تحمل نہیں۔ اگر میں اس نوکری کو چھوڑنے کی اجازت دے دوں گا تو پھر ایمان تک کی خیر نہیں۔ البتہ اگر وہ یہ دیکھتے ہیں کہ کسی میں صفت تحمل موجود ہے تو پھر اس کو بلاضرورت ناجائز میں مبتلا رہنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتے کیونکہ ایسی صورت میں ایسا کرنا جائز ہی کہاں ہو سکتا ہے۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے

حرام کا کسب تو گناہ ہی کا مرتبہ ہے اور تحلیل حرام کفر ہے گناہ اور کفر میں کچھ فرق ہے یا

نہیں پھر خواہ کوئی مرتبہ ہو مگر ہم کو گناہ اور کفر میں کیوں شریک کرتے ہو ہم سے ایسے فتوؤں کی کیوں توقع رکھتے ہو۔ ایسی درخواستیں کر کے لوگوں نے مولویوں کو ہاں میں ہاں ملانے کے لیے نوکر رکھنا شروع کیا ہے جیسے ایک حکایت ہے کہ ایک رئیس کے یہاں لازمی طور پر ایک نوکر ہاں میں ہاں ملانے کے لیے رہا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک نوکر انہوں نے رکھا اور یہی خدمت سپرد کی کہ جو بات ہم کہیں اس کی تم تصدیق کر دیا کرو۔ ایک دن کہنے لگے ہم شکار کے لیے گئے تھے ایک ہرن مارا گولی اس کا سم توڑ کر پیشانی پھوڑ کر نکل گئی۔ لوگ ہنسنے لگے کہ کہاں سم کہاں پیشانی۔ نوکر صاحب بولے حضور بجا فرماتے ہیں وہ ہرن اس وقت پیشانی کھجلا رہا تھا۔ جانور کی عادت ہوتی ہے کہ سم سے کھجلاتا ہے۔ گویا انہوں نے تصدیق کر دی کہ سم کو توڑنے اور پیشانی کو پھوڑنے کی یہ صورت ہوئی کہ سم اور کھوپڑی ایک ہی جگہ تھے کیونکہ کھوپڑی کو سم سے کھجلا رہا تھا اسی حالت میں ایسا نشانہ مارا کہ گولی سم کو توڑ کر اور کھوپڑی کو پھوڑ کر پار نکل گئی۔ اب آپ لوگ بھی بس یہ چاہتے ہیں کہ مولویوں سے یہ کام لیں سو حضور مولویوں سے ایسی نوکری نہیں ہوتی۔ اول تو زیادہ مولوی ایسے ہیں کہ فتویٰ لکھنے کی تنخواہ نہیں لیتے اور جو بیچارے پیٹ کی خاطر تنخواہ بھی لیتے ہیں تو یہ کام ان سے بھی نہیں ہوسکتا' دنیا کی خاطر دین نہیں بیچا جاتا' کوئی اجتہادی امر ہوتا تو شاید فتویٰ بھی دیا جاسکتا۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

مسئلہ وقف

بعض مدعیان خیر خواہ قوم کے مسئلہ وقف علی الاولاد کی تحریک شروع کی تھی یہ لمبا عنوان مدعیان خیر خواہی قوم میں نے اس لئے اختیار کیا ہے تاکہ توضیح کامل ہوجائے ورنہ اجمالی عنوان (خیر خواہاں قوم وغیرہ) سے ایہام ہوتا اب آئندہ چاہے مختصر عنوان اختیار کروں مگر مراد وہی لوگ ہیں جو بزعم خود قوم کے خیر خواہ ہیں مگر واقع میں خیر خواہ نہیں کیونکہ ان کی دوستی ریچھ کی سی دوستی ہے غرض ان لوگوں نے مسئلہ وقف علی الاولاد کی تحریک اٹھائی تھی تو اس زمانہ میں نواب محمود خان صاحب رئیس چھتاری نے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے دریافت کیا تھا کہ اس تحریک کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے، مولانا نے جواب دیا کہ ایسا خیال حرام ہے بلکہ سلب ایمان کا اندیشہ ہے کیونکہ اس شخص کے اس خیال کا منشأ صرف یہ ہے کہ مسئلہ میراث کو جو منصوص قطعی ہے مضر قوم اور خلاف حکمت سمجھا جاتا ہے چنانچہ اس وقت خیر خواہان قوم نے وقف علی الاولاد کے پاس کرانے کے لئے جن وجوہ کو پیش کیا تھا ان میں

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس طرح جائیداد حصے بخرے ہونے سے محفوظ رہتی ہے اور میراث کے سہام جاری ہونے سے جائداد کے ٹکڑے ہوجاتے ہیں اور کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔

مولانا کا یہ قول میرے ذہن میں تھا اسی لئے جب پریوی کونسل نے وقف علی الاولاد کورد کیا اور خیر خواہان قوم پھر اٹھے اور علماً سے دستخط لئے تو سب نے اس درخواست پر دستخط کر دیئے سوائے میرے کیونکہ میں دیکھ رہا تھا کہ اس وقت بھی وہی لوگ اٹھے ہیں جو پہلے اس تحریک کو لے کر کھڑے ہوئے تھے اور ان کا منشاء وہی ہے کہ یہ لوگ مسئلہ میراث کو مضر قوم اور خلاف حکمت سمجھتے تھے وہ محض اس واسطے اس مسئلہ کو پاس کرانے نہیں اٹھے تھے کہ وقف علی الاولاد شرعاً جائز ہے پھر گورنمنٹ اس کو ناجائز کیوں قرار دیتی ہے بلکہ ان کا منشاء صرف یہ تھا کہ وہ اس کو اقتصادی حیثیت سے قوم کیلئے مفید سمجھتے تھے کہ اس مسئلہ کے پاس ہوجانے سے مسلمانوں کی جائدادیں محفوظ ہوجائیں گی اور حصے بخرے ہونے سے بچ جائیں گی۔ (استمرار التوبہ ج ۲۳)

کیمیا ناجائز ہے

فقہاء نے اس کو ناجائز کہا ہے حتیٰ کہ فقہانے لکھا ہے کہ اگر کسی متولّی وقف کی نسبت یہ معلوم ہو کہ وہ کیمیا کی لت میں ہے تو اس کو موقوف کر دیا جائے۔ (ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)

یزید پر لعنت کرنے کا حکم

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا تھا یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے میں نے کہا کہ اگر وہ مستحق لعنت بھی ہو تب بھی کلام اس میں ہے کہ تم کو لعنت کرنا مناسب ہے یا نہیں سو تم کو یزید پر لعنت کرنا اس وقت سزاوار ہے جب کہ تم کو یہ معلوم ہو کہ یزید سے بہتر ہو کر مروں گا ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھو کہ کس حالت میں ہو اور کیا کیا خرابیاں اپنے اندر بھری ہوئی ہیں پھر کس منہ سے یزید پر لعنت کرتے ہو ہاں اگر با یزید ہو کر مرو تو یزید پر لعنت کرو جب با ایمان یہاں سے چلے جاؤ گے اور قبر میں کچھ کام تو ہوگا نہیں بے فکری سے یزید پر لعنت کیا کیجیو اور ابھی تک تو یہی خبر نہیں کہ تم کس حالت میں مرو گے۔ ممکن ہے یزید سے بھی بدتر حالت میں ہو کر مرو یہ جواب سن کر وہ شخص خاموش ہو گئے اور کہنے لگے کہ میری تسلی ہو گئی غرض انسان ہر وقت کشاکشی میں رہتا ہے۔

گہ چنیں بنمایدو گہ ضد ایں　　　　خبر کہ حیرانی نباشد کار دیں

(کبھی ایک حالت طاری ہوتی ہے اور کبھی اسکی ضد اس لئے تجھے دین کے کام میں حیرانی نہیں ہونی چاہئے)

گویا یہ انسان ایک اکھاڑہ ہے کہ اس میں دو پہلوان کشتی کرتے ہیں کبھی یہ غالب ہوتا ہے کبھی وہ۔ (الاخصاج ج ۲۳)

دینی امور میں اپنی رائے دینا بڑا مرض ہے

ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرتا ہے اور بڑا سخت مرض یہ ہے کہ دنیا کے امور میں تو اپنی رائے لگاتے ہی ہیں دین کے اندر بھی کہتے ہیں کہ ہماری رائے یہ ہے مجھے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ انگریزی پارلیمنٹ میں کسی کو ممبر بننے کی ہوس نہیں ہوتی اور خدائی پارلیمنٹ کے ممبر بننے کو ہر شخص تیار ہے استغفر اللہ یہ دین کی قدر ہے اس وقت کی وہ حالت ہے کہ دین زبانِ حال سے یہ کہہ رہا ہے

اے گراں جاں خوار دیدستی مرا　　　　زاں کہ بس ارزان خریدستی مرا

(اے کاہل تو نے مجھ کو بے قدر سمجھ رکھا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میں تجھ کو مفت مل گیا ہوں)

مضاربت

مضاربت یہ ہے کہ مال ایک کا ہو اور محنت دوسرے کی اور نفع میں دونوں شریک، لیکن اس میں یاد رکھنے کی بات ہے کہ نفع معین نہ کرے۔ جیسے آج کل معین کر لیتے ہیں کہ دس روپے ماہوار لیا کریں گے۔ یہ جائز نہیں ہے بلکہ حصہ معین کرے کہ تین چوتھائی مثلاً تیرا ایک اور چوتھا ہمارا یا نصف نصف مثلاً اگر شارع چاہتے تو اس عقد کو حرام کر دیتے اور اس کے نفع کو سود میں داخل کر دیا جاتا لیکن بندوں کی ضرورت پر نظر کر کے اس کی اجازت دے دی۔ غرض تجارت کرنے کی اجازت اور تجارت کرانے کی اجازت، اس سے زیادہ اور کیا سہولت ہو سکتی ہے۔ (ذکر الموت ج ۲۴)

فقہاء کی پردہ میں احتیاط

فقہاء نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ جوان بھتیجی کا حقیقی چچا سے بھی پردہ کرانے کو لکھا ہے کہ وہ اگر خود بری نظر سے نہ دیکھے گا تو ممکن ہے کہ اسی نظر سے دیکھے کہ یہ میرے

لڑکے کے قابل ہے یا نہیں اور اس نظر سے دیکھنے میں شہوت کی آمیزش کا ضرور اندیشہ ہے۔ اللہ اکبر! یہ ہیں حکماء امت واقعی فقہاء نے زمانہ کی حالت کو خوب سمجھا ہے اور شیطان کے دھوکوں پر ان کی بہت نظر تھی۔ فقہاء نے جب ایسے ایسے انتظامات کئے ہیں تب ہی تو اس وقت آپ کو کچھ دین کی صورت نظر آ رہی ہے، بعض گھروں میں اگر نامحرم عزیزوں سے پردہ کا اہتمام ہے تو ایک اور بے احتیاطی ہے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

باپ کے مرتے ہی لڑکیوں کا ترکہ لینے سے انکار کرنا شرعاً معتبر نہیں

باپ کے مرتے ہی جو لڑکیاں آمدنی اور زمین لینے سے انکار کر دیتی ہیں وہ انکار معتبر نہیں اول تو اس وقت صدمہ تازہ ہوتا ہے، صدمہ میں اس کو اپنے نفع و نقصان کا خیال نہیں ہوتا۔ دوسرے جب رواج یہی پڑا ہوا ہے کہ بہنوں کو میراث سے محروم سمجھا جائے تو وہ اپنا حق لیتے ہوئے بدنامی سے بھی ڈرتی ہیں۔ تیسرے ان کو اپنے حق کی خبر بھی نہیں ہوتی کہ کتنا ہے اور کس قدر ہے جب صدمہ کا وقت گزر جائے اور تم ان سے کہہ دو کہ تمہارا حق شرعی ہے تم کو لینا پڑے گا، پھر وہ اپنی آمدنی کی مقدار بھی دیکھ لیں، اس کا لطف بھی اٹھالیں، اس کے بعد اگر کوئی دے تو مضائقہ نہیں مگر ہم دکھاویں گے کہ اس کے بعد سو میں سے ایک یا دو ہی ایسی نکلیں گی کہ پھر بھی اپنا حق معاف کر دیں پس جس طرح سے آج کل بہنیں اپنا حق بھائیوں کو معاف کرتی ہیں وہ شرعاً معتبر نہیں اس میں رضا اور طیب خاطر نہیں ہوتی اور حدیث میں صاف موجود ہے کہ **الا لا یحل مال امرا مسلم الا بطیب نفس منه** (کنز العمال: ۳۹۷) کہ خبردار کسی مومن کا مال بدون طیب خاطر کے لینا حلال نہیں ہے تو یہ ساری خرابی کس چیز کی ہے، محض محبت مال کی۔ یہ محبت آج کل دلوں میں پیوست ہوگئی ہے اور بالخصوص عورتوں میں یہ مرض بہت ہے۔ (ایضاً)

مستعمل ٹکٹ کا حکم

ایک واقعہ جس میں بعض لوگ طمع سے کام لیتے ہیں یہ ہے کہ بعض دفعہ لفافہ کا ٹکٹ مہر سے بچ جاتا ہے تو اس کو استعمال نہیں کرتا بلکہ ایسے ٹکٹ دیکھ کر سب سے پہلا کام میرا یہ ہوتا ہے

کہ اس ٹکٹ کو فوراً چاک کر دیتا ہوں مگر بعض لوگ ایسے ٹکٹوں کو دوبارہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ شرعاً جائز نہیں کیونکہ ٹکٹ اس اجرت کی رسید ہے جو ڈاک پہنچانے کے عوض میں ڈاک والوں کو دی گئی ہے اور جب خط پہنچ گیا تو انتفاع کامل ہو چکا اب ایک بار کی اجرت میں دوبارہ کام لینا حرام ہے مگر لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے مگر عوام میں اور خواص میں اتنا فرق ہے کہ عوام گناہ کر کے اس کے جواز کی دلیل بیان نہیں کرتے اور خواص ایسا کریں گے تو اس کے ساتھ لاان بھی لگائیں گے۔ بعض تو یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ حربی کا مال ہے اور حربی کا مال بدون عذر کے جس طرح بھی حاصل ہو حلال ہے۔ سو اول تو مجھے اسی میں کلام ہے کہ صورت مذکورہ میں عذر نہیں کیونکہ جب یہ معاملہ اجارہ کا ہے اور اجارہ ایک دفعہ کے لئے منعقد ہوا ہے تو دوبارہ اس سے کام لینا یقیناً عذر ہے اور اگر پھر بھی حربی کا مال استیلاء سے آپ کو حلال ہو جاتا ہے اسی طرح اگر حربی آپ کے مال پر استیلاء کرے تو اس کے لئے بھی تو آپ کا مال جائز ہو جاتا ہے کیونکہ استیلاء ان کے حق میں بھی سبب ملک سے ہے اب بتلاؤ اگر وہ تمہارا گھر لوٹ لیں تو ان کو بھی اس کا حق ہونا چاہئے پھر اس وقت چیختے کیوں ہو اور شکایت کس لئے کرتے ہو اگر ان کو یہ حق حاصل نہیں تو معلوم ہوا وہ صرف حربی نہیں بلکہ معاہد ہیں اور جب معاہد کیساتھ عام حربیوں کا سا معاملہ کرنا آپ کو کہاں جائز ہے بعض لوگ ریل میں بلا کرائے کے سفر کرتے ہیں اور یہی دلیل پیش کرتے ہیں کہ حربی کے مال سے انتفاع جائز ہے پھر بعض تو کہتے ہیں کہ معاہدہ ہوا ہی نہیں اور بعض کہتے ہیں ہوا تھا مگر ٹوٹ گیا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر عہد ٹوٹ گیا ہے تو اگر وہ بھی آپ پر ظلم کریں تو ان کو حق ہونا چاہئے پھر اس وقت کیوں احتجاج کرتے اور ان کو معاہدے کیوں یاد دلاتے ہو یہ کیا جب تم کچھ کرو اس وقت تو عہد نہیں اور جب وہ کچھ کریں تو عہد ہو جاتا ہے جیسے بمبئی کے سیٹھ کرتے ہیں کہ ان کو سود سے منع کیا جائے تو یوں کہتے ہیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے اور دارالحرب میں سود جائز ہے اور جب زکوٰۃ کے لئے کہا جائے تو کہتے ہیں کہ ہمارا مال تو سودی ہے اور حرام مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ سود لینے کے وقت تو وہ حلال تھا اور زکوٰۃ دینے کے وقت حرام ہو گیا۔ ان کی مثال شتر مرغ جیسی ہے کہ اس سے اڑنے کو کہا جائے تو کہتا ہے کہ اونٹ ہوں اور کہیں اونٹ بھی اڑا کرتا ہے اور جو کہا جائے کہ پھر بوجھ اٹھا تو کہتا ہے میں تو پرندہ ہوں اور پرندہ بھی کہیں بوجھ لادا کرتا ہے۔ حضرت عطار فرماتے ہیں:

چوں شتر مرغے شناس ایں نفس را نے کشد بار و نہ پرد بر ہوا
گر پر گوئیش گوید اشترم ورنہی بارش بگوید طائرم

''اپنے نفس کو شتر مرغ کی مانند (چالاک) سمجھو کہ جو تو نہ بوجھ اٹھاتا ہے اور نہ ہوا میں اڑتا ہے لہٰذا اگر اس سے کہا جائے کہ اڑ تو کہتا ہے میں تو اونٹ ہوں اور اگر کہا جائے کہ بوجھ اٹھا تو کہتا ہے کہ میں تو پرندہ ہوں''

مستعمل ٹکٹوں کو استعمال کر کے یہ شخص اپنی حد پر نہ رہے گا اور اس میں مرض طمع بڑھ جائے گا اس لئے اس کو یہ فعل جائز نہیں۔ دوسرے حدیث میں ہے **لا ینبغی للمؤمن ان یذل نفسہ** (مشکوٰۃ المصابیح:۲۵۰۳) یعنی مسلمان کو نہ چاہئے کہ اپنے کو ذلیل کرے اور مستعمل ٹکٹ لگانے میں ذلت کا اندیشہ ہے، گو وہ کیسے ہی صاف ہوں مگر بعض دفعہ ڈاکخانہ والے خوردبین سے اسے دیکھتے ہیں اور مہر کا خفیف سا اثر ان کو نظر آجاتا ہے جو ہم کو نظر نہیں آیا تھا، پھر اس میں بعض دفعہ جیل خانہ ہو جاتا ہے تو چار پانچ پیسوں کے لئے اپنے کو اتنے بڑے خطرے میں ڈالنا کون سی عقلمندی ہے۔ اگر ایسا ہی لگانا ہے تو پوسٹ ماسٹر کو اطلاع کر کے لگاؤ دیکھو تو کیسی خبر لی جاتی ہے۔ اسی واسطے بعض علماء کہتے ہیں کہ چونگی دے دیا کرو تا کہ بعد میں ذلت نہ ہو۔ نیز بعض دفعہ اس میں اسلام کی ذلت ہوتی ہے کیونکہ عرفاً ریل میں بے ٹکٹ سفر کرنا اور استعمالی ٹکٹوں کو دوبارہ کام میں لانا اور چونگی سے مال کو بچالینا بے ایمانی شمار ہوتا ہے اب اگر کبھی گرفت ہوگئی اور واقعہ کھل گیا اور تم سے عدالت میں سوال ہوا کہ تم نے یہ جرم کیوں کیا اور آپ نے یہ جواب دیا کہ میرے مذہب میں ایسا کرنا جائز تھا جیسا کہ بریلی میں ایک تاجر نے برسر عدالت یہی جواب دیا تھا تو عدالت والے یہ کہیں گے کہ توبہ توبہ اسلام بے ایمانی اور چوری سکھلاتا ہے اس لئے مشائخ کہتے ہیں کہ اسلام کو ذلت سے بچانے کے لئے چونگی دے دو اور چار پیسوں کی بچت نہ کرو۔ یہ وہ مفاسد ہیں جن پر علماء قشر کی نظریں نہیں پہنچتیں، ان کو مشائخ عارفین ہی سمجھتے ہیں۔ (الجمعین بین النعین ج ۲۴)

ختم تراویح میں حافظ کو چندہ دینا ناجائز ہے

ختم تراویح کے دن جو حافظ کو چندہ اکٹھا کر کے دیا جاتا ہے وہ بھی ناجائز ہے جہاں مشروط یا معروف ہو، کیونکہ روپیہ کی طمع سے قرآن پڑھنا ہے۔ ایسے پڑھنے کا ثواب کیا

ہوسکتا ہے، یہ غنیمت ہے اگر اس پر مواخذہ نہ ہو اور حافظ کو محض روپیہ کے واسطے پڑھنا ظاہر ہے، کیونکہ پندرہ رمضان کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کچھ نہ ملے گا تو حافظ صاحب ہرگز نہ پڑھیں گے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کو بھی محنت کے عوض میں دیا جاتا ہے تو کسی چکی پیسنے والی کو بلا لیا ہوتا۔ اس سے نصف بلکہ چوتھائی پر راضی ہو جاتی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ صاحب بغیر اس کے کوئی حافظ نہیں ملتا تو میں یہ کہوں گا کہ ایسے حافظوں سے قرآن مجید سننے سے یہ بہتر ہے کہ کوئی الم ترکیف سے تراویح پڑھا دیا کرے۔ یہ اول تو دین فروشی ہے اور دوسرے لوگوں پر دباؤ ڈال کر چندہ لیا جاتا ہے۔ چندہ کی فہرست مجمع میں پیش کی جاتی ہے۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی کچھ لکھنا ہی پڑھتا ہے، بعد کو غیرت دلائی جاتی ہے۔ میاں یہ تو تمہاری حیثیت کے خلاف ہے، کم سے کم دو چند تو کر دیجئے۔ طوعاً و کرہاً جب چاروں طرف سے زور ڈالا جاتا ہے، بے چارے کو بڑھانا پڑتا ہے۔ یہ رقم قطعاً حرام ہوتی ہے، کیونکہ حلت عطایا میں طیب خاطر شرط ہے۔ اول تو یہ موقع تھا کہ خوشی سے دیا جاتا تب بھی لینا جائز نہ ہوتا اور اس پر اور ایک امر موجب حرمت مزید ہو گیا۔ جب معلوم ہوا کہ ایسے کاموں سے میت کو ثواب نہیں ہوتا تو کس اُمید پر انسان اولاد کے واسطے اپنا ایمان خراب کرے، جبکہ مرنے کے بعد ان سے کچھ بھی نفع نہ پہنچے اور اس کے اعمال اس پر سوار ہو جاویں۔ ان کی قسمت میں اگر عیش ہے تو عیش ملے گا۔ اگر مصیبت ہے تو مصیبت پہنچے گی۔ غرض ان کی کیفیت کے بعد مرنے کے تم کو کچھ خبر نہ ہوگی۔ (احکام ومسائل متعلق موت ج ۲۴)

نابالغ ورثہ کے مال میں تبرع حرام ہے

یہاں دستور ہے کہ مردہ کے کچھ کپڑے اور جانماز وغیرہ موذن کو دی جاتی ہے اور ان کپڑوں کے دینے کا دستور اس طرح تاکید کے ساتھ ہے کہ چاہے گھر میں ان کے سوا اور کچھ اثاثہ نہ ہو اور اس کے بچے ننگے ہی رہ جاویں مگر رسم کے خلاف نہ ہو حالانکہ ترکہ میں وہ کپڑے بھی داخل ہیں اور ترکہ مشترک ہے۔ بعض ورثاء نابالغ ہوتے ہیں ان کے مال میں تبرع حرام ہے۔ بعض غائب ہوتے ہیں، بعض کا دینے کو جی نہیں چاہتا اور ان کی عمدگی دیکھ دیکھ کر لالچ آتا ہے مگر مجبوراً دیئے جاتے ہیں ورنہ برادری والے دیکھ کر کہیں گے کہ دیکھو مردہ کے کپڑے

پہن رکھے ہیں اور پھر اگر قیمتی ہیں اور مؤذن کے پاس پہنچے تو یوں ناس ہوا کہ وہ ان کی قدر نہیں جانتا۔ بازار میں لے جا کر جس قیمت کو بکے فروخت کر دیتا ہے۔ صاحبو! اگر تقسیم کر کے جو بالغ حاضرین کے حصہ میں آوے اس کو وہ مالک نابالغوں کا حصہ محفوظ رکھ کر آپ خود بیچ کر قیمت خیرات کرتے یا بچوں کو پہننے دیتے تو کیا جرم تھا۔ (اشرف المواعظ ج ۲۴)

تلاوت قرآن شریف پر اُجرت لینا حرام ہے

بعض جگہ دستور ہوتا ہے کہ میت کی قبر پر چالیس روز تک قرآن شریف پڑھواتے ہیں اور کچھ اُجرت حافظ کو دینی پڑتی ہے اور اتنے دنوں کا کھانا بھی ملتا ہے۔ اس میں سنیے تلاوت قرآن شریف پر اجرت لینا حرام ہے۔ یہ مسئلہ فقہ میں لکھا ہوا ہے۔ تعلیم میں جو اس کے جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے تو اس ضرورت سے کہ لوگوں کو یوں تو پڑھانے کا شوق رہا نہیں اگر بالعوض تعلیم کو بھی منع کر دیا جائے تو قرآن شریف کے ضائع ہو جانے کا احتمال ہے اور مردہ کی قبر پر نہ پڑھوانے سے یہ احتمال، نہیں تو حرمت اصلیہ کی طرف راجع ہو گا جب عوض لے کر قرآن شریف پڑھا گیا تو قاری ہی کو ثواب نہ ہوا پھر اس کے بخشنے کے کیا معنی یہ اجرت آپ کی ضائع ہو گئی اور حافظ صاحب کے قلب پر جو کچھ اثر پڑا وہ الگ ہر وقت منتظر رہتے ہیں کہ کوئی مرے اور جہاں جنازہ دیکھا بس اطمینان ہو گیا کہ اب چالیس روز کا سہارا تو ہوا اور چلہ جوں جوں ختم ہوتا جاتا ہے دوں دوں دعا مانگتے جاتے ہیں مرے موٹا بھرے لوٹا۔ (ایضاً)

فضول کاموں میں جان دینا ایک فضول حرکت ہے

یہ لوگ اگر کرہ قمر میں پہنچ جائیں تو ہم تو خوش ہوں گے۔ مگر ہاں اس احتمال سے کہ شاید وہاں جا کر ہلاک و برباد ہوں۔ ہمدردی انسانی کی وجہ سے جی کڑھتا ہے اور دل یہ چاہتا ہے کہ ان کو رستہ ہی نہ ملے تو اچھا ہے کیونکہ چاند کی خاصیت ابھی تک محقق نہیں ہوئی اس میں کشش کا وہ مادہ بھی ہے یا نہیں جو زمین میں ہے۔ کیونکہ حکماء کا اس پر اتفاق ہے کہ زمین پر انسان وغیرہ کا استقرار اسی وجہ سے ہے کہ اس میں کشش کا مادہ ہے اگر یہ مادہ نہ ہوتا تو آدمی کا زمین پر رہنا اور دوسرے کرات میں نہ چلا جانا ترجیح بلا مرجح ہے۔ آسانی کے لئے یوں سمجھئے کہ زمین کی اور اس پر رہنے والی مخلوق کی یہ صورت ہے کہ سب کے قدم تو زمین پر جمے ہوئے ہیں مگر سر کسی

کا اوپر کو ہے اور کسی کا دوسرے کے اعتبار سے نیچے کو ہے۔اس کے صورت میں یقیناً اگر زمین میں کشش کا مادہ نہ ہوتا تو انسان وحیوانات کا اس پر مستقر ہونا سخت دشوار ہوتا۔اور قمر میں مادہ کشش کا ہونا اب تک سائنس والوں کو بھی محقق نہیں ہوا۔بس یہ لوگ دور سے ہی حساب لگا رہے ہیں۔مجھے اندیشہ ہے کہیں ان کے حساب کی وہی مثال نہ ہو جو بنئے کو حساب کی ہوئی تھی کہ لیکھا جوں کا توں کنبہ ڈوبا کیوں مگر آج کل اس پر بھی فخر ہے کہ جس نے تحقیق میں جانیں دی ہیں حالانکہ فضول باتوں میں جان دینا ایک فضول حرکت ہے۔تمہارے جان دینے پر جب کوئی ثمرہ مرتب نہ ہوا تو اس پر فخر کرنا ایسا ہے جیسے کوئی سنکھیا کھا کر جان دے اور فخر کرے کہ میں بڑا بہادر ہوں مگر اس کو کوئی بہادری نہیں کہتا بلکہ حماقت کہتے ہیں۔اسی طرح ان فضول تحقیقات کے پیچھے جان دینا ہمارے نزدیک تو حماقت ہی حماقت ہے۔صاحبو! یہ جان آپ کی نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی امانت ہے اس کو بدون خدا کے حکم کے صرف کرنا جائز نہیں اور اسی بناء پر خودکشی سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔(الحدود والقیود ج ۲۵)

علماء کا مقام

فقہاء نے لکھا ہے کہ جس بستی میں ایک ہی عالم ہو اور جہاد شروع ہو جائے تو اس عالم کو میدان جہاد میں جانا جائز نہیں ہے کیونکہ علماء اگر مر جائیں گے تو علم دین کون سنبھالے گا۔اس لئے ہمارے حاجی صاحبؒ علماء کو ہجرت سے منع کرتے تھے۔کہ اگر تم ہندوستان کو چھوڑ دو گے تو ہندوستان میں دین کا کیا حال ہوگا؟ (ایضاً)

حکم ضیافت

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن طعام المتبارين (سنن ابی داؤد ۴۴ ۳۷۵۴، مستدرک حاکم ۴: ۱۲۹- سنن ابی داؤد ۴۰۹۱، سنن الترمذی ۱۹۹۸) رسول نے بہ نیت تفاخر کھانا کھلانے والوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ آجکل شادیوں کے موقع پر کھانا کھلایا جاتا ہے کہ اس میں اپنی آمدنی اور حیثیت کو بھی نہیں دیکھا جاتا بلکہ یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ فلاں شخص نے اپنے بیٹے کی شادی میں کتنے کھانے پکائے تھے اور کتنے آدمیوں کو بلایا تھا پھر اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اس سے زیادہ کھانے پکائے جائیں

اس سے زیادہ مجمع کیا جائے اگر زیادہ نہ ہوتو کم از کم اس کے برابر تو ہوتا کہ وہ ہم سے بڑھا ہوا نہ رہے یہ ہے طعام المتبارین جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ افسوس ہے کہ دعوت کھانے والے نہیں دیکھتے کہ داعی کی نیت کیا ہے نہ داعی کو اس کا خیال ہوتا ہے کہ میری نیت درست ہے یا نہیں۔ (حرمات الحدود ج ۳۴)

طریقہ طلاق

ایک طلاق دینی چاہیے تین نہ دینی چاہئیں۔ اور ایک توجیہ یہ کہ تین دفعۃً مت دو۔ اگر تین ہی دینی ہوں تو ایک طہر میں ایک طلاق پھر دوسرے طہر میں دوسری طلاق متفرقاً دینی چاہئیں۔ مجھے سب توجیہوں کا بیان کرنا مقصود نہیں صرف یہ بتلانا ہے کہ اس جگہ طلاق کی حد مذکور ہے کہ ایک وقت میں ایک دینی چاہیے ایک دم سے تین نہ دینی چاہئیں اور اس کی حکمت یہ بتلائی ہے کہ تم کو کیا معلوم ہے کہ اس کے بعد تمہارے دل میں کیا بات پیدا ہو تو ایک طلاق دینے میں یا تین متفرقاً دینے میں مصالح ومنافع کی رعایت ہے اور تین دفعۃً دینے میں معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ پھر اگر ندامت ہوتو سوائے حسرت کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ آجکل لوگوں کو تین طلاقیں دینے کا بہت شوق ہے بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک یا دو سے طلاق ہی نہیں ہوتی اس کا منشاء جہل بالا حکام ہے اور بعض جانتے ہیں کہ ایک یا دو سے بھی طلاق ہو جاتی ہے مگر وہ تین اس واسطے دیتے ہیں کہ عورت اس سے مری رہے گی۔

نکاح ایک طلاق سے بھی مرجاتا ہے

صاحبو! نکاح تو ایک طلاق سے بھی مرجاتا ہے ہاں اس صورت میں سسک سسک کر مرتا ہے کہ عدت کے بعد ٹوٹتا ہے اور تین میں اسی وقت مرجاتا ہے تو بعض لوگ عورت کو ستانے کے لئے تین طلاق دیتے ہیں کہ اس کو رجعت کی امید کیوں دلائی جائے اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ شاید ایک طلاق کے بعد کہیں ہماری ہی رائے نہ بدل جاوے اور اس کا رکھنا منظور نہیں اس لئے تین ہی دیدیتے ہیں۔ ان کی حالت بہت افسوس ناک ہے کہ خدا نے ان کو عقل اور سمجھ دی تھی مگر یہ اس سے کام نہیں لیتے ان سے کوئی پوچھے مت دو چنانچہ فقہی مسئلہ ہے۔

ابغض المباحات عندالله الطلاق (تلخیص الحبیر لابن حجر ۳:۲۰۵)

(مباحات میں مبغوض تر اللہ کے نزدیک طلاق ہے)۔

اور یہ مضمون ایک حدیث کا بھی ہے جس کا مرسل ہونا صحیح ہے اور رفع ضعیف ہے۔
كذا في المقاصد الحسنة للسخاوی ۱۲ جامع (جیسا کہ سخاوی کی کتاب مقاصد حسنہ میں مذکور ہے)۔

کہ اگر بعد میں تمہاری رائے بدل گئی اور اس کو اپنے پاس رکھنا چاہا تو اس کی گنجائش رکھنے میں تمہارا کیا حرج ہے عقل کی بات تو یہ ہے کہ انسان جب کوئی کام کرے تو اس کے تمام پہلوؤں کی رعایت کر لے خصوصاً اکثر غصہ میں ہوا کرتی ہے اس میں گنجائش رکھنا اور سمجھ کر کام کرنا بہت ہی ضروری ہے کیونکہ بعض دفعہ عورت سے محبت ہوتی ہے لیکن اتفاقاً ناگواری پیش آ گئی ایسی حالت میں تین طلاق دینا اپنے کو سخت پریشان کرنا ہے۔ جب دل میں اس کی محبت ہے تو جدائی کی کلفت ہوگی۔ اور اگر ہمت سے کام لیا تو ارتکاب حرام کا بھی اندیشہ ہے۔ بعض دفعہ عورت سے محبت نہیں ہوتی مگر اس سے اولاد ہو چکی ہے تین طلاق دینے کے بعد جب اولاد کی ویرانی اور پریشانی کا خیال ہوتا ہے تو سوائے حسرت وندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اگر اولاد کو اس سے جدا کیا جائے تو مرد سے ان کی تربیت اور دیکھ بھال دشوار ہے اگر جدا نہ کیا جائے اور اس کے پاس رکھا جائے تو اولاد کو ماں سے زیادہ ہمدردی ہوگی، باپ کی خاک بھی وقعت ان کے دلوں میں نہ ہوگی۔ بلکہ اس کو اپنا دشمن سمجھیں گے کہ اس نے ہماری ماں کو گھر سے نکال دیا۔

بعض دفعہ طلاق کے بعد اس شخص کو دوسری بیوی نہیں ملتی اور طلاق دینے والوں کو اکثر نہیں ملتی، خاندان میں بدنام ہو جاتا ہے کہ اس کو کون لڑکی دے یہ تو ظالم ہے طلاق دیدیتا ہے پھر یا تو صبر سے کام لینا پڑتا ہے اور ایسے بہت کم ہیں یا رنڈیوں اور لڑکوں سے خراب خستہ ہوتے ہیں جس میں دنیا کی بھی ذلت آخرت کی بھی بربادی اور گھر تباہ ہوا وہ الگ کیونکہ عورت کے بغیر گھر کا انتظام نہیں ہوسکتا تجربہ کر لیا جائے۔ ان واقعات کی بناء پر شریعت نے طلاق کیلئے بہت حدود مقرر کی ہیں۔ اول تو یہ حکم ہے کہ طلاق کو جہاں تک ٹال سکو ٹالو۔ دوسری تدبیروں سے کام لو۔ (حرمات الحدود ج ۲۵)

ناموافقت مزاج کے ساتھ نباہ مشکل ہے

روایت میں ہے کہ ایک عورت نے وضع ولد سے بیس منٹ پہلے اپنے شوہر سے طلاق مانگی اس کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ بچہ جننے سے فوراً عدت ختم ہو جاتی ہے اگرچہ اس سے

پانچ منٹ پہلے ہی طلاق دے دی گئی ہو شوہر کو اس وقت خیال نہ تھا اس نے کہا کہ خدا کی بندی اس وقت تو طلاق لے کر کیا کرے گی آخر کوئی وجہ بھی، کہنے لگی کہ وجہ کچھ بھی نہیں بس میرا دل خوش ہو جائے گا تمہارا حرج ہی کیا ہے۔ ایک طلاق سے نکاح تھوڑا ہی ٹوٹتا ہے تم پھر رجعت کر لینا اس نے طلاق دیدی اور نماز کو چلے گئے تھوڑی دیر بعد بچہ پیدا ہوا اور عدت ختم ہو گئی تو بعض عورتیں بوجہ ناموافقت مزاج کے نباہ نہیں کر سکتیں اس لئے ان کو طلاق سے خوشی ہوتی ہے اس لئے نکاح میں موافقت مزاج اور مناسبت طبائع کا لحاظ بہت ضروری ہے۔ جب مزاج میں موافقت نہیں ہوتی تو نباہ دشوار ہو جاتا ہے۔ (ایضاً)

بوقت ضرورت ایک طلاق دی جائے

اگر ضرورت ہو تو ایک طلاق دے پھر اگر اس سے عورت کو تنبیہ نہ ہوئی ہو تو دوسرے طہر میں دوسری طلاق دے سکتا ہے۔ اس صورت میں ایک مہینہ کم از کم سوچنے کیلئے اس کو ملے گا۔ جس میں تمام مصالح پر نظر کر سکتا ہے۔ دوسری طلاق ایک مہینہ کے بعد وہی دے گا جس کو بہت ضرورت ہو گی اس کے بعد پھر ایک ماہ تک اور سوچتے رہو اگر طلاق سے مصالح فوت ہونے کا اندیشہ ہو تب تو رجعت کر لو اور اگر نباہ دشوار ہی معلوم ہو تو تیسری طلاق تیسرے مہینے میں دے سکتے ہو۔ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ تیسری طلاق نہ دے بلکہ عدت ختم ہونے دے وہ خود ہی نکاح سے نکل جائے گی شاید نکاح سے نکلنے کے بعد پھر دونوں کی رائے تجدید نکاح کی ہو تو سہولت رہے گی۔ تین طلاق کے بعد بدون حلالہ کے نکاح نہ ہو سکے گا۔ (ایضاً)

سلام میں پہل کرنا

بدائت بالسلام میں دو عبادتیں ہیں تطییب قلب مسلم بھی اور تقدم فی الخیر بھی ہے اس مجموعہ کی وجہ سے وہ افضل ہو گیا۔ (التراحم فی التراحم ج ۲۵)

چار انگشت حریر کا استعمال جائز ہے

یعنی چونکہ ان ہاتھوں پیروں سے خدا کی اطاعت کے کام ہوئے ہیں اور اس اطاعت سے قرب الٰہی میسر ہوا ہے اس حیثیت سے ان کو اپنی جان کے ساتھ اپنے اعضا کے ساتھ محبت

ہوتی ہے اور خدا کی تمام نعمتوں کو بھی وہ اسی حیثیت سے محبوب رکھتے ہیں۔اس لئے یہاں تھوڑا ساحریر جائز کردیا جس کی مقدار شریعت نے چار انگشت رکھی ہے اس سے زیادہ خود کے لئے بھی ناجائز ہے اور بچوں کو پہنانا بھی ناجائز ہے ہاں لڑکیوں کے لئے جائز ہے۔(الاسراف ج ۲۵)

اغلاط العوام

بہت سے ایسے مسائل مشہور ہیں کہ جن کی کوئی سند نہیں چنانچہ ایک مسئلہ یہ ہے کہ جنازہ کی نماز کے لئے جو وضو کیا جائے فرض نماز اس سے پڑھنا جائز نہیں۔ایک مسئلہ یہ مشہور ہے کہ اذان داہنی طرف ہو اور تکبیر بائیں طرف اور عورتوں میں یہ مشہور ہے کہ رات کو درخت کو ہلانا نہ چاہئے اس لئے کہ گناہ ہے۔میرا ارادہ ہے کہ ایک کتاب ایسی لکھوں جس میں ایسے غلط مسائل درج ہوں۔کچھ لکھے بھی ہیں اور اس کا نام اغلاط العوام رکھا جائے گا تا کہ لوگوں کو اطلاع ہو جائے کہ یہ مسائل غلط ہیں میں نے اس وجہ سے اس کا تذکرہ کیا تا کہ کوئی صاحب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرنے کی توفیق دے دیں یہ تو ظن و تخمین کے باب میں عوام الناس کے اغلاط کا بیان تھا اور بعض غلطیاں علماء کے اندر ہیں۔ اس سے عوام کو اور زیادہ دھوکہ ہوتا ہے۔اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہر کسی سے مسئلہ سن کر اعتماد نہ کرلیا کریں۔جب تک محققین علماء سے نہ دریافت کرلیں۔چنانچہ ایک مسئلہ ہے جس میں بعض لکھے پڑھے لوگ بھی تسامح کرتے ہیں کہ ایک مسجد میں اگر چونا اینٹ وغیرہ کی ضرورت ہو اور دوسری مسجد سے لگایا جائے تو جائز ہے یا نہیں تو یہ مشہور ہے کہ مسجدیں سب یکساں ہیں جو شے ایک مسجد سے زائد ہو دوسری میں لگا دینا جائز ہے۔یہ محض رائے ہے اور رائے بھی ایسی ہے کہ ذرا غور کرو تو غلطی اس رائے کی ثابت ہوتی ہے اگر سب مسجدیں ایک ہوں تو خدا خیر کرے بدھنوں اور چٹائیوں کی اگر کوئی کہے کہ مراد یہ ہے کہ جب کوئی شے نکمی ہو تو دوسری مسجد میں لگانا جائز ہے تو ثابت کیجئے کہ چونا وغیرہ نکما ہے اور اگر نکمے سے مراد زائد از حاجت ہے اس سے تو لازم آتا ہے کہ جو چٹائیاں بچھ رہی ہیں وہ نہ لینا چاہئے اور جو زائد کھڑی ہیں وہ لینا جائز ہیں اور بعض ان سے بھی بڑھ کر ایسے بہادر اور پہلوان ہیں کہ مسجد کی چیزیں اپنے گھر لے جاتے ہیں اور اگر کوئی منع کرتا ہے تو کہتے ہیں کیا تمہارے باوا ملک ہے ان سے کوئی پوچھے کہ تمہارے باوا کی ملک بعض لوگ حمام میں سے گرم پانی گھر لے

جاتے ہیں اور حیرت تو یہ ہے کہ بعض متقی پرہیز گار بھی اس میں بھی مبتلا ہیں۔اسی طرح بعض لوگ استنجے کے ڈھیلے لے جاتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ آخر یہ پانی اسی واسطے تو ہے کہ وضو کریں خواہ یہاں کریں خواہ مکان پر کریں یاد رکھو مسجد کی چیز کا خلاف مصرف میں برتنا سخت گناہ ہے اور وبال اکثر یہ ہوتا ہے کہ اس وبال میں آئے ہوئے سے زیادہ گھر سے نکل جاتا ہے۔کانپور میں ایک شخص تھے انہوں نے مسجد کا ایک کونہ دبالیا۔ایک درویش آئے ان سے ہم نے شکایت کی انہوں نے کہا خوش ہو وہ کونہ اب سارے مکان کو مسجد میں لائے گا چنانچہ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ان کو حاجت شدید پیش آئی اور وہ گھر ان کو بیچنا پڑا اور مسجد میں خرید کر شامل کر دیا گیا۔غرض ایک مسجد کے لئے جو شے وقف ہو اور وہاں کے کام کی نہ رہی ہو وہ دوسری مسجد میں بہ قیمت جا سکتی ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہاں کے منتظمین کی اجازت ہو اور بغیر اس کے ہرگز جائز نہیں فقہا نے لکھا ہے کہ اگر مسجد میں پانی پینے کے لئے رکھا ہے تو اس سے وضو کرنا حرام ہے۔(الغاالما جز فۃ ج ۲۵)

مردار کی ہڈی بعد رطوبت خشک ہو جانے کے پاک ہے

ایک مسئلہ بیان کرتا ہوں کہ اس میں مجھے اپنی ایک غلطی معلوم ہوئی اور اس مسئلے سے پہلے ایک قاعدہ سمجھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ مردے کے اجزاء بعد مرنے کے نجس ہو جاتے ہیں اس لئے کہ موت منجس ہے اس بناء پر میں یہ سمجھے ہوئے تھا کہ مردہ جانور کا دودھ بھی حلال نہ ہوگا لیکن ایک شخص کے پوچھنے پر احتیاطاً کتاب میں جو دیکھا تو اس میں حلال لکھا تھا بہت دیر تک حیرانی رہی کہ اس کی کیا وجہ ہے بہت دیر کے بعد اس بناء کی غلطی ظاہر ہوئی وہ یہ کہ مردار جو نجس ہوتا ہے تو موت منجس ہے تو جن اجزاء میں موت حلول کرے گی وہ اجزاء نجس ہوں گے اور موت کا اثر وہاں ہوگا جہاں پہلے سے حیات ہو اور جن اجزاء میں حیات نہ ہوگی وہاں موت بھی موثر نہ ہوگی چنانچہ اسی وجہ سے مردار کی ہڈی بعد رطوبت خشک ہو جانے کے پاک ہے۔اسی طرح دودھ میں بھی بوجہ بیجان ہونے دودھ کے موت کا اثر نہ ہوگا جیسے پہلے پاک تھا بعد موت کے بھی پاک رہے گا۔اس سے خود اندازہ کرلو کہ جب ہم لوگوں کی رائے غلط ہوتی ہے تو جو گلستان بوستان پڑھ کر یا انٹرنس پاس ہو کر مسائل شرعیہ میں رائے زنی کریں ان کی رائے کس درجہ میں ہوگی۔

بعض لوگ مردے پر اجرت ٹھہرا ٹھہرا کر قرآن شریف پڑھتے ہیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ رسم یہاں بھی ہے۔ بہت افسوس ہوا کہ لوگوں نے دین کے کاموں کو بھی ایک پیشہ بنالیا ہے اور تمام تر فکر و توجہ اس طرف ہے کہ کھانے کو ملے دین جائے یا رہے۔

عاقبت ساز و ترا از دین برین ایں تن آرائی وایں تن پروری

یہ تمہاری من آرائیاں اور تن پروریاں تم کو انجام کار دین سے جدا کر دیں گی۔

اور اگر کوئی منع کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس میں کیا خرابی ہے ہم نے اللہ کے واسطے پڑھ دیا اس نے اللہ کے واسطے دے دیا۔ جناب ایسے ہی آپ اللہ کے واسطے پڑھنے والے ہیں کسی اور مردے پر کیوں نہ پڑھ دیا اور اگر اللہ کے واسطے پڑھا ہے تو اس ٹھیرانے کے کیا معنی ہیں۔ بس اپنی من سمجھوتی کر لی اور اگر زبان سے بھی نہ ٹھہرایا دل میں تو ٹھیرا رکھا ہے حتیٰ کہ اگر اس سے کم ملے تو ناراض ہوتے ہیں۔ اس میں بعض نیم ملا قیاس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تعلیم قرآن پر اجرت لینا علماء نے جائز کر دیا ہے تو اس میں کیا حرج ہے اس میں اور اس میں کیا فرق ہے جناب من ایک آدھ مسئلہ جاننے سے عالم نہیں ہوتا ہے۔

نہ ہر کہ آئینہ دار سکندری داند نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند

یعنی جو شخص آئینہ بنانا جانتا ہو ضروری نہیں کہ وہ سکندری بھی جانتا ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو شخص بھی چہرہ کو برافروخت کر لے اس میں دلبری کی شان بھی ہو۔

جبکہ ایک شخص صاحب تقوی کہتا ہے کہ یہ صورت جائز ہے اور وہ ناجائز ہے تو تمہارے لئے اس کا قول حجت ہے۔ (الغاء المجازفۃ ج ۲۵)

قول صحابیؓ بھی حجت ہے

ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ حدیث موقوف بھی حجت ہے اور مقدم ہے قیاس پر حدیث موقوف اس کو کہتے ہیں جس میں صحابی اپنی طرف سے ایک حکم بیان کرے جو مدرک بالرائے ہو سکے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت نہ کرے۔ اس کو کہا جائے گا کہ یہ صحابی کی رائے ہے سو امام صاحب اس کے سامنے بھی قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں اور بعض فقہائے مجتہدین کہتے ہیں ہم رجال ونحن رجال یعنی جب قرآن و حدیث میں اس حکم کے بارہ میں کوئی تصریح نہیں ہے تو یہ صحابی کا قیاس ہے تو جیسے وہ قیاس کر سکتے ہیں ایسے ہم بھی

قیاس کر سکتے ہیں لہذا اگر وہ قول ہمارے قیاس کے مطابق ہو تو خیر ورنہ ہم کو اپنے قیاس پر عمل کرنا چاہئے۔ ان کا قیاس ہمارے اوپر حجت نہیں جیسے کہ عام قاعدہ ہے کہ ایک مجتہد کا قیاس دوسرے پر حجت نہیں ہوتا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو سب کے لئے حجت ہے ہی جیسا کہ مسلم ہے لیکن جس امر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول نہ ہو اور اس میں ضرورت ہو اجتہاد کی تو اس اجتہاد میں صحابی اور ہم برابر ہیں وہ بھی مجتہد ہیں اور ہم بھی اور ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی تقلید ضروری نہیں مگر امام صاحب کا مسلک یہ ہے کہ صحابی کی بھی تقلید مجتہد پر واجب ہے یعنی اس کا اتباع بلا دلیل (تقلید کی حقیقت یہ ہے) بلفظ دیگر صحابی کا قول بھی دلیل ہے اور قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی دلیل نہ ہو اور قول صحابی دلیل ہے تو اس صورت میں امام صاحب اپنے قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (الصالحون ج ۲۶)

اتباع فقہ اتباع وحی ہونے کا مفہوم

اتباع فقہ اتباع وحی ہونے کا مفہوم آج کل کی اہل رائے پر صادق ہے یا فقہاء کی رائے پر جس کو قیاس کہتے ہیں دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے ایک حق ہے ایک باطل۔ بلکہ رائے بالمعنی الحقیقی کا لفظ بھی قیاس پر اطلاق کرنا صحیح نہیں تو قیاس کے اتباع کو اتباع رائے نہیں کہہ سکتے بلکہ قیاس منجملہ ادلہ شرعیہ کے ایک دلیل ہے تو اس کا اتباع وحی ہی کا اتباع ہوا۔ یہ اس کا جواب ہو گیا کہ فقہ کا اتباع بھی رائے کا اتباع ہے جو مذموم ہے حاصل جواب کا یہ ہے کہ فقہ کا اتباع رائے کا اتباع نہیں بلکہ وحی کا اتباع ہے۔ بعض لوگ جو فقہ کے خلاف ہیں کہتے ہیں ایسے فن کا کیا اعتبار جس میں ہر قسم کی روایتیں موجود ہیں اور جس کے متبعین کی یہ حالت ہے کہ نہ قرآن سے بحث نہ حدیث سے جس کسی امام سے روایت مل جائے اور جب تک روایت نہ ملے اس وقت تک قرآن وحدیث سے ان کی تشفی نہیں ہوتی اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کونسا فن ہے جس میں رطب و یابس نہیں ہیں نحو میں نہیں ہیں یا معقول اور فلسفہ میں نہیں یا طب میں نہیں ڈاکٹری میں نہیں محض اس خلط میں کس کس فن کو چھوڑ دو گے ہر فن میں مدار قول راجح اور مذہب جمہور اور روایت مفتی بہا ہوا کرتا ہے اور امام کی روایت پر جو اعتماد کیا جاتا ہے اور بلا اس کے تشفی نہیں ہوتی اس کی حقیقت یہ نہیں ہے کہ امام کے قول کو حدیث وقرآن سے زیادہ سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ ہم کو اتنا علم نہیں

جتنا ان فقہاء کو تھا جنہوں نے فقہ کو مرتب کیا۔ نصوص سے جس فہم اور احتیاط کے ساتھ وہ مسائل کا استخراج کر سکتے تھے ہم نہیں کر سکتے۔ اس واسطے مسائل دریافت کرنے کے وقت امام کی روایت پوچھی جاتی ہے کہ انہوں نے اس کے متعلق کیا تحقیق کی ہے اگر ان کی تحقیق ہماری تحقیق کے خلاف ہو تو اس کو ترجیح دی جاتی ہے۔ (الصالحون ج ۲۶)

تقلید کی حقیقت کی مثال

ایک طالب علم سے ایک مسئلہ پوچھا جاوے اور وہ اس کا جواب دے اور اسی کو ایک پرانے استاد اور مدرس سے پوچھا جاوے اور وہ جواب دے اور ان کی تحقیق اس طالب علم کے خلاف ہو تو کس کو ترجیح ہوگی ظاہر ہے کہ استاد کے فتوے کو ترجیح ہوگی تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ جو معنی قرآن وحدیث کے تھے (جیسا کہ اس طالب علم نے سمجھا تھا) قرآن وحدیث کو چھوڑ کر استاد کا اتباع کیا گیا اور قرآن وحدیث سے استاد کو زیادہ سمجھا گیا اور قرآن وحدیث کو چھوڑ کر ان کا فتویٰ تلاش کیا جاتا ہے نہیں بلکہ حقیقت اس کی یہ ہے کہ قرآن وحدیث ہی کے فتوے کی تلاش ہے اور اسی کے حکم کا اتباع کیا جاتا ہے مگر اس کا حکم طالب علم کے پاس صحیح نہیں ملتا ہے اس واسطے استاد کے پاس حکم کو تلاش کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے تقلید ائمہ کی۔

رہا یہ کہ ائمہ معروفین ہی پر اس کو کیوں ختم کر دیا گیا اب قرآن وحدیث کے جاننے والے نہیں رہے جو استخراج مسائل کر سکیں اس کا جواب یہ ہے کہ قدرتی غیر اختیاری بات ہے کہ ان پر ملکہ استخراج ختم ہو گیا جیسا کہ فن روایت حدیث محدثین معروفین پر ختم ہو گیا ورنہ اس پر بھی وہ سوال ہو سکتا ہے کہ ان پر روایت حدیث کو کیوں ختم کر دیا گیا وہ بھی آدمی تھے ہم بھی آدمی ہیں۔ اب روایت حدیث کی کوئی کر کے دکھاوے۔ (الصالحون ج ۲۶)

آئمہ مجتہدین پر اجتہاد ختم ہونے کی دلیل

ائمہ کے فقہ کو عارضی طور پر الگ رکھ دیجئے اور قرآن وحدیث سے خود استنباط مسائل شروع کیجئے اور ایک معتد بہ مقدار مسائل کی جمع کر لیجئے پھر اس کو فقہ منقول سے ملا کر دیکھئے اپنی غلطیاں آپ کو خود معلوم ہو جاویں گی اور آپ بے ساختہ بول اٹھیں گے کہ استنباط صحیح وہی ہے جو فقہ میں ہے علاوہ اس کے آج کل عافیت بھی اسی میں ہے کہ قرآن وحدیث

سے استنباط کی اجازت نہ دی جاوے ورنہ ہوی اور رائے کا وہ غلبہ ہے کہ معاذ اللہ زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین کہہ دینا کوئی بات ہی نہیں دیکھ لیجئے۔ (ایضا)

مجاذیب کے بارہ میں حکم

مجاذیب کے ساتھ برا معاملہ نہیں کرنا چاہئے سو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ گستاخی اور بے ادبی کے کلمات ان کے واسطے باعث فضیلت ہیں اور اس کی وجہ سے وہ مقرب ہو گئے ہیں اور ان باتوں میں ان کی نقل کرنا کسی کو روا ہو وہ ان باتوں میں بوجہ بے ہوشی کے معذور ہیں شریعت نے ان کو مرفوع القلم کر دیا ہے ان کے ساتھ برا معاملہ کرنے کی اجازت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان پر عشق الٰہی کا استیلاء ہو گیا ہے خواہ وہ کسی صورت سے ہو اس لئے کسی کو اجازت نہیں ہے کہ ان کی تحقیر کرے یا انہیں ایذا پہنچائے۔ جب شریعت ہی ان کو مرفوع القلم کہتی ہے اور ایسی سخت باتوں پر ان سے گرفت نہیں کرتی تو دوسرے کسی کو کیا منصب ہے کہ ان کو ستائے۔ (ایضا)

کثرت رائے مطلق حجت نہیں

کثرت رائے مطلقاً حجت نہیں اس کے لئے بھی کچھ قواعد اور قیدیں ہیں مگر لوگوں نے یہ سبق یاد کر رکھا ہے کہ بات بات میں کثرت رائے کو پیش کر دیتے ہیں سو یہ محض مغالطہ ہے۔ (الصالحون ج۲۶)

مجتہدین کے اختلاف کا حکم

تحری قبلہ کے بارہ میں چار شخصوں میں کیسا اختلاف ہوا جس میں جمع کی کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی تھی مگر فقہ نے اس میں یہ حکم دیا کہ جس طرف جس کا دل یقین کرے نماز پڑھ لے ہر شخص کی نماز صحیح ہو جائے گی اور اس کے لئے یہی جہت قبلہ ہے حتیٰ کہ اگر اپنی تحری کے خلاف نماز پڑھی تو وہ باطل سمجھی جائے گی اور مقبول نہیں ہوگی اور قیامت کے دن وہ منہ پر ماری جائے گی۔ یہ نماز بے کار گئی اور مردود ہوئی نتیجہ یہ کہ اس وقت کی نماز اس کے ذمہ باقی رہی قیامت میں اس نماز کا سوال ہوگا اور ایک دوسری باز پرس الگ رہی کہ غیر قبلہ کی طرف نماز کیوں پڑھی اس کی پکڑ دھکڑ علیحدہ ہوگی کیونکہ اس کا قبلہ تو جہت تحری تھا گو واقع میں وہ قبلہ نہ ہو۔ اسی کو کہا ہے

ایں خطا از صد صواب اولیٰ ترست

یہیں سے ایک مسئلہ یہ نکالا گیا ہے کہ ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید حرام ہے۔ (ایضا)

شریعت کی شفقت

حدیث اذاانتصف شعبان فلاصوم الاعن رمضان (کشف الخفاء للعجلونی ۱:۸۷)
(جب نصف شعبان گزر جائے تو سوائے رمضان کے روزہ نہ رکھا جائے) کی (جب شعبان نصف گزر جائے اور گزر جانے کے ترجمہ سے خود پندرھویں تاریخ کا اس سے خارج ہونا مفہوم ہوگیا کیونکہ نصف متیقن پندرھویں کے بعد ہی گزرتا ہے نہ اس سے پہلے "تو رمضان کے سوا اور روزہ نہیں) کہ اس سے بھی رمضان کے لئے ہمت کا تازہ رکھنا مقصود ہے اگر نصف شعبان کے بعد روزے رکھے گئے تو ان سے لحوق ضعف کا اندیشہ ہے جس سے شاید رمضان کے روزوں کی ہمت پست ہو جائے اور اگر نصف شعبان کے بعد کھانے پینے میں مشغول رہے گی تو وہ ہمت جو ایک روزہ کے امتحان سے پیدا ہو چکی تھی کمزور نہ ہوگی باقی احکام شرعیہ کی مصالح کا احاطہ کون کرسکتا ہے یہ بھی حق تعالیٰ کا انعام ہے کچھ تھوڑی بہت حکمتیں ہم جیسوں کو بھی بتلا دی جاتی ہیں جن سے ضعیف الایمان لوگوں کو تسلی ہو جاتی ہے ورنہ مسلمان کا اصل مذاق تو یہ ہونا چاہئے۔

زباں تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علت از کار تو

(آپ کی ربوبیت کا اقرار کرنا آپ کے کاموں میں علتیں نکالنے کو مانع ہے)

(الاسعاد والا بعاد ج۲۶)

جہاد فرض عین اور فرض کفایہ

ایک طالب علمانہ شبہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جہاد میں جانا تو فرض کفایہ ہے جب ایک جماعت نے اس فرض کو ادا کرلیا تو سب کی طرف سے ادا ہوگیا۔ پھر وَّاٰخَرَ سَیِّئًا کے کیا معنی ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ کے لئے امر عام فرمایا تھا اس لئے وہ فرض عین ہوگیا تھا اور حضور کی شان تو اعلیٰ وارفع ہے۔ اگر امام المسلمین کسی امر مباح کا بھی امر کردے تو وہ فرض عین ہو جاتا ہے۔ (اشرف المواعظ ج۲۶)

سادات کی عظمت

آج کل جن لوگوں نے سادات کے لئے زکوٰۃ دینے کا فتویٰ دیا ہے سخت غلطی کی ہے۔ حضور کا یہ شرف ہے کہ آپ اور آپ کی اولاد کے لئے اموال زکوٰۃ و صدقات واجبہ حرام کئے گئے ہیں۔ (ایضاً)

سجدہ شکر کی ممانعت کا سبب

فقہاء نے بہت سی ایسی چیزوں کو کہ بظاہر وہ سنت ہیں محض اس بناء پر منع کیا ہے کہ وہ امر سبب بن گیا ہے معصیت کا۔ چنانچہ سجدہ شکر کو مکروہ کہا ہے حالانکہ ثابت ہے کہ احیاناً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ شکر کیا ہے جیسا حدیثوں میں خراساجداُصاف وارد ہے گو اس میں تاویل اصلیٰ صلوٰۃ کی گئی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ تاویل ہے بعید سیدھی بات یہی ہے کہ آپ نے کبھی کبھی سجدہ شکر کیا ہے اور اکثر نہیں کیا پس فقہاء نے اس سے سمجھا کہ سجدہ شکر مقاصد دین سے نہیں ہے فی نفسہ مندوب ہے۔ لیکن مفسدہ یہ دیکھا کہ اس کو ضروری سمجھنے لگیں گے اور اس کو اپنی حد پر نہ رکھیں گے اس لئے اس کو مکروہ ٹھہرا دیا۔ (اشرف المواعظ ج ۲۶)

مستورات کی آواز کا پردہ

عورتیں ان کتابوں کو مجمع میں بیٹھ کر بلند آواز کے ساتھ اور خوش الحانی کے ساتھ پڑھتی ہیں جو دروازہ میں یا سڑک پر مردوں تک بھی پہنچ جاتی ہے کیا یہ جائز ہوسکتا ہے۔ دیکھو نماز میں عورت کے لئے قرآن شریف کی قرأت جہراً ناجائز ہے پھر مناجاتیں اور غزلیں اس طرح پڑھنا کہ غیر مردوں تک آواز پہنچے کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ حج میں لبیک حاجی کو پکار پکار کر کہنا مسنون ہے حدیث میں تصریح موجود ہے کہ اچھا حج وہی ہے جس میں بہت چیخ پکار ہو یعنی لبیک کے نعرے لگائے جائیں لیکن عورت کے لئے لبیک بھی جہراً ناجائز ہے جب ایسے موقعوں پر عورت کو آواز نکالنے کی ممانعت ہے تو ان موقعوں پر بھی جہاں مردوں کو بھی جہر کا اذن نہیں ہے کیسے اجازت ہوگی خصوصاً اس وقت میں جبکہ فتنہ کا خوف بھی ہو عورت کو تو بلاضرورت پکار کر بولنے کی بھی ممانعت ہے اور جس موقع پر ضرورت بھی نہ ہو اس موقع پر زور سے بولنا اور آواز بنا بنا کر پڑھنا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آج کل طبائع میں کیسا انقلاب ہوگیا ہے اور یہ ایسی بات ہے جس کے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ غیرت اس کو کیونکر جائز رکھتی ہے کہ عورتیں بلند آواز سے گائیں۔ جیسے باہر نکلنا ویسے ہی مردوں کو گانا سنانا۔ پردہ صرف صورت ہی کا نہیں ہوتا آواز کا بھی پردہ ہے سنگار کا بھی پردہ ہے صورت کا بھی پردہ ہے۔ حیاء خود جزوایمان ہے۔ جو افعال حیاء کے خلاف ہیں ان کو فحشاء کہتے ہیں جن کی نسبت وارد ہے۔ (ذم المکروہات ج ۲۶)

غمی میں ایصال ثواب کے لئے اجتماع کی ضرورت نہیں

غمی میں مجمع بالکل ہی نہ چاہئے ہاں جس کے جانے سے تسلی ہو وہ جائے وہ اگر کہیں دور بھی ہو تو اس کا پہنچ جانا مناسب ہے۔لوگ کہتے ہیں مجمع ایصال ثواب کے واسطے کیا جاتا ہے کہ سب کچھ کچھ پڑھ کر بخشیں گے مجمع کو کچھ کھانا کھلایا جائے گا تو سمجھ لیجئے کہ ثواب بلا مجمع کے بھی پہنچ سکتا ہے۔خلوص کے ساتھ عزیز واقارب اور اہل محبت خفیہ کچھ کچھ خیرات کر دیں یا کچھ پڑھ کر بخش دیں یا کچھ نہ ہو تو اس کے لئے دعا کریں۔میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ اس کے لئے زیادہ کارآمد ہو گا آپ کے ہزاروں روپیہ خرچ کرنے اور دھوم دھام مچانے سے میت کو کچھ نفع نہیں ہوتا۔(ایضاً)

اجتہاد کی مثال

ایک صاحب نے مجھ سے ریل میں پوچھا کہ اجتہاد کیا چیز ہے میں نے کہا کہ اس کی حقیقت میں آپ کو کس طرح بتلاؤں ہاں ایک مثال بیان کرتا ہوں اس سے آپ کو اجتہاد کا نمونہ معلوم ہو جائے گا وہ یہ کہ اگر دو شخص مسافر ایسے ہوں جو علم میں مساوی ہیں قرأت میں بھی مساوی ہیں اور تقویٰ ورع میں بھی برابر ہیں عمر نسبت میں بھی یکساں ہیں پھر وہ دونوں رات کو سوئیں اور جب انہیں میں سے ایک کو احتلام ہو گیا ہو جس کے ذمہ غسل واجب ہے اور دوسرے کو احتلام نہیں ہوا اور دونوں ایسے مقام میں ہیں جہاں پانی دور تک نہیں ملتا اس لئے دونوں نے تیمم کیا ایک نے غسل جنابت کا تیمم کیا ایک نے وضو کا تو بتلایئے ان دونوں میں امامت کے لئے کون افضل ہے کہا وہ شخص جس نے وضو کا تیمم کیا کیونکہ طہارت دونوں کی برابر ہے نجاست ایک کی اشد تھی میں نے کہا لیکن فقہاء فرماتے ہیں کہ جس نے غسل کا تیمم کیا ہے وہ افضل ہے اس پر وہ صاحب حیران ہو کر میرا منہ تکنے لگے کہ یہ کیونکر؟ میں نے کہا کہ فقہا فرماتے ہیں کہ تیمم فقدان ماء کے وقت طہارۃ کاملہ ہے تو جس نے غسل کا تیمم کیا ہے اس نے غسل کیا ہے اور جس نے وضو کا تیمم کیا ہے اس نے وضو کیا ہے غسل نہیں کیا اور غسل وضو سے افضل ہے۔دوسرے جس نے وضو کا تیمم کیا ہے ممکن ہے اس کے ذمہ کبھی غسل واجب ہو گیا ہو جس کی خبر نہ ہوئی ہو اور جنابت والے نے چونکہ غسل کا تیمم کیا ہے تو اس کے لئے یہ احتمال اب منقطع ہو گیا کیونکہ اس نے اس وقت غسل کر لیا ہے تو اس کی طہارت ہر طرح کامل ہے

اس کو سن کر وہ کہنے لگا کہ واقعی فقہاء نے صحیح کہا میں نے کہا بس یہی اجتہاد کا نمونہ ہے اور اس سے یہ لازم نہیں کہ ہم لوگ استقلالاً فقہاء کے تابع ہیں بلکہ استقلالاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اتباع کرتے ہیں مگر ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد فقہا کے بیان فرمانے سے معلوم ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے جیسے کوئی شخص قانون کو وکیل سمجھ کر اس پر وکیل کو بتلانے کے موافق عمل کرلے تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ یہ شخص وکیل کا متبع ہے نہیں بلکہ قانون گورنمنٹ کا متبع ہے گورنمنٹ ہی کی اطاعت کر رہا ہے اسی طرح یہاں سمجھو (اور جو لوگ مقلدین کو فقہا کا متبع کہتے ہیں وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ لوگ خود اہل لغت اور اہل نحو وصرف اور محدثین کا اتباع کرتے ہیں کیوں کہ بدون اہل لغت کے حدیث وقرآن کو سمجھنا محال ہے اسی طرح بدون محدثین کے حدیث کا علم دشوار ہے تو یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع نہ ہوئے بلکہ ان وسائط کے متبع ہوئے اور اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ محض فہم حدیث وفہم لغت قرآن میں واسطہ ہیں ان کے ذریعہ سے ہم صرف مراد رسول کو معلوم کرتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں تو بعینہ یہی جواب مقلدین کی طرف سے ہے کہ ہم بھی فقہاء کو محض فہم مراد رسول اللہ واسطہ بناتے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں رہا۔ (الارتیاب والاغتیاب ج ۲۶)

مسئلہ استیذان

استیذان کا حکم زنانہ مکان ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مردانہ مکان میں بھی اگر قرینہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ وقت اس شخص کی خلوت کا ہے مثلاً پردے پڑے ہوں یا اور کوئی علامت ہو مثلاً دوپہر کو لیٹ گیا ہو تو لیٹ جانا بھی خلوت کی علامت ہے اس وقت اس کے پاس نہ جانا چاہئے کہ اس سے تکلیف ہوتی ہے گو کوئی بزرگ اپنے اخلاق کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ کہیں چنانچہ تھانہ بھون میں جب حضرت حاجی صاحب کا قیام تھا تو بعض لوگ دوپہر کو حاجی صاحب کے پاس آکر بیٹھ جاتے حاجی صاحب بھی اخلاق کی وجہ سے بیٹھے رہتے حضرت حاجی ضامن صاحب کو اطلاع ہوئی ان کی عادت میں سختی تھی وہ ایسے روگ نہیں پالتے تھے فوراً تشریف لائے اور ان لوگوں کو دھمکایا کہ تم لوگ راتوں کو تو بیوی کی بغل میں سوتے ہو اور آٹھ نو بجے جاگتے ہو پھر دنیا کے کاموں سے فارغ ہو کر دوپہر کو بزرگوں کی نیند حرام کرنے آتے ہو تم کو شرم نہیں آتی یہ اللہ والے راتوں کو جاگتے ہیں دوپہر کو تھوڑی دیر

آنکھ لگا لیتے ہیں یہی وقت تم برباد کرنے آتے ہو جاؤ اپنا راستہ لو خبردار اس وقت کبھی نہ آنا حافظ صاحب نے اس کا انتظام کر دیا ورنہ حاجی صاحب کے ایسے اخلاق تھے کہ وہ اپنی زبان سے اپنے نفس کے لئے کبھی کسی کو کچھ نہ کہا کرتے تھے بلکہ میں نے مکہ معظمہ میں دیکھا ہے کہ بعض لوگ دوپہر کو آئے ہیں اور حاجی صاحب ان کی خاطر سے بیٹھے رہے آنکھوں میں نیند کا غلبہ ہے مگر دوسروں کے لحاظ سے بیٹھے ہیں ایک دفعہ کسی خادم نے لوگوں کو اشارہ سے متنبہ کیا کہ حضرت کو نیند آ رہی ہے اسی وقت آپ تشریف لے جائیں حضرت نے اشارہ کرتے ہوئے دیکھ لیا خادم کو ڈانٹا اور فرمایا کہ یہ لوگ محض حسن ظن سے میرے پاس آتے ہیں ورنہ مجھ میں کچھ کمال نہیں نہ دنیا کا نہ دین کا کیا عجب ہے کہ ان کے قدم کی برکت سے میری مغفرت ہو جائے اور تم ان کو آنے سے روکتے ہو اس وقت معلوم ہوا کہ حاجی صاحب کی اس میں کیا نیت ہے مگر یہ بزرگوں کے اخلاق کا تو کمال ہے لیکن تم کو ایسا کرنا جائز نہیں کہ ان کو تکلیف دو اول تو اس سے تکلیف کبھی ضرور ہوتی ہے دوسرے یہ دعویٰ محبت کے بھی تو خلاف ہے اور اگر اہل اللہ اپنی تکلیف ظاہر نہ کریں تو یہ مت سمجھو کہ ان کو تو اذیت نہیں پھر ہم کو بھی گناہ نہیں ہوتا یاد رکھو کہ عدم اظہار اور عدم ایذاء کو مستلزم نہیں رہا یہ کہ اگر ان کو تکلیف ہوئی بھی ہو وہ معاف کر دیتے ہیں تو خوب سمجھ لو کہ شاید اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ (الارتیاب والاغتیاب ج ۲۶)

لیڈران قوم کو مسائل نماز بھی معلوم نہیں

ایک جنٹلمین میرے ساتھ تھے وہ تھانہ بھون میں جو ان کا اصلی وطن تھا فرض رباعی کی جماعت میں دو رکعت کے بعد بیٹھ گئے۔ امام نے تو تیسری رکعت کا قیام کیا اور انہوں نے نماز ختم کر دی، لوگوں نے بعد میں اس حرکت کی وجہ پوچھی تو کہا میں مسافر ہوں اس لیے میں نے قصر کیا ہے۔ سبحان اللہ اول تو وطن اصلی میں پہنچ کر سفر کیسا پھر وہ بھی امام مقیم کے پیچھے۔

کھیت میں نماز کا قصر

ایک صاحب کی حکایت سنی ہے کہ جب وہ اپنے گھر سے جنگل میں جاتے، کھیت پر جاتے تو قصر کیا کرتے اور کہتے کہ قرآن میں "اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ" (اور جب تم زمین میں سفر کرو سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم

نماز کو کم کردو) مطلق آیا ہے اس میں مطلقاً زمین میں چلنے پر قصر کی اجازت دی گئی ہے تین دن یا چار دن کی مسافت کا کچھ ذکر نہیں۔ یہ بھی کوئی اہل حدیث ہی میں سے تھے۔ مولانا سخاوت علی صاحب جونپوری نے فرمایا تھا کہ پھر جنگل اور کھیت ہی میں جا کر قصر کیوں کرتے ہو بلکہ گھر سے محلّہ کی مسجد میں آ کر قصر کیا کرو کیونکہ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ (اور جب تم زمین میں سفر کرو) تو اس پر صادق ہے۔ یہ فہم اور دین رہ گیا ہے۔ کچھ نہیں بس یہ لوگ ضربتم (تم کو پیٹا جائے) بصیغہ مجہول کے مستحق ہیں۔ پھر غضب یہ ہے کہ اس فہم پر یہ لوگ اپنے کو تعلیم یافتہ سمجھتے ہیں۔ پس جس نے ایک دو کتابیں ادب تاریخ کی دیکھ لیں وہ بھی اپنے کو عالم سمجھتا ہے۔ (الہدی والمغفرہ ج ۲۷)

ایک لیڈر کا تیمّم

ایک لیڈر کا قصہ ہے جو آج کل مسلمانوں کے مقتدا بنے ہوئے ہیں کہ کسی جگہ نماز کا وقت آ گیا اور پانی نہ تھا۔ تیمّم کی ضرورت ہوئی تو لیڈر صاحب نے اس طرح تیمّم کیا کہ اول تو مٹی کو ہاتھوں پر بہایا جیسے پانی کو بہایا کرتے ہیں پھر کلی کرنے کے واسطے منہ میں مٹی دی، شاید اس کے بعد وہ دو ہتڑ بھر کر منہ پر بھی ڈالتے اور مسح کے لیے سر پر بھی ڈالتے اور پیروں پر بھی مٹی بہاتے مگر منہ میں مٹی دیتے ہوئے بعض لوگ ہنس پڑے اس لیے وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ بس انگریزی پڑھ کر ایسا علم آتا ہے کہ عقل خاک میں مل جاتی ہے بھلا اگر وہ کسی سے پوچھ ہی لیتے کہ تیمّم کا طریقہ کیا ہے تو اس میں کچھ حرج تھا مگر پوچھتے کس طرح لیڈر ہو کر اپنی جہل کو کیوں کر ظاہر کریں، گو مٹی سے کلی کر کے اس سے زیادہ جہل ظاہر کر دیا اور مزا یہ کہ ظہور جہل کے بعد بھی وہ قوم کے لیڈر ہی رہے۔ یہ حالت قوم کی ہے کہ اس جہل پر بھی ان کو مقتدا ہی بنائے رکھا۔

ان ہی حضرات کا یہ واقعہ بھی ہے کہ ایک دفعہ موٹر میں سوار تھے نماز کا وقت آ گیا، موٹر ٹھہرایا گیا اور اسی میں بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ لی حالانکہ سامنے سڑک پر ایک طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے تھے مگر انہوں نے موٹر کے اندر ہی بیٹھ کر پڑھی۔ بھلا موٹر میں ترک قیام کس طرح جائز ہو گیا جبکہ موٹر کھڑا ہوا تھا۔ چلتی ریل میں تو اگر گرنے کا اندیشہ ہو تو بیٹھ کر نماز کی گنجائش بھی ہے مگر موٹر میں تو چلتے ہوئے بھی ترک قیام کی گنجائش نہیں کیونکہ اس کا ٹھہرا لینا ہر وقت ہمارے اختیار میں ہے اور ریل کا ٹھہرانا ہمارے اختیار میں نہیں اور اگر موٹر کھڑا ہوا ہو تب تو کسی طرح ترک قیام کی گنجائش ہی

نہیں مگر ان لوگوں نے تو محض لیڈر بننے کے لیے نماز شروع کی ہے اس لیے نماز بھی لیڈری ہوتی ہے۔شرعی نماز کی ان کو کیا ضرورت ہے۔(الہدی والمغفرہ ج ۲۷)

ایک بیوہ کا کلمہ کفر

چنانچہ بعض بدنصیب اس بات کو زبان سے بھی کہہ دیتے ہیں جو کہ ایک سخت کفریہ کلمہ ہے ایک شخص کی لڑکی بیوہ ہوگئی لوگ اس کو عقد ثانی کی ترغیب دے رہے تھے کہ بیوہ کے نکاح کی شریعت میں بہت فضیلت ہے تم اپنی لڑکی کا دوسرا عقد کر دو۔تو وہ کمبخت کہتا ہے: (نقل کفر کفر نہ باشد) کہ صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے روزہ نماز کے نبی ہیں' شادی بیاہ کے نبی نہیں اس میں ہم اپنی رائے سے جو چاہیں گے کریں گے (نعوذ باللہ واستغفر اللہ) ایک عورت کمبخت نے اسی باب میں جبکہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صاحبزادیوں کے عقد ثانی کا ذکر کیا گیا تو اس نے سن کر یہ کہا کہ (نعوذ باللہ) وہ لڑکیاں جن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد ثانی کیا ہے شریف بیوی کے پیٹ سے نہ تھیں (نعوذ باللہ) دیکھو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نہیں ہوا۔کمبخت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو کم ذات قرار دیا' بھلا کوئی اس احمق سے یہ پوچھے کہ تو نے جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مثال دی تو ان کے عقد ثانی کی ضرورت ہی کہاں اور کب ہوئی تھی وہ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ہی انتقال فرما گئی تھیں۔پھر اس احمق کو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب بیٹیاں ایک ہی بیوی سے تھیں اور دوسری بیبیوں سے آپ کی اولاد ہوئی ہی نہیں اور ہوئی بھی تو وہ سب بھی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی شریف زادیاں ہوئیں کیونکہ آپ کی سب بیبیاں عالی خاندان اور اشرف نسب کی تھیں' غرض معاملات میں اکثر لوگ اپنے کو خود مختار سمجھتے ہیں اور شریعت میں ان کو داخل ہی نہیں سمجھتے۔

اس انتخاب کی وجہ سے ہماری وہ حالت ہو رہی ہے کہ کسی کے ہاتھ ہے تو پیر نہیں' سر ہے تو دھڑ نہیں' دھڑ ہے تو سر نہیں۔مجموعہ مل کر تو ایک ایک فرد سالم نکل سکتا ہے مگر فرداً فرداً تو ہم سب ناقص ہی ہیں اور بقاعدہ منطق دیکھا جاوے تو مجموعہ بھی ناقص ہی ہے کیونکہ ناقصین کا مجموعہ بھی منطقی قاعدہ سے ناقص ہی ہوتا ہے مگر افسوس کہ ہم لوگ اس نقص پر ہی کفایت کئے ہوئے ہیں۔(الہدی والمغفرہ ج ۲۷)

ایک مسئلہ

ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ ایک شخص نے مجھ سے مسئلہ پوچھا کہ میری توند بڑھ گئی ہے اور زیر ناف کا بدن نظر نہیں آتا تو بال کس طرح صفا کروں۔ میں نے کہا کہ ہڑتال اور چونہ سے صاف کرلیا کرو‘ وہ یہ سن کر بہت دعائیں دینے لگا اور ایک بڑے عالم کا نام لے کر کہا کہ میں نے ان سے دریافت کیا تھا انہوں نے یہ فرمایا کہ بیوی سے صاف کرالیا کرو‘ میں نہایت پریشان تھا‘ آپ نے مجھ کو بڑی پریشانی سے نجات دی تو وہ بڑے بھاری عالم تھے مگر چونہ اور ہڑتال کے خواص وطبائع سے جو کہ واقعات میں سے ہے ناواقف ہونے کی وجہ سے ایسی غلطی کی بھلا بیوی اس لیے ہے کہ اس سے یہ کام لیا جائے‘ طبیعت اس کو کس طرح گوارا کرسکتی ہے۔

اب اور غضب سنئے کہ بعض رئیسوں کو سنا ہے کہ وہ زیر ناف بال نائی سے اترواتے ہیں کچھ ٹھکانا ہے اس بے حیائی کا‘ غرض عالم اگر خواص وطبائع سے واقف ہوتو اس سے اس قسم کی غلطی پھر نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا ضرورت ہے ہر عالم کو کہ بقدر ضرورت واقعات وخواص طبائع سے واقف ہومگر اس کی ضرورت نہیں کہ امریکہ بھی جاوے اور انجن بھی چلانا جانے۔ (بفضل العلظیم ج ۲۷)

اجتہاد ہر ایک کے بس کی بات نہیں

ابھی میرے پاس اسی سفر میں خط آیا تھا کہ ایک نصرانی مع اپنے گھر بار کے مسلمان ہوا ہے لوگ اس کو مجبور کرتے ہیں کہ ختنہ کراؤ لیکن اگر زیادہ مجبور کیا گیا تو اندیشہ ہے دین سے پھر جانے کا‘ میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ ختنہ کرانا اسلام کا رکن نہیں ہے‘ اول تو فقہاء نے لکھا ہے کہ جس کو تحمل نہ ہو اس کو اس کا ترک جائز ہے۔ دوسرے وہ ختنہ نہ کرانے سے زیادہ سے زیادہ گنہگار رہے گا۔ (بفضل العظیم ج ۲۷)

اردو میں خطبہ جمعہ کا مسئلہ

خطبہ اردو میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں وہ استنباط یہ ہے کہ قرآن نے خطبہ کا نام ذکر اللہ رکھا ہے چنانچہ ’’فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ‘‘ فرمایا ہے جب خطبہ ذکر ہے تذکیر نہیں تو خطبہ کو اردو میں نہ پڑھیں گے جیسے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ خطبہ سے مقصود تذکیر ہے اور

تذکیر موقوف ہے فہم پر اس لیے مادری زبان میں پڑھنا چاہیے تو اس سے اس کا جواب ہوگا کہ قرآن نے خطبہ کو ذکر فرمایا ہے جس کی غرض فہم پر موقوف نہیں تذکیر نہیں بلکہ قرآن مجید کو جابجا ذکری بمعنی تذکیر فرمایا گیا ہے مگر پھر بھی کسی کے نزدیک نماز میں وہ مادری زبان نہیں پڑھا جاتا تو خطبہ کے لیے تو بدرجہ اولیٰ یہ حکم ثابت ہوگا تو "فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ" سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا اور یہ تبرع ہے ورنہ اگر اس سے یہ نہ بھی مستنبط ہو تب بھی فتویٰ اس پر موقوف نہیں' فتویٰ تو فقہاء کے قول پر ہے کہ انہوں نے اس پر نہایت قوی استدلال کیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کبھی غیر عربی زبان میں خطبہ نہیں پڑھا حالانکہ وہ فارس میں روم میں برابر رہے اور صحابہ وہاں کے فارسی اور ترکی زبان کے ماہر بھی تھے مگر خطبہ کبھی ترکی یا فارسی زبان میں نہیں پڑھا۔ بس ہمارے لیے فقہاء کا یہ کہہ دینا کافی ہے۔ (اشرف العلوم ج ۲۷)

شریعت کی آسانی

شریعت مخلوق کو تکلیف سے بچانا چاہتی ہے اس لیے حکم ہے کہ اگر بیٹا نفل نماز پڑھ رہا ہو اور والدین میں سے کوئی پکارے تو دیکھے کہ ان کو اس کا نماز میں ہونا معلوم ہے یا نہیں اگر انہیں معلوم ہے کہ بیٹا نماز پڑھ رہا ہے اور پھر بھی پکار رہے ہیں تو نہ بولے کیونکہ جان کر پکارنا ان کی شرارت ہے اور اگر ان کو معلوم نہیں کہ بیٹا نماز پڑھ رہا ہے تو بول پڑے اور نماز کا بعد میں اعادہ کر لے یہ مسئلہ فقہاء نے حدیث سے سمجھا ہے۔ واقعی دو فرقے اُمت کے لیے رحمت ہیں ایک فقہاء دوسرے صوفیاء۔ (تقلیل الکلام ج ۲۷)

جریج عابد کی حکایت

جریج بنی اسرائیل کا ایک عابد تھا۔ ایک دفعہ یہ اپنے صومعہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کی ماں کسی ضرورت سے آئی اور اس نے صومعہ کے نیچے کھڑے ہو کر آواز دی' جریج جریج' یہ نماز پڑھ رہا تھا اس نے دل میں حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ میں نماز میں ہوں اور میری ماں پکار رہی ہے یعنی جواب دینے سے معذور ہوں' غرض نماز میں مشغول رہا۔ اس نے پھر آواز دی جریج نے پھر وہی کیا **اللھم امی و صلاتی** اور بدستور نماز میں مشغول رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کو بیان فرما کر ارشاد فرماتے ہیں: "**لو کان فقیھا لا**

جاب امه'' اگر جریج فقیہ ہوتا تو اپنی ماں کے پکارنے کا جواب دے دیتا اس لیے فقہاء نے سمجھا کہ والدین کے پکارنے پر نماز میں بول پڑنا جائز ہے۔ بشرطیکہ ان کو اس کا نماز میں ہونا معلوم نہ ہو یہ قید دوسرے دلائل کی وجہ سے بڑھائی گئی۔ جریج کی ماں نے اس موقع پر اپنے بیٹے کو کوسا بھی تھا' جب اس نے کئی آوازیں دیں یہ نہ بولا تو اس نے بددعا دی ''اللھم لا تمت حتٰی تریه وجوه المومسات'' یعنی خداوندا اسے اس وقت تک موت نہ دیجیو جب تک یہ کسی فاحشہ کا منہ نہ دیکھ لے' معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دینداری بہت ہی زیادہ تھی کہ رنڈی کا منہ دیکھنا اس زمانہ میں بددعا اور کوسنے میں بیان کیا جاتا تھا گویا غیر عورت کا منہ دیکھنا مردوں کے لیے بہت ہی بڑا عیب سمجھا جاتا تھا' جبھی تو اس کو کوسنے میں بیان کیا اور آج کل منہ دیکھنا تو کیا اس سے منہ کالا کرنا بھی عیب نہیں سمجھا جاتا۔

غرض جریج کی ماں نے اس کو یہ کوسا دیا کہ خدا اسے موت سے پہلے فاحشہ عورت سے پالا ڈالے' بددعا قبول ہوگئی اور ایک فاحشہ عورت جریج کے پیچھے پڑی اور اس کے صومعہ میں آ کر بدکاری پر اسے برانگیختہ کرنا چاہا یہ شخص متقی تھا اس نے دھکا کر اسے نکال دیا اس نے کہا کہ میں تجھ کو بدنام کر کے رہوں گی بڑا متقی بنا ہے۔ چنانچہ جنگل کے کسی چرواہے سے اس نے منہ کالا کیا جس سے حمل رہ گیا' جب بچہ پیدا ہوا تو لوگوں نے پوچھا یہ بچہ کس کے زنا سے ہوا اس نے جریج کا نام لے دیا۔ بس اب لوگ کہاں تھے بلا تحقیق گمان پکا لیا اور جریج کے صومعہ پر جا چڑھے اور لگے اسکو ڈھانے' جریج اندر سے نکلا اور لوگوں سے کہا کہ میرے صومعہ کو کیوں گراتے ہو کہا کمبخت تو اس قابل نہیں کہ صومعہ میں رہے تو زنا کار بدکار ہے اور ظاہر میں متقی بنا ہوا ہے اس نے پوچھا کہ آخر تم سے کس نے کہا کہ میں زانی ہوں' لوگوں نے اس عورت کو مع بچہ کے پیش کیا کہ دیکھ یہ عورت کیا کہتی ہے کہ تو نے اس سے زنا کیا اور یہ بچہ تیرے زنا کا ہے' جریج نے کہا کہ ذرا ٹھہرو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے اس کے بعد اس نے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی' پھر اس بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا اے بچہ خدا کے حکم سے بول اور بتلا کہ تیرا باپ کون ہے خدا تعالیٰ نے بچہ کو گویائی عطا فرمائی اس نے کہا میرا باپ فلاں چرواہا ہے' اب تو سب کو یقین ہو گیا کہ یہ عورت جھوٹی ہے اور اس نے چرواہے سے منہ کالا کر کے جھوٹ موٹ جریج کا نام لیا ہے' اتنی بڑی کرامت کے بعد کیا شبہ ہو سکتا تھا بس سب

کے سب جریح کے قدموں پر گر پڑے کہ ہماری خطا معاف کرو ہم نے بلاتحقیق تم کو متہم کیا اور اب ہم تمہارا صومعہ سونے کی اینٹوں سے بنادیں گے۔ اس نے کہا نہیں جیسا پہلے تھا تم ویسا ہی بنادو، غنیمت ہوا کہ جریح کی ماں نے اتنی ہی بددعا کی تھی کہ خدا اسے رنڈی کا منہ دکھا دے آگے اور کچھ نہ کہا تو جریح نے رنڈی کا منہ ہی دیکھا اور کچھ نہ ہوا اس لیے والدین کی بددعا سے ڈرنا چاہیے مگر ناحق کی بددعا نہیں لگتی اور یہاں جو ام جریح کی بددعا لگ گئی تو وہ ناحق بددعا نہ تھی بلکہ جریح کے نہ بولنے سے اس کو ایذا ہوئی اور اس ایذا میں جریح کے فعل کو بھی دخل تھا کہ اس نے بے موقع سکوت کیا گو وہ بوجہ جہل کے اس سکوت میں معذور ہو مگر نفس جہل خود ایک جرم ہے اس لیے بددعا لگ گئی اور اس کی معذوری کا یہ اثر ظاہر ہوا کہ جلدی ہی برأت ہوگئی اور جن کو سوءِ عقیدت ہوئی تھی ان کو پھر حسن عقیدت ہوگئی۔ (تقلیل الکلام ج ۲۷)

مساجد کے نقش ونگار

ہمارے فقہا نے مساجد میں ایسے نقش ونگار اور ظاہری بھڑک کو مکروہ قرار دیا ہے۔ جس سے نمازیوں کا دل بٹنے لگے حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک وہ وقت آوے گا کہ لوگ مسجد بنانے پر باہم فخر کریں گے ایک اپنی مسجد کو اچھا کہے گا تو دوسرا اس سے اچھی بنانے کی کوشش کرے گا چنانچہ آج کل اس کا ظہور ہو رہا ہے کہ مسجدیں بھی نام کے واسطے بنائی جاتی ہیں حتیٰ کہ جب کوئی مسجد بناتا ہے تو نئی بناتا ہے گو نئی مسجد کی ضرورت نہ ہو پرانی مسجد کی تعمیر میں رقم لگانے کو پسند نہیں کرتے کیونکہ نام نہ ہوگا یوں سمجھتے ہیں کہ پرانی مسجد میں عمارت سے نام تو اصل بانی کا ہوگا پھر ہم کیوں اس میں رقم لگائیں۔ مگر خوب سمجھ لو کہ شہرت کی طلب سے شہرت نہیں ہوتی شہرت بھی اپنے کو مٹانے ہی سے ہوتی ہے کسی نے خوب کہا ہے

اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزلت شو — کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا

(اگر شہرت کی ہوس ہے گوشہ نشینی اختیار کرو گوشہ گیری سے عنقا کا نام مشہور ہے)

(اسباب الفتنہ ج ۲۸)

ترکہ کے مال میں ضرورت احتیاط

ترکہ کے مال میں لوگ بالکل احتیاط نہیں کرتے جو لوگ میت کے گھر جاتے ہیں وہ

بے تکلف اس کی چیزیں استعمال کرتے رہتے ہیں حالانکہ مرنے کے بعد فوراً وہ تمام چیزیں میت کی ملکیت سے نکل کر ورثاء کی ملک میں داخل ہوگئی ہیں اب ان کا استعمال بدوں تمام ورثاء کی اجازت کے جائز نہیں۔ اہل تقویٰ نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ ایک بزرگ رات کے وقت اپنے دوست کی عیادت کو گئے اور ان کے سامنے اس کا انتقال ہوگیا تو آپ نے فوراً چراغ گل کر دیا اور ایک شخص کو اپنے پاس سے پیسے دیئے کہ بازار سے تیل لے آؤ کیونکہ اس چراغ کا تیل میت کے مرتے ہی ورثاء کی ملک ہوگیا ہے جن میں بعض حاضر اور بعض غائب ہیں (اور ممکن ہے کوئی نابالغ بھی ہو) اس سے انتفاع اب درست نہیں ،حضرت یہ بات آپ کو عجیب معلوم ہوتی ہوگی مگر تعجب کا منشا یہ ہے کہ آپ کو ان امور کا اہتمام نہیں اگر آپ کو بھی حلال وحرام کا خیال ہو جائے تو پھر آپ کا بھی یہی معمول ہوگا۔ (ایضاً)

تجوید سیکھنا فرض ہے

میں تو کہتا ہوں کہ تجوید کا سیکھنا فرض ہے کیونکہ قرآن عربی زبان میں ہے جس کا عربی میں پڑھنا فرض ہے اور عربیت کے موافق صحیح تلفظ بدوں تجوید کے نہیں آسکتا تو تجوید کا سیکھنا فرض ہوا۔ (ایضاً)

پھلوں کی مروجہ بیع

آج کل کے مناسب میں ایک نظیر بتلاتا ہوں وہ یہ کہ اب آم کی فصل آوے گی اور اکثر مسلمان پھل آنے سے پہلے ان کی بیع کر دیتے ہیں شرعاً یہ بیع حرام ہے اور پھل کا کھانا دوسروں کو بھی حرام ہے۔ باغ والوں کی ذراسی کاہلی سے ساری دنیا حرام کھاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے قلوب میں نور نہیں پیدا ہوتا اور جو کچھ نماز وغیرہ سے پیدا ہوتا ہے وہ اس حرام غذا کی ظلمت سے زائل ہو جاتا ہے میں نے اس کی اصلاح کا ایک آسان طریقہ بتلایا تھا۔ اصل طریقہ تو وہی ہے کہ ایسے وقت میں پھل فروخت ہی نہ کیا جائے بلکہ جب اچھی طرح پھل نمودار ہو جائے اس وقت بیع کی جائے اس میں باغ والے یہ عذر نکالتے ہیں کہ صاحب اس وقت تک کون حفاظت کرے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر کسی وجہ سے گورنمنٹ کا یہ قانون ہو جائے کہ پھول خوب نمودار ہونے سے پہلے کوئی بیع نہ کرے تو اس وقت کوئی عذر

نہ کرے گا بلکہ سب کو حفاظت کے طریقے خود بخود سوجھ جائیں گے اور اس وقت اگر کوئی کہے بھی کہ تم میرے ہاتھ پھل آنے سے پہلے باغ کی بیع کر دو تو مالک کہے گا کیا تم مجھے مجرم بنانا چاہتے ہو یہاں کے مجرم بننے کا تو اتنا ڈر ہے لیکن آخرت کے مجرم بننے کو سب کے سب تیار ہوئے بیٹھے ہیں۔ خیر یہ طریقہ تو لوگ کیا ہی اختیار کرتے مگر ایک آسان ترکیب بتلائی گئی تھی جس سے دنیا حرام کھانے سے محفوظ ہو جاتی مگر افسوس وہ بھی نہ ہو سکی۔ میں نے کہا تھا کہ جو لوگ پھل آنے سے پہلے بیع کر چکے ہوں وہ پھل آنے کے بعد دوبارہ بیع کر لیا کریں۔ بائع خریدار سے یہ کہے کہ بھائی ہم نے جو پہلے بیع کی تھی وہ شرعاً درست نہ تھی اب ہم اسی قیمت پر اس پھل کی بیع تمہارے ہاتھ دوبارہ کرتے ہیں۔ خریدار کہہ دے میں قبول کرتا ہوں اب اس پھل کا کھانا سب کو حلال ہو جائے گا۔ بتلایئے اس میں کیا مشکل تھی صرف زبان ہلتی تھی مگر بات یہ ہے کہ اس کی کوئی قانونی ضرورت نہ تھی قانون سے ایسی بیع جرم نہ تھی صرف خدا نے منع کیا تھا اس لئے پرواہ نہیں اور اس کے لئے ذرا سی آسان بات بھی گوارا نہیں بعبارت دیگر یوں کہیئے کہ نعوذ باللہ ہم کو خدا ہی کی ضرورت نہیں۔ (اسباب الفتنہ ج ۲۷)

تیس سالہ تحقیق

آج مجھے شامی کی ایک تقریر دیکھ کر اپنی تیس سالہ تحقیق کی تائید ملی وہ یہ کہ میں کہا کرتا تھا کہ اعمال صالحہ سے یا توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں حقوق معاف نہیں ہوتے مثلاً کسی نے آج گناہوں سے توبہ کی تو اس کے گناہ تو معاف ہو گئے مگر اس نے جتنی نمازیں قضا کی ہیں روزے کھائے ہیں یا کسی کا قرض لے کر مار لیا ہے یہ حقوق اللہ وحقوق العباد اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوئے ان کا ادا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے بس آج سے ان کی ادا میں لگ جائے جس قدر اس سے ہو سکے ادا کرے اور سب کے ادا کا عزم رکھے اگر کچھ باقی رہ گئے اور مر گیا تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کو بریٔ الذمہ کر دیں گے مگر توبہ کے بعد حقوق ماضیہ سے بے فکر ہونا جائز نہیں تو علامہ شامیؒ کے کلام میں اس کی تصریح مل گئی کہ ذنوب اور چیز ہیں حقوق اور ہیں اور توبہ سے ذنوب معاف ہوتے ہیں نہ حقوق اھ اور حج سے یا ہجرت سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں نہ کبائر اور صغائر کا معاف ہو جانا کیا تھوڑی بات ہے آپ کو معلوم نہیں کہ صغائر کیسے ہوتے ہیں۔ (ایضاً)

اللہ تعالیٰ کو عاشق رسول کہنا سخت گناہ ہے

ایک غلطی کا ازالہ کرنا بھی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا معشوق کہتے ہیں چنانچہ شعراء اشعار نعتیہ میں اسی مضمون کو باندھتے ہیں سو عشق کا خاصہ ہے عاشق کو مضطرب کر دینا اور حق تعالیٰ اس سے منزہ ہے مگر غضب یہ ہے کہ بعض بیباکوں نے اس اضطراب کو بھی نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کیلئے مان لیا چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے

پئے تسکین خاطر صورت پیراہن یوسف
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بھیجا حق نے سایہ رکھ لیا قد کا

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں بھیج دیا اور چونکہ وہ معشوق تھے اور عاشق کو بدوں معشوق کے قرار نہیں ہوتا اس لئے تسلی کے واسطے سایہ ان کا وہاں رکھ لیا کہ اسی سے مجھ کو تسلی رہے گی جیسے یعقوب علیہ السّلام کو یوسف علیہ السّلام کے کرتے سے تسلی ہوگئی تھی یہ نعت نہیں یہ حد درجے کی بے ادبی ہے باری عزاسمہ کی جناب میں اور نیز حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بھی ایسے اشعار سننا اور پڑھنا گناہ ہیں احتراز ضروری ہے بعض دینداروں کو بھی خبط ہوتا ہے کہ اشعار نعتیہ خواہ ان کا مضمون شریعت پر منطبق ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو ذوق وشوق میں پڑھتے ہیں بعض اشعار نعت کے ایسے ہیں کہ ان میں دیگر حضرات انبیاء علیہم السّلام کی بے ادبی ہوتی ہے۔ الحاصل معشوق کہنا یہ سخت بے ادبی ہے اس لئے کہ عشق خاصہ آدمی کا ہے اس لئے کہ عشق نام ہے نفس کے ایک خاص انفعال کا اور اللہ تعالیٰ انفعال اور تاثر سے پاک ہے ہاں یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول ہیں۔ (ترجیح المفسدہ علی المصلحہ ج ۲۸)

رضاعی بہن سے نکاح

ایک جگہ ہمارے قرب میں غلطی سے یہ ہوا کہ ایک لڑکی کا نکاح پڑھا گیا اور رخصتی بھی ہوگئی اس کے بعد معلوم ہوا کہ لڑکی اس کی رضاعی بہن ہے کہ وہ جس عورت کا دودھ پیتی تھی ایک روز اس لڑکے نے اس کا دودھ پی لیا تھا اب شرعی مسئلہ تو یہ ہے کہ جب معلوم ہوگیا تو اب دونوں میں تفریق کر دینی چاہئے جو ہوا سو ہوا مگر اس کو گھر والوں نے غیرت کے خلاف سمجھا اور کوشش کی کہ کسی طرح یہ نکاح صحیح ہی رہے جا بجا مسئلہ کسی کے باوا کی جاگیر تو نہیں

ہے کہ اس میں تغیر تبدل کر سکے صاف کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ رضاعی بہن بھی حقیقی بہن کے حکم میں ہے کہیں سے فتویٰ نہ ملا تو وہ کسی غیر مقلد کے پاس پہنچ گئے اور اس سے یہ مسئلہ سنا کہ بچہ جب تک پانچ گھونٹ نہ پیئے رضاع کا حکم ثابت نہیں ہوتا بس انہوں نے ایک سوال اسی قید سے بنایا حالانکہ آج کس کو یاد ہے کہ اس نے کتنے گھونٹ پیئے تھے اور اس سوال کا جواب ایسے ہی شخص سے لکھوا کر فتویٰ حاصل کر لیا اور دل کو سمجھا لیا اور دونوں میں تفریق نہیں کی اور یہ مسئلہ گو اختلافی ہے مگر اول تو بلا ضرورت دوسرے کی تقلید کیسے درست ہو گی پھر یہ کیسے معلوم ہوا کہ پانچ گھونٹ نہیں پیئے تھے کچھ نہیں بس ایک آڑ ہاتھ آ گئی تعجب ہے کہ تفریق تو غیرت کے خلاف تھی اور تمام عمر کے لئے حرام میں مبتلا رہنا غیرت کے خلاف نہیں۔ (الظاہر ج ۲۸)

مسئلہ زکوٰۃ

مقروض کے واسطے زکوٰۃ کا قانون یہ ہے کہ رقم قرض کی منہا کر کے باقی کی زکوٰۃ دو رقم قرض کی زکوٰۃ شریعت خود نہیں مانگتی اور خدا جانے زکوٰۃ سے کیوں جان چرائی جاتی ہے زکوٰۃ کی تو مقدار اس قدر تھوڑی ہے کہ برائے نام ہی کا مرتبہ ہے چالیسواں حصہ بھی کوئی چیز ہے اور یاد رکھو کہ اللہ میاں اپنا حساب پورا کر ہی لیتے ہیں کوئی بیماری بھیج دی یا کوئی مقدمہ لگا دیا، ایک دفعہ ڈاکٹر کو بلانا پڑا سولہ روپے فیس میں نکل گئے، زکوٰۃ میں اتنے شاید خرچ بھی نہ ہوتے۔ (الظاہر ج ۲۸)

عامی کو ہر صورت میں مجتہد کی تقلید واجب ہے

مفتی صاحب نے پوچھا کہ اگر عامی شخص کو کسی مسئلہ میں ثابت ہو جائے کہ مجتہد کا قول حدیث کے خلاف ہے تو اس وقت میں حدیث پر عمل کیوں جائز نہ ہو گا ورنہ حدیث پر قول مجتہد کی ترجیح لازم آتی ہے فرمایا یہ صرف فرضی صورت ہے عامی کو یہ کہنے کا منصب ہی کہاں ہے کہ مجتہد کا قول حدیث کے معارض ہے اس کو حدیث کا علم مجتہد کے برابر کب ہے نیز وہ تعارض اور تطبیق کو مجتہد کے برابر کیسے جان سکتا ہے تو اول تو یہ صورت فرضی ہے کہ قول مجتہد حدیث کے معارض ہو پھر میں تنزل کر کے کہتا ہوں کہ اگر اس عامی شخص کا قلب گواہی دیتا ہو کہ اس مسئلہ میں مجتہد کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو اس صورت میں بھی ترک تقلید جائز نہیں اس کی نظیر یہ ہے کہ طبیب سے نسخہ لکھواتے ہیں تو اس نسخہ کو غلط کہنے کی کیا صورت ہو سکتی

ہے عامی تو عامی کوئی دوسرا طبیب بھی اس نسخہ کو غلط نہیں کہہ سکتا دوسرا نسخہ دوسرا طبیب تجویز کردے لیکن اس نسخہ کو غلط کہنے کا مجاز نہیں اس وقت تک کہ اس نسخہ کو بالکل صریح غلط نہ ثابت کرسکے دوسری تجویز کے بہت سے وجوہ ہوسکتے ہیں حتیٰ کہ یہ بھی ایک وجہ ہوتی ہے کہ ایک دہلی کا تعلیم یافتہ ہے دوسرا لکھنوٴ کا لکھنوٴ کا طرز مطب اور ہے اور دہلی کا اور اور اوزان ادویہ تک میں فرق ہے تو ایک دہلی کے تعلیم یافتہ کو لکھنوٴ کے نسخہ کو صرف اس وجہ سے غلط کہہ دینا کہ اس کے اوزان میں فرق ہے کیسے درست ہوسکتا ہے علیٰ ہذا مجتہدین کے اختلاف کے وجوہ بھی بہت ہیں بعض وقت برائے کا اختلاف موضع کے اختلاف سے بھی ہوجاتا ہے۔ (ادب الاعلام ج ۲۸)

استیلاء کافر موجب ملک ہے

سوال۔ محکمہ تعلیم کے مصارف محکمہ چنگی سے پورے ہوتے ہیں تو محکمہ کی تعلیم تنخواہ حلال ہے یا نہیں۔ فرمایا استیلاء کافر موجب ملک ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہاں بھی مسئلہ امام ابوحنیفہؒ ہی کا کام آتا ہے۔ ایک انگریز نے لکھا ہے کہ سلطنت فقہ پر نہیں چل سکتی سوائے فقہ حنفی کے ایک سیاسی شخص کا یہ کہنا ضرور بڑے تجربے کی خبر دیتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی عجیب نظر ہے دیکھئے امام صاحب کا قول ہے کہ آلات لہو کا توڑ ڈالنا واعظ کو یا کسی کو جائز نہیں اگر کوئی توڑ ڈالے تو ضمان لازم آئے گا یہ کام سلطنت کا ہے وہ احتساب کرے اور توڑ پھوڑے اور سزا دے جو چاہے کرے دیکھئے اس میں کتنا امن ہے سوائے سلطان کے اور کسی کے احتساب کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ کام بند تو ہوتا نہیں جنگ و جدل و فتنہ ہوجاتا ہے اور باہمی منازعات بڑی دور تک پہنچ جاتے ہیں۔

علیٰ ہذا اقامت حدود سلطان ہی کے ساتھ ہیں فقہ بڑی مشکل چیز ہے فقیہ کو جامع ہونا چاہئے فقیہ بھی ہو محدث بھی ہو متکلم بھی ہو سیاسی دماغ بھی رکھتا ہو بلکہ کہیں کہیں طب کی بھی ضرورت ہے بعضے امور میں تشریح کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ فقہ مشکل چیز ہے مگر آج کل بعض لوگوں نے اس کی کیا قدر کی ہے کہ فقہاء پر سب وشتم کرتے ہیں یہ گروہ نہایت درجہ مفسد ہے یہ لوگ جان جان کر فساد کرتے ہیں اور اشتعال دلاتے ہیں بعض وقت تو ذراسی بات میں بڑا فتنہ ہوجاتا ہے۔ (ایضاً)

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا عمل بالحدیث

ایک شخص نے بیان کیا کہ ہندو داروغہ کے سامنے غیر مقلدوں نے امام ابو حنیفہؒ پر اعتراض کیا کہ امام صاحب قائل ہیں کہ اگر کوئی محرم عورت سے نکاح کرے اور وطی کرے تو اس پر حد واجب نہیں یہ کیسی غلطی ہے۔ فرمایا حضرت والا نے اسی مسئلہ میں امام صاحب پر فدا ہو جانا چاہئے اس کے بیان کے لئے دو مقدموں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ حدیث میں ادرؤ الحدود بالشبہات ایک مقدمہ یہ ہوا اور دوسرا یہ کہ شبہ کس کو کہتے ہیں مشابہ حقیقت کو اور مشابہت کے لئے کوئی وجہ شبہ ہوتی ہے اور اس کے مراتب مختلف ہیں کبھی مشابہت قوی ہوتی ہے اور کبھی ضعیف امام صاحب نے حدود کے ساقط کرنے کے لئے ادنیٰ درجہ کی مشابہت کو بھی معتبر مانا ہے اور صرف نکاح کی صورت پیدا ہو جانے سے کہ باوجود حقیقت نکاح نہ ہونے کے مشابہ تو نکاح کی ہے حد کو ساقط کر دیا انصاف کرنا چاہئے کہ یہ کس درجہ عمل بالحدیث ہے بات یہ ہے کہ ایک صحیح معنیٰ کو برے اور مہیب الفاظ کی صورت پہنا دی گئی ہے اس فتوے کی حقیقت تو غایت درجہ کا اتباع حدیث ہے لیکن اس کو بیان اس طرح کیا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ امام صاحب نے نکاح بالمحرمات کو چنداں برا نہیں سمجھا اس کے سوا اور بھی چند مسائل اسی طرح بری صورت سے بیان کر کے اعتراض کئے جاتے ہیں مسئلہ مذکور پر اعتراض جب تھا کہ اس پر امام صاحب کوئی زجر و احتساب تجویز نہ کرتے ایسے موقعوں پر جہاں حد کو فقہا ساقط کرتے ہیں تعزیر کا حکم دیتے ہیں ایسے مواقع تمام ائمہ کے نزدیک بہت سے ہیں کہ شبہ سے حد ساقط ہو گئی آخر حدیث درؤا الحدود بالشبہات کی تعمیل کہیں تو ہوگی اور کوئی موقع تو ہوگا جہاں اس کو کر کے دکھایا جاوے کیا غضب ہے جو شخص حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم رکھے وہ کس قدر عامل بالحدیث ہے فدا ہو جانا ایسے شخص پر تعجب ہے کہ امام مالک صاحب خبر واحد پر بھی قیاس کو مقدم رکھتے ہیں اور ان کو لوگ عامل بالحدیث کہتے ہیں اور امام صاحب حدیث ضعیف پر بھی قیاس کو مقدم نہیں رکھتے اور ان کو تارک حدیث کہا جاتا ہے۔ (ادب الاعلام ج ۲۸)

مصافحہ متمم سلام ہے

حدیث میں آیا ہے من تمام تحیاتکم المصافحۃ جس کا مطلب یہ ہے کہ مصافحہ

متمم سلام ہے اور سلام کے لئے کچھ قواعد مقرر ہیں تو مصافحہ کے لئے جو کہ اس کا تابع ہے بطریق اولیٰ ہوں گے مثلاً لکھا ہے کہ اذان کے وقت سلام نہ کرو کھانا کھاتے وقت سلام نہ کرو اور بھی مواقع ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ مشغولی کے وقت سلام نہیں کرنا چاہئے اس سے معلوم ہوا کہ مشغولی کے وقت مصافحہ بھی نہیں کرنا چاہئے بہت سے علماء تو وداعی مصافحہ کو بھی بدعت کہتے ہیں مگر خیر ہمارے علماء جائز کہتے ہیں چونکہ وداع کے وقت سلام تو نصوص سے ثابت ہے اور مصافحہ متمم سلام ہے تو مصافحہ بھی درست ہوا مگر ہر چیز کی حد ہوتی ہے۔ (ادب العشیر ج ۲۸)

امور تکوینیہ میں دعا جائز ہے

امور تکوینیہ میں دعا جائز ہے خواہ عمل کا دخل اس میں ظاہر نہ ہو باقی امور تشریعیہ اور فضائل دینیہ میں دعا انہی امور میں ہے کہ جن کے حصول میں عمل کو دخل ہے یا ان کو عمل میں دخل ہے بخلاف کرامت وغیرہ کے۔ (اسباب الفضائل ج ۲۹)

مستحب اور واجب میں فرق

فقہاء نے لکھا ہے کہ مندوب اس وقت تک مندوب ہے کہ اس کے اشتغال سے کوئی واجب ترک نہ ہو۔ (التوجہ ج ۲۹)

پردے کی احتیاط

ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ اجنبی مرد کا جھوٹا عورت کو اور اجنبی عورت کا جھوٹا مرد کو کھانا مکروہ ہے اس لیے کہ خیال ہوگا کہ اس میں سے فلاں شخص نے کھایا ہے، پھر استدلال کیا جاوے گا کہ بڑے سلیقہ سے کھایا ہے۔ مثلاً معلوم ہوتا ہے کہ بڑا نازک مزاج ہے اور نیز جس جگہ اس کا ہاتھ لگا ہے وہاں سے کھانے میں التذاذ ہوگا اور لیجئے اُمہات المومنین کہ جن سے نکاح ابداً حرام ہے ان کو حکم ہے کہ نرم لہجہ سے بات مت کرو بلکہ کڑوے لہجہ سے بات کرو تا کہ جس شخص کے دل میں روگ ہے وہ طمع نہ کرے۔ بیبیو آخر یہ قرآن وحدیث واحکام کس واسطے ہیں، تمہارے ہی تو عمل کے لیے ہیں جب تم عمل نہ کرو گی تو اور کون کرے گا۔ (العفۃ ج ۲۹)

ارتکاب معاصی

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ صغائر گو اخف الصغائر ہی ہوں اصرار سے کبائر ہو

جاتے ہیں تو اس درجہ میں مکروہ تنزیہی فقہاء کے نزدیک بھی ضروری الترک ہے۔ تیسرے یہ کہ مکروہ تنزیہی کا ارتکاب بسا اوقات مکروہ تحریمی کے ارتکاب کی طرف مفضی ہو جاتا ہے کیونکہ جو شخص مکروہ تنزیہی کے ارتکاب پر اقدام کرے گا وہ اس کو معمولی بات سمجھے گا اور جب نفس میں یہ بات پیدا ہوگئی کہ وہ ادنیٰ معصیت کو معمولی بات سمجھنے لگے تو اس میں خوف کا مادہ کم ہو جاتا ہے جس سے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اس کو مکروہ تحریمی کے ارتکاب پر بھی جرات ہو جاتی ہے اور قاعدہ ہے کہ **مقدمة الحرام حرام**۔ حرام کا مقدمہ بھی حرام ہوتا ہے۔ اس لئے مکروہ تنزیہی گو فی نفسہ حرام نہ ہو مگر اس مقدمہ پر نظر کر کے اس کا ترک بھی ضروری ہے اسی لئے حدیث میں ہے۔ (تقلیل الطعام بصورۃ الصیام ج ۳۰)

تقویٰ کامل

لایبلغ المومن درجة المتقین حتی یترک مالا باس به حذرا ممابه باس (اوکما قال) (اتحاف السادۃ المتقین ۶:۲۲) یعنی تقویٰ کامل یہ ہے کہ جس چیز میں اندیشہ بھی نہ ہو اس کو اس چیز سے بچنے کے لئے چھوڑ دے جس میں اندیشہ ہے اور یہاں سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو یہ پوچھا کرتے ہیں کہ یہ کام گناہ صغیرہ ہے یا گناہ کبیرہ مجھ سے جب کوئی یہ پوچھتا ہے تو میں تعیین قسم سے جواب نہیں دیتا بلکہ اس سے سوال کرتا ہوں کہ اگر یہ گناہ صغیر ہوا تو کیا تمہارا ارادہ اس کے ارتکاب کا ہے اگر اس نے کہا نہیں تو میں کہتا ہوں کہ پھر تمہارا اس سوال سے مقصود کیا ہے اور اگر کہتا ہے کہ جی ہاں گناہ صغیرہ ہوا تو میں ارتکاب کا قصد رکھتا ہوں تو میں کہہ دیتا ہوں کہ تم قابل خطاب نہیں ہو۔ بندہ خدا کیا تم اس کو گوارا کر سکتے ہو کہ تمہارے چھپر میں ایک چھوٹی سی چنگاری لگا دی جائے‘ حالانکہ اس کی حقیقت ہی کیا ہے چھوٹی چنگاری تو اکثر خود ہی بجھ جاتی ہے اس میں کچھ زیادہ‘ اندیشہ نہیں مگر بایں ہمہ کوئی شخص ذرا سی چنگاری کو بھی اپنے چھپر کے لئے گوارا نہیں کرتا اور یہی کہا جاتا ہے کہ صاحب خدا بری گھڑی نہ لائے‘ بعض دفعہ یہ چھوٹی سی چنگاری غضب ڈھا دیتی ہے۔ افسوس ایک چار روپیہ کے چھپر کی تو اتنی قدر اور ایسی احتیاط اور متاع ایمان کی ایسی بے قدری کہ اس میں گناہ صغیرہ کی چنگاری لگانا گوارا ہے۔ یہاں یہ اندیشہ کیوں نہیں ہوتا کہ بعض دفعہ چھوٹی سی چنگاری بھی غضب ڈھا دیتی ہے۔ (تقلیل الطعام بصورۃ الصیام ج ۳۰)

مقدمات زنا بھی حرام ہیں

اسی طرح حق تعالیٰ نے لا تقربوا الزنا فرمایا ہے (کہ زنا کے پاس مت جاؤ ۱۲)
لا تفعلوا الزنا (زنا مت کرو) نہیں فرمایا لاتقربوا الزنا سے مقدمات زنا سب حرام ہو گئے جیسے نگاہ کرنا تصور کرنا۔ خلوت میں نامحرم کے پاس بیٹھنا اس کو ہاتھ لگانا وغیرہ وغیرہ کیونکہ اگر ان مقدمات کو حرام نہ کیا جاتا تو لوگ ان میں تساہل کرتے اور مقدمات میں مبتلا ہو کر پھر بچنا مشکل ہے پھر تو وہ یہ کہے گا۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ　　　باز می گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

(دریا کی گہرائی میں ایک تختہ سے باندھ دیا ہے اور پھر کہتا ہے کہ تو دامن ترمت کر ہوشیار رہنا)

نامحرم کے ساتھ خلوت میں بیٹھ کر پھر معصیت سے بچا رہنا بہت ہی دشوار ہے شیطان کا مقولہ ہے جو اس نے بعضے بزرگوں سے کہا تھا کہ اگر خلوت میں جنیدؒ جیسا مرد اور رابعہؒ بصری جیسی عورت جمع ہو جاویں تو میں ان کے خیالات بھی خراب کر دوں پھر ہماری اور آپ کی تو کیا ہستی ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ کی یہ بڑی رحمت ہے کہ جس کام سے منع کرنا چاہا اس کے مقدمات کو بھی حرام کر دیا۔ اگر مقدمات حرام نہ ہوتے تو پھر معاصی سے بچنا بہت لوگوں کے حق میں گویا تکلیف مالایطاق ہو جاتا گویا بھلا ایک بھوکا آدمی تنہا گھر کے اندر دسترخوان بچھا ہے اور روٹی کے سامنے بیٹھا رہے اور روٹی سے صبر کئے رہے بہت مشکل ہے۔ ہاں روزہ دار ہو تو شاید بچا رہے اور اگر روزہ بھی نہ ہو یا یہ شخص روزہ کی فرضیت ہی کا قائل نہ ہو تو پھر بھوکے کا اس حال میں کھانے سے رکنا دشوار ہے۔ (ایضاً)

برا کام ہمیشہ حرام سمجھ کر کیا جائے

جو لوگ خلاف شریعت کام کرتے ہیں ان کو چاہئے کہ اصرار کریں اور اس کے جواز کا فتویٰ بھی دے دیں۔ برا کام ہمیشہ حرام سمجھ کر کیا جائے۔ خداوند تعالیٰ کبھی بچنے کی بھی توفیق عطا فرمائے گا۔ (دعا جلد ۳۰)

حرام مال کا مسئلہ

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حرام مال میں زکوۃ نہیں یہ علی الاطلاق صحیح نہیں بلکہ یہ حکم اپنے مال حرام کا ہے

جو یقیناً حرام ہو اور حلال سے مخلوط نہ ہوا ہو اگر مخلوط ہو گیا ہو تو پھر سارے کی زکوٰۃ واجب ہے اور وہ حرام مال اس کے ذمہ میں واجب ہو گیا اصل مالکوں کو پہلے اس کے ذمہ ہے ۱۲۔ (انفاق المحبوب ج ۳۰)

خلاف ادب

کانپور میں ایک مرتبہ دو لڑکے مسجد میں نماز پڑھنے آئے ان میں سے ایک دوسرے سے انگریزی میں گفتگو کرنے لگا دوسرے نے کہا کہ بھائی مسجد میں تو انگریزی مت بولو اس نے کہا کیوں کیا مسجد میں انگریزی بولنا گناہ ہے پھر انہوں نے ایک ملازم کو مجھ سے دریافت کرنے کے لئے بھیجا میں نے کہا گناہ تو نہیں مگر ادب کے خلاف ضرور ہے لوگ اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں گو اس پر فتویٰ کوئی نہ لگایا جا سکے مگر آخر ادب بھی تو کوئی چیز ہے۔ دیکھئے بعض آداب کے ترک پر عدالت میں ناخوشی ہوتی ہے میرے ایک ملنے والے کا مقدمہ عدالت میں تھا وہ پیشی کے وقت عطر مل کر گئے مقدمہ سے وہ رہا کر دیئے گئے مگر پھر بلا کر سمجھایا گیا کہ دیکھو یورپین کے سامنے عطر مل کر کبھی مت جانا۔ سو عطر مل کر آنا کوئی جرم نہ تھا چنانچہ عدالت نے بھی اس کو جرم قرار نہیں دیا اس کی وجہ سے کوئی مقدمہ ان پر قائم نہیں ہوا لیکن فہمائش کی گئی اس وقت کسی نے یہ نہ کہا کہ عطر مل کر آنا کیا جرم ہے بلکہ یہی کہا ہو گا کہ بہت اچھا حضور قصور ہوا پھر کیا وجہ ہے کہ خدا کا اور خدا کے گھر کا ادب نہ ہو اور وہاں وہ الفاظ استعمال کئے جائیں جو مخالفین و کفار کے الفاظ ہیں ادب ایک بڑی چیز ہے اور ترک ادب کوئی معمولی بات نہیں حرام اور مکروہ کا تلاش کرنا یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب دل میں ادب نہ ہو اور جب دل میں ادب ہوتا ہے تو حکم سنتے ہی آدمی گردن جھکا لیتا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہی شان تھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے کبھی حرام اور مکروہ نہیں پوچھا۔ جب بعد میں اس قسم کے سوالات ہونے لگے تب فقہاء نے احکام کے مراتب کو استنباط کر کے قائم کر دیا۔ (ادب الاسلام ج ۳۰)

قیاس بھی حجت ہے

فقہاء کتاب و سنت سے ایک علت سمجھ کر ایک کلیہ حاصل کرتے ہیں پھر اس کو تمام جزئیات کی طرف متعدی کرتے ہیں پس خواہ وہ حکم کتاب اللہ سے ثابت ہو یا سنت سے یا اجماع و قیاس سے سب حکم الٰہی ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش   من انداز قدت رامی شناسم
(خواہ کسی ہی رنگ کا لباس پہن لو میں قد کے انداز سے پہچان لوں گا)

اسی واسطے فقہاء نے کہا ہے القیاس مظہر لا مثبت (قیاس حکم شرعی کو ظاہر کرنے والا ہے نہ ثابت کرنے والا) پس جب تمام احکام فقیہ کا احکام الٰہی ہونا معلوم ہو چکا اب اس میں بھی چون و چرا کرنا اور اس کی علت دریافت کرنا نہایت بے ادبی ہے ہاں طالب علم اگر مستفیدانہ علت سے سوال کرے تو کچھ حرج نہیں مثلاً طبیب نے مریض کو ایک نسخہ لکھ کر دیا اگر مریض دریافت کرنے لگے کہ جناب آپ نے گل بنفشہ کا وزن ۵ ماشہ کیوں لکھا ہے طبیب غصہ ہوگا اور اس کو کان پکڑ کر نکال دے گا اور اگر کوئی طالب علم جو اس فن کو حاصل کرنے آیا ہے سوال کرے اس کے سوال کرنے سے خوش ہوگا اور بیان کرے گا پس عوام الناس کا علل و اسرار سے سوال کرنا ایک بے ہودہ حرکت ہے اور اگر معاندانہ سوال کرے تو سخت بے ادبی اور قریب بکفر ہے۔ (الاخلاص ج ۳۰)

نیت کا مفہوم

نیت کے معنے میں عرض کرتا ہوں نیت کے معنے ہیں ارادہ کے یعنی وہ فعل اختیاراً اور قصداً ہوا ہو مثلاً وضو کے دو طریق ہیں ایک تو یہ کہ ارادہ کر کے وضو کرے اور دوسرے یہ کہ کوئی شخص حوض میں یا نہر میں غوطہ لگا دے اور اس کے ضمن میں وضو بھی ہو جاتا ہے اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ وضو نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کے نزدیک نیت ضروری ہے اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ نیت کے معنے ارادہ کے ہیں دوسری مثال لیجئے اگر کوئی شخص بلا ارادہ صلوۃ اٹھک بیٹھک کرتا رہے اگرچہ تمام ارکان صلوٰتیہ ادا کرے مگر فقہا فرماتے ہیں کہ نماز نہ ہوگی اس لئے کہ بلا نیت یہ صلوٰۃ ہے پس ان تمام جزئیات سے معلوم ہوا کہ نیت کے معنے ارادہ کے ہیں۔ (الاخلاص ج ۳۰)

اتحاد کی ہر فرد مستحسن نہیں

اتحاد کی بھی ہر فرد مستحسن نہیں اس کو علی الاطلاق محمود کہنا اتحاد کا ہیضہ ہے افسوس ہے کہ آج کل اتحاد کے فضائل تو بہت بیان کئے جاتے ہیں مگر اس کے اصول و حدود بیان نہیں کئے جاتے پس خوب سمجھ لو کہ خدا سے نااتفاقی کرنے پر اتفاق کرنا

مذموم اور نہایت مذموم ہے پس اس سے اس اتحاد کا حکم سمجھ لیا جاوے جس میں اتحاد کے لئے شریعت کے احکام کو چھوڑا جاتا ہے۔ (الاخوۃ ج ۳۰)

احکام اسلام کی شفقت

بازار کا نرخ مقرر نہ کرو ہر شخص جتنے میں چاہے اپنا مال فروخت کرے سب کو آزاد رکھو آج کل جو لوگ آزادی کے مدعی ہیں وہ بھی دکانداروں کو آزادی نہیں دیتے بلکہ بازار کا نرخ مقرر کر دیتے ہیں یا قلیوں اور ٹمٹم والوں کا کرایہ معین کر دیتے ہیں اسلام میں اس کی ممانعت ہے کیونکہ اپنی چیز میں ہر شخص خود مختار ہے۔ ایک حکم یہ کہ **مطل الغنی ظلم** (الصحیح للبخاری ۲: ۱۲۳' کنز العمال ۱۳۲۶) مالدار آدمی کا قرض خواہوں کو ٹالنا ظلم میں داخل ہے اس کی سخت ممانعت ہے کہ رقم پاس ہوتے ہوئے قرض خواہ کو ٹالا جائے۔ سبحان اللہ کتنی رعایت ہے حقوق کی میں کہاں تک اسلام کی برکات کو بیان کروں۔ (ایضاً)

ایک عجب واقعہ

امام شافعی رحمۃ اللہ ایک دفعہ کسی رئیس کے یہاں مہمان ہوئے وہ آپ کا معتقد اور محب تھا اس نے بہت محبت سے میزبانی کی روزانہ کھانوں کی فہرست لکھ کر غلام کو دیا کرتا تھا کہ آج امام صاحب کے لئے فلاں فلاں کھانے پکاؤ ایک دن غلام فہرست لے کر امام صاحب کے سامنے سے گزرا تو آپ نے فہرست لے کر اس میں ایک کھانا اپنی طرف سے بڑھا دیا میزبان نے دوسرے وقت جو فہرست میں ایک کھانے کا نام امام کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا تو اتنی خوشی ہوئی کہ فوراً غلام کو آزاد کر دیا کہ تیرے ذریعہ سے مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی کہ امام نے خود فرمائش کی جامیں نے تجھے آزاد کیا بتلائیے ایسے مخلص جان نثار کی کوئی چیز اگر بدون اجازت کے کھالی جاوے تو اس میں کونسی قباحت ہے۔ خصوصاً اگر وہ مرید بھی ہو کیونکہ مرید سب سے زیادہ جان نثار ہوا کرتا ہے غرض حضرت بایزید نے جو کچھ کیا تھا شرعاً سب جائز تھا مگر ظاہر میں یہ حرکتیں ناجائز معلوم ہوتی تھیں۔ (عمل الشکر ج ۳۰)

عوام کو اہل اللہ کی گستاخی اور بے ادبی جائز نہیں

جب تداوی اور معالجہ کے لئے بعض احوال میں حرام واقعی کو بھی فقہاء نے مباح کہا ہے تو مباح

واقعی جس کی محض صورت ہی منکر ہے کیونکر مباح نہ ہوگا پس عوام کو ان حضرات کی شان میں گستاخی نہ کرنا چاہئے کیونکہ حدیث قدسی میں ہے **من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب** (الدر المنثور ۴: ۲۵۷ الترغیب والترہیب ۱: ۶۸ بلفظ آخر) جو میرے ولی کو ایذا دے اس کو میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور جس کو خدا اعلان جنگ دے اس کا کہاں ٹھکانہ رہ سکتا ہے وہ جس سے جنگ کریں گے اس کا ایمان تک سلب کرلیں گے البتہ مقتدا انتظام دین کے واسطے ان کی شان میں کچھ کہے تو اس کو اجازت ہے کیونکہ حدود کی رعایت سے کہے گا چنانچہ ایک عارف شیخ ابن عربی کو زندگی بھر زندیق کہتے رہے جب شیخ کے وصال کی خبر آئی تو رونے لگے اور فرمایا الیوم صدیقی کہ آج صدیق کا انتقال ہوگیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ ان کی زندگی میں سو آپ انہیں زندیق کہتے رہے اور ہم کو ان کے فیوض سے محروم رکھا اور آج صدیق فرمارہے ہیں فرمایا کہ میں نے ان کو اس لئے زندیق کہا تھا تاکہ تم ان کے پاس جا کر زندیق نہ ہوجاؤ کیونکہ ان کے علوم تمہاری سمجھ سے بالاتر تھے تم ان کی باتوں کو سن کر ایمان سے ہاتھ دھو لیتے مولانا فرماتے ہیں۔

لقمہ و نکتہ است کامل راحلال تو نہ کامل مخوریباش لال

در حق اومدح در حق تو ذم در حق او شہد و درحق توسم

(نکات ودقائق کامل کے لئے ہیں اگر تم کامل نہیں تو اس طرف توجہ نہ کرو یہ اس کے حق میں تعریف اور تیرے حق میں مذمت ہے اس کے حق میں شہد اور تیرے حق میں زہر ہے) (ایضاً)

قرآن فروشی

کانپور میں ایک عرب قاری صاحب نے مجھے قرآن سنایا بہت ہی عمدہ پڑھا پھر میں ایک رئیس کو جو میرے دوست تھے ان کے پاس لایا تاکہ وہ بھی قرآن سنیں اور قاری صاحب کی کچھ خدمت کردیں کسی نے ان قاری صاحب کے بھی کان میں کہہ دیا کہ یہ بڑے رئیس ہیں۔ انہوں نے ایسا بنایا کہ بگڑ گیا تو یہ جائز نہیں کہ رئیسوں کو بنا سنوار کر اس لئے سناؤ تاکہ وہ کچھ خدمت کردیں ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ تم خلوص سے یا تطییب قلب مسلم کی نیت سے سنوار کر پڑھو پھر وہ خلوص سے خدمت کردیں تو اس وقت قبول ہدیہ کا مضائقہ نہیں مگر ادب یہ ہے کہ ہدیہ دینے والا مجلس قراءت میں ہدیہ نہ دے اور اگر وہ مجلس قرأت ہی میں دے تو قاری کو اس مجلس میں ہدیہ قبول نہ کرنا چاہئے۔ (عمل الشکر ج ۳۰)

ایک مسئلہ

ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اس وقت ایک اندھا آدمی کنویں پر آ رہا ہے کہ اگر اس کو بچایا نہ جائے تو کنویں میں گر جانے کا اندیشہ ہے اس وقت واجب بلکہ فرض ہے کہ نماز کو توڑ دے گو وہ نماز فرض ہی ہو اور اس اندھے کو بچائے یہاں ظاہر بیں کو شبہ ہو سکتا ہے کہ اس میں دنیا کو دین پر مقدم کرنا لازم آتا ہے کیونکہ نماز دین کا کام ہے اور جان کا بچانا دنیوی کام ہے مگر واقع میں یہاں دنیا کی تقدیم دین پر نہیں گو ظاہر ہے کہ شبہ ہوتا ہے بلکہ ایک امر دین کی تقدیم ہے دوسرے امر دین پر کیونکہ حفاظت جان مسلم یہ بھی دین ہے گو ظاہر میں اس کے لئے تو دنیا ہے مگر ہمارے لئے یہ دین ہی کا کام ہے اگر حفاظت جان مسلم ہمارے لئے دنیا کا کام ہوتا تو یہ حفاظت اسی جگہ واجب ہوتی جہاں ہماری دنیا کا نفع ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اس حکم میں نہ قرابت کی قید ہے نہ دوستی کی بلکہ ہر مسلمان کی جان بچانا فرض ہے خواہ وہ عزیز ہو یا اجنبی دوست ہو یا نہ ہو حتیٰ کہ دشمن کی جان کا بچانا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ دشمن کی حفاظت تو دنیا ہو ہی نہیں سکتی بلکہ یہ تو دنیا کے لئے مضر ہے کیونکہ اگر دشمن ہلاکت سے بچ گیا تو ساری عمر کے لئے ایک مشغلہ رہے گا مگر شریعت کا حکم ہے کہ اگر تمہارا کوئی دشمن بھی کنویں میں گرتا ہو یا کوئی شخص اس کو ناحق قتل کرتا ہو تو اس کا بچانا حسب وسعت واجب ہے اس جگہ اس کی جان کی حفاظت مسلم ہونے کے لحاظ سے واجب ہے۔ (درجات الاسلام ج ۳۰)

عید میلاد منانا بدعت وضلالت ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ان باتوں کی تعلیم نہیں بلکہ صراحۃً منع فرمایا ہے اور عید میلاد کے متعلق اصول شریعت سے بتلا دیا گیا ہے کہ یہ فعل بالکل ناجائز اور بدعت ضلالت ہے مگر اس دفعہ مجھے ایک حدیث اس کے متعلق بہت صریح ملی ہے جس سے صاف صاف اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے وہ حدیث یہ ہے: **"لاتتخذوا قبری عیدا"** (میری قبر کو عید مت بناؤ) اس حدیث سے عید میلاد کی نفی نہایت واضح ہے اور میرے لیے یہ حدیث بالکل تسلی بخش ہوگئی، میں دوسروں کے لیے بھی تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کرتا ہوں کہ اس حدیث سے عید میلاد کی نفی کیونکر ہوگئی۔ حدیث کا ترجمہ ہے کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ، اول بطور مقدمہ کے جاننے کے حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی قبر مبارک کے لیے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں، صحابہؓ کا بھی یہی اعتقاد ہے۔

حدیث میں بھی نص ہے "ان نبی حی فی قبرہ یرزق" کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق بھی پہنچتا ہے مگر یہ یاد رہے اس حیات سے مراد ناسوتی نہیں ہے وہ دوسری قسم کی حیات ہے، جس کو حیات برزخیہ کہتے ہیں باقی یہ کہ حیات برزخیہ تو سب کو حاصل ہے پھر اس میں نبی کی کیا تخصیص ہے تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس کے مختلف مراتب ہیں ایک مرتبہ تو تمام جماعت مؤمنین کو حاصل ہے، جس کے ذریعے سے نعیم قبر کی ہر مسلمان کو حس ہوگی۔ دوسری حیات شہداء کی ہے یہ عام مؤمنین کی حیات برزخیہ سے اقوی ہوگی۔ عام مومنین کی حیات برزخیہ بہ نسبت شہید کے کمزور ہوتی ہے اگرچہ اس حیات ناسوتیہ سے وہ بدرجہا اعلیٰ ہو۔ پس یہ کوئی نہ سمجھے کہ عام مومنین کی حیات برزخیہ اس حیات دنیوی سے بھی کمزور ہوگی اور حیات شہید کے اقویٰ ہونے کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ زمین اس کی لاش کو نہیں کھا سکتی اور یہ نہ کھانا ایک اثر ہے حیات کا پس شہید میں اس اثر کا ظاہر ہونا اور عام مؤمنین کا نہ ہونا یہ دلیل ہے، شہید کی حیات کی قوی ہونے کی بہ نسبت عام کی حیات کے بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ مشاہدہ اس کے خلاف ہوا ہے مگر یہ کوئی انکار کی وجہ نہیں بن سکتی کیونکہ جس طرح اس کے خلاف مشاہدہ ہوا ہے اس کے موافق بھی مشاہدہ ہوا ہے جب دونوں طرح مشاہدے موجود ہیں تو سرے سے اس کا انکار کیونکر کیا جاسکتا ہے، بہت سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ قاعدہ کلی نہیں اکثری ہے اور نصوص کا محمل بھی اسی کو کہا جاوے گا باقی مطلقاً انکار تو صحیح نہیں ہوسکتا یہ تو جواب تسلیمی ہے اس تقدیر پر جبکہ ہم مان لیں کہ جہاں تم نے اس کے خلاف مشاہدہ کیا ہے وہ شہید ہی تھا مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ شہید ہی نہ ہو کیونکہ شہادت صرف اسی کا نام نہیں کہ معرکہ میں قتل ہو جائے بلکہ حقیقی شہادت کے لیے کچھ باطنی شرائط بھی ہیں مثلاً نیت کا خاص لوجہ اللہ ہونا جس کی خبر سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہوسکتی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس کو آپ نے اس کے خلاف مشاہدہ کیا ہے وہ شہید حقیقی نہ تھا صرف شہید احکام تھا اور یہ حیات کا قوی درجہ صرف شہید حقیقی کے ساتھ خاص ہوگا اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ حقیقی شہید تھا تو ممکن

ہے کہ کسی عارض کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہو کہ اس کی لاش گل گئی مثلاً اس جگہ کی مٹی تیز ہو ہم نے یہ کب دعویٰ کیا ہے کہ شہید کی حیات ایسی ہوتی ہے کہ اگر جلاؤ بھی تو اس کی لاش نہ جلے بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ اگر شہید کو موافق عادت کے دفن کر دیا جائے جیسا کہ عموماً مردے دفن ہوتے ہیں کہ اس کی قبر میں کوئی خاص عارض دوسروں سے زیادہ مثل شوریت زمین وغیرہ کی نہ ہو تو اس کی لاش مثل دوسرے مردوں کے نہیں گلے گی بعینہٖ محفوظ رہے گی۔

تیسرا درجہ جو سب سے قوی ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ برزخیہ کا ہے کہ وہ شہید کی حیات سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے چنانچہ اس کا ایک اثر تو محسوس ہے اور وہ وہی ہے جو شہید کے لیے ہے کہ ان کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھا سکتی۔ حدیث میں ہے "**حرم الله اجساد الانبیاء علی الارض**" (اللہ تعالیٰ نے زمین کے لیے اجسامِ انبیاء علیہم السلام کو کھانا حرام کر دیا ہے) اور دوسرا اثر محسوس تو نہیں مگر منصوص ہے اور وہ حرمت نکاح ازواج انبیاء علیہم السلام ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج مطہراتؓ سے بعد ان کے وصال کے کسی امتی کو نکاح جائز نہیں نیز انبیاء علیہم السلام کی میراث ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتی۔ "**نحن معاشر الانبیاء لانورث ماترکنا صدقة**" (ہم حضرات انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہیں، ہم میراث میں ترکہ نہیں چھوڑتے) انبیاء علیہم السلام کا تمام ترکہ صدقہ ہوتا ہے یہ باتیں شہید کے لیے شریعت نے مشروع نہیں کیں تو اگرچہ شریعت نے اس کا خاص کوئی راز نہیں بیان کیا مگر علماء محققین یہی کہتے ہیں اس کا راز قوت حیات انبیاء علیہم السلام ہے کہ حیات مانع ہے ان دونوں امروں سے اور گو ازواج نبی سے بعد وفات نبی کے نکاح حرام ہونا تمام انبیاء کے بارے میں منقول نہیں ہوا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ خصوصیت قرآن میں ذکر کی گئی ہے مگر علماء حکم میراث پر قیاس کر کے اس حکم کو بھی عام جملہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج کے لیے سمجھتے ہیں اور میراث کا تقسیم نہ ہونا حدیث سے جملہ انبیاء علیہم السلام کے لیے عام طور پر معلوم ہو چکا ہے تو ان امتیازات سے حیات برزخیہ انبیاء کا شہداء اور عام مؤمنین سے اقویٰ ہونا ثابت ہوا۔ بہرحال غرض یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں اور خاص ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو مخالفین بھی حیات کے معتقد ہیں ان کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی حیات کا اقرار ہے۔ چنانچہ ایک واقعہ سے ان کا اقرار معلوم ہو جائے گا۔ تاریخ مدینہ میں یہ واقعہ لکھا ہے اور میں نے خود اس تاریخ میں دیکھا ہے۔ (الحبور النور الصدور ج ۳۱)

بجز مکتوبات محترمہ کے دوسرے تبرکات کا قبر میں رکھنا جائز ہے

وعن ام عطية فی قصه غسل زينب بنت رسول الله صلی الله عليه وسلم وتكفينها انها قالت فالقی حقوه فقال اشعرنها اياه قال الشيخ فی اللمعات وهذا الحديث اصل فی البركة بآثار الصالحين ولباسهم

حضرت ام عطیہ حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل وکفن کے واقعہ میں روایت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہبند ہمارے پاس ڈال دیا کہ اس کو مرحومہ کے بدن سے مماس کر کے پہناؤ یعنی سب سے نیچے اس کو رکھو (تا کہ اس کی برکت بدن سے متصل رہے) حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ لمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث آثار وملبوسات صالحین سے برکت لینے میں اصل ہے۔ معلوم ہوا کہ تبرکات سے برکت حاصل کرنے کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ بعد موت کے اس کو کفن میں رکھ دیا جائے مگر اس سے قرآن اور دعاؤں کی کتابوں کا کفن میں رکھنا جائز نہ ہوگا کیونکہ اس میں ان کا احترام باطل ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کے ساتھ ناپاکی کا اتصال حرام ہے اور بدن میت چند روز کے بعد پھولے پھٹے گا وہ نجاست قرآن کو بھی لگے گی اسی طرح وہ کتابیں جن میں دعائیں ہیں اور اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام جابجا ہے قابل احترام بلکہ الفاظ وحروف مطلقاً قابل احترام ہیں بلکہ سادہ کاغذ بھی بوجہ آلہ علم ہونے کے قابل احترام ہے بعض لوگ فرعون و ہامان کا نام لکھ کر اس پر جوتے مارتے ہیں۔ یہ بالکل لغو و مہمل حرکت ہے اس پر تو بس نہ چلا الفاظ ہی کی بے حرمتی پر بہادری دکھلائی' یہ لوگ وہ تھے جو فرعون کے لفظ کی بے حرمتی کرتے ہیں اور ان کے مقابل بعض وہ لوگ ہیں جو اس لفظ کی ایسی حرمت کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے احسان وانعام کے تذکرہ کا ایک صنعت سے اس کو عنوان بناتے ہیں۔ (الحبور النور الصدور ج ۳۱)

تعظیم رسالت کی جامعیت

قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ شفاء میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں سے

یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام متعلقات کی تعظیم کی جائے اور جس جگہ آپ تشریف لے گئے ہیں اس کا اکرم کیا جاوے اور مکہ مکرمہ مدینہ منورہ میں جن مکانات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کا انتساب ہے ان کا احترام کیا جاوے۔ ویسی ہی جن چیزوں کو آپ نے لمس کیا ہے نیز شفاء میں حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ لکھا ہے کہ بعض لڑائیوں میں ان کی کلاہ سر پر سے گر پڑی تو اس کے لیے انہوں نے ایسا سخت حملہ کیا جو ان کے ساتھوں کو غیر معمولی معلوم ہوا کیونکہ اس حملہ میں بہت آدمی قتل ہوئے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہ حملہ ٹوپی کی وجہ سے نہیں کیا تھا بلکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے ان کی وجہ سے کیا تھا کہ مبادا کہیں میں ان کی برکت سے محروم نہ ہو جاؤں اور یہ مبارک بال کفار کے ہاتھ میں پہنچ جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ چند کھجوریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دم کر دی تھیں جس کو انہوں نے ایک توشہ میں رکھ لیا تھا اور ان میں ایسی برکت ہوئی کہ ہمیشہ ان میں سے کھاتے رہے یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ شہادت میں وہ ان کے پاس سے کھوئی گئیں جس کا ان کو بہت صدمہ ہوا۔ چنانچہ ان کا شعر بھی اس بارے میں مشہور ہے:

للنّاس هم ولی فی الیوم همان　　فقدالجراب وقتل الشیخ عثمانؓ

کہ لوگوں کو ایک ہی غم ہے اور مجھے آج دو غم ہیں توشہ دان کے کھوئے جانے کا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید ہونے کا' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس برکت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہو جانے کا غم تھا جو ان چھواروں میں تھی' عشاق کی یہی حالت ہوتی ہے کہ محبوب کی ذرا ذرا سی چیز پر جان دیتے ہیں۔

درمنزلے کہ جاناں روزے رسیدہ باشد　　باخاک آستانش داریم مرحبائے

(کسی گھر میں میرا محبوب جس دن آجائے تو میں اس کی مٹی کو روز روز مبارک کہوں)

(الحبور النور الصدور ج ۳۱)

بدعات کے لیے وقف ناجائز و باطل ہے

بعض لوگ یہاں تک غلو کرتے ہیں کہ جبہ شریفہ کے لیے نذریں مانتے ہیں فقہاء نے اس

کو حرام لکھا ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لیے نہیں ہوسکتی، عبادت خالق جل شانہ کے لیے خاص ہے۔ بحر الرائق میں اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ نذر ماننا مخلوق کے لیے سب کے نزدیک اتفاقاً حرام ہے نہ وہ نذر منعقد ہوگی اور نہ اس کا پورا کرنا ذمہ میں واجب ہوگا اور وہ حرام بلکہ سخت حرام ہے، مجاوروں کو اس کا لینا، کھانا اور اس میں کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں۔

میراث میں غصب مع مستورات

ایک قاعدہ سمجھ لیجئے وہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز کسی سے چھین لی اور پھر کسی طرح واپس کردی۔ اس صورت سے کہ مالک کو اس کی خبر نہیں ہوئی کہ یہ چیز اصل میں میری تھی تب بھی یہ رد صحیح ہوگیا اور اس کا ذمہ اس مغصوب سے بری ہوگیا گناہ نہیں رہا۔ البتہ اس کے رد صحیح ہونے میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ چیز بجنسہ واپس کی ہو نہ ایسا جیسے کہ آج کل لوگ بہنوں کا حصہ غصب کرتے ہیں کہ میراث میں سے ان کا حصہ نہیں دیتے اور اس کو ادا اس طرح کرتے ہیں کہ بھات میں اور دیگر رسوم میں روپیہ لگا دیتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ ان کا حق ادا ہوگیا اتنا ہم نے لیا بھی نہیں تھا جتنا ان کو لگا دیا اس سے ان کا حق ادا نہیں ہوا اور رسم کی بدعت علیحدہ رہی۔ خدا جانے اس سے کیا نفع ہے کہ خرچ اتنا ہی ہو جاتا ہے مگر بے قاعدہ اور شریعت کے خلاف۔ اگر یہی خرچ قاعدہ کے موافق ہوتا تو حق بھی ادا ہو جاتا اور کوئی گناہ بھی نہ ہوتا۔ اب اسے جس طرح خرچ کیا ہے اس سے نفع تو کچھ بھی نہیں اور گناہ مفت میں کمایا۔ (اسلام الحقیقی ج ۳۱)

زنا کی شہادت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک شخص پر چار آدمیوں نے زنا کی شہادت دی اور یہاں تک کہا کہ ہم نے مرد اور عورت دونوں کو ننگے اور اوپر نیچے دیکھا مگر یہ نہیں کہا کہ دخول ہوتے دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شہادت کو تسلیم نہیں کیا اور مدعا علیہ پر زنا کو ثابت نہیں کیا بلکہ ان گواہوں کو جھوٹا قرار دیا اور ان پر حد قذف جاری کی۔ اس کی وجہ کیا ہے یہی کہ ضابطہ پورا نہ ہوا اور شہادت کی جو شرائط تھی ایک جزو اس کا رہ گیا۔ وہ یہ ہے کہ کالمیل فی المکحلۃ دیکھا ہو حالانکہ ظاہر تو یہی ہے کہ جب مرد اور عورت ننگے ہو چکے تھے تو زنا بھی ضرور واقع ہوا جب ایسا موقع تھا کہ ننگے ہو سکے تو زنا سے کون مانع

موجود تھا۔ یہ بات بظاہر قریب یقین ہی کی تھی لیکن اس پر بھی جب کہ آنکھ سے دخول ہوتے نہ دیکھا، گواہوں کے لیے زبان سے ان دونوں کو زانی کہنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ چاروں گواہوں پر حد قذف لگائی گئی، آج کل لوگ صرف وہم وگمان پر حکم لگا دیتے ہیں اور جو سمجھ میں آتا ہے کسی کی نسبت خیال پختہ کر لیتے ہیں اور افسوس ہے کہ یہ بلا علماء اور مشائخ کے یہاں بہت ہے آج کل حضرت عمر ہوتے تو بکثرت علماء اور مشائخ کے درے لگتے۔ (ایضاً)

احکام فقہ

فقہ کے بہت سے احکام کا یہی مبنیٰ ہے کہ بسا اوقات ضابطہ کے درجہ میں ایک حکم کو ثابت مانا جاتا ہے خواہ واقع میں کچھ بھی ہو۔ مثلاً دو عادل آدمی گواہی دیں کہ ہم نے ۲۹ کو چاند دیکھا ہے تو اب رمضان یا عید کو ثابت مانا جاوے گا۔ اگرچہ انہوں نے جھوٹی ہی گواہی دی ہو۔ (ایضاً)

فقہاء کی کمال فراست

اسی طرح بسا اوقات ایک حکم منفی مانا جاتا ہے خواہ واقع میں ثابت ہی ہو۔ مثلاً ایک شخص کا ایک بچہ ہونے پر تہمت لگانے سے لعان ہوا تو اس بچہ کے نسب کی اس شخص سے نفی کی جاوے گی۔ خواہ واقع میں اسی کا ہو اس کی صدہا نظیریں موجود ہیں تمام کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں لیکن اس کا کیا علاج کیا جائے۔ بہشتی زیور میں کوئی ایسا مسئلہ لکھ دینا جرم قرار پاوے اور وہی مسئلہ اور اس کی صدہا نظیریں عربی کی کتابوں میں لکھی ہوں بلکہ ان کے اردو ترجمے میں بھی لکھے ہوں تو جرم نہیں۔ مثلاً بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ کسی عورت کے بچہ ہوا اور خاوند اس کا مدت سے غائب ہے تو اس بچہ کو ولد حرام نہ کہا جائے گا اس مسئلہ پر بڑا غل مچا ہے اور لوگوں کو بڑے بڑے اشکال ہوئے ہیں لیکن یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ بہشتی زیور میں کسی نے اپنی طرف سے اس کو لکھ دیا ہے یا فقہ کی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ کتاب کو تو دیکھ لینا چاہیے تھا اور کتاب کو بھی نہ دیکھا جاوے تو یہ مسئلہ کوئی چھپا ہوا مسئلہ نہیں ہے مبتدی طالب علم بھی اس سے واقف ہیں۔ غرض یہ کہ بہشتی زیور میں اختراع کر کے یہ مسئلہ نہیں لکھا گیا بلکہ فقہ کی کتابوں سے نقل کیا گیا ہے۔

تعجب ان لوگوں سے ہے جو فقہ کو تسلیم کرتے ہیں اور بہشتی زیور پر اعتراض کرتے ہیں اور اسی فقہ کی کتاب کے ترجمہ پر اعتراض نہیں کرتے جس میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔ سو بہشتی

زیور پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے اگر اعتراض کرنا ہے تو فقہ پر کرو فقہ میں صاف لکھا ہے کہ اس صورت میں وہ بچہ ولد حرام نہیں کہا جائے گا جب تک کہ خاوند انکار نہ کرے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے اور صرف انکار ہی نہیں بلکہ لعان ہوگا۔ باقاعدہ اس طرح کہ قاضی کے سامنے مقدمہ جائے گا' مرد اور عورت دونوں حاضر ہوں گے۔ مرد اس بچہ کی نسب سے انکار کرتا ہے مگر انکار کر کے چھوٹ نہیں جائے گا کیونکہ یہ انکار مستلزم ہے عورت کو حرام کار کہنے کو یعنی زنا کی تہمت لگانے کو اور بچہ کو مجہول النسب کر دینے کو اس کو شریعت نے کوئی معمولی بات نہیں قرار دیا کیونکہ تمام عمر کے لیے ایک عورت بے آبرو ہوتی ہے اور ایک بچہ مجہول النسب بنتا ہے۔ لہٰذا اس مرد سے چار دفعہ قسم لی جائے گی کہ خدا کی قسم میں اپنے اس دعویٰ زنا میں سچا ہوں اور اتنے پر بھی بس نہیں۔ پانچویں دفعہ یوں کہلایا جائے کہ میرے اوپر لعنت ہو خدا کی اگر میں جھوٹا ہوں۔ دیکھئے کس قدر سخت بات ہے کسی کے نسب میں طعن کرنا خیر یہ تو اس مرد کو قسمیں دی گئیں ابھی لعان ختم نہیں ہوا۔ اب عورت سے کہا جائے گا کہ چار دفعہ اس طرح قسم کھاوے کہ میں خدا کی قسم کھاتی ہوں کہ یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ یوں کہلایا جائے گا کہ خدا کا غضب ہو میرے اوپر اگر یہ سچا ہو۔

یہاں ایک نکتہ بھی قابل ذکر ہے وہ یہ کہ مرد سے تو یوں کہلایا گیا کہ لعنت ہو خدا کی میرے اوپر اگر میں جھوٹا ہوں اور عورت سے یوں کہلایا گیا کہ غضب ہو خدا کا' وہاں لعنت کا لفظ اور یہاں غضب کا اس کی کیا وجہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی زبان پر لعنت کا لفظ تو کثرت سے چڑھا رہتا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے زیادہ تر دوزخ میں عورتوں کو دیکھا اور اس کی وجہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا ''وتکثرن اللعن'' یعنی تمہاری یعنی عورتوں کی عادت ہے کہ لعنت بہت کرتی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ لعنت کا لفظ ان کی زبان پر عادتاً بہت چڑھا ہوا ہے۔ ہمارے ملک میں بھی کثرت سے عورتوں کی زبان پر یہ الفاظ رہتے ہیں خدا کی مار' خدا کی پھٹکار وہی لعنت کا ترجمہ اس لیے لعان کے موقع پر اگر ان سے لعنت کا لفظ کہلایا جائے تو طبیعت ان کی کچھ ایسی نہ رُکے گی۔ لہٰذا بجائے لعنت کے غضب کے لفظ کو اختیار کیا گیا۔ واقعی قرآن ایسے متکلم کا کلام ہے کہ اس کو رگ رگ پرزہ پرزہ معلوم ہے۔ اس کو لعان کہتے ہیں اس کے بعد قاضی کہے گا ''فرقت

بینکما‘‘ یعنی میں نے تمام دونوں کو الگ کر دیا اور یہ بچہ اس مرد کا نہیں اب اس کا نکاح اور بچہ کا نسب زائل ہو گیا اور مان لیا جائے گا کہ یہ بچہ اس خاوند کا نہیں ہے اور پھر بھی اس سارے جھگڑوں اور قصوں کا حاصل صرف یہ ہے کہ بچہ کا نسب اس سے قانوناً ثابت نہ رہا اور میراث وغیرہ کے احکام جاری نہ ہوں گے اس کے سوا کوئی اثر نہیں۔ حتیٰ کہ اب بھی یہ کسی کو عمر بھر جائز نہیں کہ اس عورت کو بدکار یا اس بچہ کو ولد الحرام کہے۔

اور کتابوں میں وہ احتمالات بھی لکھے ہیں جن کی وجہ سے ایسا ہو سکتا ہے کہ عورت بدکار نہ ہو اور بچہ ہو جائے۔ مثلاً یہ صورت ہوئی ہو کہ سوتی عورت سے کسی غیر شخص نے جماع کیا اور حمل ہو گیا تو اس وقت میں خاوند بھی سچا ہے کہ اس کا یہ بچہ نہیں ہے اور عورت بھی بے قصور ہے کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ گو اس قسم کے احتمالات بعید ہیں مگر امکان کے درجہ میں ضرور ہیں۔ احتیاط کے موقع پر ان کا لحاظ کیا جا سکتا ہے کسی عورت کو تہمت لگانا کوئی معمولی گناہ نہیں بلکہ بڑا کبیرہ ہے اس میں حد درجہ کی احتیاط کرنا ضروری ہے۔ شریعت نے اس بارے میں نہایت درجہ احتیاط کی ہے اور اگر اس صورت میں بھی جبکہ خاوند نے بچہ کے نسب سے انکار کیا ہے اور اس سے لعان کو کہا گیا اور اس نے منظور نہ کیا تو باوجود انکار کے بھی بچہ اسی کا کہا جاوے گا اور قاضی اس انکار کو نہیں مانے گا اور بچہ کو مجہول النسب نہیں کہے گا اور تمام احکام نسب کے جیسے میراث وغیرہ سب کو جاری کرے گا۔ غرض جب تک لعان نہ ہو اس وقت نسب ثابت رہے گا خواہ خاوند حاضر ہو اور نسب کی نفی کرے اور خواہ غائب ہو ہر حالت میں نسب ثابت ہو گا اور ثابت ہونے کے معنی وہی ہوں گے جو اوپر معروض ہوئے کہ قانوناً ثابت ہو گا مگر لوگوں کے ایسے مذاق بگڑے ہیں کہ یہ مسئلہ سن کر ہی فوراً بے سمجھے اعتراض کر دیتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مرد دس برس سے باہر ہو اور پھر بھی یہ بچہ اس کا کہا جائے اس اعتراض کی وجہ درحقیقت تو یہ ہے کہ دلوں میں خوف خدا اور دین سے مس اور احکام شرعی کی پرواہ نہیں ہے۔ زبان سے جو چاہا کہہ دیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ شریعت نے اس بارے میں کس قدر احتیاط سے کام لیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فراش کے ہوتے ہوئے نسب کو دوسری طرف نہیں لیجا سکتے یعنی جب تک کہ میاں بی بی کا تعلق موجود ہے نسب کو ثابت ہی کہیں گے۔ رہی یہ بات کہ

خاوند دو برس سے باہر ہے یہاں اس سے بچہ کیسے ہوگیا یہ بعید بیشک ہے مگر اُدھر گناہ جو موجود ہے کسی عورت کو حرام کار کہنا اور کسی آدمی کو مجہول النسب کر دینا سخت کبیرہ ہے اس کے حرام کار ہونے کا ثبوت کوئی کہاں سے لائے گا۔ اس واسطے بعید سے بعید صورت بھی ایسے موقعہ پر مان لی جاسکتی ہے۔ چنانچہ اس کی بعض صورتیں جو ممکن ہیں کتابوں میں لکھی ہیں مثلاً استخدام جن سے ایسا ہوسکتا ہے یعنی کسی کے جن تابع ہو اس نے عورت کو وہاں پہنچا دیا یا مرد کو یہاں لے آیا یا یہ کہ جن نے بوجہ عداوت ایسا کیا کہ بدنام کرنے کو عورت کو مرد کے پاس پہنچا دیا یا مرد کو عورت کے پاس پہنچا دیا اور حمل ہوگیا اور بچہ ہوا جنوں کا وجود ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ وہ بھی انسانوں کی طرح عداوت بغض وغیرہ اخلاق رذیلہ رکھتے ہیں تو اگر کسی جن کو کسی عورت سے عداوت ہو اور وہ ایسا کر گزرے اس غرض سے کہ عورت بدنام ہو جائے تو کیا عجب ہے یہ صورتیں بعید اور بہت بعید سہی مگر امکان کے درجہ میں ضرور ہیں۔ پھر جب ایک صورت ممکن ہے تو کس طرح کسی کو تہمت لگائی جائے۔ یہ حیلے بھی میں نے نہیں تراشے بلکہ انہی کتابوں میں لکھے ہیں جن سے بہشتی زیور ماخوذ ہے اور جو معترض کے نزدیک بھی مسلم ہیں سو جو کچھ اعتراض کرنا ہو ان کتابوں پر کیجئے اور جو کچھ تعجب ہو وہ ان کتابوں پر ہونا چاہیے' نقل کرنے والا کسی بات کا ذمہ دار نہیں اور کسی اعتراض کا دفع کرنا اس کے ذمہ نہیں۔ (السلام التحقیقی ج۳۱)

مُعَامَلات

☆ دین میں معاملات کی اہمیت
اور ان کی درستگی کے اثرات و برکات
☆ معاملات کی خرابی سے ظاہر و باطن کی تباہی
اور اس کے دور رس نتائج
☆ حقوق کی اقسام اور ان کی حق تلفی سے بچنے کی تاکید و ترغیب
☆ کسب حرام سے بچاؤ اور کسب حلال میں اعتدال کی تعلیم و ترغیب

اقسام معاملہ

معاملہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ایک تو وہ جو کہ بالعوض ہو دوسرے وہ جو کہ بلاعوض ہو۔پہلی قسم میں بھی اگر چہ خرابیاں آج کل بہت ہیں مگر پھر بھی ایک حد تک اس میں جواز کی صورتیں بھی بکثرت معمول بہا ہیں لیکن بلاعوض میں تو بہت ہی بے احتیاطی کی جاتی ہے اور بلاعوض کی صورت دو ہیں ہدیہ یا چندہ۔ان دونوں میں سراسر بے احتیاطیاں ہو رہی ہیں۔

چنانچہ ہدیہ میں ایک تو یہ بے احتیاطی کر رکھی ہے کہ کبھی کسی کا ہدیہ واپس ہی نہیں کیا جاتا جو شخص بھی ہدیہ پیش کرے اس کو فوراً قبول کر لیا جاتا ہے۔اگر کوئی شخص واپس کر دیتا ہو تو اس کو برا کہتے ہیں اور اس پر اعتراض کرتے ہیں۔صاحبو! رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک ہدیہ لینا بھی ناپسندیدہ ہے۔ارشاد ہے:

ماأتاک من غیر اشراف نفس فخذوہ ومالا فلاتتبعہ نفسک.

کہ جو بلا انتظار نفس آئے اس کو لے لو اور جو نہ آئے اس کی فکر میں نہ پڑو۔اسی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ قبول کرنے کے متعلق ایک قید بتلائی ہے اس کو ادب سے تعبیر کیا جائے یا شرط واجب سے۔میں اس وقت اس سے خالی الذہن ہوں جو کچھ بھی ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا کہ اشراف نفس سے بچنا چاہیے۔میں نے اس سے ایک امر مستنبط کیا ہے۔اگر استنباط غلط ہو تو اس کی اصلاح کر دی جائے۔سو میں نے اس سے یہ قاعدہ سمجھا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس آمد و رفت رکھو تو ہمیشہ ہدیہ لے جانے کے پابند نہ بنو بلکہ کبھی ہدیہ لے کر چلے جاؤ کیونکہ تجربہ بتلا رہا ہے کہ پابندی کی صورت میں جب اس شخص کی صورت نظر پڑے گی تو طبعاً ذہن میں یہ وسوسہ پیدا ہوگا کہ خدا جانے کچھ لایا ہے یا نہیں۔یہی اشراف ہے تو اس کا علاج یا تو یہ ہے کہ نفس ایسا ہو جائے کہ اس میں اشراف ہی نہ ہو یا یہ کہ پابندی سے منع کر دیا جائے۔چنانچہ میں نے اپنے لیے یہی تجویز کیا ہے بلکہ نہ لانا اکثر ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

دوسری حدیث میں ہے: ''تھادوا تحابوا'' تو ہدیہ دینے کی مصلحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازدیاد محبت کو قرار دیا ہے اور ازدیاد محبت اس وقت ہوتا ہے کہ ہدیہ لے کر جی خوش ہو اور جی اس وقت خوش ہوتا ہے کہ جب اشراف نفس نہ ہو ورنہ مسرت نہیں ہوتی بلکہ انتظار کی جو کلفت تھی وہ رفع ہوگئی تو اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ ہدیہ میں اشراف کی نوبت نہ آنی چاہیے۔ دوسرے اسی حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ بیعت کے وقت ہدیہ نہ لینا چاہیے کیونکہ اس کی بھی وہی حالت ہوتی ہے۔

جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بھائی آج کل کے پیروں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر کوئی دیہاتی ان کے سامنے سر کھجانے لگے تو پیر صاحب کو خیال ہوگا کہ شاید یہ پگڑی میں سے روپیہ نکال کر دے گا واقعی بالکل سچ ہے۔ (تجارت آخرت ج۱)

افتاء میں احتیاط

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اسی طرح ایک شخص کو میں نے ایک مسئلہ فرائض کا جواب لکھ کر دیا۔ جب وہ لے کر چلا گیا۔ تب یاد آیا کہ جواب غلط لکھا گیا سخت تشویش ہوئی۔ اس شخص کو تلاش کرایا تو نہ ملا اور یہ پوچھا نہ تھا کہ کدھر جاؤ گے۔ آخر خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ یا الٰہی میرے اختیار سے تو یہ خارج ہو چکا ہے اب آپ کے ختیار کی بات ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ پندرہ منٹ نہ گزرے تھے کہ وہ شخص واپس آیا کہنے لگا کہ مولوی صاحب آپ نے مہر تو کی ہی نہیں۔ مجھے بڑی مسرت ہوئی میں نے کہا کہ ہاں بھائی لے آؤ۔ اس سے لے کر جواب کو صحیح کیا اور اس سے کہا کہ بھائی مہر تو میرے پاس ہے نہیں اس وقت تو خدا تعالیٰ نے میری دعا قبول فرما کر تجھے واپس بھیجا ہے کیونکہ مسئلے میں ایک غلطی ہوگئی تھی۔ اس واقعہ کے بعد سے میں نے عہد کر لیا کہ کبھی دستی فتوے کا جواب نہ دوں گا۔

اکثر لوگ ایسے امور پر مجھے بے مروت کہتے ہیں لیکن بتلایئے کہ ان واقعات پر کیوں کر خاک ڈال دوں۔ اب میں نے یہ معمول کر رکھا ہے کہ جب کوئی شخص دستی فتوی لاتا ہے تو اس سے کہتا ہوں کہ اپنا پتہ لکھ کر اور دو پیسے کا ٹکٹ دے کر رکھ جاؤ۔ میں اطمینان سے جواب لکھ کر تمہارے پاس ڈاک میں بھیج دوں گا۔ (فضل العلم والعمل ج۲)

نظم کی ضرورت

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب کوئی ان کے پاس بیعت ہونے آتا تو وہ اس کے لئے کھانا کچھ زیادہ بھیجتے اور جب وہاں سے بچ کر آتا تو یہ دیکھتے کہ روٹی اور سالن تناسب سے بچا ہے یا بلا تناسب۔ اول صورت میں بیعت کرتے دوسری صورت میں انکار کر دیتے۔ تو ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ بہت چھوٹی سی بات پر وہ ایسی سختی کرتے تھے مگر حقیقت میں وہ اس سے استدلال کرتے تھے اس کی بے انتظامی پر۔ اور بد انتظام شخص کو وہ اپنی خدمت میں نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ کوئی کام بدون انتظام کے نہیں ہوسکتا اور واقعی جس میں انتظام کا مادہ نہ ہو وہ کسی کام کو نباہ نہیں سکتا۔ کچھ دن کیا پھر چھوڑ دیا۔ (الدین الخالص ج ۳)

درستی معاملات کی ضرورت

دیندار لوگ بھی عبادات میں تو فرائض و واجبات بلکہ مستحبات تک کا اہتمام کرتے ہیں۔ یعنی جو لوگ کام کرنے والے ہیں اگرچہ بعض ایسے بھی ہیں کہ سب ہی اعمال میں کوتاہی کرتے ہیں مگر جو کام کرنے والے ہیں وہ عبادات میں تو فرائض و واجبات کے لئے بھی کوشش کرتے ہیں، مستحبات کی بھی پابندی کرتے ہیں۔ درود شریف اور تسبیحات حتیٰ کہ دلائل الخیرات اور وظائف تک کا اہتمام کرتے ہیں اور گویا دلائل وحزب برکت کی چیزیں ہیں اور ان میں ثواب بھی ہے مگر دلائل الخیرات اور حزب البحر وغیرہ یہ جتنے وظائف آج کل معمول بہا ہیں حدیث کے اوراد کے برابر ہرگز نہیں، غرض بعض لوگ ان زوائد کے پابند ہیں مگر حقوق العباد کا ان کو بھی خیال نہیں بس آج کل لوگوں نے محض نوافل اور تسبیحات پڑھنے کو دینداری سمجھ لیا ہے حالانکہ اصل دینداری معاملات سے معلوم ہوتی ہے چنانچہ سلف کے نزدیک دینداری کا معیار زیادہ تر معاملات ہی تھے۔ صرف نماز، روزہ کرتے ہوئے دیکھ کر کسی کے دیندار ہونے کا حکم نہ لگاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں مدعی کے پاس دو گواہ تھے۔ ایک گواہ کی عدالت تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم تھی، دوسرے گواہ کی عدالت کا انہیں علم نہ تھا تو آپ نے حاضرین سے دریافت فرمایا کہ اس گواہ کی عدالت کے متعلق تم میں سے کوئی گواہی دیتا ہے ایک شخص

کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ میں اس کے عادل ہونے پر گواہی دیتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ تجھ کو اس کا عادل ہونا کیسے معلوم ہوا۔

هل جاورنه ام صحبت معه فی السفر الذی یسفر عن الحقیقة ام عقدت معه عقدا.

"کیا تو اس کے پڑوس میں کبھی رہا ہے یا سفر میں کبھی تیرا اور اس کا ساتھ ہوا ہے جس سے انسان کی مخفی حقیقت ظاہر ہوتی ہے یا تو نے اس کے ساتھ کوئی معاملہ بیع وشراء کیا ہے، اس نے کہا نہیں۔"

قال فلعلک رائیته خارجا من المسجد بعد الصلوٰة.

"فرمایا تو شاید تم نے اس کو نماز پڑھ کر مسجد سے نکلتا ہوا دیکھ لیا ہوگا، اس نے کہا جی ہاں" فرمایا فانت لاتعرف (تم اس کو نہیں پہنچانتے) (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

مشتبہ رقم کی واپسی

ایک مرتبہ ایک رئیس نے میرے پاس مدرسہ کے لئے دو سو روپیہ بھیجے اور لکھا تھا کہ میں جناب کو لینے آؤں گا۔ میں نے لکھا کہ میں یہ روپیہ اس وجہ سے نہیں لینا چاہتا کہ مجھ کو اس مضمون سے شبہ پڑ گیا کہ روپیہ بھیج کر مجھ پر شاید اثر ڈالا جاتا ہو تو اس میں ایک گونہ رشوت کا شائبہ ہے اگر بلانا ہے تو بلانے کے بارہ میں مستقل گفتگو کیجئے اور روپیہ وصول نہیں کئے تو اس کا جواب معذرت سے بھرا آیا کہ آپ مدرسہ کے لئے روپیہ لے لیں اور میں نہیں بلاتا۔ پھر مدت کے بعد مستقلاً انہوں نے بلایا۔ (الاعتصام بحبل اللہ ج ۶)

بعض نے معاملات کو ضروری نہیں سمجھا چنانچہ اجارات وتجارات میں بیع وشراء میں باستثناء شاذ و نادر کوئی جانتا تک بھی نہیں کہ اس کے متعلق شریعت میں کچھ احکام بھی ہیں۔ ریل میں بے ٹکٹ سفر کرنے کو حرج نہیں سمجھتے اور جو ٹکٹ لیتے ہیں تو قانون سے زائد اسباب لے جانے کو برا نہیں سمجھتے حالانکہ ریل حق العبد ہے۔ جب ہم نے اس کو استعمال کیا ہے تو ہمیں اس کا حق معہودہ کرایہ بھی دینا چاہیے۔ اسی طرح مدارس اور انجمنوں کے چندے بھی حق العبد ہیں اس کی تحصیل میں جبر کی کچھ پروا نہیں کرتے بلکہ قصداً زیادہ دباؤ ڈالتے ہیں تاکہ زیادہ چندہ وصول ہو۔ (آثار العبادۃ ج ۷)

دوسروں سے حسن ظن

مشہور ہے الحزم سوء الظن. اس کی تفسیر میں ہمارے حضرت نے فرمایا تھا کہ بنفسہٖ یعنی دانائی واحتیاط یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس سے سوءظن ہی رکھے کسی وقت مطمئن نہ ہو ہمیشہ کھٹکتا رہے اگر چہ حکماء نے اس جملہ کے دوسرے معنی لئے ہیں وہ یہ کہ انسان کو کسی پر اعتماد نہ چاہئے ہر شخص پر بدگمان رہے احتیاط رکھے چاہے وہ کیسا ہی مخلص دوست ہو۔ اور معاملہ کے اعتبار سے یہ بھی صحیح ہے مگر عارفین یہ کہتے ہیں کہ دوسروں سے تو حسن ظن رکھے اور اپنے نفس سے سوءظن رکھے۔ (شب مبارک ج ۷)

شان فاروقی

حضرت ابوموسیٰ اشعری کا میر منشی ایک نصرانی تھا جب وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ آیت نہیں پڑھی۔

لاتتخذوا بطانة من دونكم لايالونكم خبالا یعنی غیر مذہب کے شخص کو اپنا ہمراز مت بناؤ۔ وہ تم کو ضرر پہنچانے میں کمی نہیں کریں گے۔

انہوں نے کہا کہ وہ حساب خوب جانتا ہے اس لئے ایسا کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا کام اس پر منحصر ہے اگر وہ مرجائے تو پھر کیا کرو گے آخر یمن میں جا کر دیکھا کہ وہ مر گیا تھا کیوں نہ ہوئی کوئی ایسی ویسی زبان تھوڑا ہی تھی وہ زبان تھی جس کی شان میں ہے۔

الحق ینطق علی لسان عمرا (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق بات جاری ہوتی تھی)

غرض کہ غیر مسلم کو ہمراز بنانے کی حق تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے اور خود عقل بھی تو اس کی اجازت نہیں دیتی۔ چنانچہ دیکھئے کہ روزمرہ کے معاملات میں کیا ہم پسند کرتے ہیں کہ اپنے راز پر غیر کو مطلع کریں ہرگز نہیں۔ بعض اوقات اپنے اسرار سے بیوی کو بھی مطلع نہیں کرتے۔ (المال والجاہ ج ۸)

ریلوے کی حق تلفی

عوام الناس کا تو فتویٰ ہی ہے کہ کفار کا مال جس طرح بھی ملے لے لیا جائے سب روا

ہے۔ چنانچہ ریل میں بے احتیاطیوں کا مشاہدہ ہوتا ہے اس طرف توجہ ہی نہیں کہ تعداد سے زیادہ اسباب ریل میں لے جانا چاہیے یا نہیں؟ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ کفار کا قانون ماننا ضروری تھوڑا ہی ہے مگر خوب سمجھ لیجئے کہ یہ کوئی قانون ملکی نہیں ہے جو یہ عذر کیا جائے بلکہ یہ قانون اجازت کے متعلق ہے اگر من حیث السلطنت اس کا ماننا ضروری نہ بھی ہو تو من حیث الاستیجار (اجرت کی حیثیت سے) تو ماننا ضروری ہے۔ شرائط اجارہ میں سلطنت اور غیر سلطنت برابر ہیں جن شروط پر اجارہ قرار پائے۔ ان کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے تو ان کا قانون بحیثیت اجارہ تو واجب الامتثال ہے جب انہوں نے قانون مقرر کر دیا ہے کہ پندرہ سیر سے زیادہ کسی کو اسباب بلا کرایہ لے جانے کی اجازت نہیں تو اگر تھوڑا بھی اس سے زیادہ ہوگا تو بوجہ اسکے کہ غیر کی حق تلفی ہے اس کا لے جانا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ بہت لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ کفار کا مال ہے چاہے جس طرح تصرف کرو یہ ان کی غلطی ہے۔

بعض لوگوں نے اس کی یہ وجہ گھڑی ہے کہ بہت سے حقوق ہمارے گورنمنٹ کے ذمہ رہ گئے ہیں ہمیں جائز ہے کہ ہم خفیہ طور پر سے وصول کر لیں اول تو اس میں یہ بات ہے کہ ساری ریلیں گورنمنٹ کی نہیں ہیں بہت سی ٹرینیں کمپنی کی ہیں دوسرے اگر ساری ریلیں گورنمنٹ ہی کی ہوں تو کیا ہر شخص کا حق گورنمنٹ کے ذمہ رہ گیا ہے اور پھر جن کے حقوق گورنمنٹ کے ذمہ ہوں بھی تو کیا اس کا حساب ان کے پاس ہے کہ کتنے حق ان کے گورنمنٹ کے ذمہ ہیں اور کتنے گورنمنٹ کے ان کے ذمہ ہیں۔ یہ سب نفس کی تاویلیں ہیں بلکہ اگر ثابت بھی ہو جاوے کہ اس کا حق گورنمنٹ کے ذمہ رہ گیا ہے تب بھی حفاظت نفس کا مقتضٰی یہی ہے کہ ایسا نہ کیا جاوے۔

راز اس کا یہ ہے کہ نفس کو جیسی عادت ڈالی جاتی ہے ویسی ہی پڑ جاتی ہے اگر اس کی عادت ڈالی گئی تو اس کا خوگر ہو جاوے گا اور آئندہ حد سے تجاوز کرے گا۔ جہاں قطعاً جائز نہ ہوگا وہاں بھی اس عادت پر کاربند ہوگا نفس کو تو ذرا سا بہانہ چاہئے۔ (احکام المال ج ۸)

مالی احتیاط

میرے پاس کثرت سے ایسے خطوط آتے ہیں کہ جن پر یا تو ڈاکخانہ کی مہر ہی نہیں ہوتی یا ہوتی بھی ہے تو ٹکٹ سے بچی ہوئی ہوتی ہے اگر میری بری نیت ہو تو میں ان ٹکٹوں

سے منتفع ہوسکتا ہوں کہ دوسرے خطوط پر لگا کر بھیج دوں مگر شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی کیونکہ جو دو پیسے لفافہ کے دیئے گئے ہیں وہ اجرت کے طور پر ہیں اور وہ لفافہ کی شکل اصل میں رسید ہے ان دو پیسے کی پس جب ڈاک پہنچی تو وہ دو پیسے وصول ہو گئے اب اس رسید سے دوسری بار وصول کرنا حرام ہے پس میں ایسے ٹکٹوں کو چاک کر کے پھینک دیتا ہوں باوجودیکہ مجھ کو اس کی عادت ہوگئی ہے مگر پھر بھی وسوسہ ہوتا ہے کہ شاید تقویٰ ظاہر کرنے کو ایسا نہ کرتا ہوں حضرت نفس کی کیفیت یہ ہے۔

نفس اژدہاست او کے مردہ است　　　از غم بے آلتی افسردہ است

نفس اژدھا ہے وہ نہیں مرا۔ غم بے آلتی سے افسردہ ہے۔

نفس کے کید سے کبھی غافل نہ رہنا چاہئے ہر وقت ہوشیار رہے۔ (احکام المال ج ۸)

معاملات میں کوتاہی

اکثر کا یہ حال ہے کہ وہ بالکل ان امور میں احتیاط نہیں کرتے عوام الناس تو غفلت سے کرتے ہیں کہ ان کو خبر نہیں کہ یہ ناجائز ہیں اور اہل علم اس کو جائز کر کے کرتے ہیں چنانچہ میں اس کا ایک قصہ سناتا ہوں۔

وہ یہ ہے کہ میں اور ایک معقولی طالب علم ریل میں سفر کر رہے تھے۔ ایک شخص نے سنا کہ وہ اس ریل میں سوار ہیں ہم تو درمیانہ درجہ میں تھے اور وہ تیسرے درجہ میں یہ شخص محبت سے ہمارے پاس آ بیٹھے دو ایک اسٹیشن تک بیٹھے رہے اس کے بعد اتر کر اپنے درجہ میں جانے لگے میں نے ان سے کہا کہ تم نے اتنی مسافت درمیانہ درجہ میں قطع کی ہے اور تمہارے پاس ٹکٹ ہے سوم کا اتنی مقدار محصول کی تمہارے ذمہ دین ہے تم اس کو ادا کر دینا اور آسان ترکیب بتلادی کہ اتنی مسافت کا جس قدر محصول درمیانہ درجہ کا سوم سے زائد ہے اس کا ٹکٹ اسی لائن کا خرید کر چاک کر دینا۔ بس ادا ہو جائے گا اس پر وہ معقولی طالب علم صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ (احکام المال ج ۸)

فقہ اور اہل علم

فقہ کا مسئلہ ہے کہ منافع غصب مضمون نہیں ہوتے مثلاً کوئی کسی کے گھوڑے پر

زبردستی سوار ہو کر چل دے تو اس کا کرایہ نہ دینا پڑے گا ہاں اگر مغضوب عین ہو اور اس کو تلف کر دے تو ضمان لازم آتا ہے۔

انہوں نے جو یہ بات کہی مجھ کو سن کر حیرت ہوئی کہ جب اہل علم ہی ایسے فتوے دیں گے تو پھر عوام کی کیا حالت ہوگی۔ ایسے ہی لوگ بدنام کرتے ہیں فقہ کو اب جو شخص فقہ ہی کا قائل نہ ہو اس سے تو ہماری گفتگو ہی نہیں اور جو فقہ کا قائل ہے تو وہ فقہ کی کتابیں کھول کر دیکھے کہ فقہاء کا کیا مقصود ہے اصل یہ ہے کہ اس موقع پر دو مسئلے جدا جدا ہیں ایک یہ کہ منافع مغضوب کو تلف کرانے سے گناہ ہوگا یا نہیں اور ایک یہ کہ اس پر ضمان لازم آئے گا یا نہیں تو فقہاء گناہ کی نفی نہیں کرتے صرف ضمان کی نفی کرتے ہیں یعنی یہ نہیں کہتے کہ گناہ نہ ہوگا گناہ ضرور ہوگا لیکن ضمان لازم نہیں آئے گا۔

فقہاء کے پاس اس کی دلیل موجود ہے جس کو اہل علم سمجھ سکتے ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ عقد اجارہ ایک عقد ہے اور عقد کا عقلی مقتضا یہ ہے کہ بدلین میں تناسب ہونا چاہئے اگر کوئی چیز خریدیں تو اس چیز میں اور اس میں جو اس کے عوض میں دی گئی ہو تناسب ہو اور جہاں بدلین میں تناسب نہ ہو تو قیاس کے مقتضا سے وہ مبادلہ صحیح نہ ہوگا۔

جب یہ سمجھ میں آ گیا تو اب سنیے کہ منافع کا مبادلہ ثمن سے قیاس کے بالکل خلاف ہے کیونکہ ایک طرف تو عین ہے یعنی ثمن اور ایک طرف عرض یعنی منافع کسی چیز کے اور اعیان و اعراض میں تماثل نہیں ہے اس لئے ایک دوسرے کا بدل نہیں ہو سکتا تو قیاس تو یہ چاہتا تھا کہ منافع کا مبادلہ ثمن سے کسی صورت میں بھی جائز نہ ہو مگر چونکہ عقد اجارہ میں اس مبادلہ کو نص جائز بتلا رہی ہے اس لئے فقہاء نے عقد اجارہ کے اندر قیاس کو چھوڑا اور حدیث کو اختیار کیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے سامنے ہمارا قیاس کوئی چیز نہیں اور جہاں عقد نہ ہو جیسے کہ منافع کے غصب کی صورت میں اس کے اندر کوئی نص نہیں ہے جواز کی جو قیاس کے چھوڑنے پر مجبور کرے یعنی غیر عقد میں نص ہی نہیں اس لئے وہاں بمقتضائے قیاس اس مبادلہ کی عدم صحت کے قائل ہوئے اور منافع مغضوب کو مضمون نہ ٹھہرایا۔ یہ تحقیق ہے اس مسئلہ کی کہ منافع مغضوب مضمون نہیں۔

ان مولوی صاحب نے اس مسئلہ سے کام لیا مگر اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ گناہ بھی نہ

ہوگا۔اس پر تو انہوں نے نظر کی کہ ضمان نہیں آتا اور اس پر نظر نہ کی کہ گناہ ہوتا ہے اور اس گناہ کی تلافی یہی ہے کہ اس کا بدل ادا کردے کیونکہ یہ گناہ حقوق العباد سے ہے جو مال کے متعلق ہے اسی واسطے علم ہر ایک کے لئے نافع نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ اس پر نظر کرتے ہیں کہ کسی کے واسطے علم مضر ہوگا جس کو مضر ہوتا ہے اس کو درسیات سے محروم رکھتے ہیں زبانی تعلیم بقدر فرض عین کے اس کے لئے تجویز کرتے ہیں اسی کے بارے میں تو مولانا فرماتے ہیں۔

بدگہر را علم و فن آموختن   دادن تیغ ست بدست رہزن

(بدگہر کو علم وفن سکھانا ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے) (احکام المال ج ۸)

سودی مال اور محق کی حقیقت

سودی معاملہ کے بارہ میں ہے **یمحق اللہ الربوا** سودی مال جمع ہوتا ہے اور ایک دن مٹ کر رہتا ہے اور حقیقتاً تو مٹتا ہی ہے مگر صورۃً بھی مٹتا ہے ایک دن بے طرح مارے جاتے ہیں اور اگر اتفاقاً کبھی نہ بھی مٹے تب بھی اس سے کلام الٰہی پر اعتراض نہیں آتا۔ کیونکہ **یمحق اللہ الربوا** قضیہ مہملہ ہے جو وقت میں جزئیہ کے ہوتا ہے اگر ایک دفعہ بھی مٹ جائے تو وہ صادق آجائے گا معنی یہ ہیں کہ سود والے اکثر مٹتے ہیں اور اس کے بہت سے واقعات ہیں جن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اگر کہیں ظاہراً نہ مٹے تو اور طریقہ سے مٹتا ہے۔

محق کی قسمیں مختلف ہیں ایک یہ ہے کہ مال جاتا رہے چوری وغیرہ ہو جائے یہ تو ظاہری محق ہے اور ایک محق ہے۔ معنوی وہ یہ کہ سود والا مال سے خود منتفع نہیں ہوتا۔ فاقہ بھر بھر کر عمر ختم ہو جاتی ہے سود لینے کا سبب بخل ہے جتنا سود لیتا ہے اتنا ہی بخل بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے تن پر بھی خرچ نہیں کرتا یہ حالت ہوتی ہے۔

سختیاں زاموال بری خورند   بخیلاں غم سیم و زری خورند

سخی لوگ مالوں کو کھاتے ہیں اور بخیل چاندی اور سونا کھاتے ہیں۔

ایک ماسٹر تھے۔ سو روپے ان کی تنخواہ تھی اور پانچ روپے ان کا خرچ تھا۔ لوگوں نے کہا' میاں تمہاری اتنی بڑی تنخواہ ہے تم تکلیف کے ساتھ کس لئے گزر کرتے ہو انہوں نے کہا کہ مجھ کو اس تصور میں کہ میرے پاس اتنا روپیہ ہے ایسا حظ آتا ہے کہ میرا دل ہی جانتا ہے وہ اسی میں مست تھے۔

غرض کہیں اس طرح بھی سود میں محق ہوتا ہے کہ اپنے اوپر خرچ نہیں ہوتا تو یہ محق برکت اور انتفاع کا ہوا۔ (احکام المال ج ۸)

رشوت کا حشر

لوگ رشوت لے لے کر مال جمع کرتے ہیں پھر دیکھئے اس کا کیا حشر ہوتا ہے میرے ایک عزیز پولیس میں ملازم تھے انہوں نے خوب رشوتیں لے لے کر روپیہ جمع کیا تھا اتفاق سے سرکار کی طرف سے کسی معاملہ میں مقدمہ قائم ہو گیا تھا جتنا کمایا تھا سب اس میں لگ گیا حتیٰ کہ گھر کا زیور بھی نہ رہا۔ بالکل خالی رہ گئے جب خدا خدا کر کے اس مقدمہ سے جان بچی اس کے بعد پھر اسی طرح روپیہ جمع کیا اور اس روپیہ کے نوٹ خریدے اور ایک پرانے تکیہ میں سی دیئے اس خیال سے کہ اسے چور کیا لیں گے ایک روز اتفاق سے وہ تحقیقات میں گئے تھے ان کے مکان میں آگ لگ گئی گھر والوں نے قیمتی اسباب اٹھا اٹھا کر گھر سے باہر پھینکا۔ اس تکیہ کا کسی نے خیال بھی نہ کیا وہ جب تحقیقات کر کے آئے تو معلوم ہوا کہ گھر میں آگ لگ گئی تھی پوچھا کہ میرا تکیہ کہاں ہے گھر والوں نے کہا کہ جو قیمتی چیزیں تھیں وہ مشکل سے بچائی ہیں وہ پرانا تکیہ بھی کوئی حفاظت کے قابل تھا کہنے لگے میرے تو اس میں نوٹ تھے اور نوٹوں کے نمبر محفوظ تھے نہیں اس لئے سب کمائی جاتی رہی اور اس میں سے کچھ جائیداد خرید لی تھی اس میں اس طرح کسر نکلی کہ کسی کاشتکار پر نالش کی تھی اس مقدمہ میں اس کاشتکار نے ان حضرت کو قتل کر دیا۔ (احکام المال ج ۸)

نیوتہ کے مفاسد

اول تو نیوتہ کی رسم ایک رسم ہے بے ہودہ اس میں اگر خالص اپنا مال ہو تب بھی نہ لگانا چاہئے پھر یہ تو مشترکہ مال ہے اگر کوئی کہے کہ صاحب نیوتہ تو نہایت عمدہ رسم ہے یہاں نیوتہ دیتے ہیں تو نیوتہ لینے والا اتنے لوگوں کا مقروض بنتا ہے حدیث میں صاف موجود ہے کہ مقروض جنت میں نہ جائے گا تاوقتیکہ اہل حق کا حق ادا نہ ہو جائے۔

دوسرا مفسدہ تو بالکل لا علاج ہی ہے اس کا علاج ہی نہیں سوائے اس کے کہ اس رسم کو چھوڑا جائے اور وہ میراث کے ایک مسئلہ پر متفرع ہے۔ اسے اس طرح سمجھئے کہ ایک شخص مرا اس نے دو بیٹے چھوڑے اور اس نے مثلاً پانچ روپے نیوتہ میں دیئے تھے تو پانچ روپے

بھی مردہ کی میراث ہیں جب وصول ہوں گے تو ان کا ورثاء پر تقسیم کرنا واجب ہوگا۔ اب وہ آئیں گے کس طریقہ سے اس کی صورت یہی ہے کہ جب ان کے یہاں تھوڑا تھوڑا دینے میں شادی والے کا کام ہو جاتا ہے اور دینے والوں میں سے کسی پر بار نہیں ہوتا تو مستحسن کو قبیح کیسے کہہ دیا۔ غریب کو دیا اس کی شادی ہوگئی یہ تھوڑی بات ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے ایک فائدہ کو تو دیکھ لیا اور دوسرے مفاسد جو اس کے اندر ہیں ان کو چھوڑ دیا۔ اس میں اگر ایک فائدہ ہے تو مفاسد کتنے ہیں۔ ان مفاسد کو بھی تو دیکھنا چاہئے اور اول تو جو فائدہ اس میں سوچا گیا ہے وہ بھی حاصل نہیں ہوتا کیونکہ آج کل کی شادیوں میں خرچ اتنا کیا جاتا ہے کہ نیوتہ اس کے لئے کافی نہیں ہوتا اور مفاسد اس کے اندر بہت ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک مفسدہ یہ ہے کہ تو وہ بطور نیوتہ کے دیئے جائیں گے اب ایک بیٹے کی شادی ہوئی اور وہ پانچ روپے آئے تو وہ روپے پانچ روپے اس کے نہیں بلکہ یہ صرف اڑھائی روپے کا مستحق ہے اور باقی اڑھائی روپے دوسرے بھائی کا حصہ ہے۔ لہٰذا وہ اس کو دینے لازم ہیں مگر وہ اس کو نہیں دیئے جاتے اس لئے دینے والے کے ذمہ سے پانچوں روپیہ ادا نہ ہوئے بلکہ صرف اڑھائی روپے ادا ہوئے اور دوسرے بیٹے کے اڑھائی روپے رہ گئے پھر وہ مر گیا تو اب ان اڑھائی روپے کی میراث چلے گی اسی طرح آگے اولاد ہوگی اور یہی سلسلہ چلے گا تو اس اڑھائی روپیہ کے ہزاروں آدمی مستحق ہو گئے قیامت میں اس شخص کی جان پر بنے گی اس لئے ایک ایک پیسہ اور کوڑی کوڑی کا دعویٰ ہوگا آخر اس کا علاج کیا سوچا ہے؟ اس نیوتہ سے تو نا نیوتہ اچھا۔ یہ مفاسد ہیں اس نیوتہ خبیث میں مگر چونکہ لوگوں کو شریعت کا علم نہیں اس واسطے ان خرابیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ (احکام المال ج ۸)

حقوق نفس

صاحبو! ہمیں اپنی آنکھ سے اس وجہ سے تعلق نہ ہونا چاہیئے کہ وہ ہماری آنکھ ہے بلکہ اس وجہ سے تعلق ہونا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کی چیز ہے اور ان کی خدمت کرتی ہے اس نے ان کا جمال دیکھا ہے گو بواسطہ مظاہر ہی سہی۔ آگے فرماتے ہیں

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

ہر وقت اپنے ہاتھوں کو ہزاروں بوسے دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرا دامن پکڑ کر اپنی طرف آپ کو کھینچا۔

اس اعتبار سے عارف کو اپنے نفس سے بھی محبت ہوتی ہے اور اسی لئے حدیث میں ہے۔

ان لنفسک علیک حقاً کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے

تو عارف کو اپنے نفس سے اس لئے محبت ہوتی ہے کہ وہ سرکاری چیز ہے دیکھو اگر کوئی مشین سرکاری کسی کے سپرد ہو تو اس شخص کو اس کے آلات صاف کرنا اور تیل دینا ضروری ہوگا۔ البتہ اگر اپنی ملک ہے اس وقت اختیار ہے کہ چاہے صاف کر کے تیل دے چاہے نہ دے۔ مگر جب ملک سرکاری ہے اس کو صاف کرنا تیل دینا ضروری ہے ورنہ باز پرس ہوگی۔

اب یہاں پر لوگوں سے ایک غلطی تو یہ ہوا کرتی ہے کہ تیل نہیں دیتے اور اپنی جان کو اپنی ملک سمجھتے ہیں۔ اور ایک غلطی بعض سے یہ ہوتی ہے کہ تیل بہت دینے لگتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ بعضے دنیا دار فقیر یا تو اسباب حفاظت نفس کو اختیار نہیں کرتے اور اس کو نفس کشی کہتے ہیں یا اختیار کرتے ہیں تو حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور نوابی رنگ کو شان محبوبیت سمجھتے ہیں۔ صاحبو! سر میں تیل لگانا بھی اس اعتبار سے محمود ہے کہ یہ سرکاری چیز ہے میرا سر نہیں۔ میں مالک نہیں۔ یہ مضمون شاعرانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے مگر اس حقیقت تک رسائی تدریجاً ہوتی ہے ایک دن میں نہیں ہوتی اور ابتداء میں کسی قدر تکلف بھی کرنا پڑتا ہے۔ مگر اخیر میں ملکہ ہو جاتا ہے۔ غرض عارف اس اعتبار سے حقوق نفس ادا کرتا ہے تاکہ خدا کا کام کرے اسی طرح عارفین قربانی کے جانور کو خدا کے نام پر فدا کرتے ہیں اپنے اوپر فدا نہیں کرتے۔ خواہ اپنے ہی کھانے کے لئے ذبح کریں۔ یہ حقیقت ہے قربانی کی۔ (سلوۃ الحزین ج ۹)

باہمی معاملات و معاشرت کے احکام کا خلاصہ

معاملات و معاشرات کے سارے احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی سے کسی کو ایذاء و ضرر نہ ہو خواہ جانی ہو یا مالی۔ اس کا لحاظ شریعت میں کمال درجہ پر کیا گیا ہے چنانچہ کتب فقہ میں لکھتے ہیں کہ تجارت میں کسی کو دھوکا نہ ہونا چاہیے اور لکھتے ہیں بائع مبیع کے عیوب نہ چھپائے تو دیکھئے اس راست گوئی میں دنیا کا کتنا نفع ہے۔

معاملات میں اسلام کا حسن ہے کہ مخلوق کو دھوکہ فریب دینا حرام ہے چاہے مسلمان کو دھوکہ دے یا کافر کو من غشنا فلیس منا (جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں) ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں گذرے تو گیہوں کے ایک ڈھیر میں آپ نے ہاتھ ڈالا تو اس میں اوپر تو سوکھے ہوئے گیہوں تھے اور اندر بھیگے ہوئے تھے اس وقت آپ نے فرمایا من غشنا فلیس منا اور اس شخص سے فرمایا کہ بھیگے ہوئے گیہوں اوپر کرو تا کہ لوگوں کو دھوکہ نہ ہو۔ اسی طرح جن صورتوں سے معاملات میں نزاع پیدا ہو ان کو سب کو ناجائز کردیا۔ نهى عن بيع الغرر (سنن أبی داؤد: 3376) اسی طرح سود و ربوا کو مطلقاً حرام کیا گیا کیونکہ اس سے قرض لینے والا بہت جلد تباہ ہو جاتا ہے۔ (محاسن الاسلام ج ۱۲)

تم بزرگوں کا تذکرہ دیکھو تو معلوم ہوگا کہ مشائخ کے یہاں زمان سابق میں اسی قسم کی تعلیم تھی اور انہی باتوں پر روک ٹوک تھی۔ میرے استاد فرماتے تھے۔ کہ ایک بزرگ کا معمول تھا۔ کہ جو شخص ان کے یہاں مہمان ہوتا۔ اس کے لئے اندازے سے کچھ زائد روٹی سالن بھیجتے۔ پھر جب سالن روٹی بچ کر آتا تو دیکھتے۔ اگر تناسب سے بچا ہوتا۔ تب تو وہ اس کو اپنے سلسلہ میں داخل فرماتے۔ ورنہ صاف کہہ دیتے۔ کہ تمہاری طبیعت میں بے ڈھنگا پن ہے۔ ہم سے تم سے نبھا نہ ہوگا۔ (التواصی بالصبر ج ۱۳)

مشورہ میں اختیار

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی باندی بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کو سابق شوہر کے پاس رہنے میں اختیار عطا فرمایا اور یہ اختیار ہر ایک باندی کو حاصل ہوتا ہے کہ جب وہ آزاد ہو تو پہلے شوہر سے جس سے حالت غلامی میں باجازت مولیٰ نکاح ہوا تھا اگر مرضی ہو نکاح باقی رکھے نہیں تو نکاح فسخ کردے۔ چنانچہ حضرت بریرہؓ کو جب اختیار دیا گیا تو انہوں نے اپنے پہلے شوہر سے علیحدگی اختیار کی اور نکاح فسخ کردیا۔ ان کے شوہر کا نام مغیث تھا۔ ان کو اس سے بہت رنج ہوا اور بیچارے ان کے پیچھے روتے پھرتے تھے۔

اس وقت مغیث کا رونا دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ترس آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہؓ سے فرمایا کہ بریرہؓ تم رجوع کرلو اور مغیث کی درخواست قبول کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُن کر حضرت بریرہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ حکم فرماتے ہیں یا بطور سفارش کے فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں حکم نہیں ہے صرف سفارش ہے تو حضرت بریرہؓ نے صاف عرض کر دیا کہ میں اس سفارش کے قبول کرنے سے معذور ہوں۔ چنانچہ انہوں نے یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بطور امر کے نہیں بلکہ مشورہ ہے صاف اپنی معذوری ظاہر کر دی اور مغیث سے قطع تعلق کر دیا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا ذرا بھی ملال نہیں ہوا۔ اب تو کوئی مرید ایسا کر کے دیکھے پھر معلوم ہو جائے گا کہ پیر صاحب کیسے ناراض ہو کر منہ چڑھاتے ہیں۔ سو اس کی نظیر تو شریعت میں کہیں نہیں اتنا حق تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہؓ پر نہیں سمجھا بلکہ ان کو مشورہ کے ماننے نہ ماننے میں اختیار دیا۔ (وحدۃ الحب ج ۱۵)

کسب معاش میں حدود کی رعایت

میرا یہ مقصود ہرگز نہیں کہ لوگ کماتے کیوں ہیں۔ صاحبو! دکان کرو تجارت کرو لیکن حدود شرع کی رعایت رکھو! سودے کے عیب کو ظاہر کر دیا کرو یہ کہہ دو کہ یہ جدوار اصلی ہے اور یہ نقلی۔ اگر وبا کے دن ہیں تو ایسا نہ کرو کہ ایک ہی بوتل سے عرق بادیان اور گلاب اور بید مشک سب نکلتا چلا آئے۔ اسی طرح برسوں کی رکھی ہوئی دوا نہ دو' اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر ہم سچ بولیں تو تجارت کیسے چلے؟ اول تو یہ غلط ہے کہ سچ بولنے سے تجارت نہ چلے گی دوسرے نہ بھی چلے تو تمہارا کیا حرج ہے خدا دوسرے ذرائع سے رزق دے گا۔ کان پور میں ایک شخص نے بانس کی تجارت شروع کی جب کوئی خریدار آتا تو صاف کہہ دیتے کہ یہ بانس چار برس چلے گا یہ سن کر خریدار واپس چلا جاتا' لوگوں نے ان سے کہا کہ اور سچ بولو' کہنے لگے کہ نہ بکے گا تو میرا کیا حرج ہے خدا تعالیٰ دوسرے طریق سے دے گا۔ آخر ان کا ایسا اعتبار بڑھا کہ ان کے ہاں مال ہوتے ہوئے دوسروں کا مال بکنا کم ہو گیا۔ مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک طالب علم مثنوی پڑھنے کے لیے آیا' مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اول روٹیوں کا بندوست کر لو پھر پڑھنا اس نے کہا روٹی تو اللہ تعالیٰ دیں گے اور جب نہ دیں گے اپنی جان لے لیں گے اس کی کیا فکر! لوگوں کو کہیں اطلاع ہو گئی پھر تو ان کی دعوتیں ہونا

جوشروع ہوئیں تو کئی ماہ تک خوب مزے دار کھانے دووقت ملتے تھے اور جتنا ان کو پڑھنا تھا خوب اطمینان سے پڑھ لیا کسی نے خوب کہا ہے:

رزق مقسوم ست ووقت آں مقرر کردہ اند پیش ازاں حاصل نمیکردو بجہد

(رزق مقسوم حساب سے ملتا ہے اور اس کا وقت مقرر ہے کتنی ہی کوشش کرو وقت سے پہلے اور مقررہ مقدار سے بڑھ کر نہیں مل سکتا) (ازالۃ الغفلۃ ج ۱۸)

میراث میں غبن

ایک بار ایک ایسے ہی شخص آئے اور انہوں نے مسئلہ پوچھا کہ ہماری بہن بے اولاد مرگئی اور خاوند اس کا شیعی ہے آیا اس کے خاوند کو بھی عورت کے ترکہ میں سے کچھ ملے گا۔ میں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ملے گا نصف ترکہ اس کا ہے تو وہ بھائی یہ چاہتے تھے کہ خاوند کو نہ ملے مال بہت تھا اور انہوں نے کہیں سنا تھا کہ شیعہ پر کفر کا فتویٰ ہے تو اس لئے چاہتے تھے کہ اس تاویل سے اس کے خاوند کو کچھ نہ ملے۔ سب مال ہمارے قبضہ میں آوے کہنے لگے کہ سنی کا تو شیعی سے بوجہ کفر شیعی کے نکاح نہیں ہوتا پھر وہ شوہر کب ہے۔ میں نے کہا کہ تم کو کچھ خدا کا خوف بھی ہے کہ دوسرے کا حق رکھنا چاہتے ہو اور اگر خوف نہیں تو اچھا حمیت اور غیرت کہاں اڑگئی کہ تھوڑی سی دنیا کے لئے یہ ثابت کرنا چاہتے ہو کہ تمہاری بہن تمام عمر حرامکاری میں مبتلا رہی۔ اور دوسرے یہ تو بتلایئے کہ آپ نے نکاح کے وقت کیوں نہ پوچھا کہ یہ خاوند شیعی ہے۔ اس سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔ اور تیسرے یہ کہ سچ سچ کہنا اگر یہ مال خاوند کے قبضہ میں ہوتا اور وہ مرتا اور تمہاری بہن کو ملنے کے بعد پھر تمہاری طرف سے منتقل ہونے کا احتمال ہوتا تو کیا اس وقت بھی تم اس نکاح کے صحیح نہ ہونے کی کوشش کرتے۔ میرے پاس کثرت سے ایسے سوال آتے ہیں کہ کوئی بات نکال دو۔ (ذم ھویٰ ج ۱۹)

ایک غاصب کا علاج

دہلی میں شہزادہ ثریا جاہ نے تماشا کیا تھا کہ وہاں ایک واعظ صاحب کسی مسجد کے مکان پر تولیت کے بہانہ سے قبضہ کرنا چاہتے تھے اور حق تولیت ثابت کرنے کیلئے ایک استفتاء بھی لکھا ہے۔ جس پر بڑے بڑے علماء کے دستخط کرانا چاہتے تھے۔

چونکہ ان کے زعم میں بعض علماء ثریا جاہ کے اثر میں تھے اس لئے ان کے ذریعہ سے یہ کام کرانا چاہا۔ ثریا جاہ کو ایک صاحب نے پہلے سے خبر کردی کہ کل فلانے ایک مولوی صاحب اس قسم کا استفتاء لائیں گے اور وہ تولیت کے بہانہ سے مسجد کے مکان پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ثریا جاہ نے کہا بہت اچھا میں ان کا اچھی طرح علاج کردوں گا کہ پھر اس کا نام لینا بھی بھول جائیں گے۔

چنانچہ اگلے دن مولوی صاحب پالکی پر سوار ہوکر ان کے مکان پر آئے انہوں نے بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ اور صدر پر بٹھلایا اور چائے پان وغیرہ سے خوب تواضع کی۔ پھر پوچھا کہ جناب نے کیسے تکلیف فرمائی کوئی خدمت میرے لائق ہو تو ارشاد فرمایئے۔ کہا جی ہاں۔ مجھے ایک استفتاء پر علماء کے دستخط کرانے ہیں آپ دستخط کرادیجئے۔ ثریا جاہ نے استفتاء کو پڑھا اور پڑھ کر اپنے خزانچی کو بلایا کہ ہمارے خزانہ کی کنجیاں مولانا کے سپرد کردو اس نے کنجیاں لاکر سامنے رکھ دیں۔ مولوی صاحب بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے ۔ثریا جاہ نے کہا مولانا یہ تو خزانہ کی کنجیاں ہیں اور یہ گھر مع سامان کے حاضر ہے اگر آپ کو گھر کی ضرورت ہے تو میں اپنا گھر اور اپنا خزانہ پیش کرسکتا ہوں لیکن خدا کا گھر نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد باہر نکل کر محلّہ والوں کو پکارا کہ بھائی ذرا یہاں آنا سب لوگ گھبرائے کہ آج ثریا جاہ کو کیا ہوگیا جو یوں باولوں کی طرح چلا رہا ہے۔ لوگ جمع ہو گئے تو ثریا جاہ نے سب سے کہا کہ بھائی یہ مولوی صاحب مجھ سے خدا کا گھر مانگتے تھے میں نے عرض کردیا کہ آپ کو مکان کی ضرورت ہو تو میں اپنا گھر دے سکتا ہوں خدا کا گھر نہیں دے سکتا اب تم سب گواہ رہو کہ آج سے یہ گھر میرا نہیں۔ بلکہ مولوی صاحب کا ہے میرے لئے اگر تھوڑی سی جگہ ایک جھونپڑے کے برابر آپ لوگ دیدیں گے تو میں اسی میں اپنا گزر کرلوں گا۔

اس ترکیب سے مولوی صاحب کی تو یہ حالت ہوئی کہ ان کا رنگ زرد ہوگیا ان میں کاٹو تو خون نہیں تھا۔ بیٹھے بیٹھے مارے ندامت کے کانپنے لگے اور ثریا جاہ سے کہا شہزادے صاحب مجھے آپ سے یہ امید نہ تھی کہ آپ میرے ساتھ یہ معاملہ فرمائیں گے۔ ثریا جاہ نے کہا مولانا مجھے بھی آپ سے یہ امید نہ تھی کہ میرے ذریعہ سے خدا کے گھر پر قبضہ کرنا چاہیں گے۔

بس مولوی صاحب تو اسی وقت ہانپتے ہانپتے بخار کی حالت میں سوار ہوکر

اپنے گھر چلے گئے اور مہینوں تک گھر سے باہر نہ نکلے اور ادھر تمام شہر میں اس واقعہ کا شور ہو گیا کہ فلاں مولوی صاحب مسجد پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اس کے بعد پھر ان کو دعویٰ تولیت کی ہمت نہ ہوئی (اصلاح ذات البین ج ۱۹)

تغییر منکر

شیخ ابوالحسن نوریؒ ایک دفعہ ساحل کی طرف گئے تو دیکھا کشتیوں پر مٹکے لدے ہوئے ہیں اور ساحل پر اتارے جارہے ہیں آپ نے ملاح سے پوچھا کہ ان مٹکوں میں کیا ہے کہا خلیفہ کے لئے شراب آئی ہے آپ کو یہ سنتے ہی غصہ آیا اور فرمایا ذرا لکڑی تو دو۔ اس نے لکڑی دیدی اور سمجھا کہ ویسے ہی مذاق کررہے ہیں۔ مگر آپ ڈنڈا لے کر کشتیوں پر جا چڑھے اور ایک طرف سے مٹکوں کو توڑنا شروع کیا۔ دس مٹکے تھے نو کو تو توڑ دیا۔ ایک چھوڑ دیا۔ مخبر نے خلیفہ کو اطلاع دی کہ ابوالحسن نوریؒ نے شاہی شراب کے مٹکے توڑ دیئے۔ دربار میں بلائے گئے اور سوال ہوا کہ تم نے یہ کیا حرکت کی۔ فرمایا حدیث میں ہے من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ اولسانہ اوبقلبہ اس لئے میں نے منکر کو دیکھ کر اس کو مٹا دیا۔ خلیفہ نے کہا کہ یہ کام محتسب کا ہے تم کو محتسب کس نے بنایا۔ فرمایا مجھے اس نے محتسب بنایا جس نے تجھ کو خلیفہ بنایا کہا سند! فرمایا حق تعالیٰ فرماتے ہیں یَابُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَکَ اِنَّ ذَالِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. اس میں کسی کی تخصیص نہیں پس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو کر چکا ہوں۔ اب تو جو کچھ میرے ساتھ معاملہ کرے اس پر صبر کرنے کیلئے آمادہ ہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ اس کی کیا وجہ کہ ایک مٹکہ چھوڑ دیا اس کا انہوں نے جواب عجیب دیا۔ فرمایا کہ جب میں نو مٹکے توڑ چکا تو میرے نفس نے کہا اے ابوالحسن! آج تو نے بڑا کام کیا کہ خلیفہ کی بھی پرواہ نہ کی۔ واقعی تو دین کے معاملہ میں بڑا جری ہے اس خیال کے آتے ہی میں نے ہاتھ روک لیا۔ کیونکہ اب میرا توڑنا اللہ تعالیٰ کے واسطے نہ ہوتا نفس کے واسطے ہوتا۔ اور میں نے یہ گوارا نہ کیا کہ جو کام اللہ کے واسطے کیا جائے اس میں نفس کی آمیزش ہو اس لئے دسویں مٹکے کو چھوڑ دیا۔ یہ ویسا ہی قصہ ہوا جیسا حضرت علیؓ کا واقعہ مثنوی میں ہے کہ آپ

نے ایک دفعہ معرکہ جہاد میں ایک یہودی کو پچھاڑ لیا اور سینہ پر بیٹھ کر ذبح کرنا چاہا۔ یہودی نے آپ کے چہرہ پر تھوک دیا تو فوراً چھوڑ کر کھڑے ہو گئے مولانا فرماتے ہیں۔

اوخدا واندا خت برروئے علی افتخار ہر نبی و ہر ولی

بعض لوگوں نے اس شعر کو الحاقی کہا ہے کہ یہ کسی شیعی نے مثنوی میں بڑھا دیا ہے کیونکہ اس میں حضرت علیؓ کو افتخار ہر نبی کہا ہے مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ فخر ہمیشہ چھوٹوں ہی کو بڑوں پر نہیں ہوتا کبھی بڑوں کو بھی چھوٹوں پر فخر ہوتا ہے کہ دیکھو یہ ہمارا لڑکا کیسا لائق ہے حدیث میں بھی تو ہے **تزوجوا لودود الولود فانی اباهی بکم الامم** حضور ہمارے اوپر فخر کریں گے ویسا ہی افتخار یہاں مراد ہے۔ جب حضرت علیؓ یہودی کو چھوڑ کر الگ ہو گئے تو اس نے سوال کیا کہ حضرت دشمن پر قابو پا کر اور اس کی گستاخی دیکھ کر چھوڑ دینا تعجب خیز ہے۔ فرمایا گستاخی کی وجہ سے چھوڑ دیا کیونکہ اس سے پہلے تو میں اللہ کے واسطے مار رہا تھا۔ اور گستاخی کے بعد نفس کو ہیجان اور جوش انتقام ہوا اب میرا تجھے مارنا خالص اللہ کے واسطے نہ ہوتا۔ بلکہ اس میں شفا غیظ نفس بھی شامل ہوتا۔ اس کو میں نے گوارا نہ کیا۔ کیونکہ یہ شان اخلاص کے خلاف تھا۔

یہ سنتے ہی یہودی ایمان لے آیا۔ صاحبو! ہمارے امر بالمعروف میں اثر نہ ہونے کی یہ بھی وجہ ہے کہ ہمارے اندر خلوص نہیں۔ ہمارے سب وعظ ونصائح اپنی بڑائی ظاہر کرنے کیلئے ہوتے ہیں۔ ورنہ اخلاص ہو تو ضرور اثر ہو۔

چنانچہ شیخ ابوالحسن نوری پر یا تو خلیفہ کو غصہ آ رہا تھا۔ اور دربار میں سناٹا چھایا ہوا تھا کہ دیکھئے اب شیخ کے لئے کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ مگر دسویں مٹکے کے چھوڑنے کی وجہ جب معلوم ہوئی تو خلیفہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اور اخلاص کا اثر ہوا۔ اور کہا جاؤ ہم نے آج سے تم کو باقاعدہ محتسب بنایا تم بازاروں اور کوچوں میں خلاف شرع کام کرنے والوں کو سزا دیا کرو۔ جس کو ایسی ہمت ہو اور خطرات کے تحمل کی طاقت ہو اس کو تو سکوت جائز نہیں اور جس کو تحمل نہ ہو اسے سکوت جائز ہے۔ مگر جو واقعہ یہاں ہوا ہے اس میں سکوت کی اجازت کسی کو نہ تھی کیونکہ حق کے ظاہر کرنے میں کوئی خطرہ نہ تھا۔ یہ اور بات ہے کہ بعض کو ضعف طبیعت کی وجہ سے سکوت کرنے میں گناہ کم ہوا ہو۔ مگر گناہ سے وہ بھی نہیں بچے۔ یہ کتنا بڑا ضرر رہوا۔ دو شخصوں کے باہمی فساد سے۔ (اصلاح ذات البین ج۱۹)

گیارہویں کے سائل کو حضرت حکیم الامتؒ کا جواب:

میں ایک جگہ گیا تو ایک شخص نے گیارہویں کے متعلق سوال کیا میں نے جواب دیا کہ استفادہ مقصود ہے یا امتحان اگر استفادہ کی ضرورت ہے تو اس کے لئے اعتماد شرط ہے کیونکہ جس پر اعتماد نہیں ممکن ہے کہ وہ مسئلہ بتلا دے۔ اور اعتماد کے لئے واقفیت شرط ہے اور آپ میری اصلی حالت سے ناواقف ہیں۔ پس جن حضرات سے آپ کی واقفیت ہے ان سے دریافت کیجئے اور اگر امتحان مقصود ہے تو میرا امتحان میرے اساتذہ لے چکے ہیں۔ آپ کو اس کا کوئی حق نہیں (یہ جواب حضرت والا نے اس واسطے دیا کہ قرائن سے اس سائل کی نیت معلوم کر لی تھی کہ محض امتحان مقصود ہے ورنہ یہ مطلب نہیں کہ ناواقف کو بالکل مسئلہ نہ بتلایا جائے) ایسے ہی واقعات کی بنا پر میں سخت مزاجی میں بدنام ہوں مگر میں کیا کروں جبکہ ایسے لوگوں کو تحقیق ہی مقصود نہیں ہوتی بلکہ محض یہ معلوم کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس کا مسلک کیا ہے اور جب جواب ملنے سے مسلک کا علم ہو گیا تو پھر مجیب سے کہتے ہیں کہ فلاں عالم تو اس کے خلاف کہتے ہیں پھر اس مجیب نے اتفاقاً اس کو برا بھلا کہہ دیا۔ اس کو وہاں پہنچاتے ہیں اب دونوں میں لڑائی پیدا ہو گئی یہ نتیجہ ہے کہ ان کی تحقیق کا حالانکہ جس سے تحقیق کی جاوے اس کے اعتماد کی یہ حالت ہونا چاہئے۔

دلارامے کہ داری دل درو بند دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

اگر تم محبوب رکھتے ہو تو دل کا تعلق اسی سے رکھو اور اپنی نگاہ کو سارے عالم سے بند ہی کر

ہمہ شہر پر ز خوباں منم وخیال ماہے چہ کنم کہ چشم بدخو نکند بکس نگاہ ہے

سارا شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے اور میں ایک چاند کے خیال میں مست ہوں کیا کروں کہ چشم بدخو کی نظر کسی پر بھی نہ پڑی۔

ایسا تعلق ہو تب دریافت کرنا مفید ہو گا مگر بات یہ ہے کہ ضروری وغیر ضروری میں امتیاز جب کریں جب کہ جہل کو معصیت سمجھتے ہوں جو شخص بیمار ہو گا اس کو فضول باتوں کی کب فرصت ہو گی بلکہ وہ تو اپنے مرض کی دوائیں حکیم سے پوچھے گا نہ یہ کہ شلجم کا اچار کیسے بنتا ہے اور اگر کسی کو اچار ہی کی ترکیب معلوم کرنا ہو تو باورچی سے دریافت کرو طبیب سے کیوں پوچھتے ہو۔ اب علماء کے ساتھ یہ برتاؤ ہو رہا ہے جیسا کہ سنارے کے پاس کھرپا بنوانے جاویں اور علماء سے تو یہی برتاؤ ہے کہ ان سے کوئی فضول مسئلہ ہی پوچھے گا لیکن ہو گا تو وہ ظاہر میں مسئلہ ہی۔ (شفاء العی ج ۲۱)

سفارش کی حقیقت

سفارش کی حقیقت تو یہ ہے کسی کے واسطے کلمتہ الخیر کہہ دیا وہ مانے یا مانے اور اگر انکار کرے تو سفارش کرنے والا برا نہ مانے چنانچہ حدیث سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت بریرہؓ ایک لونڈی تھیں جن کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آزاد کر دیا تھا اور یہ مسئلہ ہے کہ جب باندی آزاد ہو جاوے تو اس کو اختیار ہے کہ نکاح سابق کو باقی رکھے یا فسخ کر دے پس اس اختیار کی بنا پر حضرت بریرہؓ نے نکاح سابق کو فسخ کر دیا۔ ان کے خاوند کو نہایت محبت کے سبب بہت رنج ہوا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہؓ سے ان کے خاوند کے متعلق فرمایا کہ اے بریرہ تم اپنے خاوند سے رجوع کرو تو اچھا ہے بریرہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کا حکم ہے یا سفارش حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سفارش کرتا ہوں عرض کیا کہ اگر محض سفارش ہے تو منظور نہیں کرتی وہ جانتی تھیں کہ سفارش کا قبول کرنا ضروری نہیں اور اگر حکم ہوتا تو ضرور عمل کرتیں اسی لئے تو جواب دینے سے بیشتر دریافت کیا یہ ہے حقیقت سفارش کی اور آپ نے ذرا برا نہیں مانا مگر آج کل اگر کوئی سفارش کو نہ مانے تو پیر صاحب پیٹ بھر ناراض ہو جاتے ہیں اس لئے مریدوں کو ان کی سفارش ضروری پوری کرنی پڑتی ہے چاہے کتنی ہی مشقت اٹھانا پڑے تو اس حالت میں سفارش اپنی حقیقت پر کہاں رہی جب کہ اس کی یہ حالت ہوگئی کہ اگر سفارش پر عمل ہو تو عمل کرنیوالے کو کلفت اور اگر عمل نہ ہو تو شفارش کرنے والے کو کلفت ایسی سفارش کے تو جواز میں بھی کلام ہے۔ بعض لوگ ان شبہات کو سن کر بھی کہتے ہیں کہ کسی کا کام ہو جاوے تو اچھا ہی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کا کام کرنا جو کہ مستحب تھا اور دوسرے کو تکلیف دینا جو کہ حرام ہے کونسی اچھی بات ہے کہ حرام کا ارتکاب کیا جاوے یہ خرابی اسی کی ہے کہ ضروری اور فضول یا مضر میں لوگوں کو امتیاز نہیں۔ بزرگوں سے بجائے تحقیق دین کے کہ ان کا اصل منصب ہے فضول یا ناجائز کام لیتے ہیں چنانچہ ایک عالم سے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین کے ایمان کی نسبت سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ نماز کے فرض تم کو یاد ہیں جواب دیا کہ نہیں فرمایا

فرائض نماز یاد کرو جن میں سے اگر کوئی متروک ہو جائے تو نماز ہی نہ ہو اور نماز وہ چیز ہے کہ قیامت میں سب اول اسی کی باز پرس ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق تو کچھ سوال بھی نہ ہوگا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه . یعنی اسلام کی خوبی یہ ہے کہ آدمی فضول کو ترک کر دے اور کوئی وجہ تو ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ تقدیر میں گفتگو کرنے کی ممانعت فرمائی کیا حضرات صحابہؓ اس کو سمجھ نہ سکتے تھے۔ حالانکہ ہم جیسے بھی کچھ تفصیل سمجھ لیتے ہیں وجہ یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مسئلہ تقدیر کی تحقیق پر کوئی کام اٹکا ہوا نہیں جو اعمال کرنے کے ہیں ان کی تحقیق چاہئے تقدیر پر مجملاً ایمان بالکل کافی ہے اور دیکھو قرآن شریف میں ہے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَ هِلَّةَ یعنی صحابہ دریافت کرتے ہیں کہ چاند چھوٹا بڑا کیوں ہوتا ہے۔ جواب ملاقُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ . یعنی چاند کے یہ حالات مختلفہ حج وغیرہ کے اوقات معلوم کرنے کے واسطے ہیں تو سوال علت سے تھا مگر جواب میں حکمت بیان کی اس میں یہی اشارہ ہے کہ کام کی بات پوچھو اور غیر ضرری سے پرہیز کرو۔ یہ جواب علیٰ اسلوب الحکیم کہلاتا ہے اور دیکھئے ایک جگہ میں تصریح ہے وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ . (اور جو لوگ اعراض کرتے ہیں لغو امور سے) لغو کے معنی ہیں مالا نفع فیہ اور یہ عام ہے خواہ مضر ہو یا نہ ہو۔ پس کتاب وسنت تو لایعنی کے ترک کرنے کا حکم دے رہی ہے مگر آج کل عموماً اسی میں ابتلاء ہو رہا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ جہل کو مرض نہیں سمجھتے اور ضروری وغیر ضروری میں امتیاز نہیں کرتے اور اس عدم امتیاز کا منشاء بھی جہل ہے۔ اگر لوگ جہل کو مرض سمجھتے تو اس کے رفع کرنے کی فکر میں لگتے فضول قصوں میں وقت ضائع نہ کرتے اور دین کی ضروری بات کو ضرور دریافت کرتے اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جس کی میں نے تلاوت کی ہے متنبہ فرما دیا کہ جہل مرض ہے۔ پس ایک فائدہ تو یہ ہے جو کہ حدیث شریف میں ہے لفظ شفاء سے مستنبط ہوا۔ دوسرا فائدہ لفظ سوال سے معلوم ہوا وہ یہ کہ جب مرض ہوا تو ظاہر اس کی شفاء علم کو فرمانا چاہئے تھا۔ (شفاء العی ج ۲۱)

بیع فاسد کی تمام صورتیں سود ہیں

یادرکھو بیع فاسد کی تمام صورتیں سودی ہیں بیچک آجانے پر مال کا بیچنا یہ بھی سود ہے اور ناجائز۔ سینکڑوں مسلمان ایسا کرتے ہیں (القرض ج۲۱)

آج کل معاملات میں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں:

حلال وحرام کا معیار آج کل یہ رہ گیا ہے کہ جس کھانے میں گھی زیادہ ہو حلال ہے ورنہ حرام استغفر اللہ یہ بھی کچھ کم جہالت ہے۔ صاحبو! آپ خوب سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ معاملات میں کبھی کوئی شخص علماء سے رجوع نہیں کرتا صرف وکیلوں سے قانونی سوال و جواب کر کے تسلی کر لیتے ہیں اگر آپ نے کبھی کوئی گاؤں خریدا ہوگا تو اس کا مسودہ کسی وکیل سے تو لکھوالیا ہوگا مگر کسی عالم سے پوچھنے کی نوبت نہ آئی ہوگی۔ غرض معاملات میں آج کل حلال وحرام کی کوئی بھی تمیز نہیں کیونکہ اس کو دین سے خارج سمجھ کر رکھا ہے۔ دین صرف نماز روزہ کو سمجھ رکھا ہے۔ (القرض ج۲۱)

معاملات اور حقوق کی چند مفید عام کتب

معاملات اور حقوق اور جو کچھ ذکر کے افراد میں سے باقی رہا وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے ان سب کو ان کتابوں پر حوالہ کرتا ہوں جو اس کے کام کے لیے لکھی گئی ہے۔ بقدر ضرورت ان میں موجود ہے دو تین نام میں اس وقت بتائے دیتا ہوں۔

اصلاح الرسوم۔ اس میں رسموں کا مفصل بیان موجود ہے۔ صفائی معاملات' یہ معاملات کے لیے بقدر ضرورت کافی ہے۔ حقوق الاسلام سے آپس کے اکثر حقوق معلوم ہو سکتے ہیں۔ (تفصیل الذکر ج۲۲)

ایک کاتب کا کارنامہ

یہاں ایک واقعہ یاد آیا میرے ایک عزیز مولوی سعید مرحوم وعظ لکھا کرتے تھے کچھ وعظوں کے مسودے ان کے ہاتھ کے ایسے رہ گئے جن کے صاف کرنے کی نوبت نہیں آئی اور ان کا انتقال ہو گیا۔ ایک کاتب اور پیدا ہوئے اور انہوں نے کہا کہ میں ان کو صاف کرلوں گا۔ ایک وعظ میں امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا بھی قول آیا تھا انہوں نے سمجھا کہ عبداللہ

سے مراد عبداللہ بن مسعود ہیں اور اس کی اصل یہ ہے کہ روایت حدیث میں جب عبداللہ مطلق آتا ہے تو مراد عبداللہ بن مسعود ہوتے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے بہت غلطیاں کیں ایسی صریح تو غلطیاں کیں اور اجرت بھی کتابت کی لے لی پھر ان کو اس کا علم بھی ہوا اور اجرت واپس نہ کی۔ بس کہہ دیا کہ میں اپنا کام کر چکا۔ (القاف ج ۲۲)

عورتوں کی ایک نامعقول حرکت

عورتوں میں یہ تو اچھی بات ہے کہ صفائی جلدی ہو جاتی ہے مگر ایک بڑی لغو حرکت ان میں یہ ہے کہ اگر اس نے قولاً یا فعلاً اپنی خطا کو معاف بھی کرا لیا ہو یعنی زبان سے معافی چاہ لی یا برتاؤ سے لیکن اس کے بعد اگر اور کسی بات میں کسی روز لڑائی ہو جائے تو پچھلے مردے پھر اکھیڑیں گی پھر ان پرانی باتوں کو دہراتی ہیں کہ تو نے یہ کیا تھا وہ کیا تھا سو یہ نہایت ہی نامعقول حرکت ہے، مردوں میں گو صفائی بدیر ہوتی ہے مگر ایک بار صفائی کے بعد پھر پچھلے واقعات کو دہراتے نہیں۔ سو یہ عورتوں کی بہت ہی نامعقول حرکت ہے عقلاً بھی اور شرعاً بھی یہ طریقہ زیادہ دل دکھاتا ہے بہر حال کسی درجہ میں ظالم کی شکایت کی تو اجازت ہے لیکن اگر کسی نے ستایا نہ ہو محض اپنا وقت گزارنے کے لیے کسی کی غیبت کرنا جیسے گنجفہ شطرنج وقت بہلانے کے لیے ہوتا ہے یہ کہاں جائز ہے اور یہ مرض غیبت کا صرف عورتوں ہی میں نہیں بلکہ مردوں میں بھی ہے گو قلت کے ساتھ ہے مگر یہ قلت اس درجہ کے اعتبار سے ہے جو عورتوں میں بھی ہے۔ گو قلت کے ساتھ ہے مگر یہ قلت اس درجہ کے اعتبار سے ہے جو عورتوں میں ہے ورنہ یہاں بھی کثرت ہے اور یہ ایسا مرض ہے کہ اتقیاء اور مولویوں میں بھی ہے مجلس میں بیٹھے اور کسی کی غیبت ہو رہی ہے کسی کی شکایت ہو رہی ہے کیونکہ جب تک اِدھر اُدھر کی باتیں نہ ملا دیں اس وقت تک مجلس کی رونق نہیں ہوتی لوگ مجالست مقصود سمجھتے ہیں کہ مجالست میں فرق نہ آوے خواہ کتنے ہی گناہ ہو جاویں حالانکہ مجالست مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ مقصود بالعرض ہے کسی بزرگ کے پاس جاؤ تو دین کی باتیں پوچھو مسئلے دریافت کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے مگر اب تو یہ آفت ہے کہ بزرگوں کی مجلس بھی دل بہلانے کے لیے ہوگئی ہے بس جہاں جی گھبرایا اور خیال ہوا کہ وہاں چلو شاہ صاحب کے پاس باتیں بتائیں گے دل بہلے گا یہ تو ایسا ہوا جیسے رند لوگوں کا بازاری عورت کے پاس جانا تو گویا بزرگ اس درجہ میں ہوئے۔ (رطوبۃ اللسان ج ۲۲)

آداب ملاقات:

ایک تحصیل دار صاحب نے مولانا کی شکایت کی کہ دوپہر کو ملنے گیا تھا مولانا اس وقت جاگ رہے تھے مگر مجھے دیکھ کر قصداً پشت پھیر لی اور مجھ سے بات تک نہ کی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو مولانا نے بہت اچھا کیا کیونکہ اس شخص نے بے اصول کام کیا۔ بھلا دوپہر کا وقت بھی کوئی ملنے کا وقت تھا۔ یہ وقت اہل اللہ کے لئے آرام کا وقت ہے کیونکہ وہ رات اتنے سویرے اٹھتے ہیں کہ اہل دنیا کو اس وقت نیند کی مستی میں دنیا و دین کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ اب جو شخص رات کو تین چار گھنٹے جاگتا ہو وہ اگر دوپہر کو ایک دو گھنٹہ سو لے تو کیا ظلم ہے بلکہ قیلولہ تو سنت ہے مگر افسوس یہ ہے کہ لوگ آج کل انگریزوں سے تو ان کی فرصت کا وقت معلوم کر کے ملتے ہیں اور بزرگوں ملاؤں سے اپنی فرصت دیکھ کر ملتے ہیں۔ وہاں تو اپنا کام چھوڑ کر دن بھر اس لئے ضائع کرتے ہیں کہ صاحب کو جس وقت فرصت ہو اس وقت فوراً حاضر ہو جائیں اور یہاں اپنے سب کاموں سے فارغ ہو کر جب اپنی فرصت دیکھی بزرگوں کے پاس ان کا وقت ضائع کرنے کو حاضر ہو گئے۔ ان کو اتنی عقل نہیں کہ یہ وقت ہماری فرصت کا ہے تو یہ کیا ضرور ہے کہ دوسرے کی بھی فرصت کا ہو۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس بھی دوپہر کو بعض لوگ ملنے آتے تھے، مگر حضرت اتنے نرم تھے کہ سب کے ساتھ بیٹھے رہتے اور ان کی باتیں سنتے رہتے۔ آنکھوں میں نیند ہوتی سر جھکا جاتا مگر طبیعت پر جبر کر کے بیٹھے رہتے۔ بعض دفعہ کسی خادم نے اگر کہہ دیا کہ یہ وقت ملاقات کا نہیں ہے حضرت کے آرام کا وقت ہے تو حضرت خادم پر خفا ہوتے کہ تم روکنے والے کون ہو؟ یہ بے چارے محبت سے آتے ہیں اگر مجھے تھوڑی سی تکلیف ہی ہو جائے گی تو کیا بڑی بات ہے اپنے دوستوں کے لئے آدمی تکلیف بھی گوارا کر لیا کرتا ہے۔ اس کے بعد خادم خاموش ہو گئے اور لوگوں نے بھی طریقہ اختیار کر لیا کہ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر دوپہر کو حضرت کے پاس آ بیٹھے۔ ایک دن حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ نے دوپہر کو دیکھا کہ ایک صاحب حضرت کی خدمت میں بیٹھے ہیں۔ خوب دھمکایا کہ رات کو تو بیویوں کو بغل میں رکھو اور صبح کو آٹھ بجے سو کر اٹھو۔ نہ تہجد کی پرواہ نہ صبح کی نماز کی، نہ جماعت کا خیال اور دوپہر کو اپنے سب کاموں سے فارغ ہو کر آئے بزرگوں کا وقت ضائع کرنے۔ رات کو

دو بجے سے جاگ اٹھتے ہیں، پھر صبح تک نہیں سوتے۔ تم کو شرم نہیں آتی۔ خبردار! جو آج سے کوئی دوپہر کو آیا ٹانگیں چیر دوں گا۔ حافظ صاحب کے دھمکانے پر حضرت کچھ نہیں بولے، پھر اس دن سے کوئی ایسے وقت میں نہ آیا تھا۔ (الجمعین بین النفعین ج ۲۴)

صفائی معاملات بھی ذکر موت میں داخل ہے:

موت کی یاد میں یہ بھی داخل ہے کہ معاملات کو صاف رکھے۔ اپنے ذمہ میں لوگوں کے جو حقوق ہوں ان کی اطلاع اپنے عزیزوں کو کرتا رہے، تاکہ اگر کسی کو رحم آ جائے تو اس کے بعد اس کو دَین سے بری کرادے۔ صاحب قرض کی روح جنت میں نہیں جاتی، بلکہ جب تک قرض ادا نہ ہو معلق رہتی ہے۔ افسوس ہے کہ جن ماں باپ نے اس کے واسطے اپنے ایمان کو فدا کر دیا ان کی روح کو یہ معلق رکھتا ہے۔ درمختار میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک ایک دانگ کے عوض میں جو دو تین پیسہ کا ہوتا ہے، سات سو نمازیں دلائی جائیں گی۔ آج کل تو لوگ اس کو بھی لازمہ ریاست سمجھتے ہیں کہ کسی کا حق ٹال کر دیں۔ **مطل الغنی ظلم** اجارہ میں قبل شروع کرنے کام کے جانبین کی رضامندی شرط ہے۔ بعد کو اپنی تجویز سے دے دینا حرام ہے، بلکہ حکام کو بازار کے نرخ میں دست اندازی شرعاً جائز نہیں ہے۔ مالک کو اختیار ہے چاہے جس نرخ سے فروخت کرے، نرخ تو اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے: "**ان اللّٰہ ھو القابض الباسط**" (بے شک اللہ تعالیٰ ہی روزی میں فراخی اور تنگی کرنے والے ہیں) حقوق العباد ایسی سخت چیز ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت میں سب لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ لوگو! جس کسی کا مجھ پر کوئی حق ہو وہ آج مجھ سے لے لے۔ میں چاہتا ہوں کہ قیامت میں مجھ پر دار و گیر نہ ہو۔ اگرچہ ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے کسی کا حق مار لیا، لیکن حقیقت میں بہت ہی کم ظلم کا مال ہضم ہوتا ہے۔ کسی پر کوئی مقدمہ قائم ہو گیا۔ ہزاروں کے وارے نیارے ہو گئے، کسی کو کوئی بیماری ایسی لگ جاتی ہے کہ دوا و ڈاکٹروں کی فیس میں گھر بک جاتا ہے۔ کیا خوب کہا ہے

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از در حق بہر استقبال می آید

(مظلوم کی بددعا سے ڈرو، کیونکہ اللہ کی طرف سے قبولیت استقبال کو آتی ہے)

انچہ بر تو آید از ظلمات و غم　　آں زبیبا کی و گستاخی است ہم

(تجھ پر جو ظلمات و غم آئیں تو اس کا سبب گستاخی و بے باکی ہے)

بعض مسلمان سود میں مبتلاء ہیں۔ بہت کم ایسے ہوں گے جو سود دینے سے بچے ہوں گے۔ جائیداد کو رہن کرنے میں سود دیتے ہیں۔ بعض اوقات کسی نئی جائیداد پر مائل ہو کر مکان و جائیداد کو رہن کر دیتے ہیں اور برسوں سود دیتے رہتے ہیں۔ جب سود دینے کی برائی سنتے ہیں تو اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہیں، توبہ نہیں کرتے، ایسے لوگوں کے حال سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ تو موت کے خیال سے کوسوں بھاگتے ہوں گے۔ مگر موت کو قریب و یقینی سمجھتے تو کیوں اس طول امل و بلائے عظیم میں مبتلا ہوتے۔ ایسے لوگوں کا بجز اس کے کوئی علاج نہیں کہ اس جائیداد کو فوراً بیچ کر قرضہ سے اپنی جان کو آزاد کریں، ورنہ سود کا قصہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔ اگر کہیں اس سے روپیہ برسنے کی اُمید تھی تو خریداری ہی کو اتنے عرصہ تک ملتوی کرنا چاہئے تھا۔ جہاں تک تجربہ ہوا، معلوم ہوا کہ ایسے لوگ اکثر اپنی پہلی جائیداد کو بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ سود لینے والے کو ستر گناہ ہوتے ہیں۔ ان میں سے ادنیٰ یہ ہے کہ اپنی ماں سے برا کام کیا اور باقی ۶۹ اِس سے زیادہ ہیں اور دینا اور لینا برابر ہے۔ لقولہٖ علیہ السلام وہُم سواء اگر مہاجن آپس میں یہ تجویز کریں کہ کسی مسلمان کو ہرگز روپیہ نہ دیا جائے تو کارروائی کی ہزاروں تجویزیں سمجھ میں آ جاویں لیکن دین کی تو فکر ہی نہیں۔ سوچے ہماری بلا اگر چھوڑنے کا ارادہ کیا جائے تو سو باتیں نکل آئیں لیکن بعضے ان میں سے خلاف وضع ہوں گی۔ پھر وضع ہی کو اختیار کر لو یا دین کو، دنیا میں کوئی کسی پر عاشق ہو جاتا ہے تو کیا کیا ذلت گوارا کرتا ہے۔ برسرِ بازار جوتیاں کھانا گوارا ہوتی ہیں لیکن دوست کی گلی نہیں چھوٹتی۔ اللہ تعالیٰ جوتیاں بھی نہیں لگاتے۔ محبت اور وضع داری جمع نہیں ہوسکتیں۔

اے دل آں بہ کہ خراب از گلگوں باشی　　بے زر گنج بصد حشمت قاروں باشی

در رہِ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں　　شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

''اے دل یہی بہتر ہے کہ محبوب حقیقی کی محبت و عشق میں مشغول رہ کر بغیر مال و دولت کے حشمت و جذبہ میں قارون یعنی دنیا داروں سے بڑھے رہو۔ لیلیٰ یعنی محبوب کی منزل میں جان کو سینکڑوں خطرے ہیں پہلی شرط اس راہ کے لیے مجنوں بن جانا ہے''۔

صاحبزادہ کی شادی میں اگر کہیں قرض نہ ملے تو آخری تجویز یہی ہوتی ہے کہ زمین زیور بیچ کر کام کیا جاوے، اور یہ سب بلاضرورت برادری کی خوشی کے واسطے کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے اگر یہ کام کیا جائے تو کیا بعید ہے۔ جب ظاہراً کوئی اُمید ادائیگی کی بالفعل نہیں ہے تو کس اُمید پر زیور و مکان رہن کرتے ہو۔ کوئی بزرگوں کے پاس آ کر کہتا ہے صاحب ایسا تعویذ یا وظیفہ بتلائیے کہ قرض ادا ہو جائے۔ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ کوئی کہے صاحب ایسا تعویذ دیجئے کہ بیٹا ہو جائے لیکن نکاح نہ کروں گا۔ تو پھر بیٹا کیا منہ سے جھڑے گا۔ (احکام و مسائل متعلق موت ج ۲۴)

حدود معاملات

معاملات کو دیکھ لیا جائے ان میں بھی حدود ہیں نکاح کی بھی ایک حد ہے کہ چار بیبیوں سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ اسی طرح ہر عورت سے نکاح جائز نہیں بلکہ بعض حلال ہیں بعض حرام بہت سی عورتیں نسب کی وجہ سے حرام ہیں بعض رضاع کی وجہ سے بعض مصاہرت کی وجہ سے بیع و شراء کے لئے بھی حدود ہیں بعض صورتیں ربوا میں داخل ہیں بعض صورتیں بیوع فاسدہ ہیں بعض صورتیں بیوع باطلہ ہیں۔ (حرمات الحدود ج ۲۵)

اسلاف کی احتیاط

امام سفیان ثوریؒ باوجود یہ کہ بہت بڑے تارک تھے حتیٰ کہ خلیفہ ہارون الرشید جو خلافت سے پہلے ان کا بڑا دوست تھا خلیفہ ہونے کے بعد انہوں نے ہارون رشید سے ملنا چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ بیت المال میں ان کے مذاق کے موافق احتیاط نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ہارون رشید کا خط ان کے پاس آیا تو اس کو ہاتھ سے نہیں کھولا بلکہ ایک لکڑی سے کھولا۔ خط میں ہارون رشید نے ایک شکایت کی تھی کہ آپ نے مجھ سے ملنا چھوڑ دیا امام سفیان ثوریؒ نے سخت جواب دیا اور لکھا کہ تم بیت المال میں بیجا تصرف کرتے ہو قیامت میں تم سے اس کی باز پرس ہوگی اسلئے میں تم سے نہیں ملنا چاہتا مبادا کہیں میں بھی غضب میں گرفتار نہ ہو جاؤں وقف کا مال بہت احتیاط کے قابل ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ چراغ جلا کر کچھ کام کر رہے تھے۔ کہ اتنے میں حضرت علی کرم اللہ

وجہہ تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ نے چراغ فوراً گل کردیا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ میرے آتے ہی آپ نے چراغ کیوں بجھادیا فرمایا کہ اس میں بیت المال کا تیل ہے اب تک تو میں بیت المال کا کام کررہا تھا اس لئے میرے واسطے مباح تھا اور اب ہم دونوں باتیں کریں گے اس لئے بیت المال کا تیل جلانا جائز نہیں۔ اس لئے میں نے چراغ گل کردیا۔

سبحان اللہ حضرات صحابہ میں کیسی احتیاط تھی اگر آجکل کوئی شخص ایسی احتیاط کرنے لگے تو عوام تو کیا خواص بھی اسے وہمی کہنے لگیں۔ (حرمات الحدود ج ۲۵)

مشائخ وعلماء کو شفقت میں اعتدال کی ضرورت

بعض مشائخ وعلماء کی حالت یہ ہے کہ غلبہ شفقت میں ہر شخص کے کام میں گھس جاتے ہیں پھر معاملہ میں مشورہ بھی دیتے ہیں اور ہر شخص کی خدمت کو تیار ہوجاتے ہیں اور اس سے وہ اپنا نقصان کرلیتے ہیں کہ نہ معمولات کا انضباط رہتا ہے نہ کسی وقت یکسوئی حاصل ہوتی ہے نہ کوئی وقت تنہائی کا ان کو ملتا ہے۔ ہر وقت مجلس جمائے بیٹھے رہتے ہیں اور دوسروں کی دنیا سنوارنے میں اپنا دین برباد کردیتے ہیں یہ حالت قابل اصلاح ہے مگر آجکل مشائخ اس کو عین طاعت سمجھتے ہیں۔ ہمارے ماموں صاحب جن پر آزادی غالب تھی مگر باتیں حکیمانہ فرماتے تھے تو ان کی کوئی بات حکمت کی ہو تو اس کے بیان کرنے میں کیا حرج ہے وہ مجھے فرماتے تھے کہ دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت میں اپنی پونجی کو برباد نہ کردینا جیسے بنارس کی حکایت سنی ہے کہ وہاں نہان کے موقع پر ایک رئیس نے اپنے ملازم کو سامان کے پاس بٹھا دیا اور خود نہانے چلا گیا سامان بہت قیمتی تھا اور نقد روپیہ بھی ساتھ تھا چوروں نے دیکھ لیا اور کوشش کی کہ کسی طرح ملازم یہاں سے اٹھے تو سامان پر قبضہ کریں تو انہوں نے یہ تدبیر کی کہ پیتل کی اشرفیاں جیب میں بھر کر اس ملازم کے سامنے سے زمین پر گراتے ہوئے گزرے ملازم یہ سمجھا کہ سونے کی اشرفیاں ہیں اور بے خبری میں جیب کے پھٹ جانے سے گر رہی ہیں وہ حرص میں سامان کے پاس سے اٹھا کہ قریب تو ہوں ہی اور اشرفیاں جمع کرنے لگا چوروں کی ایک جماعت جو اسی انتظار میں تھی آئی اور رئیس کا سامان اٹھا کر چلتی ہوئی تو جیسے اس شخص نے پیتل کی

اشرفیوں کیلئے قیمتی سامان کو برباد کیا اسی طرح بعض مشائخ غلطی کرتے ہیں۔ بہرحال ہمارے ماموں صاحب کا یہ ارشاد تھا اور واقعی سچی بات تھی۔ (التزاحم فی التراحم ج ۲۵)

اولیاء اللہ کی طبیعتوں میں بڑا انتظام ہے

حضرت سلطان نظام الدینؒ کے یہاں دو شخص بیعت کے واسطے آئے آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے یہاں کا حوض اس مسجد کے حوض سے بہت بڑا ہے۔ سلطان جی نے سن لیا پوچھا کتنا بڑا ہے کہنے لگے یہ تو معلوم نہیں سلطان جی نے فرمایا کہ جاؤ ناپ کر آؤ۔ بے چارے مرتے کھپتے گئے اور جا کر ناپا تو ایک بالشت بڑا نکلا۔ بڑے خوش ہوئے کہ ہماری بات سچی رہی۔ مہینہ بھر کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو سلطان جی نے پوچھا کہ حوض کو ناپ آئے کہا حضور ہاں، فرمایا کتنا بڑا ہے بتلایا ایک بالشت بڑا ہے۔ سلطان جی نے فرمایا کہ تم تو یوں کہتے تھے کہ ہمارا حوض بہت بڑا ہے۔ ایک بالشت بڑے کو بہت بڑا نہیں کہہ سکتے تم میں تحقیق و انتظام کا مادہ نہیں ہے جاؤ تمہاری ہم سے موافقت نہ ہوگی ہم بیعت نہ کریں گے۔ اسی طرح ایک بزرگ کا معمول تھا کہ جب کوئی طالب انکے یہاں آتا تو روٹی اور سالن معمولی خوراک سے مگر باہمی تناسب کی رعایت سے اس کے آگے بھیجتے کھانا بچنے کے بعد پھر دیکھتے سو اگر وہ مناسب انداز سے روٹی سالن چھوڑتا تب تو بیعت کر لیتے اور اگر سالن ختم کر دیا روٹی چھوڑ دی یا روٹی ختم کر گیا اور سالن چھوڑ دیا یا دونوں چیزیں چھوڑیں مگر مناسب انداز سے نہیں بلکہ روٹیاں دو ہیں تو سالن ایک ہی روٹی کا ہے یا برعکس تو اسے بیعت نہ فرماتے تھے اور کہہ دیتے کہ تمہارے اندر سلیقہ اور انتظام نہیں ہمارا تمہارا نباہ نہ ہوگا۔ اگر آج کل کوئی شیخ ایسا برتاؤ کرے تو اس کو بدمزاج کہتے ہیں بھلا ان ناقدروں سے کیا توقع کی جائے۔ (الباب لاولی الالباب ج ۲۵)

رئیس ضلع بلند شہر کے رسم چہلم ختم کرانے کا واقعہ

ضلع بلند شہر کے ایک رئیس کا انتقال ہوا ان کے صاحبزادے نے چالیسویں کی رسم کو توڑنا چاہا لیکن اس کی یہ صورت اختیار نہ کی کہ کچھ سامان نہ کریں بلکہ یہ کیا کہ رسم کے موافق تمام برادری کو دعوت دی اور بہت سے عمدہ عمدہ مرغن کھانے پکوائے۔ بڑے لوگوں پر ایک

یہ بھی آفت ہے کہ جب تک وہ گھی کی نہریں نہ بہادیں اس وقت تک ان کا کرنا کچھ نہیں سمجھا جاتا۔ غرباء الحمدللہ اس سے بری ہیں۔ غرض جب سب لوگ جمع ہو گئے تو کھانا چنوایا اور ہاتھ دھلوا کر سب کو بٹھلایا گیا اور کھانا شروع کرنے کی اجازت دینے سے پہلے پکار کر کہا صاحبو آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد ماجد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے اور والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ جانا جس عظیم الشان صدمہ کا سبب ہوتا ہے ظاہر ہے تو صاحبو کیا یہی انصاف ہے کہ ایک تو میرا باپ مرے اور اوپر سے تم لوگ لوٹنے کے لئے جمع ہو تم کو کچھ شرم بھی آتی ہے اس کے بعد کہا کہ اب بسم اللہ کر کے کھایئے لیکن سب لوگ اسی وقت اٹھ گئے اور یہ رائے ہوئی کہ ان رسوم کے متعلق علیحدہ بیٹھ کر غور کرنا چاہئے چنانچہ بہت سے آدمی جمع ہوئے اور باتفاق رائے ان کو موقوف کر دیا اور وہ کھانا فقراء کو تقسیم کر دیا گیا۔ (ذم المکروہات ج ۲۶)

مسلمانوں میں صفائی معاملات کا فقدان ہے

آج کل ہم لوگوں نے دین میں انتخاب کر لیا ہے۔ کسی نے صرف نماز کو لے لیا' کسی نے صرف روزہ کو کسی نے عبادات میں واجبات و فرائض کا اہتمام کیا تو اخلاق کو چھوڑ دیا۔ اس لیے اعمال بلا اخلاق کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ نماز پڑھ کر عجب اور تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں' دعویٰ اور فخر کرنے لگتے ہیں' دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں اور اس حالت کی اصلاح کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے ایسے لوگوں نے دین کو نماز روزہ پر منحصر سمجھ لیا ہے اخلاق و معاملات کو بالکل پس پشت ڈال دیا۔ چنانچہ اخلاق کی کیفیت تو اوپر معلوم ہو چکی' معاملات کی حالت یہ ہے کہ مسلمان معاملات عدالت کو وکلاء سے تو پوچھتے ہیں' علماء سے کبھی نہیں پوچھتے کہ ہم یہ معاملہ کس طرح کریں۔ یہ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت کو معاملات سے کیا مطلب۔ (الھدی والمغفرہ ج ۲۷)

آداب ضیافت

مسلم میں حدیث ہے مقداد بن اسود اس کے راوی ہیں یہ اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ ہم تیرہ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں مہمان ہوئے صحابہ کی عادت تھی کہ مہمانوں کو تقسیم کر لیا کرتے تھے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی تقسیم کر دیا چند آدمی اپنے حصے میں رکھے ان میں یہ بھی تھے۔ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد تشریف لاتے اور ہم

لیٹے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سلام کرتے کہ جاگتا آدمی تو سن لے اور سوتا آدمی جاگ نہ جائے۔ دیکھئے تہذیب یہ ہے کہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے اس کی رعایت ہر شخص کے ساتھ چاہئے اور حدیث بقیع عرفد میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں قام رويد او انطلق رويدا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ آہستہ اٹھے اور آہستہ آہستہ تشریف لے گئے تا کہ حضرت عائشہ کی نیند میں خلل نہ آئے اپنے سے چھوٹوں کی بھی یہ رعایت ہے آج کل بڑوں کے سامنے بھی دبنا نہیں چاہتے۔ اب لوگ تہجد کو اٹھتے ہیں تو ڈھیلے پھوڑتے ہیں کھٹ کھٹ چلتے ہیں گویا بتلانا چاہتے ہیں کہ ہم تہجد کو اٹھے تہذیب تو کہیں باقی ہی نہیں رہی ادب کے معنے لوگوں نے بار بار جھکنے کھڑے ہونے اور آداب وتسلیمات لے لئے ہیں حقیقت میں مؤدب تھے تو صحابہ تھے مگر نہ ان میں بار بار اٹھنا تھا نہ بار بار جھکنا تھا نہ چبا چبا کر باتیں کرنا تھا لیکن موقع پر دیکھئے کہ جان دینے میں بھی تامل نہ تھا زیادہ صورت تعظیم وتکریم کو اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ شخص وقت پر کچھ بھی کام نہ دے گا نیز ایسی تعظیم سے دوسرے شخص کا ضرر ہوتا ہے کہ اس کے اندر عجب پیدا ہو جاتا ہے حدیث میں جو آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تو کچھ آدمیوں کو آگے اور کچھ کو پیچھے کر لیتے جب اس پر عمل کر کے دیکھا جاتا ہے تب اس کی قدر ہوتی ہے کہ اس میں جانبین کی کس قدر منفعت ہے مگر ان باتوں کا خیال تو کیا ان کا داخل شریعت ہونا بھی اب معلوم نہیں رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح بیٹھتے کہ کوئی امتیاز نہ ہوتا۔ عرب میں اب بھی یہ رسم ہے کہ سب یکساں بیٹھتے ہیں۔ ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں پاشا نے حجاج کو محمد حسین سندھی مطوف کے مکان پر جمع کیا سب لوگ وقت سے پہلے پہنچ گئے پاشا اپنے وقت پر آئے، لوگ ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے مگر وہ ایک کونے میں بیٹھ گئے جہاں پہلے ایک معمولی آدمی بیٹھتا تھا اور مجمع میں کسی نے اونچی جگہ بیٹھنے کی تواضع بھی نہ کی بتایئے اس میں کیا حرج ہو گیا تکلفات کے رواج ڈال لینے سے ایک خرابی یہی پیدا ہوتی ہے کہ اگر پھر تکلف نہ کیا جائے تو برا ماننے کی نوبت آتی ہے اور جب تکلفات کا رواج ہی نہیں تو برا ماننے کا موقع بھی نہ ہوگا۔ (ادب العشیر ج ۲۸)

ایک دیندار ڈپٹی کی حکایت

ایک ڈپٹی صاحب ہیں جو بہت دیندار ہیں وہ اپنے ایک لڑکے کا ٹکٹ آدھا لیتے تھے اور گھر والوں سے اس کی تحقیق کر رہے تھے کہ اس کی عمر کیا ہے۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا

کہ اس کی اتنی عمر ہے جس پر ٹکٹ پورا لگنا چاہئے۔ آس پاس جو لوگ کھڑے تھے وہ سب ہنس رہے تھے کہ دیکھو اس بچے کے لئے آدھا ٹکٹ بھی کھپ سکتا تھا اگر آدھا ٹکٹ لیتے تب بھی کوئی نہ ٹوکتا یہ خود ہی اپنا پیسہ پھینکتے ہیں۔ ایک اور شخص بی اے ہیں وہ ریل میں سوار ہوئے وقت کم تھا اسباب تلوا نہ سکے جہاں اترے وہاں انہوں نے کہا اسباب تول لو بابو نے دیکھا اور کہا جاؤ لے جاؤ انہوں نے کہا نہیں اسباب زیادہ ہے (خدا جسے نیکی دے وہ ایسے ہی ہوتے ہیں) ان کی وضع قطع سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ انگریزی جانتے ہیں اس لئے اسٹیشن ماسٹر اور وہ بابو انگریزی میں آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ ایک نے دوسرے سے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے شراب پی رکھی ہے اس کے نشہ میں ہے۔ انہوں نے کہا جناب میں شراب پیئے ہوئے نہیں ہوں میں مسلمان ہوں مذہب اسلام میں حق تلفی جائز نہیں محصول لے لیجئے۔ بابو نے کہا کہ جاؤ جی ہم کو فرصت نہیں (عجیب بات ہے کہ چھپے ہوئے کو تو پکڑتے ہیں اس کے واسطے چلتی گاڑی میں بھی گشت کرتے ہیں اور یہ محصول دے رہے ہیں اور نہیں لیتے) اب انہیں فکر ہوئی کہ آخر میں کیا کروں میں محصول دے رہا ہوں اور یہ لوگ نہیں لیتے مگر حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا فوراً سمجھ میں آ گیا بس حساب کیا کہ کتنا محصول واجب ہے اتنی رقم کا ایک ٹکٹ کسی اسٹیشن کا لے کر پھاڑ دیا اس طرح کرایہ ادا ہو گیا یہ خدا کا خوف تھا لیکن اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طبائع میں بالکل انقلاب ماہیت ہو گیا ہے اور یہ اگر چہ بداہۃً برا ہے لیکن اس کے عام ہو جانے سے اس کی برائی نظروں سے اٹھ گئی ہے بلکہ بجائے برائی کے رواج عام ہو جانے سے اس کی بھلائی ذہنوں میں آ گئی ہے پھر ایسے فعل پر عمل کیسے ہو جس کے مقابل کی بھلائی ذہنوں میں موجود ہے یہ دشواریاں ہیں جس کی وجہ سے دین پر قائم رہنے والے کو چنگاری کے ہاتھ میں لینے کے ساتھ ساتھ حدیث میں تشبیہ دی گئی ہے لیکن جس طرح عمل اس وقت میں دشوار ہے اسی طرح (میں بشارت سناتا ہوں آپ کو کہ) اس وقت عمل کا ثواب بھی زیادہ ہے۔ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ ایسے وقت میں ایک عمل کرنے والے کو ثواب پچاس آدمیوں کا ملے گا صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا ان کے پچاس کا یا ہم میں کے پچاس کا (ان کے پچاس ہوں گے تو سارے نکمے ہوں گے) جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم

میں کے پچاس کا دیکھئے کتنی بڑی بات ہے اس حدیث کے بموجب اس وقت ایک عمل کا ثواب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پچاس عمل کے برابر ملتا ہے کتنی بڑی فضیلت ہے یہ اور بات ہے کہ ان کا ایک ہی حصہ ہمارے پچاس سے کیفاً بڑھا ہوا ہو۔ صحابہ کے اعمال ہم سے ضرور بڑھے ہوئے ہیں ان کا ایک اور ہمارے سو بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ حدیث میں موجود ہے لو انفق احدکم مثل الاحد ذھبا مابلغ مداحد ھم و لا نصیفه او کما قال یعنی اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خیرات کر دے گا تو صحابی کے ایک مد یا اس کے نصف کے برابر بھی نہ ہوگا ہمارے اعمال کیسے بھی ہوں لیکن ان میں وہ چیز نہیں ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعمال میں تھی ان میں روح بھری ہوئی تھی اور ہمارے اعمال میں صرف صورت ہے اور کسی کے عمل میں روح ہو بھی تب بھی ان جیسی روح نہیں ہے خیر پچاس تو ہیں گو وہ پچاس ایک کے بھی برابر نہ ہوں، ہم صحابہ جیسے تو بن نہیں سکتے تاہم ان کی نقل تو کر سکتے ہیں۔ (ادب الاسلام ج ۳۰)

حضرات صحابہؓ کی عجیب شان

کانپور میں ایک صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا بھلا کہتے تھے ایک مرتبہ اتفاق سے میں ان سے ملا انہوں نے وہی تذکرہ چھیڑا اور حدیث پڑھی۔ "من سب اصحابی فقد سبنی ومن سبنی فقد سب اللّٰه" (جس نے صحابہ کو گالی دی پس تحقیق کہ اس نے مجھ کو گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی پس تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی) اور کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نامناسب الفاظ کہہ دیتے تھے تو وہ اس حدیث کے مصداق ہو گئے۔ میں نے کہا کہ صاحب آپ نے غور نہیں کیا' اس حدیث کے یہ معنی نہیں جو آپ نے سمجھے بلکہ اس کے معنے دوسرے ہیں ان کے سمجھنے کے لیے اول آپ ایک محاورہ سمجھئے کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ جو شخص میرے بیٹے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے گا میں اس کی آنکھیں نکال دوں گا تو اب بتلائیے کہ یہ وعید کس شخص کے لیے ہے آیا اپنی دوسری اولاد کے لیے بھی کہ اگر وہ آپس میں لڑیں جھگڑیں تو ان کے ساتھ بھی یہی کیا جائے گا یا غیروں اور اجانب کے لیے ہے۔ ظاہر ہے کہ اجانب کے لیے یہ وعید ہے پس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ غیر اصحاب

میں سے جو شخص میرے اصحاب کو برا کہے اس کے لیے یہ حکم ہے اس کو سن کر وہ کہنے لگے کہ یہ ذہانت کی باتیں ہیں میں نے کہا کہ صاحب پھر کیا غباوت کی باتیں کہوں اس پر وہ شرمندہ سے ہو گئے تو مجھے بہت حجاب ہوا۔ اسی لیے میں نے اپنا یہ معمول کر لیا ہے کہ اگر کوئی بڑا آدمی مجھے بلاتا ہے تو اول یہ شرط کر لیتا ہوں کہ خلوت میں گفتگو کروں گا کیونکہ جلوت میں گفتگو کرنے سے اکثر مخاطب لاجواب ہو کر شرمندہ ہو جاتا ہے اور میں اس کو باوجاہت لوگوں کے لیے پسند نہیں کرتا۔ آخر میں ان کی شرم یوں اتاری کہ میں نے ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے آپ عامل ہیں مجھ کو نیند کم آتی ہے اگر آپ پانی پڑھ کر بھیج دیا کریں تو بہت اچھا ہو۔ چنانچہ وہ اس سے خوش ہوئے اور تشتری لکھ دینے کا وعدہ کیا۔ غرض حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف داری کر کے دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا نہ کہنا چاہیے اور صاحبو! اس وقت کی سلطنت ہی کیا تھی جس پر کوئی لالچ کرتا اس وقت کی سلطنت یہ تھی کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوپہر کے وقت گرمی میں چلے جا رہے تھے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا پوچھا کہ امیر المومنین کہاں چلے آپ نے فرمایا کہ بیت المال کا ایک اونٹ غائب ہو گیا ہے اس کی تلاش کو جا رہا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت آپ نے اس گرمی میں کیوں تکلیف کی کسی کو حکم دیا ہوتا کہ وہ تلاش کر لیتا آپ نے فرمایا کہ اے عثمانؓ میدان قیامت کی گرمی اس گرمی سے اشد ہے۔ (فضائل العلم والخشیہ ج۳۱)

اہل دین کا شفقت میں غلو

ایک شفقت اہل دین کی ہے کہ ان لوگوں کو جوش اٹھتا ہے کہ جس طرح ہو سکے قوم کی اصلاح ہو جائے' اس کوشش میں مختلف طرح کی مشکلات ان کو پیش آتی ہیں اور ان میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ ہیں کہ جو کچھ مدارس یا انجمنیں قائم کرتے ہیں ان سے مقصود صرف اپنا نفع ہوتا ہے کہ ہم کو خوب روپیہ ملے یا ہمارا خوب نام ہو۔ یہ لوگ تو مصلحین کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل ہی نہیں دوسرے وہ لوگ ہیں کہ واقعی وہ اصلاح چاہتے ہیں اور ان کی سچی تمنا یہ ہے کہ قوم کی حالت درست ہو جائے مگر ان کو شفقت میں غلو ہو گیا ہے اس میں اول تو جسمانی تکلیف ہوتی ہے دوسرے بعض اوقات دین کی بھی خرابی ہو جاتی ہے

کہ اس کے اہتمام میں بعض ناجائز طریقوں کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔ تیسرے بہت پیچھے پڑنے سے عداوت ہوجاتی ہے۔ یادرکھو "**لایکلف اللہ نفساً الاّ وسعھا**" خدا تعالیٰ کے دربار میں وسعت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی مجھے تو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یادآتا ہے اگر ان کے پاس کوئی فہرست مسجد کے چندہ وغیرہ کی لے کر آتا اور دستخط کرنے کی درخواست کرتا تو فرماتے کہ یہاں کیوں لوگوں کے پیچھے پڑے ہو مسجد یا مدرسہ بنانا ہی ہے تو کچی دیواریں اٹھا کر بنالو' اگر وہ کہتا کہ حضرت کچی دیواریں گرجائیں گی تو فرماتے کہ میاں پکی بھی آخر گریں گی تو جب گرجائیں گی کوئی دوسرا بنادے گا تم قیامت تک کا بندوست کرنے کی فکر میں کیوں پڑے۔ بات یہ ہے کہ:

آرزو میخواہ لیک اندازہ خواہ   برنتابد کوہ را یک برگ کاہ

چارپارا قدر طاقت بار نہ   بر ضعیفاں قدر ہمت کار نہ

(تمنا کر لیکن اپنے مرتبہ کے موافق کر اس لیے کہ پہاڑ کو ایک گھاس کا پتہ نہیں اٹھا سکتا' چوپایوں پر ان کی طاقت کے بقدر بوجھ رکھ' کمزوروں پر ان کی ہمت کے بقدر کام رکھ یعنی کام سپرد کر) (فضائل العلم والخشیۃ ج۳۱)

آخرت

☆ دنیا اور آخرت کی حدود
☆ اوران سے معاملہ کرنے میں آخرت کوترجیح دینے اور پیش نظر رکھنے کی تاکید
☆ اللہ تعالیٰ سے ملاقات
☆ قبر حشر' جنت جہنم' صدقات جاریہ
☆ مراقبہ موت' غفلت کا علاج

جیسے دیگر موضوعات پر حکیم الامت رحمہ اللہ کی حکیمانہ الہامی خطبات سے انتخاب

دودھ والی رات کا واقعہ

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو کسی دوسرے بزرگ کو کشف ہوا یا خواب میں دیکھا کہ ان سے سوال ہو رہا ہے کہ ہمارے واسطے کیا عمل لے کر آئے ہو انہوں نے جواب دیا کہ اور تو کچھ نہیں، توحید لے کر آیا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ تو جھوٹا ہے، توحید بھی تیری درست نہیں۔ "اذکر لیلة اللبن" دودھ والی رات کا قصہ یاد کرو۔ دودھ والی رات کا قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک روز دودھ پینے کے بعد پیٹ میں درد ہو گیا تھا تو انہوں نے کسی سے یہ کہا کہ دودھ پینے سے درد ہو گیا تو یہ باز پرس ہوئی کہ تم نے دودھ کو مؤثر قرار دیا حالانکہ مؤثر ہم ہیں۔ یہ کیسی توحید ہے جب توحید بھی غلط ثابت ہوئی تو وہ بزرگ بہت پریشان ہوئے۔ پھر ارشاد ہوا کہ تم اپنے قول کے موافق دوزخ کے مستحق ہو چکے کیونکہ تمہارے اقرار میں تمہارے پاس صرف ایک نیکی تھی اور وہ بھی غلط ثابت ہوئی۔ اب سنو! ہم تم کو کس بات پر بخشتے ہیں۔ ایک رات کو تم نے ایک بلی کے بچے کو سردی سے کانپتا دیکھا تھا اور تم نے اس پر رحم کھا کر لحاف ڈال دیا تھا جس پر اس نے تم کو دعا دی۔ وہ دعا اس بلی کے بچے کی ہم نے قبول کر لی اور تم کو اس کی دعا پر بخشا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک عمل تھا مگر کبھی حق تعالیٰ بدوں عمل کے صرف ظاہری صورت پر بخش دیتے ہیں۔ (المراد ج۱)

دنیا و آخرت

طلب دنیا طلب آخرت دونوں کے ثمرات کو قرآن مجید میں کس طرح بیان کیا گیا ہے۔ طالب دنیا کی بابت تو ارشاد ہے: ''عَجَّلْنَا لَهٗ فِيهَا مَانَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ'' یعنی ہم طالبان دنیا میں جس کو چاہتے ہیں اور جس قدر چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ نہ سب کا کامیاب ہونا ضروری ہے اور نہ یہ ضروری کہ جو وہ چاہا کریں وہی مل جائے بلکہ حق تعالیٰ چاہیں گے تو دے دیں گے۔

اور طالبان آخرت کے متعلق ارشاد ہے: "فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُھُمْ مَّشْکُوْرًا" کہ جو آخرت کی طلب، کوشش عملی اور ایمان کے ساتھ کرتے ہیں ان کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔ ایمان اور سعی کی قید واقعی ہے احترازی نہیں اور یہ دراصل بیان ہے من ارادہ الآخرۃ کا کہ ارادہ آخرت کہتے ہی ہیں ایمان اور عمل صالح میں سعی کرنے کو کیونکہ اس کے بدوں طلب آخرت سمجھتے ہیں مگر عمل صالح نہیں کرتے کہ دراصل یہ لوگ طالب آخرت ہی نہیں، طلب کے لیے علامت بھی چاہیے۔ طلب آخرت کی علامت یہی ہے کہ ایمان اور عمل صالح اختیار کیا جائے اور میں نے یہ مضمون کہ "وَسَعٰی لَھَا سَعْیَھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ" قید واقعی ہے اس لیے بیان کیا تا کہ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس آیت میں جو ثمرہ ارادہ آخرت کے متعلق مذکور ہے وہ صرف ارادہ کا ثمرہ کہاں ہے بلکہ سعی اور ایمان اور ارادہ اس سب مجموعہ کا ثمرہ ہے اور دعویٰ تمہارا ارادہ آخرت کے ثمرہ کا ہے تو اس تقریر سے یہ شبہ زائل ہو گیا کیونکہ میں نے بتلا دیا کہ یہ قید واقعی ہے اور یہ ارادہ کا بیان اور اس کی شرح ہے۔ رہا یہ سوال کہ پھر اس کے مقابل ارادہ عاجلہ کی تفسیر کیوں نہ بیان کی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ آخرت کی اس تفسیر سے مقصود یہ ہے کہ ارادہ آخرت کا سہل ہونا معلوم ہو جائے کہ اس میں معمولی سعی اور ایمان کی ضرورت ہے تا کہ اس کے بعد آخرت کی طلب کرنے کے لیے رغبت دل میں پیدا ہو، بخلاف ارادہ دنیا کے کہ اس کی ترغیب مقصود نہیں اس لیے اس کی تفسیر بیان نہیں فرمائی۔ علاوہ ازیں یہ کہ ارادہ آخرت کی تفسیر کے متعلق تو لوگ غلطی میں مبتلا ہیں کوئی کسی طریقہ کو طلب آخرت سمجھتا ہے کوئی کسی طریقہ کو۔ اس لیے اس کی تفسیر کی ضرورت تھی اور ارادہ دنیا کو ہر شخص سمجھتا ہے اس کے بیان کی حاجت نہ تھی۔ (المراد ج ۱)

دنیا کی حقیقت

اب یہ سمجھو کہ دنیا اس مال کا نام نہیں، مال بے چارہ تو مفت میں بدنام ہو گیا ہے اس لیے کہ بعض مال اچھا ہے جیسے حلال مال اور بعض مال برا ہے جیسے رشوت، چوری کا مال۔ پس اگر دنیا نفس مال کا نام ہوتا تو اس کی دو قسمیں کیسے ہوتیں۔ دنیا نام تعلق بغیر اللہ کا ہے یعنی خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے تعلق بڑھا کر بکھیڑوں میں پڑ کر، معاملات میں گھس کر اللہ تعالیٰ سے غافل ہونا۔ پس یہ تعلق بغیر اللہ سب کے لیے برا ہے۔ بخلاف

مال کے کہ کسی کے لیے اچھا' کسی کے لیے برا ایسے ہی اولاد بھی دنیا نہیں' ہاں قلب کا اس کے ساتھ اتنا تعلق جو غافل کردے یہ دنیا ہے۔ (الدنیا ج۱)

دنیا بقدر ضرورت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے کہ ضرورت کے موافق دنیا سے تعلق رکھو مگر اس سے دل نہ لگاؤ' اس میں منہمک نہ ہو جاؤ نہ تعلقات کو بڑھاؤ بلکہ حتی الامکان اختصار رکھو۔ اس میں نہ تعطل ہے نہ اس پر عمل دشوار ہے مگر اللہ بھلا کرے بعض واعظین کا کہ وہ وعظ کے وقت جو زہد وتوکل کا بیان کریں گے تو اس کو ہوا ایسا بنادیں گے جو ان واعظ صاحب کے باپ سے بھی نہ ہو سکے۔ حالانکہ شریعت میں ممتنع العمل کوئی بات نہیں ہے۔ پس یہ شریعت کی تعلیم نہیں ہے بلکہ واعظوں کی من گھڑت ہے۔ شرعاً زہد وتوکل کے لیے یہ لازم نہیں کہ ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہ رکھے بلکہ مال جمع کرنے کے ساتھ بھی زہد وتوکل ہو سکتا ہے۔

جس کی صورت یہ ہے کہ مال کے ساتھ دل نہ لگائے اور ضرورت سے زیادہ کے درپے نہ ہو۔ پس یہ زہد ہے اور اگر بدوں طلب وانہماک کے ضرورت سے زیادہ سامان حق تعالیٰ عطا فرمائیں تو یہ بھی زہد کے خلاف نہیں۔ اور توکل یہ ہے کہ اسباب کو مؤثر نہ سمجھے اور نہ ان پر اعتماد کرے بلکہ حق تعالیٰ پر نظر رکھے اور ہر چیز کو انہی کی عطا سمجھے۔ اس کے لیے ترک اسباب اور ترک ملازمت ضروری نہیں۔ (غریب الدنیا ج۱)

موت کی یاد

ایک وقت مقرر کر کے اس میں موت کو یاد کیا کرو۔
اور پھر قبر کو یاد کرو۔
اور پھر حشر کو یاد کرو
اور یوم حشر کے اہوال کو اور وہاں کے شدائد کو یاد کرو۔
اور سوچو کہ ہم کو خدائے تعالیٰ قادر کے روبرو کھڑا کیا جائے گا!
اور ہم سے باز پرس ہوگی!
ایک ایک حق اُگلنا پڑے گا۔ اور پھر سخت عذاب کا سامنا ہوگا!

اسی طرح روزانہ سونے کے وقت سوچ لیا کرو۔ دو ہفتے میں ان شاء اللہ تعالیٰ کایا پلٹ ہو جائے گی اور جو اطمینان وانس اور دلچسپی دنیا کے ساتھ اب باقی ہے نہ رہے گی۔ (الرضا بالدنیا ج۱)

دعوت تدبر

یہ جو قرآن شریف میں ہے کہ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ

(البقرہ آیت نمبر ۲۱۹، ۲۲۰)

''تا کہ تم دنیا وآخرت کے معاملات میں سوچ لیا کرو۔''

کہ فکر کرتے ہیں دنیا اور آخرت میں اس فکر فی الدنیا کی کسی نے کیا اچھی تفسیر کی ہے کہ دنیا کی تکالیف اور دنیا کی لذات میں غور کرے کہ یہاں کی لذات سب ایک دن فنا ہو جائیں گی اور دنیا کی زندگی تکالیف سے بھری ہوئی ہے اور فکر آخرت سے اس کا عکس ثابت ہوگا۔ اس مجموعہ کے سوچنے سے دنیا کی بے قدری ہوگی اور آخرت کی طرف رغبت بڑھے گی۔ جب دونوں کا موازنہ کرے گا تو معلوم ہوگا کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا لاشے محض ہے۔ اور اس مراقبہ سے دنیا کی تکالیف میں بھی کمی ہوگی کیونکہ جب سوچے گا کہ دنیا میں بالفعل اگرچہ تکالیف ہیں مگر یہ ایک روز فنا ہو جائے گی اور آخرت میں راحت ہی راحت ہے تو وہ تکالیف نہ معلوم ہوں گی اس لیے میں نے اس ذاکر سے کہا کہ جب موت کے تفکر سے جی گھبراتا ہے تو حیات کا تفکر کرو۔ حق تعالیٰ نے ہر شخص کے مناسب سوچنے کی چیزیں بتلا دی ہیں مگر افسوس ہمارا کوئی وقت سوچنے کے لیے فارغ نہیں۔ (الاطمینان بالدنیا ج۱)

امور آخرت میں تفکر

آخرت کے تمام امور کو سوچا کرو کہ میں قبر میں جاؤں گا' وہاں سوالات ہوں گے' اگر ٹھیک جواب دے دیا تو راحت ہوگی اور اگر جواب ٹھیک نہ دیا گیا تو عذاب ہوگا پھر اس کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا' میدان قیامت کی سختیوں کو بھی سوچے یہ کہ خدا تعالیٰ کے روبرو کھڑا کیا جاؤں گا' اس کے بعد پل صراط پر چلنا ہوگا' پھر جنت ملے گی یا دوزخ میں ڈالا جاؤں گا' دوزخ میں کوئی پرسان حال نہ ہوگا' غرض سارے امور کو سوچا کرے۔ (ایضاً)

ایک قابل عمل بات

کسی بزرگ سے تعلق پیدا کرلو اگر ممکن ہو سکے تو اس کی صحبت میں رہو۔ اگر اس کے حقوق صحبت ادا نہ کر سکو تو اس سے خط و کتاب کر کے اپنے اعمال کی حفاظت رکھو۔ دیکھ بھال رکھو کہ زبان کو کس چیز میں مشغول رکھتے ہو۔ کان سے کیا کام لیتے ہو' تمام اعضاء کی حفاظت رکھو اور شیخ کو اپنے حالات کی اطلاع کرتے رہو اور جو وہ بتلائے اس پر عمل کرو کیونکہ امراض باطنی کی جو دوائیں ہیں وہ ان کی خاصیت خوب جانتا ہے' وہ بصیر ہے' دانشمند ہے' طبیب روحانی ہے' امراض قلبی کے علاج سے بخوبی واقف ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اصل مرض ہمارے اندر یہ ہے کہ آخرت سے بے فکر ہو کر دنیا پر اطمینان کرلیا ہے۔ (ایضاً)

کلام عارف

عارف اسی کو فرماتے ہیں:

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسرایں غم روزے تادر میکدہ شاداں و غزلخواں بروم

(وہ دن بہت اچھا ہوگا کہ اس میں ویرانہ دنیا سے جاؤں' جان کو آرام مل جائے اور محبوب کے دیدار کے لیے چلا جاؤں' میں نے نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہو جائے تو خوش وخرم اور غزل پڑھتا ہوا جاؤں) (الغانی ج ۱)

شوق لقاء میں موت کی تمنا جائز ہے

اہل اللہ تو موت کے دن کی تمنا کرتے ہیں اور یہاں ہم کو اس کے نام سے بھی جاڑہ بخار چڑھتا ہے۔ (الغانی ج ۱) حق یہ ہے کہ اس بات میں اہل اللہ سب ہی کا یہی مذاق ہے کہ وہ موت سے نہیں گھبراتے۔ آخر کچھ تو بے فکری تھی جو ایسی وصیت سوجھی۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ مرنے کے بعد ان کو کسی کے شعر پڑھنے سے کیا مزہ آیا ہوگا تو واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مرنے کے بعد بھی مزہ آتا ہے۔ چنانچہ حضرت سلطان نظام الدینؒ کے جنازہ کے ساتھ ایک مرید فرط حزن میں یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

سرو سیمینا بصحرا می روی　　سخت بے مہری کہ بے ما می روی
اے تماشا گاہ عالم روئے تو　　تو کجا بہر تماشا می روی

''اے محبوب آپ جنگل جارہے ہیں سخت بے مہری کہ بغیر ہمارے جارہے ہیں' اے محبوب آپ کا رخ انور جہاں کا تماشا گاہ ہے' آپ تماشا کے لیے کہاں جارہے ہیں۔''

شیخ کے انتقال پر مریدین کی جو حالت ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔ اس شخص نے اسی حالت میں یہ اشعار پڑھے تھے۔ دفعتہً حضرت سلطان جی کا ہاتھ کفن میں بلند ہوگیا۔ جیسا کہ وجد کی حالت میں ہوا کرتا ہے۔ لوگوں نے اس مرید کو روکا کہ اشعار پڑھنا بند کرو۔ نہ معلوم کیا سے کیا ہوجائے گا' پھر کچھ دیر کے بعد ہاتھ کفن میں سیدھا ہوگیا۔ یہ تو موت سے پہلے اور موت کے بعد متصل کی حالت تھی اور برزخ کی حالت کے بارے میں ایک بزرگ فرماتے ہیں:

گر نکیر آید و پرسد کہ بگو رب تو کیست　　گویم آں کس کہ ربود ایں دل دیوانہ ماہ

''اگر منکر نکیر آئیں اور پوچھیں کہ تمہارا رب کون ہے تو میں کہوں گا جو ہمارا دل چھین کر لے جارہا ہے ہمارا رب ہے۔'' (ہم الآخرہ ج۱)

آخرت کو مقدم رکھئے

اگر کوئی حسین عورت پر نظر پڑی۔ اس وقت ایسے لوگ بہت کم ہیں جو آخرت کے خیال سے نگاہ نیچی کرلیں۔ اکثر لذت نفس کے لیے اس کو گھور گھور کر دیکھتے ہیں۔ یہ بھی اسی گناہ کی فرد ہے کہ آخرت سے دنیا کو مقدم کیا گیا۔ پھر کوئی تو یہ سمجھ لیتا ہے کہ ہم مجبور ہیں۔ ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ آخرت کو دنیا پر مقدم کریں۔ یہ کام تو بزرگوں کا ہے تو یہ لوگ تو گناہ کرکے اپنے کو گنہگار بھی نہیں سمجھتے اور بعض لوگ گناہ کو گناہ سمجھتے ہیں مگر دل کو یہ سمجھا لیتے ہیں کہ بعد میں توبہ کرلیں گے۔ اس غلطی میں بہت کم لوگ مبتلا ہیں مگر یاد رکھو یہ سراسر دھوکہ ہے نفس کا۔ (ترجیح الآخرہ ج۱)

ارادہ دنیا کی قسمیں

ارادہ دنیا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو دنیا محض کا ارادہ کرنا کہ اس کے ساتھ آخرت کا ارادہ بالکل نہ ہو۔ یہ مذموم ہے اور موجب وعید۔ دوسرے دنیا کا ارادہ کرنا آخرت کے لیے کہ تجارت و زراعت و ملازمت بطریق حلال اس لیے کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے

اہل حقوق کے حقوق ادا کرے اور اطمینان سے آخرت کے کام بجالائے۔اس صورت میں اصل ارادہ آخرت ہے اور دنیا کا ارادہ اس کے تابع ہے۔اس کی مذمت نہیں یہ موجب وعید ہے بلکہ یہ ارادہ تو ایک درجہ میں فرض ہے جس کو یہ حدیث بیان کرتی ہے۔

"طلب الحلال فريضة بعد الفريضة" (ایضاً)

طرز تعزیت

جب حضرت عباس بن عبدالمطلب کا وصال ہوگیا تو ان کے صاحبزادہ عبداللہ بن عباس کو بہت صدمہ تھا۔ایک بدوی نے ان کی اس طرح تسلی کی۔

اصبرنکن بک صابرین فانما صبر الرعیة بعد صبرالراس

اے ابن عباس! صبر کیجئے کہ آپ کو دیکھ کر ہم بھی صابر ہو جائیں گے کیونکہ رعیت کا صبر سردار کے صبر کے تابع ہے۔اس کے بعد کہتا ہے:

خير من العباس اجرک بعده و الله خير منک للعباس

اور صبر کیوں نہ کیا جائے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ عباس جو تم سے جدا ہو گئے اس میں نہ تمہارا کچھ نقصان ہوا نہ ان کا نقصان ہوا۔تم کو تو ان کی مفارقت پر صدمہ ہونے کا ثواب مل گیا جو تمہارے حق میں عباس کے وجود سے زیادہ بہتر ہے اور ان کو تم سے جدا ہو کر خدا مل گیا جو ان کے حق میں تم سے بہت بہتر ہے۔واقعی خوب ہی تسلی کی۔ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس بدوی سے بہتر کسی نے میری تسلی نہیں کی۔(دار المسعو د ج ۱)

عقبیٰ میں نیکیوں کی قدر

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے قرآن کا ایک حرف پڑھا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی گئیں تو پورے قرآن پر کس قدر نیکیاں لکھی جائیں گی تو یہ کتنا بڑا نفع ہوا اور اگر کوئی کہے کہ نیکیوں کو کیا کریں تو سمجھو کہ نیکیاں اس وقت تم کو بے کار نظر آتی ہیں لیکن جب تم دار دنیا سے چل کر دار عقبیٰ میں پہنچو گے تو معلوم ہوگا کہ حسنات کیسا کارآمد سکہ تھا۔

اس وقت حسنات بیکار معلوم ہوتے ہیں لیکن جب قیامت کے میدان میں کھڑے ہو گے اور لوگوں کے اعمالنامے وزن کئے جارہے ہوں گے اور ان کے موافق جزامل رہی ہوگی اور تم تہی دست ہو گئے اس وقت معلوم ہوگا کہ حسنات کیا چیز تھیں فرماتے ہیں کہ

تہی دست را دل پراگندہ تر — کہ بازار چندآنکہ آگندہ تر

اگر کسی عمدہ بازار میں کسی مفلس کو بھیج دیا جائے تو اس کو انتہائی پراگندگی حاصل ہوگی کیونکہ جدھر نظر پڑے گی اچھی اچھی قیمتی چیزیں نظر آئیں گی اور ساتھ ہی ساتھ اپنا افلاس اور تہی دستی بھی یاد آئے گی اس لئے حسرت بھی بڑھتی جائے گی بالخصوص جب کہ بازار جاتے وقت اس سے کہا گیا ہو کہ کچھ نقد لیتے جاؤ اور وہ چھوڑ کر چلا گیا ہو۔ (ضرورۃ العلم بالدین ج ۳)

فکرآخرت

میرے پاس اکثر ایسے ٹکٹ آجاتے ہیں کہ ڈاک خانہ کی مہر سے بچے ہوئے ہوتے ہیں اگر میں ان کو استعمال کرلوں تو کوئی بھی باز پرس نہیں کرسکتا کیونکہ نہ میرے پاس ڈاک خانہ والے ہوتے ہیں نہ کوئی دوسرا دیکھنے والا ہوتا ہے لیکن محض خدا کے خوف سے اکثر میں سب سے اول ان ہی کو چاک کرکے پھینک دیتا ہوں۔ اس کے بعد خط پڑھتا ہوں۔ علیٰ ہذا اگر روزمرہ کے واقعات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دوسروں کے حقوق کی پوری حفاظت جب ہی ہوسکتی ہے جب دل میں خدا کا خوف ہو۔ (ضرورۃ العلماء ج ۳)

عذاب قبر کا واقعہ

تھانہ بھون کا ایک قصہ ہے کہ ایک میاں جی کے پاس دوسو روپیہ جمع ہوگئے تھے جن کو ایک لوٹے میں رکھ کر زمین کے اندر گاڑھ رکھا تھا مگر محبت مال کی یہ حالت تھی کہ روزانہ اس کو گنا کرتا تھا، کسی دن لڑکوں نے بھانپ لیا، وہ موقع کے منتظر رہے۔ آخر ایک دن ملاجی کہیں دعوت میں گئے ہوئے تھے پیچھے لڑکوں نے وہ روپیہ نکال لیا اور خوب عمدہ عمدہ کھانے پکوائے اور ملاجی کے حال پر اتنا رحم کیا کہ ان کی بھی دعوت کردی۔ ملاجی خالی الذہن تھے، خوشی خوشی دعوت کو چلے گئے، انہیں ایسے عمدہ کھانے کب ملے تھے، بڑے خوش ہوئے، کھاتے جاتے اور پوچھتے جاتے کہ بھائی آج کیا تقریب تھی جو ایسے کھانے پکوائے گئے۔ لڑکوں نے کہا حضور یہ سب آپ ہی کی جوتیوں کا طفیل ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ملاجی نے پھر کہا کہ آج کیا بات ہے، کون مہمان آگیا ہے جس کے لئے یہ اہتمام ہوا ہے، پھر بھی لڑکوں نے وہی جواب دیا کہ سب حضور ہی کا طفیل ہے۔ اس پر ایک لڑکے کو ہنسی آگئی تو ملاجی کھٹک گئے کہ شاید میرے روپوں میں ہاتھ پڑ گیا ہے جبھی یہ بار بار اس کو میرا طفیل بتلاتے ہیں۔

بس اب تو کھانا پینا سب بھول گئے، اندھے باؤلوں کی طرح سیدھے حجرے میں آئے، کھولا تو روپے ندارد، بس فوراً ہی جان نکل گئی، لوگ دوڑے کہ یہ قصہ کیا ہے معلوم ہوا کہ روپے گم ہونے کا اتنا صدمہ ہوا۔ یہ قصہ بستی میں مشہور ہوا تو اس وقت تھانہ بھون میں ایک عالم مولانا سعد الدین علی صاحب موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ روپیہ منحوس ہے جس نے ایک مسلمان کی جان لے لی اس کو کوئی ہاتھ نہ لگائے بلکہ جنازہ کے ساتھ ہی قبر میں دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ اہل محلّہ نے اس کی تعمیل کی اور کسی نے ان روپیوں کو ہاتھ نہ لگایا بلکہ سب کو ایک تھیلی میں باندھ کر قبر میں میاں جی کے ساتھ دفن کر دیا۔

کفن چوروں کو خبر لگی انہوں نے کہا کہ مولوی کی تو عقل جاتی رہی خواہ مخواہ اتنا روپیہ زمین گاڑ دیا چلو اس کو نکالنا چاہیے۔ چنانچہ رات کو ایک شخص نے قبر کھودی تو دیکھا کہ سب روپے کفن سے باہر سینے کے اوپر ترتیب وار رکھے ہوئے ہیں اور چمک رہے ہیں۔ یہ خوش ہوا کہ اب تو اور آسانی ہوگئی، اوپر ہی سے سب سمیٹ لوں گا۔ پس انگلی ہی روپوں سے لگی تھی کہ چیخ مارتا ہوا بھاگا، وہ روپے عالم برزخ کی آگ سے دہک رہے تھے جن سے میت کو عذاب دیا جا رہا تھا۔ پھر اس کفن چور کی عمر بھر یہ حالت رہی کہ ہر وقت ایک آبخورہ ہاتھ میں لیے پھرتا تھا جس میں وہ انگلی ہر وقت ڈوبی رہتی تھی۔ اس طرح کچھ تسکین رہتی اور جہاں پانی بدلنے کو انگلی آبخورہ سے نکالی فوراً چیخیں مارتا تھا کہ ہائے میں جلا ہائے مرا۔

تو بعض ایسے بے حس بھی ہیں جو مال کے واسطے جان دے دیتے ہیں مگر ایسے کم ہیں زیادہ حالت تو یہی ہے کہ مال سے جان کو زیادہ سمجھتے ہیں اور جان سے زیادہ آبرو کو سمجھتے ہیں مگر دین کو سب سے کم تر کر رکھا ہے۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

صدقات جاریہ

صدقہ جاریہ وہ چیز ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے اور ذرہ ذرہ نیکی کو ترستا ہے اور سوچتا ہے کہ کاش اس وقت کوئی ایسی سبیل ہو کہ کوئی شخص ایک مرتبہ سبحان اللہ ہی کہہ کر بخش دے حتیٰ کہ بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی احتیاج ظاہر کرنے میں کہتے ہیں۔

اے کہ برما میروی دامن کشاں　　　　از سر اخلاص الحمدے بخواں

(اے وہ شخص جو دامن جھاڑتے ہوئے گزر گیا ذرا ایک مرتبہ اخلاص سے سورۃ الفاتحہ پڑھتے جانا)

کہ اگر اور کچھ نہیں تو ایک دفعہ تو ایک الحمد ہی پڑھتے جاؤ۔ آج جس الحمد کو ہم ہزار بار خود پڑھ سکتے ہیں بعد مرگ اس کو ایک دفعہ دوسرے کی زبان سے پڑھنے کے لئے ترسیں گے۔ تو یہ صدقہ جاریہ اس وقت کام آئے گا۔

نیز جس وقت قیامت کے روز اعمال پیش کئے جائیں گے اور دیکھے گا کہ میرے پاس کافی نیکیاں نہیں اس وقت جب ورق الٹا جائے گا تو اس کو معلوم ہوگا کہ کسی جگہ بخاری کا ثواب لکھا ہوا کسی جگہ مسلم شریف کا ثواب لکھا ہوا کہیں قرآن شریف پڑھنے کا ثواب لکھا ہوا ہے علی ہذا۔ صاحبو! اگر آج سے ہزار سال کے بعد قیامت آئے تو اس وقت تک اس مکان میں یا تعلیم پانے والوں کے سلسلہ میں جتنی مرتبہ بخاری کا ختم ہوگا اور جتنی دفعہ مسلم شریف پڑھائی جائے گی برابر اس کی روح کو ثواب ملتا رہے گا اور قیامت کے روز اس کی غایت پریشانی کے وقت ان شاء اللہ تعالیٰ کہا جائے گا کہ تو نے جو دارالطلبہ میں مثلاً مدد کی تھی کہ آج یہ پوٹ ثواب کی اس کی بدولت تم کو مل رہی ہے اس وقت خوش ہوگا اور زبان حال سے کہے گا۔

جما دے چند دادم جاں خریدم　　بحمد اللہ زہے ارزاں خریدم

(میں نے چند سکوں کے عوض جان خریدی الحمد للہ میں نے بہت سستی خریدی)

اور اس وقت معلوم ہوگا کہ ایک روپیہ یا دو روپے دینے سے کیا نفع عظیم حاصل ہوا۔ صاحبو! خدا تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے کہ اتنی بڑی دولت مفت میں ہاتھ آتی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض وہمی مزاجوں کو شبہ ہو کہ جب اس مکان میں یہ کام یا خود یہ مکان نہ رہے گا تو کیسے ثواب ملے گا اور اول تو اس کا گمان کرنا ہی برا ہے۔ یاد رکھو کہ نیک کام کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا کرتا۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد　　چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

(اگر سارا جہاں ہوائے مخالف بن جائے تب بھی اللہ والوں کا چراغ گل نہ ہوگا)

(تجارت آخرت ج٦)

موت کی یاد

ایک بزرگ چند سال ہوئے اکبر جہاز میں سوار تھے جب کہ وہ طوفان میں آرہا تھا اس جہاز کے مسافر مجھ سے جس قدر ملے سب پریشان تھے اور اس مصیبت کی حالت کو بڑے ہیبت ناک لہجہ سے بیان کرتے تھے مگر ان بزرگ سے جو میں لکھنؤ میں ملا تو وہ بڑے خوش تھے ہنس ہنس کر واقعہ بیان کرتے تھے کہتے تھے کہ اس وقت بڑا مزا آرہا تھا جہاز میں ہر طرف نور ہی نور تھا

کیونکہ سب لوگ خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے کوئی ذکر کر رہا تھا کوئی توبہ استغفار کوئی گناہوں پر رو رہا تھا بس بڑا مزہ آرہا تھا ان لوگوں سے کوئی دین کی لذت کو پوچھے کہ وہ انوار ذکر کی لذت میں جہاز کا طوفان میں آنا اور غرق ہونے کو تیار ہونا بھی بھول گئے۔ (العید والوعید ج۶)

اہل تقویٰ کی حالت

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں سہارنپور سے کانپور جارہا تھا میں نے سہارنپور سے پونڈے ساتھ لے جانے کو خریدے۔ وہ تھے وزن میں زیادہ میں نے ان کو تلوانا چاہا تا کہ محصول دے کر لے جاؤں ریل کے بابو نے کہا' تھوڑے سے ہیں لے بھی جاؤ۔ میں نے کہا کہ یوں تو آپ کی اجازت معتبر نہیں اور پھر یہ کہ اگر راستہ میں کوئی تولنے لگے وہ بولے کہ میں گارڈ سے کہہ دوں گا میں نے کہا یہ گارڈ کہاں تک جائیگا کہنے لگے کہ غازی آباد تک۔ میں نے کہا کہ آگے کیا ہوگا کہا کہ یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہہ دے گا اور وہ کلکتہ تک جائے گا اور کانپور راستہ میں پڑے گا میں نے کہا کہ کانپور کے بعد کیا ہوگا اس نے کہا کہ آگے تو آپ کو جانا نہیں میں نے کہا کہ ابھی سفر ختم نہیں ہوا آخرت کا سفر باقی ہے اگر وہاں پکڑ ہوئی تو کیا ہوگا اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے کہہ دے تو خیر لے جاؤں غرض میں محصول دے کر گنوں کو لے گیا۔

میں یہ واقعہ بیان نہ کرتا کبھی کوئی کہنے لگے کہ اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں اپنی تعریف کرتے ہیں مگر میری غرض یہ ہے کہ واقعات کے سننے سے قلوب میں اثر خوب ہوتا ہے اس لئے اس واقعہ کو بیان کیا ہے اس کام کو کرنے والا میں ہی نہیں اللہ کے بندے بہت کثرت سے ایسے بھی موجود ہیں۔ میں تو ادنیٰ سے بھی ادنیٰ شخص ہوں مگر الحمد للہ مجھ کو اس کا خیال ہے۔ تو جو متقی اور پرہیز گار ہیں وہ کیوں نہ خیال کریں۔ (احکام المال ج۸)

تعلق مع اللہ کی برکات

میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر خدا سے تعلق ہو جاوے تو کبھی غم پاس نہ آوے یہ ہے زندگی اور یہ ہے حیات طیبہ بخلاف دنیا کے کہ اس کی لذت خیالی لذت ہے اس لئے یہ سب کو عموماً اور عورتوں کو خصوصاً خطاب کرتا ہوں کہ دنیا کی فناء اور آخرت کی بقاء کا مراقبہ کیا کریں۔ زیادہ نہیں تو دس ہی منٹ کے لئے روزانہ کرلیا کریں۔ اور وقت بھی وہ لیں جو محض بے کار ہو یعنی جس وقت سونے کو

لیٹیں اس وقت دس منٹ کے لئے سوچ لیا کریں کہ دنیا ایک نہ ایک دن ہم سے چھوٹ جائے گی۔ سارا سامان پڑا رہ جائے گا پھر آخرت کو پیش نظر کریں کہ خدا تعالیٰ کے سامنے جانا ہوگا۔ اعمال پیش ہوں گے۔ اعمال ٹھیک نہ ہوئے تو دوزخ میں جانے کا گمان غالب ہے اس واسطے ہمیں اچھے اعمال کرنا چاہئیں تاکہ دوزخ کے عذاب سے بچیں۔ اور جنت ملے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سب نعمتیں ہوں گی اور وہ دنیا کی نعمتوں کی طرح فنا نہ ہوں گی۔ خدا تعالیٰ کا دیدار بھی وہاں ہوگا جو سب نعمتوں سے بڑی نعمت ہوگی۔ جس میں یہ حالت ہوگی۔

ہر چند پیر وخستہ وبس ناتواں شدم ہر گہ نظر بروئے تو کردم جوان شدم

اور ظاہر ہے کہ ایسی دائمی نعمت کو چھوڑ کر دنیا کی فانی چیزوں میں منہمک رہنا سراسر بے عقلی ہے حرص دنیا کے متعلق مجھے ایک قطعہ یاد آیا اسی کا مراقبہ کرلیا کریں اور بھی کچھ نہیں تو یہی سہی کیونکہ عورتوں کو گیت کا بہت شوق ہوتا ہے تو وہ مراقبہ کے لئے اسی کو پڑھ لیا کریں یہ تو آسان مراقبہ ہے۔

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے خوب ملک روس ہے اور سرزمین طوس ہے
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی اس طرف آواز طبل ادھر صدائے کوس ہے
صبح سے تا شام چلتا ہے مے گلگوں کا دور شب ہوئی تو ماہرویوں سے کنار و بوس ہے
سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے چل دکھاؤں تو جو قید آز کا محبوس ہے
لے گئی یک بارگی گور غریباں کی طرف جس جگہ جان تمنا سو طرح محبوس ہے
مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے یہ سکندر ہے، یہ دارا ہے، یہ کیکاؤس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ وحشمت دنیا سے آج کچھ بھی ان کے پاس غیر از حسرت وافسوس ہے

(خیر الاثاث للاناث ج ۸)

علیؓ ومعاویہؓ

مولانا محمد نعیم صاحب لکھنوی سے ایک شخص نے حضرت علیؓ ومعاویہ رضی اللہ عنہما کے متعلق سوال کیا۔ مولانا نے سائل سے پوچھا کہ یہ سوال کس کا ہے اور وہ اور تم کیا کام کرتے ہو؟ کہا کہ سوال فلاں حافظ صاحب کا ہے اور وہ رنگریز ہیں اور میں درزی ہوں۔ فرمایا کہ تم کپڑے سیتے رہو اور ان حافظ صاحب سے کہہ دو کہ کپڑے رنگتے رہیں۔ علیؓ جانیں اور معاویہؓ جانیں۔ تم سے ان کے معاملہ کا کیا تعلق؟ میں اطمینان دلاتا ہوں کہ قیامت کے دن ان کا مقدمہ تمہارے اجلاس میں نہ آئے گا۔

اسی طرح ایک شخص نے میرٹھ میں ایک عالم سے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین مومن تھے یا نہیں۔ عالم نے کہا کہ آپ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟ کہا ہاں پڑھتا ہوں۔ کہا اچھا بتلاؤ نماز کے اندر کتنے فرض ہیں؟ اب وہ خاموش ہیں فرمایا جاؤ تم کو نماز کے فرائض کی خبر نہیں جس کا سب سے اول قیامت میں حساب ہوگا۔ اور زائد باتوں کی تحقیق کے درپے ہو۔ (الجبر بالصبر ج۹)

صحابہ کی تسلی

حدیث میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کو غیب سے اس طرح تسلی دی گئی۔ **ان فی اللہ عزاء من کل مصیبة وخلفا من کل فائت فبا اللہ فثقوا وایاہ فارجوا فانما المحروم من حرم الثواب**

"کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر مصیبت سے تسلی کے لئے کافی ہے اور ہر فوت ہونیوالی چیز کا عوض ہیں اسی پر بھروسہ رکھو اور اسی سے امید رکھو۔ کیونکہ محروم تو وہ ہے جو ثواب (یعنی رضائے حق) سے محروم رہے۔"

صاحبو! یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ تمہارے عزیز کے بدلے تم کو خدا ملتا ہے پس اب تو ایسے موقع پر یوں کہنا چاہئے

روز ہا گر رفت گو رو باک نیست   تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست

اگر دن ختم ہو گئے تو کیا ڈر ہے۔ اللہ تعالیٰ موجود ہے تیرے سوا کون پاک ہے۔ (الجبر بالصبر ج۹)

دنیا میں نعم البدل

دنیا میں بھی ہر فوت ہونے والی چیز کا نعم البدل ہم کو عطا ہوتا ہے خواہ مال و اولاد فوت ہو یا کوئی عزیز و قریب۔

چنانچہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت کے وقت کے لئے ہم کو دعا تعلیم فرمائی

انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم عند ک احتسب مصیبتی فاجرنی فیھا وابدلنی بھا خیرا منھا.

''اے اللہ! میں آپ سے اس مصیبت کا ثواب مانگتی ہوں۔ پس مجھے اس کا اجر عطا فرمایئے اور اس کا نعم البدل دیجئے۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جب میرے شوہر ابو سلمہؓ کا انتقال ہوا تو میں نے یہ دعا پڑھی مگر وابدلنی بھا خیرا منھا کہتے ہوئے دل رکتا تھا کیونکہ میں اپنے دل میں یہ کہتی تھی کہ ابو سلمہ سے بہتر کون ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ملنے کا وہم بھی نہ ہوتا تھا کیونکہ

آرزومی خواہ لیک اندازہ خواہ

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے دل پر جبر کر کے یہ بھی کہا تو خدا تعالیٰ نے مجھے ابو سلمہ کے عوض حضور صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائے۔ (ایضاً)

مغفرت کا بہانہ

چنانچہ ہمارے ایک استاد تھے ملا محمود صاحبؒ بہت سادہ اور پاک طینت بزرگ تھے۔ میں نے انتقال کے بعد ان کو خواب میں دیکھا دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ بخش دیا۔ میں نے پوچھا کہ کس بات پر بخش دیا۔ جواب دیا کہ میں ایک مرتبہ گھر میں آیا اور کھانا کھانے بیٹھا۔ کھچڑی میں نمک ٹھیک نہ تھا۔ مگر میں نے کچھ کہا نہیں اور کوئی عیب نہ نکالا۔ اسی طرح کھانا کھالیا۔ حق تعالیٰ کے یہاں میرا معاملہ پیش ہوا۔ اس پر میری مغفرت ہوگئی۔

اللہ اکبر! غور کیجئے کہ یہ بھی کوئی بڑی بات تھی جس پر مغفرت ہوئی حق تعالیٰ بڑے قدر دان ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر مغفرت فرماتے ہیں۔ دیکھئے صرف کھانے میں عیب نہ نکالنے پر مغفرت ہوگئی۔ حالانکہ اس نعمت کا ہمارے ذمہ خود ہی یہ حق تھا کہ ہم اس میں عیب نہ نکالیں مگر حق سبحانہ کی قدر تو دیکھئے کہ اس پر بھی ہم کو ثواب عطا فرمادیتے ہیں اور ثواب اتنا کہ صرف اسی وجہ سے مغفرت فرمادی۔ حق تعالیٰ کی عجیب شان ہے۔ (سلوۃ الحزین ج ۹)

یزید اور لعنت

ایک شخص نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ مرنے کے بعد قبر میں جائز ہے۔ جب یہ اطمینان ہو جاوے کہ ہماری حالت

یزید سے اچھی ہے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آج اس پر لعنت کریں اور کل کو ہماری حالت اس سے بھی بدتر ہو جاوے تو یزید کہے گا کہ سبحان اللہ! آپ دنیا میں کس سرخروئی کی بناء پر مجھ پر لعنت کیا کرتے تھے۔ اب گریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھو۔ کسی کو کانا وہ شخص کہے جس کو اپنے اندھے ہونے کا اندیشہ نہ ہو اگر یزید برا تھا تو اس کا کیا اطمینان ہے کہ ہم اس سے اچھے ہو کر مریں گے۔ میاں بس زندگی میں تو روتے ہی رہو۔ (ایضاً)

عہد صحابہ میں ترقی کا مدار

اللہ کی قسم یہی وہ شئے ہے جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تمام امت میں ممتاز ہوئے اور یہی وہ دولت ہے جس کے سبب سے سلف رحمہم اللہ کے آج تذکرے لکھے جاتے ہیں اور اصل سبب ترقی کی یہی شئ ہے آج کل صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے یوں ترقی کی اور اس امر میں اُن کا اپنے نزدیک اقتدا کرتے ہیں اور اصل روح اور سبب ترقی سے مس تک نہیں اور نہ ترقی کی حقیقت سے واقف ہیں دنیا سمیٹنے کو اور جاہِ مذموم کے تحصیل کا نام ترقی رکھا ہے، صحابہؓ نے جو فتوحات کیں وہ سب للدین تھیں دنیا ان کے پاس تک نہ تھی سو ایسی ترقی کو کون منع کرتا ہے۔

باقی صحابہ اور نیز دیگر سلف صالحین میں بھی مختلف رنگ کے لوگ تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گھر تک نہیں بنایا، حضرت سلیمان علیہ السلام صاحب سلطنت ہوئے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مال جمع کرنے کو بالکل حرام فرمایا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اے ابوذر میں تمہارے لئے وہ پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں تم دو شخصوں کے درمیان کبھی فیصلہ مت کرنا اور نہ یتیم کے مال کا ولی بننا اس لئے کہ میں تم کو کمزور دیکھتا ہوں یعنی تعلقات کی برداشت نہ ہوگی، یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کا ہی جگر تھا کہ مدینہ طیبہ میں چٹائی پر بیٹھے ہیں اور روم و شام، دمشق و فارس کا انتظام کر رہے ہیں، غرض انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام اور اولیاء اللہ میں بھی ہر ایک کا جدا رنگ ہے اور ان کے لئے وہی رنگ مناسب ہے بعضے روپیہ پیسے سے اس لئے گھبراتے ہیں کہ میاں کون جھگڑے میں پڑے ہم سے حقوق ادا نہ ہوں گے، زکوٰۃ عشر قربانی وغیرہ وغیرہ سینکڑوں حقوق ہیں یہ بڑا قصہ ہے

ایسے لوگوں کے ساتھ یہ برتاؤ ہوتا ہے کہ ان کو کچھ نہیں دیتے اور ہمیشہ وہ مفلس رہتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم ادہم کہ سلطنت چھوڑ دی۔ (حیوۃ طیبہ ج ۱۴)

گناہوں میں ارضاء خلق

دنیوی تعلقات اور معاملات میں ہم لوگ ارضاء خلق کا قصد کرتے ہیں یا نہیں۔ رات دن یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ آپ کے سامنے کوئی کسی کی غیبت کرنے لگے۔ حالانکہ اس میں کوئی نفع بھی نہیں نہ کچھ مالی فائدہ ہے جو بڑا نفع شمار ہوتا ہے۔ مگر اس بے کار اور فضول گناہ میں بھی لوگوں کو ارضاء خلق کا اہتمام ہے کہ غیبت کرنے والے کو غیبت سے نہیں روکتے بلکہ سنتے رہتے ہیں۔ اور محض اس وجہ سے اس کو نہیں روکتے نہ خود وہاں سے ٹلتے ہیں کہ اس کو ناگوار ہوگا، اور اس کی مطلق پرواہ نہیں کرتے کہ غیبت کا سننا حق تعالیٰ کو ناگوار ہے جب ایک بے کار اور بے منفعت کام میں یہ حال ہے تو جس گناہ میں کچھ دنیوی منافع بھی معلوم ہوتے ہوں جیسے کسی رئیس کی یا دوست کی خاطر جھوٹی گواہی دینا تا کہ وہ ہمارے وقت میں کام آئے۔ وہاں تو یہ کیوں ارضاء خلق کا اہتمام نہ کریں گے۔ اسی طرح رسومِ شادی وغمی میں ارضاء خلق کے لئے سب کچھ کرتے ہیں۔ اسی طرح تجارت میں خریداروں کو راضی کرنے کا اہتمام ہوتا ہے۔ چاہے دین ضائع ہو جائے یہ تو دنیا کے قصے تھے۔

افسوس اس کا ہے کہ دین کے باب میں بھی ارضاء خلق کا خیال کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک سوال کوئی اجنبی کرے تو اس کو صاف صاف مسئلہ بتلایا جائے گا اور وہی سوال کوئی اپنا آشنا کرے جس سے کچھ مصالح وابستہ ہوں۔ مثلاً کوئی رئیس ہمارے مدرسہ میں چندہ دیتا ہو تو وہاں اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس کے لئے کچھ گنجائش نکالی جائے۔ غرض اس کو مسئلہ نرم بتلائیں گے۔ (ایضاً)

حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ بس اس تحقیقات کو چھوڑ کر قبر کا عذاب کیونکر ہوگا اس کی تلاش کر کہ اس سے نجات کی سبیل کیا ہے۔ اگر نجات ہوگئی اور کیفیت عذاب قبر کی نہیں معلوم ہوئی تو ہمارا ضرر ہی کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ نقصان ہی کیا ہوگا۔ پھانسی سے رہائی ہوگئی اور یہ تحقیق نہ ہوا کہ کیونکر جان نکلی ہے تو اس کا ضرر کیا بخلاف اس کے اگر یہ تحقیق بھی ہوگیا مگر جان نہ بچی تو نفع کیا ہوا۔ (روح الارواح ج ۱۷)

فکر عاقبت

کہ ہم میں اکثر کو تو دین ہی کی خبر نہیں ان کا تو یہ مذہب ہے کہ

اب تو آرام سے گزرتی ہے   عاقبت کی خبر خدا جانے

کیوں صاحب اگر کوئی شخص آپ کو زہر بھرا لڈو لا کر دے تو کیا اسی اپنے قول کے موافق وہاں بھی عمل کرو گے کہ کل کے دن کیا خبر کیا گزرے اب تو لڈو کھانے کو ملتا ہے یا کہ اس کے انجام بد پر نظر کر کے اس کو ترک کر دو گے۔ تو کیا قیامت آپ کے نزدیک کل سے کچھ زیادہ دور ہے۔ صاحبو! کل کے چار بجے تک تو ۲۴ گھنٹے یقین ہیں اور قیامت کے متعلق تو ۲۴ منٹ کی بھی خبر نہیں۔ اس لیے کہ شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود۔ موت کا کوئی مقرر اور معین وقت نہیں۔ لوگ اس دھوکے میں ہیں کہ ابھی تو ہم جوان ہیں۔ صاحبو! لوگوں کو اس طرح موت آ گئی ہے کہ خود ان کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ اب ہم مر جائیں گے۔ کانپور میں ایک صاحب گھر میں آئے' کھانا مانگا' ماما کھانا اتار کر لائی' دیکھا تو آقا صاحب ختم ہو چکے۔ غرض موت کا کوئی قاعدہ اور وقت مقرر نہیں ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض آپ سو برس کے بھی ہو گئے تو کیا ہوگا۔ وہ سو برس بھی جب گزر جائیں گے تو ایک دن کے برابر بھی نہیں معلوم ہوں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے جن کی عمر قریب ڈیڑھ ہزار برس کے ہوئی۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ نے دنیا کو کیسا پایا' فرمایا جیسا دو دروازے والا ایک گھر ہو کہ ایک دروازے سے داخل ہوا اور گزرتا ہوا دوسرے دروازے سے نکل جائے اور اگر یہ سمجھ میں نہ آئے تو یوں سمجھو کہ آپ کی عمر کے مثلاً چالیس چالیس پچاس پچاس برس گزر گئے ہیں مگر غور کر کے دیکھو کہ یہ اتنا بھی معلوم نہیں ہوتا جیسے آئندہ کل کا دن' (استخفاف المعاصی ج ۱۸)

ایصال ثواب کا طریقہ

صاحبو! اسی طرح اگر تم کو مسلمانوں سے محبت ہو تو سمجھ میں آ جائے کہ اگر ہمارے کسی فعل سے کوئی بگڑے تو ہم کو بھی اس کے کرنے کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ اجازت نہیں اور اگر کرنا ہی ہے تو یہ کرو کہ اس کی صورت بدل دو۔

میری ہمشیرہ کا جب انتقال ہوا تو طالب علموں نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ہم جمع ہو کر

قرآن شریف پڑھ دیں۔ میں نے کہا کہ پڑھو لیکن جمع ہو کر نہ پڑھو بلکہ ہر شخص اپنے حجرے میں بیٹھ کر جتنا جی چاہے پڑھ دے اور اس میں راز یہ ہے کہ جو کام خدا کے لیے نہیں ہوتا وہ مقبول نہیں ہوتا اور ثواب بخشنے کی حقیقت یہ ہے کہ اپنا ثواب دوسرے کو دیا جائے تو جب اپنے ہی کو ثواب نہ ملے گا تو دوسرے کو کیا چیز دی جائے گی اور جب جمع ہو کر پڑھا جائے گا تو چار آدمی تو اللہ کے واسطے پڑھیں گے اور دس آدمی محض شکایت رفع کرنے کے لیے اور اس نیت سے کہ اگر ہم نہ پڑھیں گے تو یہ اپنے دل میں سمجھیں گے کہ دیکھو ان لوگوں کو ہم سے تعلق کم ہے اور ایسوں کو خود ہی ثواب نہ ملے گا پھر وہ مرحومہ کو کیا بخشیں گے۔ لہٰذا تم سب حجرے میں بیٹھ کر پڑھو اور پھر پڑھنے کے بعد بھی نفس تلاوت یا مقدار تلاوت کی مجھ کو اطلاع نہ کرو کیونکہ اس میں میری خوشی مدنظر ہوگی۔ اس کے جواب میں لوگ کہتے ہیں کہ یوں تو کوئی بھی نہ پڑھے گا۔ میں کہتا ہوں کہ رسم کے طور پر ہونا بھی تو نہ ہونے کے برابر ہے پھر اگر فرضاً کسی نے نہ بھی پڑھا تو کیا نقصان ہوگیا' ثواب اب بھی نہیں ہوتا اس وقت بھی نہ ہوگا۔ ایک شخص کہنے لگا کہ اصلاح الرسوم سے مردوں کو بہت نقصان ہوا۔ میں نے کہا کہ مردوں کو تو نقصان نہیں ہوا لیکن زندوں کو نفع ہوگیا کیونکہ لوگ جو کچھ کرتے تھے دکھاوے کے لیے کرتے تھے اور اس سے ان کے نقصان کے سوا مردے کو کچھ بھی نفع نہ ہوتا تھا اور دکھاوے کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی سے یہ کہا جائے کہ فلاں شریف آدمی کو جو کہ نہایت غریب ہے پچاس روپے دے دو لیکن خفیہ دینا ورنہ وہ لے گا نہیں تو کوئی دینے والا بھی اس کو گوارا نہ کرے گا اور دل میں کہے گا کہ واہ اتنا روپیہ بھی خرچ ہو اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوئی تو جب وہ عمل مخلوق کے دکھانے کو ہوا تو اس میں ثواب تو یقیناً نہ ملا پھر اس کے نہ دینے سے مردوں کا کیا نقصان ہوگیا؟ ہاں! زندوں کا نفع ہوگیا' کہنے لگا کہ واقعی سچ کہتے ہو تو یہ ایسی صاف باتیں ہیں کہ ہر شخص سمجھتا ہے ع

اور اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو اس بت کو خدا سمجھے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلے بھی تو علماء تھے! انہوں نے کیوں منع نہیں کیا؟ میں کہتا ہوں کہ پہلے بھی منع کیا ہے کتابوں میں سب کچھ موجود ہے، ہم لوگ حنفی ہیں حنفیہ کی کتابوں میں دیکھ لیجئے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ کیا ہے یہ سب جزئیات ان کے اصول کے موافق ہیں۔ (ازالۃ الغفلۃ ج ۱۸)

اصلاح کا نسخہ

اب اگر کسی شخص کو ہر دم موت کا دھیان رہے کہ ایک دن وطن کا گھر بھی ہم سے چھوٹنے والا ہے تو یقیناً وہ اس گھر سے بھی زیادہ دل نہ لگائے گا اور یہ بھی انسان کی اصلاح کے لیے کافی ہے کیونکہ اصل ضرر دنیا سے دل لگانے کا ہے۔ (مراقبۃ الارض ج ۱۸)

مکان آخرت

ایک مکان آخرت اس وقت بھی موجود ہے یعنی آسمان اور عالم بالا چنانچہ آسمان کا موجود ہونا تو مشاہد ہے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت ساتویں آسمان پر ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ جنت موجود ہے تو معلوم ہوا کہ مکان آخرت اس وقت موجود ہے۔ اس تحقیق سے بہت سے اشکالات سہولت کے ساتھ حل ہو گئے۔ مثلاً ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں رویت حق کیونکر ہوئی جبکہ دنیا میں رویت حق محال عادی ہے اس تحقیق کے بعد جواب آسان ہو گیا کہ آپ کی رویت دنیا میں نہ تھی بلکہ عالم آخرت میں تھی کیونکہ امکان آخرت اب بھی موجود ہے اس پر شاید یہ اشکال ہو کہ گو آپ اس وقت مکان آخرت میں تھے مگر آپ کی حیات تو دنیوی تھی پھر حیات دنیویہ رویت کی کیسے متحمل ہوئی۔ اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ جیسے زمان آخرت میں یہ خاصیت ہے کہ اس وقت تحمل رویت ہو جائے گا ایسے ہی مکان آخرت میں بھی یہ خاصیت ہے کہ جو وہاں پہنچ جائے اس میں تحمل رویت پیدا ہو جاتا ہے گو وہ حیات دنیاویہ ہی سے متلبس ہو آخرت کے مکان وزمان دونوں کی خاصیت دنیا سے الگ ہے۔ (مراقبۃ الارض ج ۱۸)

عالم آخرت کے احوال

عالم آخرت کی خاصیت سے دنیا کی خاصیت جدا ہے وہاں کھانا پینا ایسا ہضم ہو جاتا ہے کہ فضلہ بالکل نہیں رہتا جیسا کہ اہل جنت کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ وہ ہگنے موتنے سے پاک ہوں گے بس کھانا کھا کر ان کو مشک جیسا خوشبودار پسینہ آئے گا اور کچھ نہ ہوگا گویا فضلہ اتنا کم ہوگا کہ پسینہ ہی کی راہ سے نکل جائے گا۔ ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو صرف پسینہ

آ جاتا ہوگا اور کچھ ضرورت نہ ہوتی ہوگی، رہا یہ کہ کھاتے کہاں سے ہیں اس کا جواب ظاہر ہے کہ جنت آسمان ہی پر ہے ممکن ہے کہ وہاں سے فرشتہ کے ذریعے سے ان کے لیے غذا پہنچتی ہو اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بھوک پیاس ہی نہ لگتی ہو، خدا تعالیٰ بدون غذا کے بھی تو زندہ رکھ سکتے ہیں کیونکہ جس نے غذا میں قوت ابقاء رکھی ہے وہ بدون غذا کے بھی اس قوت کو پیدا کر سکتا ہے اگر قوت ابقاء کے لیے غذا کا واسطہ ضروری ہے تو خود غذا میں جو قوت ابقا ہے کیا اس کے لیے بھی غذا کا واسطہ ہے تو پھر غذا کے لیے غذا لازم آئے گی پھر اس میں بھی ہم کلام کریں گے۔ اسی طرح سلسلہ چلتا رہا کہ ہر غذا کے لیے دوسری غذا کا واسطہ بنایا گیا تو تسلسل مستحیل لازم آئے گا۔ پس لامحالہ کسی جگہ یہ کہنا پڑے گا کہ اس غذا میں قوت ابقا بلا واسطہ پیدا ہوئی ہے معلوم ہوا کہ اس قوت کے لیے غذا کا واسطہ لازم نہیں حق تعالیٰ بلا واسطہ غذا بھی اس قوت کو پیدا کر سکتے ہیں پھر اگر عیسیٰ علیہ السلام میں اسی طرح یہ قوت پیدا کر دیتی ہو تو کیا استحالہ ہے؟ پھر دنیا میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ بعض لوگوں کو بدون غذا کے ہفتوں اور مہینوں زندہ رکھتے ہیں چنانچہ مریض بعض دفعہ مہینہ بھر تک کچھ نہیں کھاتا اور زندہ رہتا ہے اب یہاں تاویل کی جاتی ہے کہ اس مریض کے جسم میں رطوبات فضلیہ بہت پیدا ہو گئے ہیں معدہ ان کے تحلیل میں مشغول ہے اس لیے بھوک نہیں لگتی اور نہ حیات پر کچھ اثر پڑتا ہے۔ مگر یہ محض بات کا بنانا اور تاویل گھڑنا ہے میں کہتا ہوں کہ تندرست آدمی تو مریض سے زیادہ مرطوب ہوتا ہے۔ غریب بیمار جس کا چہرہ بھی زرد اور ہاتھ پیر بھی لاغر ہو جاتے ہیں جو قلت دوران خون کی علامت ہے کیا ہٹے کٹے سرخ و سفید رنگ والے سے زیادہ مرطوب ہو سکتا ہے ہرگز نہیں پھر ذرا کوئی تندرست تو مہینہ بھر بھوکا رہے کہ غذا کا دانہ بھی اس کے حلق میں نہ جانے پائے جس طرح بیماروں کو اس طرح کئی ہفتہ اور مہینہ بھر گزر جاتا ہے، تندرست تو یقیناً ہلاک ہو جائے مگر بیماروں کو حق تعالیٰ اپنی قدرت سے بدون غذا کے زندہ رکھتے ہیں تو کیا جس نے مہینہ بھر بدون غذا کے زندہ رکھا وہ اس سے زیادہ مدت تک بغیر غذا کے زندہ رکھنے پر قادر نہیں۔ ضرور قادر ہے اگر یہ بھی سمجھ میں نہ آئے تو یوں سمجھو کہ غذا کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری ایک باطنی جس طرح غذا ظاہری سے قوت و حیات باقی رہتی ہے اسی طرح کبھی غذائے باطنی بھی اس کی قائم مقام ہو جاتی ہے۔ چنانچہ دنیا میں صوفیاء کے واقعات بکثرت اس قسم کی منقول ہیں کہ وہ مہینوں محض ذکر اللہ پر اکتفا کرتے

تھےاور بہت دنوں کے بعد کھانا کھاتے تھے۔ حضرت شیخ علی صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت متواتر اور مشہور ہے کہ زندگی بھر میں ان کے پیٹ کے اندر چند سیر سے زیادہ غذا نہیں پہنچی اور اس پر قوت کی یہ حالت کہ حضرات صوفیاء کی عمریں عام آدمیوں سے طویل ہوتی ہیں۔ آخر یہ کس چیز کی طاقت تھی محض ذکر الٰہی کی کہ وہ ان کے لیے غذا کا قائم مقام بن گیا تھا اس لیے ان کو غذا کی بہت کم ضرورت ہوتی تھی اور باوجود تقلیل غذا کے ان کی قوت میں کمی نہ آتی تھی تو ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے یہی غذائے باطنی ظاہری غذا کے قائم مقام بن گئی ہو اور چونکہ عالم آخرت کی خاصیت دنیا کی خاصیت سے الگ ہے تو ممکن ہے کہ یہاں اگر غذائے باطنی مہینہ بھر یا چالیس دن تک غذائے ظاہری کی قائم مقام ہوتی ہے تو وہاں برسوں اور مدت دراز تک اس کے قائم مقام ہو جاتی ہو۔ آخر اس میں استحالہ کیا ہے؟ بہر حال شیخ کی اس تحقیق نفیس سے بہت سے اشکالات کا حل ہو گیا اور اس عالم آخرت کا تصور بالفعل بھی آسان ہو گیا کیونکہ عالم آخرت باعتبار مکان کے اس وقت بھی موجود ہے پس یہاں دو تصور ہوئے ایک روح کے مبداء و معاد یعنی آسمان کا کہ وہ آخرت ہے دوسرے جسم کے مبداء و معاد کا کہ وہ زمین ہے اور یہ دونوں ہر وقت پیش نظر ہیں جس سے تصور میں کوئی تکلف ہی نہیں کرنا پڑتا۔ بس اسی طرح تصور کیا کرو کہ روح کا مبداء و معاد سر کے اوپر ہے ایک دن روح جسم سے الگ ہو کر اوپر چلی جائے گی اور جسم کا مبداء و معاد زمین ہے ایک دن یہ روح سے الگ ہو کر مٹی میں مل جائے گا اور زمین کا جسم کے لیے مبداء و معاد ہونا قرآن کا جس طرح مدلول ہے اسی طرح مشاہد بھی ہے۔ چنانچہ معاد ہونا تو بہت ہی ظاہر ہے رات دن اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ بہت سے بدن مرنے کے بعد پیوند زمین ہو گئے ہیں۔ (مراقبۃ الارض ج ۱۸)

زمین کی روٹی

تمام لذائذ اور ہر قسم کے مزے زمین ہی کے اندر موجود ہیں سو جس طرح اس وقت حق تعالیٰ ہر مزے کو الگ الگ پھلوں میں نکال کر دیتے ہیں اس وقت تمام مزیدار چیزوں کی اصل نکال کر اس کا مزہ بنایا جائے گا وہ جو ہر ارض ہو گا اس میں گیہوں، چنا، انگور، بادام، انار، سیب اور ہر قسم کی لذیذ چیزوں کا مزا موجود ہو گا اس کی روٹی بنا کر مسلمانوں کو کھلائی جائے

گی۔ میں کہتا ہوں کہ اس وقت آپ جو گیہوں کی روٹی کھاتے ہیں یہ کس چیز کی روٹی ہے صاحب یہ بھی تو زمین ہی کی روٹی ہے' آٹا بھی تو زمین ہی کے اجزاء سے بنتا ہے جس کو گیہوں میں الگ کر کے کھاتے ہو اور گیہوں یہ کہاں سے آیا تھا اسی مٹی میں سے۔ چنانچہ ایک دانہ زمین میں ڈالتے ہو وہ زمین کی مٹی اور پانی کے بہت سے اجزاء کو کھینچ کر پرورش پاتا ہے اور اسی ایک دانہ کے ہزاروں دانہ ہو جاتے ہیں مگر چونکہ اس وقت وہ مٹی کی شکل میں نہیں ہے بلکہ صورت بدل گئی ہے اس لیے یہ نہیں کہا جاتا کہ مٹی کھا رہے ہیں مگر حقیقت میں دیکھا جائے تو آپ رات دن مٹی ہی کھاتے ہیں کیونکہ وہی رنگ بدل بدل کر ہر غلہ اور ترکاری اور پھل پھلواری میں ظاہر ہوتی ہے۔ پس سمجھ لو کہ حق تعالیٰ قیامت میں زمین کے انہی عمدہ اجزاء کو جنہیں آج کل تم بہت شوق سے کھاتے ہو یکجا جمع کر کے مسلمانوں کو کھلائیں گے پھر اس کو ڈلے پتھر اور مٹی کہنا کیونکر صحیح ہے اور حقیقت کے اعتبار سے کہو تو آج کل جتنی بھی چیزیں تم کھاتے ہو وہ سب بھی مٹی ہی ہیں اور صورت کے اعتبار سے جیسے یہ مٹی نہیں اسی طرح وہ بھی مٹی نہ ہوگی بلکہ صورت اور مزے میں آج کل کی غذاؤں سے بہت زیادہ خوشنما اور لذیذ ہوگی کیونکہ اس میں تمام لذائذ کے مزے اور سب کے رنگ موجود ہوں گے۔ اب یہ سوال رہا کہ یہ تو معلوم ہو گیا کہ وہ روٹی ڈلے پتھروں اور مٹی کی نہ ہوگی بلکہ زمین کے ماکول اجزاء کا جوہر اور ست ہوگا لیکن مسلمانوں کو جوہر کھلایا جائے گا اس میں حکمت کیا ہے اور جنت کے اغذیا کے ہوتے ہوئے اجزاء ارضیہ جو اس سے بدرجہا کم درجہ ہے کھلانے کی مصلحت کیا ہے۔ سو حکمت بھی سنئے اس میں ایک حکمت تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد چونکہ دنیا کی لذیذ چیزوں کے مزے کچھ تو طول مدت کی وجہ سے اور کچھ ہول محشر کی وجہ سے لوگوں کو یاد نہ رہے ہوں گے تو اس وقت مسلمانوں کو تمام ماکول اجزاء کا جوہر کھلا کر جو کہ ہر ماکول کے الگ الگ کھانے سے زیادہ لذیذ ہوگا یہ بتلا دیا جائے گا۔ (مراقبۃ الارض ج ۱۸)

چھوٹے عمل کا بڑا اجر

حدیث شریف میں ایک قصہ آیا ہے کہ ایک شخص تھا جب اس کا انتقال ہوا تو حکم ہوا دیکھو کوئی نیکی اس کے پاس ہے دیکھا گیا تو کوئی نیکی نہ نکلی بجز اس کے کہ اس کی عادت یہ تھی

کہ لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا۔ اور اپنے لوگوں سے اس نے یہ کہہ دیا تھا کہ وصول کرنے میں تشدد نہ کیا کرو۔ اگر کسی کے پاس نہ ہوا کرے تو مہلت دیدیا کرو یا معاف کر دیا کرو اور روپیہ والے کو یہ کچھ مشکل نہیں ہے حکم ہوا کہ ہمارا بندہ محتاج ہو کر جب اپنے حقوق چھوڑ دیا کرتا تھا تو ہم غنی ہو کر کیوں نہ اس کو اپنے حقوق معاف کر دیں۔ (عمل الذرہ ج ۱۹)

وقت ایک نعمت عظمٰی ہے

صاحبو! وقت کو غنیمت سمجھو کہ یہ بھی نعمت عظمٰی ہے یہاں ایک دفعہ سبحان اللہ کہا اور سارا آسمان ثواب سے بھر جاتا ہے پھر اس ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے کو ترس جاؤ گے بعض طبائع میں ناقدری ہوتی ہے وہ اس کی قدر نہیں کرتیں مگر مرنے کے بعد معلوم ہو گا اس وقت اس کی قدر ہو گی سب چیزیں رکھی رہ جائیں گی۔ (التعبہ ج ۲۱)

مراقبہ کی حقیقت

اپنے ہر کام کو پہلے سوچ لیا کرو اور ایک وقت موت کے سوچنے حالات قبر کے سوچنے اور قیامت کے سوچنے کے لیے مقرر کرو اور باقی اوقات میں ذکر اللہ میں مشغول رہو اس فکر کا نام مراقبہ ہے۔ اس سے آپ کو مراقبہ کی فضیلت معلوم ہوئی ہو گی کہ یہ کتنی بڑی چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے جا بجا امر بھی فرمایا ہے اور ترغیب بھی دی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے دنیا و آخرت کی راحت حاصل ہوتی ہے اب دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور توفیق عمل عطا فرمائیں۔ آمین۔ (المراقبہ ج ۲۲)

مسلمانوں کا اصل مقصود

مسلمانوں کا اصلی مقصود آخرت ہے اور اس مقصود کے لیے مطابق قاعدہ عقلیہ و نقلیہ کے علم و عمل دونوں کی ضرورت ہے اور اس وقت ان دونوں میں کوتاہی ہو رہی ہے۔ پس اس آیت میں ان ہی دونوں کا ذکر ہے۔ اب ہر شخص دیکھ لے علم و عمل دونوں میں اس سے کتنی کوتاہی ہوتی ہے اور اس سے لسانی، بدنی کتنے گناہ دن رات میں ہوتے ہیں بلکہ کوتاہی علم سے بعض کا تو گناہ ہونا بھی معلوم نہیں ہوتا۔ مثلاً متاع دنیا کی طرف نظر حرص کرنا گناہ ہے۔ "**لاتمدن عینیک الی مامتعنابہ الایۃ**" مگر اس کی کسی کو بھی خبر نہیں کہ وہ بھی گناہ ہے حرام تو کیا مکروہ بھی نہیں جانتے۔ (شرط الذکر ج ۲۲)

آخرت سے ذہول پر مولانا جامی کی تنبیہ

اسی کے خلاف کی شکایت مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ نے کی ہے:

دلا تا کے دریں کاخ مجازی — کنی مانند طفلاں خاکبازی
توئی آں دست پرور مرغ گستاخ — کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ
چرازاں آشیاں بیگانہ گشتی — چو دوناں چغداں ویرانہ گشتی

(اے دل اس مجازی مکان (دنیا) میں کب تک لڑکوں کی طرح خاک سے کھیلتا رہے گا تو ہی وہ ہاتھ کا پلا ہوا مرغ گستاخ ہے کہ تیرا آشیانہ اس مکان سے باہر تھا اس آشیانہ سے کیوں بیگانہ ہوگیا' کمینوں کی طرح سے اس ویرانہ کا الو بنا ہوا ہے)

آگے مولانا نے وطن اصلی کو یاد دلایا ہے:

بیفشاں بال و پرزیں عالم خاک — پر تا کنگرہ ایوان افلاک

(اس عالم خاک (دنیا) سے باز اور پر جھاڑ ایوان افلاک کے کنگرہ تک اڑ) (جلاء القلوب ج ۲۲)

غفلت کا علاج تذکرہ آخرت ہے

ہمارے اندر بڑا مرض یہ ہے کہ ہم اعمال میں سستی کرتے ہیں جس کا سبب غفلت عن الاخرۃ ہے اور اس کا علاج تذکرہ آخرت ہے اسی کو میں مراقبہ کہتا ہوں چاہے مراقبہ کی صورت متعارفہ سے نہ ہو ویسے ہی چلتے پھرتے دھیان رکھا جائے۔ مقصود یہ ہے کہ جو غفلت اعمال کی خرابی کا سبب ہو رہی ہے وہ دفع ہونا ضروری ہے مگر باوجود ضروری ہونے کے اس میں بہت ہی کوتاہی ہو رہی ہے اور اس کوتاہی کا ایک باریک سبب ہے اور یہ بات آج ہی میرے ذہن میں آئی ہے اور اسی کے بیان کے لیے میں نے یہ آیت اختیار کی ہے وہ یہ کہ جب لوگوں سے آخرت کی یاد کو کہا جاتا ہے تو ان کا ذہن فوراً اس طرف جاتا ہے کہ آخرت تو بہت دور ہے اس سے پہلے بہت سے واقعات پیش آنے والے ہیں۔ امام مہدی کا ظہور ہوگا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا' دجال نکلے گا' پھر آفتاب مغرب سے نکلے گا' اس کے بھی ایک مدت بعد نفخ صور ہوگا۔ اس وقت یہ عالم فنا ہوگا پھر قرن کے قرن اسی حالت فنا میں گزر جائیں گے پھر دوسرا نفخ صور ہوگا تب کہیں قیامت آئے گی۔ اس بعد کی وجہ سے

انسان آخرت کو اپنے ذہن میں نہیں آنے دیتا کہ یہ تو ابھی بہت دور ہے اور اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال آتا بھی ہے تو اس بعد کی وجہ سے اس کا کچھ زیادہ اثر نہیں ہوتا کیونکہ خطرہ بعیدہ سے عادۃ تاثر کم ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی لیے عقلاء کا مقولہ مشہور ہے:

بترس از بلائے کہ شب درمیان ست

(مصیبت سے ڈر کہ رات درمیان میں ہے)

اگر چہ فی الواقع یہ بات علی الاطلاق غلط ہے کیونکہ طبیعت کو مشوش کرنے کے لیے طبعاً بس رات کے بعد کی مصیبت بھی کافی ہے۔ (التھبیت بمراقبۃ المیت ج ۲۲)

آخرت کی دو قسمیں

آخرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قریب ایک بعید تو اگر آخرت بعید کا خوف نہیں تو آخرت قریبہ کا خوف ہونا چاہیے اور وہ موت ہے اور موت کچھ بعید نہیں کیونکہ سفر اور ریل اور گاڑی اور کھانا پینا اور بیمار ہونا اور چلنا پھرنا یہ سب موت ہی کے اسباب ہیں اور ان کو کوئی بعید نہیں سمجھتا اس لیے آخرت بعیدہ کے مراقبہ سے غالباً موت کا مراقبہ زیادہ نافع ہوگا اس لیے میں نے اس آیت کو اختیار کیا ہے کیونکہ اس میں لفظ فی الاخرت کی تفسیر قبر سے وارد ہوتی ہے جس نے مراقبہ آخرت کو قریب کر دیا کہ آخرت صرف قیامت ہی کا نام نہیں بلکہ آخرت قبر ہی سے شروع ہو جاتی ہے اور قبر میں جانا کچھ دور نہیں تو اس کو ہی یاد کر لیا کرو۔ قرآن شریف میں ایسے اشارات بکثرت ہیں جن میں خاص مراقبات کی تعلیم کی گئی ہے۔ (ایضاً)

مراقبہ موت

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص مقدار میں موت کا دھیان کر لینا بھی کافی ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص بیس دفعہ روزانہ موت کو یاد کر لیا کرے اس کو شہادت کا ثواب ملے گا۔ پس ہر وقت نہ ہو سکے تو اس مراقبہ کی کثرت ہی ہو اور اگر موت کے بعد کا حساب و کتاب بھی یاد کر لیا کرو تو اور بھی اچھا ہے پھر اپنا سونا بھی آپ کو گراں ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ تم سونا چھوڑ دو گے بلکہ نیند کا آنا ناگوار ہوگا اور سونے کو جی نہ چاہے گا ہاں اگر حال غالب ہو گیا تو پھر یہ بھی ہو جائے گا کہ نیند ہی نہ آ سکے گی۔ اس وقت تم سونے والوں سے یوں کہو گے:

چوں چنیں کارے ست اندر رہ ترا ۔۔۔۔۔ لب چوں می آید اے ابلہ ترا

(جب تجھے اس راہ میں مشکل نظر آتی ہے تو اے بیوقوف تیرے لب پر کیا آتا ہے)

بعض اولیاء اللہ کو ایسا پیش آیا ہے۔ (التثبیت بمراقبۃ المبیت ج ۲۲)

منکر نکیر موت کے ایک مقررہ وقت کے بعد آتے ہیں

حدیث میں ہے کہ دفن کے بعد قبر میں دو فرشتے آتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر مردہ کا اچار ڈال لو اور دفن نہ کرو تو یہ فرشتے نہ آئیں گے بعضے اسی خیال میں ہیں چنانچہ ایک جاہل دیندار نے مکہ میں یہ وصیت کرنے کا ارادہ کیا کہ میری لاش کو دفن نہ کیا جائے بلکہ ایک پہاڑ پر رکھ دیا جائے تا کہ سوال قبر نہ ہو' میں نے کہا سبحان اللہ کیا آپ قبر اس گڑھے کو سمجھتے ہیں کہ اس میں اگر دفن نہ کیا جائے گا تو قبر کے معاملات ہی بند ہو جائیں گے بلکہ قبر تو عالم برزخ کا نام ہے جس میں انسان اس عالم سے منتقل ہو کر پہنچتا ہے چاہے دفن ہو یا نہ ہو' غرض فرشتے تو اس وقت کی ایک معین مقدار کے بعد آ جاتے ہیں۔ گو اس وقت غسل ہی ہو رہا ہو یا نماز ہی ہو رہی ہو وہ اپنا کام شروع کر دیتے ہیں اور تمام سوالات و جوابات روح سے ہوتے ہیں اور اس وقت روح کو اس جسم عنصری سے ایسا تعلق ہوتا ہے جیسا لباس اتارنے کے بعد ہم کو اپنے لباس سے تعلق ہوتا ہے کہ اگر کوئی ہماری رضائی چھین کر آگ میں جلا دے تو گو ہم متالم و محترق نہیں ہوتے مگر ہم کو ناگوار ہوتا ہے باقی روح کو زیادہ تعلق مرنے کے بعد جسم مثالی سے ہوتا ہے جو اس جسم عنصری کے علاوہ دوسرا جسم ہے جس کے ماننے سے بہت سے اشکالات رفع ہوتے ہیں ضغطہ قبر وغیرہ سب باتیں اسی جسم مثالی سے ہوتی ہیں۔ غرض مردہ میں موت کے بعد بھی برزخی حیات ہوتی ہے۔ (ایضاً)

حکایت قاضی یحییٰ بن اکثم

قاضی یحییٰ بن اکثم شیخ بخاری کا جب انتقال ہوا تو حق تعالیٰ نے ان سے پوچھا "شیخ السوء ما عملت لنا" اے بڑے بڈھے تو نے ہمارے واسطے کیا عمل کیا ہے' قاضی یحییٰ خاموش ہو گئے حق تعالیٰ نے فرمایا بولتے کیوں نہیں ہو' عرض کیا یا اللہ میں ایک سوچ میں ہوں' پوچھا کیا سوچ ہے' عرض کیا میں نے یہاں کا حال تو اور طرح کا سنا تھا اور ارشاد ہوا کہ کیا سنا تھا عرض کیا:

حدثنا فلان عن فلان عن فلان قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اللّٰہ یستحیی من ذی الشیبۃ المسلم

سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان کا لحاظ فرماتے ہیں اور میں اس وقت معاملہ اس کے خلاف دیکھ رہا ہوں اور اب مجھے یہ سوچ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا راویوں نے غلطی کی۔ حکم ہوا کہ جاؤ تمہارے سب راوی سچے اور میرا حبیب بھی سچا۔ آج ہم تم کو محض بڑھاپے ہی کی وجہ سے بخشتے ہیں۔ (یہ واقعہ کسی بزرگ کو قاضی یحییٰ اکثم کے انتقال کے بعد مکشوف ہوا ہوگا یا کسی نے ان کو خواب میں دیکھا ہو اور انہوں نے بیان کیا ہو ۱۲) تو حق تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کے ساتھ یہ نفع ہوا کہ قاضی یحییٰ کو اپنے بڑھاپے کی وجہ سے مغفرت کی امید تھی حق تعالیٰ نے ان کا یہ گمان پورا کر دیا۔ اسی طرح اگر ہم یہ امید رکھیں کہ قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگی تو یہ گمان بھی ان شاء اللہ پورا ہوگا اور یہ ایسی خوشی کی بات ہے کہ اس کا خیال کر کے تو مسلمانوں کو قبر میں جانے کا شوق پیدا ہو گیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر مسلمان کو سب سے زیادہ محبت ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ ایک تو توقع ہے اور ایک دھوکہ ہے اگر اسباب جمع کر کے امید ہو وہ تو توقع ہے اور بدون اسباب کے امید ہو تو دھوکہ ہے جیسے نکاح کے بعد اولاد کی تمنا کرنا تو توقع ہے اور بدون نکاح کے اس کی تمنا کرنا محض دھوکہ ہے۔ علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ "اَنَا عِندَظَنِّ عَبدِیُ بِیُ" (میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں) میں دراصل اسباب کی تعلیم ہے کیونکہ عادۃً اسباب ہی سے ظن پیدا ہوتا ہے بدون اسباب کے امید نہیں ہوتی ہاں کسی زن کو ہو جائے تو اور بات ہے۔ بہرحال مومن کو احوال واحوال آخرت سے خوف تو رکھنا چاہیے اور اعمال میں کوشش کرنا چاہیے مگر پریشان نہ ہونا چاہیے۔ (التثبیت بمراقبۃ المیت ج ۲۲)

حضرت رابعہ بصریہ کا منکر نکیر کو عجیب جواب

حضرت رابعہ بصریہ کا واقعہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا اور قبر میں فرشتوں نے سوال کیا کہ "من ربک وما دینک" (تمہارا رب کون ہے؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟) تو انہوں نے فرمایا کہ تمہارے سوال کا جواب تو میں بعد میں دوں گی پہلے تم میرے سوال کا جواب دو کہ تم کہاں سے آ رہے ہو' کہا آسمان سے' پوچھا آسمان و زمین میں کتنا فاصلہ ہے'

کہا پانچ سو برس کی مسافت ہے، فرمایا تم خدا کو نہیں بھولے کیونکہ بہت دور سے آ رہے ہو، فرشتوں نے کہا ہم تو خدا تعالیٰ کو نہیں بھولے، فرمایا جب تم اتنی دور سے چل کر بھی نہیں بھولے تو کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ رابعہ زمین سے چار گز نیچے آ کر خدا تعالیٰ کو بھول گئی ہوگی حالانکہ زمین پر ایک ساعت بھی اس سے غافل نہیں رہی یہ سن کر فرشتے متعجب رہ گئے۔

یہ مقام ناز ہے جس کے آگے فرشتے بھی نہیں چل سکتے۔ اسی کو عارف فرماتے ہیں:

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں   کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

(گدائے میکدہ ہوں لیکن مستی کی حالت میں دیکھو کہ فلک پر ناز اور ستارہ پر حکم کرتا ہوں)

اور حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

گر نکیر آید و پرسد کہ بگو رب تو کیست   گویم آنکس کہ ربود ایں دل دیوانہ ما

(اگر منکر نکیر پوچھیں گے کہ تمہارا رب کون ہے تو میں کہوں گا کہ وہی ہے جو ہمارے اس دیوانے دل کو لے گیا)

یہ بھی حضرت رابعہ ہی کے قول کے مثل ہے۔ غرض کافر چونکہ ایمان تحقیقی و تقلیدی دونوں سے محروم ہے اس لیے فرشتے اس کو قبر میں عذاب دیں گے اور دوزخ کی کھڑکی کھول دیں گے اور وہ سمجھے گا کہ قیامت میں اس میں داخل ہونا ہوگا اور مومن کے لیے جنت کی طرف کھڑکی کھولی جائے گی اور وہ یہ سمجھے گا کہ قیامت کے دن اس میں داخل ہونا ہوگا اس لیے مسلمان جنت کو دیکھ کر قیام ساعت کی تمنا کرے گا اور کافر دوزخ کو دیکھ کر یہ کہے گا کہ قیامت کبھی نہ آئے اس کے عذاب سے تو قبر ہی کا عذاب اہون ہے۔ واللہ اعلم

حیات برزخیہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ قبر کو حیات دنیا میں داخل فرمایا یا آخرت میں، سو احتمال دونوں طرف سے ہے قبر کو حیات دنیا میں بھی داخل کیا جا سکتا ہے اور آخرت میں بھی۔ دوسرا احتمال تو محتاج تاویل نہیں کیونکہ موت سے حیات دنیا منقطع ہو جاتی ہے اس لیے مابعد الموت حیات دنیا میں داخل نہیں بلکہ وہ آخرت میں داخل ہونا چاہیے البتہ پہلا احتمال محتاج نہیں تاویل ہے اس پر کہہ سکتے ہیں کہ گو موت سے حیات دنیا منقطع ہو جاتی ہے مگر حیات اخرویہ بھی شروع نہیں ہوتی کیونکہ حیات اخرویہ وہ ہے جبکہ یہی جسد عنصری دوبارہ

زندہ ہوگا اور یہ قیامت میں ہوگا' قبر میں جسد عنصری زندہ نہیں ہوتا۔ گو روح کو اس سے تعلق رہتا ہے پس گو موت کے بعد انسان کو نہ حیات اخرویہ حاصل ہوتی ہے نہ حیات دنیویہ بلکہ حیات برزخیہ ہوتی ہے مگر حیات برزخیہ کو حیات دنیا سے بہ نسبت آخرت کے قرب زیادہ ہے اس لیے حکماً وہ حیات دنیا میں داخل ہو سکتی ہے لیکن یاد آیا در منثور میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الاخرۃ کی تفسیر عذاب قبر سے فرمائی ہے اب کسی تاویل کی ضرورت نہیں رہی نہ دوسرا احتمال رہا۔ (التثبیت بمراقبۃ المبیت ج ۲۲)

غفلت کا علاج

ہم کو معاصی سے بچنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے جن کا سبب غفلت عن الاخرت ہے اور غفلت کا علاج تذکر ہے اور تذکر آخرت کا سہل طریقہ موت کو یاد کرنا ہے۔ پس ہم کو غفلت دور کرنے کے لیے موت کو یاد کرنا چاہیے اور یاد کرنے کا طریقہ بھی میں نے بتلا دیا کہ صرف موت موت کا ورد کرنا کافی نہیں بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ حدیث میں جو باتیں موت کے متعلق وارد ہیں کہ دفن کے بعد فرشتے قبر میں آئیں گے اور اس طرح سوال و جواب ہوگا اس کا تصور کیا جائے۔ اگرچہ یہ مراقبہ ہر وقت کرنے کا ہے مگر حکمائے اُمت نے اس کے لیے بھی ایک وقت مقرر کر دیا ہے تاکہ تعیین وقت سے کام میں سہولت ہو جائے' اچھا وقت اس کے لیے سونے کا وقت ہے کیونکہ "النوم اخو الموت" سونا ہی موت کے مشابہ ہے تو سوتے وقت ہم کو یاد کرنا چاہیے کہ ایک دن وہ بھی آنے والا ہے جبکہ ہم بہت لمبی نیند سوئیں گے جس کے بعد قیامت سے پہلے اٹھنا ہی نہ ہوگا۔ روزانہ سوتے ہوئے اس کو یاد کرنا چاہیے تاکہ ہم کو قول ثابت کی برکتیں حاصل ہوں۔ رہا یہ کہ قول ثابت سے مراد کیا ہے اور اس کی برکتیں کیا ہیں اس کو قرآن ہی سے معلوم کرو۔ چنانچہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس میں توحید کا ذکر ہے اس میں حق تعالیٰ نے کلمہ توحید و کلمہ کفر کی مثال بیان فرمائی ہے۔ صاحب تفسیر (یعنی امام فخر رازی) کا قول ہے کہ تمام قرآن تین مضمونوں کی شرح ہے توحید و رسالت و معاد یہ قول مجھے بہت ہی پسند آیا۔ اس کا لحاظ کر لینے سے تمام قرآن مرتبط معلوم ہوتا ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ حضرت حاجی صاحب نے مثنوی کا خلاصہ نکالا تھا کہ تمام مثنوی میں دو مضمون اصل مقصود ہیں ایک توحید حالی دوسرے حقوق شیخ واقعی عجیب خلاصہ ہے جس کے بعد تمام مثنوی مرتبط معلوم ہوتی ہے۔ (التثبیت بمراقبۃ المبیت ج ۲۲)

آخرت کے لئے تدابیر کی ضرورت

یوں سمجھتے ہیں بلکہ زباں سے کہتے ہیں کہ جو تقدیر میں لکھا ہے جنت یا دوزخ وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ پھر نہ طاعت سے کچھ فائدہ اور نہ گناہ سے کوئی ضرر مگر تعجب ہے کہ یہ تقدیر دنیا کے کاموں میں مثلاً کمانا کھانا مال ودولت جمع کرنا ان میں کہاں چلی جاتی ہے ہم نے کسی کو نہ دیکھا کہ اس نے تقدیر کے بھروسے پر کمانا چھوڑ دیا ہو یا کھانا نہ کھایا ہو یا کھیتی کرنی چھوڑ دی ہو اور اس میں تخم ریزی نہ کی ہو۔ کہ اگر تقدیر میں ہے تو خود بہ خود سب کام ہو جائیں گے اس موقعہ پر تو کہتے ہیں کہ صاحب تقدیر حق ہے لیکن تدبیر بھی تو کرنی چاہیئے بدوں تدبیر کے کوئی کام نہیں ہوتا افسوس یہاں تو تدبیر کی ضرورت اور دین کے کام میں تدبیر کی ضرورت نہیں حالانکہ آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاش کی خدا تعالیٰ نے ایک حد تک ذمہ داری بھی کی ہے فرماتے ہیں وَمَامِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّاعَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (زمین پر چلنے والی اور رہنے والی جتنی بھی چیزیں ہیں سب کا رزق اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے) اور معاد کے بارے میں ذرا بھی ذمہ داری نہیں فرمائی بلکہ صاف ارشاد ہے لَيْسَ لِلْاِنْسَان اِلَّامَاسَعیٰ (انسان کو اسی قدر ملے گا جس قدر وہ کوشش کرے گا) اور مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيُهَا (جس نے اچھے عمل کئے تو اپنے فائدے کے لئے کئے جس نے برا عمل کیا اپنے لئے کیا) کہ ہم بالکل وعدہ نہیں کرتے جو جیسا کرے گا بھرے گا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ ارشاد فرمایا اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِءٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَنَعِيْمٍ كَلَّا (کیا ہر شخص اس کی خواہش کرتا ہے کہ وہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے ایسا تو ہرگز نہ ہوگا یعنی عمل کے موافق جزا ملے گی) تو جب تک پاک نہ بنو گے ہرگز دخول جنت کے قابل نہ ہو گے۔

غرض معاش کو تدبیر پر رکھنا اور معاد کو تقدیر پر چھوڑ دینا سخت غلطی ہے بالخصوص جب کہ تحصیل معاد کی تدابیر خود خدا تعالیٰ ہی نے بتلائی ہیں اگر معاد کا حصول محض تقدیر سے ہوتا ۔اور تدبیر کو اس میں دخل نہ ہوتا تو تدابیر بتلانے کی کیا ضرورت تھی۔ (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

آخرت کے دو درجے

آخرت کے دو درجے ہیں زمان آخرت اور مکان آخرت، سو زمان آخرۃ بھی گو کچھ

دور تو نہیں ہے لیکن خبر اس کی نسبت بعید ہونے کا گمان ہوسکتا ہے لیکن مکان آخرت تو بالفعل ہی موجود ہے اس لئے اس آسمان دنیا سے آگے مکان آخرت ہی ہے۔ تو اگر ذہن میں یہ مضمون جمالو کہ چھت پر گویا ایک کثیر مخلوق ہم کو دیکھ رہی ہے تو یہ مراقبہ بھی انشاء اللہ گناہ سے بچنے کے لئے کافی ہوگا۔ اور آسمان کے چھت ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً (اور تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنانا) غرض یہ ہے کہ جس طرح ہوسکے گناہ سے بچو۔ (الاخصاح ج ۲۳)

موت کو یاد کرنے کا طریق

حدیث شریف میں ہے اَكْثِرُوْا ذکرها ذم اللّذات الموت (سنن الترمذی ۲۳۰۷، سنن النسائی ۴:۴) یعنی لذات کے مٹا دینے والی شئے یعنی موت کو بہت یاد کیا کرو مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تسبیح لے کر بیٹھ گئے اور موت موت کہہ لیا مطلب یہ ہے کہ پندرہ بیس منٹ اپنے اوقات میں سے نکال کر خلوت میں بیٹھ جاؤ اور یہ سوچو مجھ کو ایک دن اس دنیا سے سفر کرنا ہے اول بیمار ہوں گا اس کے بعد مروں گا۔ پھر لوگ قبر میں دفن کر دیں گے وہاں دو فرشتے سوال کے لئے آئیں گے اے نفس ان کے جواب کے لئے تیار رہ اور وہ بدکار کے پاس ڈراؤنی شکل سے آئیں گے اور نیک کے پاس اچھی شکل سے پھر قبر یا تو دوزخ کا ایک گڑھا یا بہشت کا باغ ہوگا کہ اس میں جنت کی ہوائیں آئیں گی اور اسی طرح جو جو واقعات دخول جنت وجہنم تک احادیث میں آئے ہیں ان کو اسی تفصیل سے سوچے اسی طرح روزانہ یاد کرلیا کرے۔ دیکھئے تو سہی ایک مدت کے بعد اس کا کیا ثمرہ ہوتا ہے کہ دل دنیا سے ہٹ جائے گا اور آخرت کی طرف رغبت ہوگی۔ اور نیک کاموں کی ہمت بڑھے گی۔ پھر ہمت سے عمل آسان ہوگا اور اس سے طریق کا ایک جزو حاصل ہو جائے گا اب دوسرے جزو کو لیجئے یعنی علم دین سے ہماری مراد مقدار اور وہ طرز خاص نہیں جیسا کہ بعض لوگ الزام دیتے ہیں کہ مولوی تو یوں چاہتے ہیں کہ سب مولوی ہو جائیں۔ تو یہ محض افترا ہے بلکہ ہم تو اس کے عکس کو چاہتے ہیں یعنی یہ چاہتے ہیں کہ سب نہ بنیں بلکہ اگر سب بنیں بھی تو ہم ہرگز نہ بننے دیں اس لئے کہ علم دین بشکل مولویت ومقتدائیت ہر شخص کے مناسب نہیں صرف اس شخص کو لائق ہے جس میں حب دنیا نہ ہو اور دین کی محبت ہو ورنہ الٹا مضر ہے۔

بد گہر را علم و فن آموختن ۔۔۔ دادن تیغ است دست راہزن
(نااہل کو علم و فن سکھانا ایسا ہے جیسا ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دینا) (اطاعۃ الاحکام ۲۳)

آخرت کے ثواب و عذاب کی ضرورت استحضار

ہر مسلمان کو عذاب و ثواب اور جنت و دوزخ کا یقین ہے ہی مگر اعتقادی علم کافی نہیں ہے بلکہ اس کے استحضار کی بھی ضرورت ہے۔ اس کا مراقبہ اتنا کرنا چاہئے کہ ہر وقت عذاب و ثواب کا خیال دل میں حاضر رہے، اسی لئے حق تعالیٰ نہایت تاکید کے ساتھ فرماتے ہیں فان اجل اللہ لاٰت (سو مدت معین ضرور آنے والی ہے) اس میں ان حروف سے تاکید ہے، اس کے بعد خبر پر لام تاکید ہے پھر جملہ اسمیہ خود تاکید کو موجب ہے مطلب یہ ہے کہ آخرت کا آنا بالکل یقینی ہے اس میں ذرا بھی شک نہیں اب آپ خود سوچ لیں کہ جس طرح ہم کو دوسری یقینی باتوں کا استحضار ہوتا ہے کیا ایسا ہی استحضار آخرت کا بھی ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کو پھانسی کا حکم سنا دیا جائے تو اندازہ کرلیا جائے کہ اس کی کیا حالت ہو جاتی ہے۔ اگرچہ حکم سنا دینے کے بعد پھانسی دے دینا حاکم کے اختیار میں من کل الوجہ نہیں ممکن ہے کہ آگے چل کر اپیل منظور ہو جائے مگر ان سب احتمالات کے باوجود پھر بھی جو حالت اس شخص کی ہوتی ہے جس کو پھانسی کا حکم سنایا گیا ہے اس سے کوئی ناواقف نہیں۔ وہ ان احتمالات پر مطلق نظر نہیں کرتا اس کے سر پر ہر وقت موت کھیلتی ہے اور وہ مرنے سے پہلے مردہ ہو جاتا ہے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ ایک ادنیٰ حکم کا انسان پر کیا اثر ہوتا ہے جس کا واقع ہونا آخرت کے برابر یقینی ہرگز نہیں ہوتا۔ (رجاء اللقاء ج ۲۳)

درستی معاد کا طریق حصول

عقائد و اعمال کی اصلاح کی جاوے اور یہ موقوف ہے علم پر تو علم کی ضرورت ثابت ہو جاوے گی اور یہ مضمون اس علمی جلسے کے مناسب ہو جاوے گا۔ صاحبو! یوں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ہی سے ضرورت علم کی معلوم ہے۔ بہت سی حدیثیں علم کی فضیلت اور اس کے طلب و جوب کے متعلق موجود ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہم کو مل گیا تو ضرورت معلوم ہوگئی کہ اس کام کو کرنا چاہئے اب اور کسی ضرورت کے تلاش کی حاجت نہیں رہی لیکن اگر عقل سے بھی ثابت ہو جاوے اس طرح سے کہ تحرز عن المضرت اور جلب منفعت ضروری چیز ہے اور منجملہ مضرتوں کے مضار آخرت بھی ہیں بلکہ مضرت کے افراد میں

اکمل وہی ہیں تو آخرت کے مضار سے بچنا بھی ضرور ہوا اور وہ موقوف ہے مضار آخرت کے علم پر جس کا ذریعہ محض علم دین ہے تو اس سے یہ مضمون اور زیادہ اقرب الی الفہم اور موجب طمانیت قلب ہوگا۔ آج کل اس کو سب مانتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے تمام حالات میں اصلاح کی حاجت ہے اور اس کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ سب مسلمان مل کر کوشش کریں یہ کام ایک دو افراد کا نہیں ہے اور اصلاح کے لئے علم کی ضرورت ہے تو اس بات کی ضرورت ہوئی کہ علم کے لئے سب مسلمان مل کر کوشش کریں۔ گھر گھر علم کا چرچا ہو، جگہ جگہ مجمع اہل علم کے موجود ہوں۔ چنانچہ بحمد اللہ بہ نسبت پہلے زمانہ کے اس میں ترقی بھی ہے۔ ہر جگہ مدرسہ موجود ہے کچھ نہ کچھ مجمع اہل علم کا موجود رہتا ہے اور مدرسہ جگہ جگہ ہونے سے بہت فائدہ پہنچا ہے کیونکہ جب علم کی مسلمانوں کو ضرورت ہے اور علم کی ترقی علمی مجالس سے ہوتی ہے تو علمی مجالس جس قدر زیادہ ہوں اسی قدر علم کو ترقی ہونے کی اور اسی قدر مسلمانوں کو نفع پہنچنے اور قوت علمی بڑھنے کی امید ہوگی۔ (السوق لاہل الشوق ج ۲۴)

حق تعالیٰ شانہ، کی ناراضگی سے ڈرنے کی ضرورت

ہماری حالت یہ ہے کہ جس چیز سے ڈرنا چاہئے یعنی جو چیز ڈرنے کی ہے اس سے تو نہیں ڈرتے اور نہ ڈرنے کی چیز سے ڈرتے ہیں۔ ڈرنے کی چیز حق تعالیٰ کی ناراضی اور غضب ہے مگر اس سے ہم بالکل بے پرواہ ہیں۔ چنانچہ اس وقت بھی لوگوں نے کچھ اپنی حالت کی اصلاح نہیں کی جو شخص جس گناہ میں مبتلا ہے، اسی میں مبتلا ہے۔ (خیر الحیات وخیر الممات ج ۲۴)

بیماری ڈرنے کی چیز نہیں

بیماری جو درحقیقت ڈرنے کی چیز نہیں ہے اس سے بہت ڈرتے ہیں۔ اس حالت کو دیکھ کر تو یوں کہنا چاہئے کہ ہم اس بیماری سے اتنا ڈرتے ہیں کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ سے بھی اتنا نہیں ڈرتے جیسا کہ شیخ سعدی رحمہ اللہ اسی کے مناسب ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

گر وزیر از خدا بتر سیدے ہمچناں گز ملک ملک بودے

''کہ اگر وزیر خدا تعالیٰ سے اتنا ڈرتا جتنا بادشاہ سے ڈرتا ہے تو فرشتہ ہو جاتا۔''

یہاں شیخ رحمۃ اللہ نے دو شکایتیں کی ہیں۔ ایک خدا تعالیٰ سے نہ ڈرنے کی، دوسرے

بادشاہ سے اس قدر ڈرنے کی یعنی عقل کا مقتضا تو یہ تھا کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا اور بادشاہ سے اس قدر نہ ڈرتا کیونکہ بادشاہ تو ایک ہم ہی جیسا آدمی ہے فی الحقیقت وہ ڈرنے کی چیز نہیں مگر یہاں معاملہ برعکس ہے۔ (خیر الحیات وخیر الممات ج ۲۴)

کوئی مومن بشارت عندالموت سے محروم نہیں

مولانا فتح محمد صاحب کے ایک شاگرد مولوی نور احمد صاحب طالب علم تھے، مولانا کے وصال کے بعد وہ اپنے گھر جانے لگے اور سامان وغیرہ باندھ کر سب رکھ دیا تھا کہ دفعتاً طاعون میں مبتلا ہو گئے۔ لوگوں کو بہت صدمہ ہوا کہ بے چارہ کو اس وقت اپنے وطن کی کیسی حسرت ہوگی، سب ان کی تسلی کرنے لگے کہ گھبراؤ نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ تم اچھے ہو جاؤ گے۔ وہ کہنے لگے کہ اب یوں نہ کہو اب تو خدا تعالیٰ سے ملنے کو جی چاہتا ہے، پھر ان کا جنازہ آیا تو گو ہم جیسوں کا ادراک ہی کیا مگر مجھے ان کے جنازہ پر انوار ہی انوار معلوم ہوتے تھے۔ صاحبو! مومن چاہے کیسا ہی گنہگار ہو ایمان کی وجہ سے تو بشارت اس کو بھی ملتی ہے اس لئے وہ مرتے ہوئے ضرور خوش ہوتا ہے اور جو ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی زیادہ ہوں پھر تو اس کی خوشی کا کیا کہنا بس بشارت عندالموت سے اگر محروم ہے تو کافر ہی محروم ہے۔ مومن چاہے کیسا ہی ہو وہ اس سے محروم نہیں گو اس کے ساتھ معاصی بھی ہوں مگر ایمان کامل ہو تو موت کے وقت اسے حق تعالیٰ سے ملنے کا اشتیاق ہوگا اور قبل موت گو اس درجہ کا اشتیاق طبعی نہ ہو مگر عقلی کراہت بھی نہ ہونا چاہئے۔ (ایضاً)

اہل محبت کو وحشت نہیں ہوتی

مسلمانوں میں بعضے گنہگار بھی ہیں اور اہل محبت تو اپنے کو سب سے زیادہ گنہگار سمجھتے ہیں۔ تو قیامت میں گناہوں پر سزا بھی تو ہوگی میں تو کہتا ہوں کہ واللہ مجھے تو یقین ہے کہ مسلمانوں کو بہت کم سزا ہوگی۔ حضرت حق ان کو تو کسی بہانہ سے معاف ہی کر دیتے ہیں (سبحان اللہ! کیسی رجاء اور کیسی محبت ٹپکتی ہے) میرا یہ مطلب نہیں کہ یہ سمجھ کر تم حق تعالیٰ سے ڈرو اور دل میں ہیبت رکھو، مگر ویسی ہی ہیبت رکھو جیسی محبوب سے ہوا کرتی ہے۔ محبوب سے اس کے جمال وجلال کی وجہ سے ہیبت ہوتی ہے۔ ہوا سمجھ کر وحشت اور خوف نہیں ہوتی۔ اس ہیبت کو ایک شاعر نے خوب بیان کیا ہے:

سامنے سے جب وہ شوخِ دلربا آجائے ہے ۔ تھامتا ہوں دل کو پر ہاتھوں سے نکلا جائے ہے

خلاصہ یہ کہ محبوب سے ہیبت تو ہوتی ہے مگر وحشت نہیں ہوتی۔ اسی طرح حق تعالیٰ سے اور ان کی لقاء سے وحشت نہیں ہونی چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ محبت پیدا کرو، محبت کے بعد تم گنہگار ہو کر بھی حق تعالیٰ سے متوحش اور موت سے متنفر نہ ہوگے اور محبت کا وہی طریقہ ہے جو اوپر بتلایا ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کو اور ان کے احسانات کو یاد کرو۔ دوسری بات یہ کہ اہلِ محبت کی صحبت اختیار کرو اور تیسری بات اور بھی ہے کہ تھوڑی دیر ذکر کر لیا کرو، گو خلوص سے نہ ہو مگر فلوس کے لئے بھی نہ ہو۔ یعنی دنیا کے لئے نہ ہو۔ (خیر الحیات وخیر الممات ج۲۴)

فکرِ آخرت کی ضرورت

بہت لوگوں کی عمریں اسی میں ختم ہو گئیں کہ پنشن مل جائے تو دینداری اختیار کریں اور گورنمنٹ سے پنشن سے پہلے ان کو دنیا ہی سے پنشن مل گئی اور آخرت میں جا پہنچے۔ صاحبو! حق تعالیٰ کی طرف سے تو ہر وقت آپ کو یہ ندا ہے:

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ۔ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

(واپس آ، واپس آ، جو کچھ بھی تو ہے اگر چہ کافر آتش پرست بت پرست ہے واپس آ)

یعنی تم جیسے بھی ہو اسی حالت میں متوجہ ہو جاؤ، چاہے کیسے ہی گوہ در گوہ ہو، کیونکہ دور رہ کر تم پاک ہو ہی نہیں سکتے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص ناپاک ہو اور دریا میں اس لئے نہ جاتا ہو کہ وہ پاک شفاف اور میں ناپاک، اس حال میں کیونکر جاؤں بلکہ پاک ہو جاؤں گا تو دریا اس سے یہی کہے گا کہ تو جیسا بھی ہے اسی حال میں میرے پاس چلا آ، کیونکہ مجھ سے دور رہ کر تو پاک نہیں ہو سکتا۔ پس اس کا ہرگز خیال نہ کرو کہ ہم تو گنہگار ہیں، دنیا دار ہیں، دنیا کے علائق میں پھنسے ہوئے ہیں، اس حال میں کیونکر ذکر اللہ شروع کریں۔ صاحبو! تم اسی حال سے کام شروع کر دو، پھر تمہارے علائق اور گناہوں کو ہی کم کر دے گا۔ اسی طرح اس سے بھی پریشان نہ ہونا چاہئے کہ پابندی نہیں ہوتی، ناغہ ہو جاتا ہے۔ (ایضاً)

تمام غلطی کی جڑ

تمام غلطی کی جڑ یہ ہے کہ ہم اپنی عمر کو طویل اور ممتد سمجھتے ہیں، لہٰذا جی چاہا کہ اس کی

اصلاح کر دی جائے اس کی اصلاح بھی ہے کہ ہر جزو عمر کو اخیر سمجھنا چاہئے۔ یہ اجمالی اصلاح ہے اس کی تفصیل آپ خود کر سکتے ہیں۔ ایک دفعہ غور کر کے دیکھئے کہ اگر کسی طرح آپ کو کسی صاحب کشف یا نجومی یا طبیب کے کہنے سے ضعیف سا شبہ بھی پڑ جائے کہ آج شام تک زندگی ختم ہے تو اس وقت آپ کی کیا حالت ہو گی۔ سوائے ضروریات کے کسی طرف خیال بھی نہ جائے گا لیکن اب جو ہم لمبے چوڑے قصے لئے بیٹھے ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ غفلت کی عادت ڈال لی ہے ذہن کبھی اس طرف جاتا ہی نہیں کہ ایک دن عمر ختم بھی ہو گی حالانکہ ہر شخص کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ عمر ختم ہو گی بلکہ یہ معلوم ہے کہ اس کے لئے کوئی قاعدہ بھی مقرر نہیں کہ کب ختم ہو گی۔ اچھے خاصے ہٹے کٹے آدمی جن کے قویٰ ایسے تھے کہ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ سو برس سے پہلے مریں گے، ذرا سی دیر میں مر جاتے ہیں۔ بالخصوص طاعون اور ہیضہ کے زمانہ میں یہ تماشے ہر شخص کے دیکھے ہوئے ہیں کہ اچھے اچھے شہ زور نوجوان صبح کو اچھے خاصے ملے اور شام کو دنیا سے رخصت ہو گئے کسی محقق اور تجربہ کار کو اب تک کوئی ایسا قاعدہ نہیں جس سے عمر کا اندازہ کر سکیں باوجود ان باتوں کے مسلم ہونے کے عمر کے امتداد کا خیال غفلت کے سوا کس بات پر مبنی ہو سکتا ہے جو ایسی ظاہر چیز کو چھپا دیتی ہے۔

اگر موت کو یاد کر کے شریعت کو دستور العمل بنالیں تو دنیاوی زندگی صحیح نہ ہو سکے گی شریعت تو اکثر چیزوں سے روکے گی میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ شریعت پر چلنے سے کوئی ضروری اور مفید کام بند نہیں ہو سکتا۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

فضولیات وممنوعات کی بنا غفلت ہے

جن چیزوں کے چھوڑنے کے لئے تذکر موت کو ذریعہ بنایا ہے یعنی فضولیات و ممنوعات جس کی بناء غفلت ہے زوال غفلت سے ایسی چیزیں بے شک چھوٹ جاویں گی سوا اس سے دنیا تو نہ چھوٹی اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ موت کی یاد اگر غالب ہو گئی تو اس کے غلبہ کی ضروریات بھی چھوٹ جاویں گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس غلبہ سے طاعات کا زیادہ اہتمام ہو گا اور ضروری دنیا کا کسب طاعت ہے تو اس کا تو زیادہ اہتمام ہو گا نہ کہ وہ متروک ہو جاوے۔ البتہ دلچسپی بے شک نہ رہے گی۔ سو دلچسپی خود مطلوب نہیں نہ ضروری دنیا کا

موقوف علیہ ہے بہرحال موت کی یاد سے ضروری تمدن نہیں مٹ سکتا نہ ضروری تمدن سے روکا جاسکتا ہے مگر یہ سو برس کے منصوبے کیسے تراشے جاتے ہیں۔ بس اس کو روکا جاتا ہے۔ ذرا اپنے حالات میں غور کر کے دیکھئے کہ سینکڑوں برس کی تیاریاں کی جاتی ہیں اور اس بے تمیزی کے ساتھ کہ اس میں حلال وحرام کچھ بھی نہیں دیکھا جاتا۔ باقی ضروری تمدن، سو میں نے اوپر بیان کر دیا کہ ضروریات کے لئے سامان کرنا مضائقہ نہیں بلکہ آسائش وآرائش تک بھی مضائقہ نہیں لیکن کوئی حد تو ہونی چاہئے، کوئی کام ایسا نہیں ہوسکتا جس کے لئے کوئی حد نہ ہو۔ دیکھئے کھانا کھانا کتنا ضروری ہے کہ موقوف علیہ حیات کا ہے اس کی بھی حد مقرر ہے اگر کوئی چاہے کہ مطلق العنان ہو کر کھائے اور جو کوئی اسے ٹوکے تو جواب میں یہ کہے تم کھانے جیسی ضروری چیز سے منع کرتے ہو تو بتلایئے آپ اس کا کیا جواب دیں گے۔ یہی نا کہ ہم قدر ضرورت سے منع نہیں کرتے بلکہ حد سے آگے بڑھنے کو منع کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم مبتلائے ہیضہ ہو کر مر جاؤ گے۔ میں کہتا ہوں کہ شریعت کو بھی ہم سے اسی بات کی شکایت ہے کہ ہم لوگ دنیا کے سامان میں قدر ضرورت وقدر راحت پر بس نہیں کرتے بلکہ ہم کو دنیا کا ہیضہ ہو گیا ہے جس سے ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

جنازہ کی موجودگی میں غفلت

جنازہ سامنے ہے اور دنیا کے بکھیڑے زبان پر ہیں اور جو اس سے قرابت رکھتے ہیں ان کو تو سب سے بڑی فکر یہ ہے کہ میراث لے لیں۔ گو معلوم ہے کہ میراث فرائض کے موافق بٹے گی مگر دل نہیں مانتا اور یہ فکر ہے کہ جتنا ہاتھ لگے دبالو، اس کی حق تعالیٰ نے بھی شکایت فرمائی ہے۔ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (تم میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے تم لوگ بہت ہی محبت رکھتے ہو) اور جن کو کوئی قرابت نہیں ان کو اگر اور کچھ شغل نہ ہو تو کچہری ہی کے مقدمے لے بیٹھتے ہیں جن کو مقدمہ سے بھی مس نہیں وہ تیری میری شکایت غیبت ہی شروع کر دیتے ہیں کوئی پوچھے کہ ایک بڑا سنگین مقدمہ تو سامنے موجود ہے اس کو دیکھ کر کچھ اپنی حالت تو سنبھالی ہوتی دیکھئے جب کسی کو پھانسی ہوتی ہے تو دیکھنے والے کانپتے ہیں حالانکہ یہ یقینی بات ہے کہ ان پر کوئی آفت آنے والی نہیں۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قبر پر رونے کا سبب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور جلیل القدر صحابی ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دامادی کا دوہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ذوالنورین مشہور ہیں جب آپ کسی قبر پر تشریف لے جاتے تو اس قدر روتے کہ ریش مبارک تر ہو جاتی۔ جب یہ قصہ حدیث میں آتا ہے تو طالب علم پوچھا کرتے ہیں کہ اس قدر رونے کی اور خوف کی کیا وجہ تھی بلکہ بعض بے ہودہ اور فلسفی مذاق رکھنے والے طالب علم تو یہاں تک کہہ بیٹھتے ہیں کہ اس سے تو نعوذ باللہ حضرت عثمانؓ کے ایمان اور تصدیق میں شبہ ہوتا ہے کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنے ناجی اور جنتی ہونے کی بشارت سن چکے تھے پھر اس قدر رونا کیوں سوائے اس کے کہ اس خبر میں کچھ احتمال ہے۔ ایسے احمقوں کا جواب زبان سے نہیں دینا چاہئے بلکہ انکو پھانسی گھر میں کھڑا کر دینا چاہئے اور بقسم پوچھنا چاہئے کہ پھانسی والے کو دیکھ کر تمہارا قلب اپنی حالت پر ہے یا نہیں؟ بس اس وقت اس کو اس شبہ کا جواب کافی مل جائے گا کہ باوجود اپنے اوپر یہ خطرہ نہ ہونے کے دل کانپتا ہے کیونکہ وہ صورت اور موقع ہی ایسا ہے تو اگر حضرت عثمانؓ کا دل باوجود نجات کے یقین ہونے کے قبر کے احوال دیکھ کر کانپتا ہو تو کیا تعجب ہے۔ یہ ان کی غایت خوف اور تصدیق بالاخبار الوارده کی دلیل ہے۔ نہ معلوم ہم لوگوں کو جنازہ دیکھ کر کیوں ہیبت نہیں ہوتی جبکہ نجات کی خبر تو کیا اُمید بھی ہونا مشکل ہے۔

بڈھوں کا یہ لفظ کہ ہم چراغ سحری ہیں صرف زبان ہی پر ہے

ہم لوگ موت سے بالکل غافل ہیں۔ کیا بچے اور کیا جواں اور کیا بوڑھے، البتہ بوڑھے کا بطور محاورہ کے کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو چراغ سحری ہیں مگر یہ صرف لفظ ہی لفظ ہے جو زبان پر ہے اور قلب اس سے خالی ہے۔ غور کر کے دیکھئے تو بڈھوں کو جوانوں سے زیادہ دنیا کی ہوس ہے۔ اس لفظ کو سن کر جوانوں پر ایک عجیب بے فکری کا اثر ہوتا ہے کہ خیر ہم تو چراغ سحری نہیں ہیں، سحر تک روشن رہیں گے مگر ایک جوان بزرگ نے اس لفظ کے جواب میں خوب کہا۔ کسی بڈھے نے ان کے سامنے کہا تھا کہ ہم تو چراغ سحری ہیں۔ کہا حضرت! آپ ساری رات جل تو لئے۔ ہم تو چراغ شام ہیں، ایک جھونکے میں ختم

کہ ایک رات بھی جلنے نہ پائے۔ یہ لطیفہ مجھے بہت پسند آیا۔ بہر حال بڈھوں کا یہ کہنا صرف ایک مہذب لفظ ہے جو بلا عملی ثبوت کے کچھ کارآمد نہیں۔ (ایضاً)

گناہ بے لذت فوراً چھوڑنے کی ضرورت

وہ گناہ جس کے ترک میں تکلیف بھی نہیں ان کے نہ چھوڑنے کا کیا سبب اور وہ کون سی بات ہے جس کو ان کے لئے ایک دن کے واسطے بھی عذر کہا جائے جیسے داڑھی منڈانا، ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہننا، غیبت وغیرہ کرنا ان کے چھوڑنے میں کونسی تکلیف ہوتی ہے۔ بس یہ دوسری قسم کے گناہ ایک دم اور آج ہی چھوڑ دیجئے میں اس کو مخاطب بناتا ہوں جسکو اپنی اصلاح کی کچھ بھی فکر ہے مگر افسوس آج کل حس کی بھی کافی کمی ہے اور مجھ کو بڑی شکایت اس کی بھی ہے کہ ہم لوگوں کو غور کرنے کی عادت بالکل نہیں رہی حالانکہ جو کوئی اپنی اصلاح کا طالب ہے عورت ہو یا مرد اس کے واسطے پہلی سیڑھی یہی ہے کہ تفکر کی عادت ڈالے۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

مراقبہ موت کی ضرورت

ہم کو مراقبہ موت کی ضرورت ہے اور اس میں اس کا بہت آسان طریقہ بتلاتا ہوں جس سے آپ کے کسی کام میں بھی حرج نہ ہوگا۔ مراقبہ کے لئے آپ وہ وقت دیجئے جو آپ سے بیکار ہو اور وہ سونے کا وقت ہے۔ جب پلنگ پر لیٹئے تو پندرہ بیس منٹ اس مراقبہ کے لئے دیجئے کہ سوچیئے یہ سونا مشابہ موت کے ہے مع تفصیل ان امور کے...... جو موت کے وقت پیش آتے ہیں کہ اس طرح بیمار ہو کر پلنگ پر پڑنا ہوگا، دنیا کے سب کام جیسے اس وقت ختم ہو گئے اس وقت بھی ختم ہو جائیں گے دینا لینا اور جو حقوق باقی رہ گئے ہیں سو کر ان سے پیچھا نہیں چھوٹتا ایسے ہی موت سے بھی ان سے رہائی نہ ہوگی۔ نیز ان باتوں کو تفصیل وار یاد کیجئے جو موت کے بعد پیش آئیں گی جو خبر صحیح سے ثابت ہیں اور جو یقیناً پیش آنے والی ہیں۔ اس کو ذہن میں حاضر کیجئے کہ مرنے کے بعد تمام قویٰ معطل ہو جائیں گے ہمارا چلتا پھرتا جسم مٹی کا ڈھیر ہو جائے گا جس کو چار آدمی کندھوں پر لے چلیں گے، پھر ہم کو اپنے عزیز قریب اپنے ہاتھوں سے ایک تنگ و تاریک گڑھے میں ڈال آئیں گے اور مٹی دے کر تنہا چھوڑ آئیں گے، پھر منکر نکیر سے سابقہ پڑے گا۔ یہ کیسی سخت منزل ہے خدا جانے ان سے

کیا معاملہ گزرے، پھر خاک میں مل جانا ہوگا اور قیامت تک اسی طرح رہنا ہوگا۔ پھر قیامت آئے گی اور ایک ایک بات پر جواب دہی کرنی ہوگی۔ میدان حشر میں گرمی کی یہ حالت ہوگی، میزان قائم ہوگی، پل صراط پر چلنا ہوگا۔ غرض ان تمام واقعات کو جو قیامت نامہ اور دیگر کتابوں میں مذکور ہیں ذہن میں حاضر کیجئے اور روزمرہ اس کا التزام کیجئے۔ انشاء اللہ بہت جلد تنبہ ہوگا اور فکر پیدا ہو جائے گی۔ جب فکر ہو جائے گی تو دل خود بخود اس طرف چلے گا کہ ان احوال سے بچنے کی کوئی تدبیر ہونی چاہئے ان تدبیروں کے معلوم کرنے کے لئے علم دین کا شوق ہوگا اور ہمت ہوگی اور اعمال خود بخود ہونے لگیں گے۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

میں نے شوقِ وطن میں دعویٰ کیا کہ موت مسلمانوں کے لئے بہر حال رغبت کی چیز ہے عید ہے اگرچہ مسلمان جہنم میں بھی جائے جیسے رمضان عید ہے اگرچہ اس میں فاقہ ہی ہو یعنی جیسے رمضان اس لئے عید ہے کہ عید کا لطف اسی سے ہے اسی طرح بعضے مسلمانوں کے لئے جہنم سے جنت کا لطف بڑھ جاوے گا۔ جیسا بعض کو بلاواسطہ بھی جنت کا لطف بھی حاصل ہوگا، البتہ جہنم جیسے اثر کے اعتبار سے لطف افزا ہے۔ ذات کے اعتبار سے مثل گرم حمام کے ہے جہاں گرم گرم پانی سے غسل دیا جاتا ہے تکلیف وہ بھی ہے لیکن اس تکلیف کا انجام تصفیہ وتزکیہ ہے اسی لئے کفار کے حق میں لایزکیھم (نہیں پاک کرے گا) فرمایا گیا ہے اور مومنین کے باب میں عقوبت کے بعد حتی اذا ھذبوا ونقوا (انہیں پاک نہ کرے گا) آیا ہے (رواہ البخاری) مگر گرم پانی کا بھی تحمل مشکل ہے تو بندہ میلا ہو کر ہی کیوں جاوے کہ حمام سے غسل دیا جائے جس کی برداشت نہ ہو سکے اور اس لئے وہ مصیبت نظر آوے۔ جیسے ایک چمار کے لڑکے کا قصہ ہے کہ وہ بگولے میں لپٹ کر اڑ گیا تھا اور ایک راجہ کے محل پر جا پڑا۔ لوگوں نے جو اس کو آسمان سے گرتا ہوا دیکھا، یوں سمجھے کہ یہ کوئی اوتار ہے۔ فوراً اس لڑکے کو تعظیم وتکریم کے ساتھ راجہ کے پاس لائے۔ راجہ نے وزیر سے مشورہ کر کے یہ رائے طے کی کہ بادشاہ زادی کا نکاح اسی لڑکے سے کر دیا جائے کیونکہ اس سے بہتر کون ہوگا۔ یہ تو ابھی خدا کے پاس سے آ رہا ہے لیکن چونکہ ظاہر میں خراب خستہ تھا اس لئے حکم دیا کہ اس کو حمام میں لے جا کر غسل دیا جائے وہاں جو اس کے بدن پر گرم گرم پانی پڑا تو چیخنے چلانے لگا اور یہ سمجھا کہ مجھے مجرم قرار دے کر یہ سزا دی جا رہی ہے۔ وہاں سے نکال کر اسے

قیمتی پوشاک پہنائی گئی۔ اس سے اور زیادہ رویا، پھر بہلانے کے لئے اس کے سامنے جواہرات ڈالے گئے۔ ان کو دیکھ کر اس نے آنکھیں بند کرلیں اور رونا بند نہ ہوا، پھر شہزادی کو اس کے سامنے بھیج دیا گیا کہ شاید اس کو دیکھ کر مانوس ہو، اس نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور پہلے سے زیادہ چلانے لگا۔ آخر کار یہ رائے قرار پائی کہ ابھی عالم غیب سے تازہ تازہ آیا ہے اس لئے دنیا سے وحشت کرتا ہے۔ چند دن اس کے حال پر چھوڑ دیا جاوے تا کہ مانوس ہو جائے۔ چنانچہ چھوڑ دیا گیا۔ چھوٹنے کے ساتھ ہی محل سے نکل کر بھاگا اور اپنی ماں کے پاس پہنچا اور اپنی سرگزشت اس طرح بیان کی کہ مجھے بہت سے آدمیوں نے پکڑ لیا۔ میں جب بھی نہ مرا، پھر مجھے ایک جگہ لے گئے اور تتا تتا پانی میرے اوپر ڈالا (یعنی گرم گرم) میں جب بھی نہ مرا تو پھر مجھ کو کفن پہنایا (یہ پوشاک کی قدر کی) میں جب بھی نہ مرا، پھر میرے سامنے آگ کے انگارے رکھے (یہ جواہرات کی قدر کی) کہ شاید ان سے جل جائے۔ میں جب بھی نہ مرا، پھر ایک ڈائن کو جس کی بڑی بڑی آنکھیں تھی (یہ شہزادی کی گت بنائی) میرے پاس بھیجا تا کہ مجھے کھا لے میں جب بھی نہ مرا۔ اسی طرح اس نے سب باتوں کو مصیبت و عذاب ہی کے پیرایہ میں بیان کیا تو جس طرح اس چمار کے لڑکے نے حمام کے غسل کو عذاب سمجھا تھا اسی طرح ممکن ہے کوئی مسلم جہنم کو بھی اپنے لئے عذاب محض سمجھے ورنہ حقیقت میں وہ مسلمانوں کے لئے مثل حمام کے ہے تمہارے واسطے عذاب نہیں ہے۔ عذاب تو کافروں کے لئے ہے اسی واسطے ارشاد ہے: **اعدت للکافرین** یعنی جہنم ہونے کی حیثیت سے تو کفار ہی کے لئے، مسلمانوں کے لئے نہیں ہے بلکہ ان کے لئے تو محض حمام ہے۔ گو گرم گرم پانی اور خادمان حمام کے ملنے ولنے سے تکلیف بھی ہوتی ہے مگر خدا کی قسم تم کو کفار کے برابر تکلیف نہ ہوگی، پھر مسلمانوں کو وہاں خدا تعالیٰ سے محبت زیادہ ہو جائے گی اس لئے بھی جہنم سے تکلیف زیادہ نہ ہوگی کیونکہ محبوب کے ہاتھ سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ تکلیف محض نہیں ہوتی اور گو حق تعالیٰ یہاں بھی محبوب ہیں مگر دنیا میں ہماری محبت ناقص ہے اس لئے بعض دفعہ کلفت دہ واقعات سے تکلیف ہوتی ہے جیسے ایک شخص ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر دعا کیا کرتا تھا کہ اے اللہ! مجھے کھینچ، کسی مسخرہ نے سن لیا اور اس نے کہا کہ اس کو مزہ چکھانا چاہئے۔ چنانچہ اگلے دن ایک رسی ساتھ لے کر پہلے سے درخت پر جا

بیٹھا۔ جب اس نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے کھینچ، تو اس نے رسی میں پھانسی لگا کر اسے لٹکا دیا اور نرم آواز سے کہا میرے بندے اس رسی کو اپنے گلے میں ڈال لے میں کھینچ لوں گا۔ یہ بیوقوف بڑا خوش ہوا کہ دعا قبول ہوگئی اور سچ مچ اللہ میاں مجھ سے کلام فرما رہے ہیں۔ اس نے رسی کو گلے میں ڈال لیا۔ اس نے کھینچنا شروع کیا۔ جب زمین سے دو گز اٹھ گیا اور گلا گھٹنے لگا تو آپ کہتے ہیں کہ اے اللہ! میں نہیں کھنچتا، مجھے چھوڑ۔ خیر یہ حکایت تو مسخرہ پن کی ہے مگر ہماری حالت دنیا میں یہی ہے کہ ذرا سی تکلیف میں ساری محبت دھری رہ جاتی ہے مگر آخرت میں ایسا نہ ہوگا۔ وہاں محبت قوی ہوگی اس لئے مومن کو عذاب میں بھی مشاہدہ راحت کا ہوگا البتہ کفار کو خالص عذاب کے مشاہدہ سے آخرت میں حق تعالیٰ سے بغض بڑھ جائے گا۔ غرض یہ تو عید ہے یعنی رمضان جس کا بیان اس وقت ہوگا اور دوسری وعید ہے یعنی طاعون جس کو عام لوگ وعید سمجھتے ہیں اور خواص تو اس کو بھی عید کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک تو عید بھی میں واو عاطفہ ہے یعنی عید و عید گویا دو عیدین مجتمع ہیں۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ یہ کیسی عید ہے۔ چنانچہ لوگ کہتے ہیں کہ اس مرتبہ رمضان جیسے اچھی موسم میں آئے تھے کہ رات بھی ٹھنڈی اور دن بھی ٹھنڈا اس سے بڑا لطف آتا مگر طاعون نے کام کھو دیا اور سارا لطف کرکرا ہو گیا اس کو تم عید کہہ رہے ہو۔ (الجمعین بین النفعین ۲۴)

غفلت کا اصل سبب

غفلت کا اصل سبب موت کو بھلا دینا ہے اور اکثر امراض کا سبب غفلت ہے اس لئے ضرورت ہے اس امر کی کہ موت کو یاد دلایا جائے اور غفلت سے متنبہ کیا جائے اور جب یہ کمی دور ہو جائے گی تو نافرمانی و عصیان بھی دور ہو جائیں گے۔ (شوق اللقاء ج ۲۴)

آخرت دنیا سے ہر حال میں بہتر ہے۔ اب ذرا سا خیال ہوگا تو صرف یہ کہ دوزخ کی تکلیف یہاں کے آرام سے کیسے اچھی ہوسکتی ہے۔ میں نے اس بحث میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''شوق وطن'' ہے۔ یہ رسالہ اس وقت لکھا گیا جبکہ ہمارے قصبہ میں طاعون کا بہت زور تھا اور لوگ پریشان تھے۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے لوگوں کی حالت بدل گئی اور مرنے کی ترغیب پیدا ہوگئی۔ موت کو زندگی سے اچھا سمجھنے لگے۔ اس رسالہ کے میں نے دو کالم کرکے چھپوائے ہیں۔ ایک میں احادیث درج کی ہیں اور مقابل میں ان کا ترجمہ ہے۔

خلاصہ وعظ: غرض مرنا فی نفسہ کوئی خوف کی چیز نہیں۔ مگر یہ اس وقت حاصل ہوگا جب اعمال نیک ہوں گے۔ کیونکہ اعمال نیک ہونے کی خاصیت رغبت موت ہے اور اعمال سیئہ کا خاصہ نفرت و وحشت ہے۔ خود قرآن شریف اس اَمر پر بھی دلالت کرتا ہے کہ موت سے عقلاً ڈرنا نامقبولیت کی دلیل ہے۔ اور موت کی رغبت مطلوب ہے۔ اور ہماری یہ حالت ہمارے اعمال سے پیدا ہوسکے گی۔ پس اعمالِ صالحہ میں کوشش کیجئے اور خدا تعالیٰ سے توفیق مانگئے۔ (شوق للقاء ج ۲۴)

قریب المرگ سے معاملہ

دیکھو ہر شخص جانتا ہے کہ اولیاء اللہ کی تعظیم ضروری ہے اور انہیں مسلمانوں میں اولیاء بھی ہیں۔ کسی کے ماتھے پر تو لکھا ہی نہیں، ہر شخص کی نسبت یہی گمان کرے کہ شاید یہ اللہ کا ولی ہو یا آئندہ ہو جائے۔ جب ایسا خیال کرے تو کیوں کسی کے دل کو دکھائے۔ **المسلم من سلم المسلمون من لسانہٖ ویدہٖ** (الصحیح للبخاری: ۱:۹) (مسلمان وہ ہے جس کے زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں) جب کسی مریض سے مایوسی ہو جائے اور خود اس کی بھی توقع زیست نہ رہے تو آخری وقت میں ان باتوں کا خیال رہے۔ اس کے سامنے دنیا کی بات نہ کہی جائے۔ کوئی بات ایسی نہ کہی جائے جس سے اس کی توجہ الی الحق میں فرق آوے۔ جیسا کہ رواج ہے ایک طرف بی بی کھڑی کہہ رہی ہے مجھے کس پر چھوڑ چلے۔ کبھی بچوں کو اس کے سامنے لایا جاتا ہے۔ تھوڑا سا وقت جو کلمہ کلام میں صرف کرتا وہ پیار و محبت میں جاتا ہے۔ اس بات کی کوشش چاہئے کہ خاتمہ تو خیر پر ہو جائے، خود کسی بچہ وغیرہ کو سامنے مت لاؤ۔ اگر وہ دیکھنا چاہے تو فوراً دکھلا دو، تا کہ اس کے خیال سے بھی جلد نجات ہو۔ اس کے سامنے اللہ کا نام لو، کلمہ پڑھو، توبہ استغفار پکار پکار کر کرو لیکن اس سے مت کہو۔ اس مضمون کو اُردو میں بھی کہو کہ اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما تا کہ وہ بھی سن کر کہنے لگے۔ قرآن مجید خاص کر یٰسین شریف قریب پڑھی جائے۔ آج کل اس سورت سے جاہلوں کو بڑی وحشت ہوتی ہے کہ بعضے بُرا مان جاتے ہیں اور نعوذ باللہ نا مبارک سمجھتے ہیں۔ (احکام و مسائل متعلق موت ج ۲۴)

کفن دفن میں تاخیر مناسب نہیں

ایک ضروری اَمر یہ ہے کہ کفن دفن میں دیر نہ کی جائے۔ اس میں گوشت و پوست بگڑ

جانے کا احتمال ہے۔ بدبو سے آب وہوا کے خراب ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ شریعت نے ان اُمور پر کیسی توجہ فرمائی ہے۔ کیسی پردہ داری ہے۔ اگر اولاد ماں باپ کو ایسی ردی حالت میں اپنی آنکھوں سے دیکھے گی تو اس کو کیسا صدمہ ہوگا یا نفرت ہو جائے گی۔ بعض اوقات ایسا مادہ ہوتا ہے جس کے اثر سے خراب بدبو آ جاتی ہے۔ بعض لاش کو دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ اس خیال سے کہ ماں باپ کے پاس دفن کریں گے، کیا وہاں بھی ماں کا دودھ پیے گا۔ اگر منع کیا جائے تو سختی سمجھتے ہیں، حالانکہ حدیث شریف میں ہے مؤمن کے واسطے گھر سے اس کی قبر تک فرشتے دعاء واستغفار کرتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ جس قدر زیادہ فاصلہ ہوگا اس کی رحمت کا سامان ہے یہ بڑی نادانی ہے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مصلحتوں میں دخل دینا۔ اگر کوئی باورچی کھانا پکاتا ہے تو کوئی اس کے کام میں دخل نہیں دیتا۔ اگر انجینئر کسی اچھے خاصے مکان کے گرانے کا حکم دے تو فوراً اگر لاکھ روپیہ کا بھی مکان ہو تو گرا دیا جاتا ہے۔

نہ معلوم اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں میں دخل دینے کی کیوں جرأت کی جاتی ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ انسان کی خلقت خاک ہے اور زمین اس کی اصل ہے۔ اس لئے جہاں تک جلد ممکن ہو سکے اصل میں پہنچا دو۔ کیا بری رسم ہے کہ مردوں کو عورتوں کے اختیار میں چھوڑ دیتے ہیں۔ عورتوں کو ان اُمور میں ہرگز دخل نہ دینے دو۔ ان کو رونے جھیکنے دو۔ عاقل مردوں کو جمع کرو۔ بعد مرنے کے فوراً اہتمام تجہیز و تکفین شروع کر دو۔ جب لے کر چلو تو جلدی چلو۔ حدیث شریف میں ہے مردوں کو جلد قبر کی طرف لے چلو۔ اگر نیک ہے تو اس کی راحت کی طرف جلد لے جاؤ، اگر بد ہے تو جلد اپنی گردنوں کو اس سے چھڑاؤ۔ اگر اچھا ہے تو انعام واکرام کی طرف لے جاتے ہیں۔ جیسے پیاسے کو پانی کے پاس۔ دار الظلمت جس کو سمجھے ہوئے ہو وہ مومن کے لئے بڑی نورانی ہے۔ ایک روز بادشاہ اکبر کی رات میں آنکھ کھل گئی، چراغ گل ہو گیا تھا۔ بہت گھبرائے، قبر یاد آئی۔ فوراً چراغ روشن کرایا، بیربل کو بلایا اور کہا کہ اس اندھیرے کو دیکھ کر مجھے قبر کی تاریکی یاد آئی جس سے نہایت وحشت ہے۔ خدا نے دشمن کے منہ سے سچی بات نکلوا دی۔ اس نے کہا حضور! مسلمانوں کی قبر میں اندھیرا ہی نہیں۔ آپ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ۲۳ سال کی

روشنی جیسے آب و تاب کے ساتھ اب تک قائم ہے اسی طرح جب سے آپ زیر زمین تشریف لے گئے ہیں وہی روشنی زیر زمین موجود ہے، جس سے مسلمانوں کی قبریں روشن اور نورانی ہوجاتی ہیں۔ اگر چہ یہ بات اس نے خوشامد میں کہی، لیکن سچی کی۔ فی الحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک ایسی ہے جس سے قبر میں روشنی ہوتی ہے۔ مُردے سے جب فرشتے پوچھتے ہیں: "من ھٰذا الرجل" مؤمن جواب میں کہتا ہے یہ ہمارے نبی علیہ السلام ہیں۔ نورِ ایمان سے اس جواب کی توفیق ہوتی ہے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک سے اس کی قبر تک پردے اُٹھ جاتے ہیں اور یہ صورت مبارک کو دیکھ لیتا ہے۔ اس طرح زیارت کی اُمید پر مسلمانوں کو موت کی تمنا بھی جائز ہے۔ کسی نے شوق میں کیا خوب کہا ہے

کششے کہ عشق دارد نہ گزاردت بدیساں　　بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

"عشق کی کشش تجھ کو اس طرح نہ چھوڑے گی جنازہ پر اگر نہ آئے تو مزار پر ضرور آئے گا"۔ (احکام ومسائل متعلق موت ج ۲۴)

موت کی خبر دور دراز دینا مناسب نہیں:

ایک خراب رسم موت کے متعلق یہ ہے کہ موت کی خبر دور دراز تک دی جاتی ہے۔ باہر سے لوگوں کی آمد شروع ہوجاتی ہے۔ گھر والے کو مہمان داری کی فکر میں ایک دوسری مصیبت پیش آتی ہے۔ آٹے پسوائے جاتے ہیں، دانے دلوائے جاتے ہیں، شادی کی طرح جنس کا اہتمام کیا جاتا ہے اور مہمانوں کی آسائش کی فکر کی جاتی ہے۔ اس سے سمجھ دار شخص خیال کرسکتا ہے کہ اس طرح لوگوں کے آنے سے اس مصیبت زدہ کا غم غلط ہوتا ہے یا اور بلا کا سامنا ہے، یتیم و بیوہ کا مال اس طرح برباد ہوتا ہے۔ اس کی اصلاح یوں ہوسکتی ہے کہ عزیز و اقارب کو موت کی اطلاع دی جائے اور ساتھ ہی اس میں یہ بھی لکھ دیا جائے کہ تم ہرگز یہاں کا ارادہ نہ کرنا۔ (ایضاً)

صاحب ہدایہ کا عجیب نکتہ

صاحب ہدایہ نے جو نکتہ لکھا ہے وہ ایسا ہے کہ اگر اس سے کام لیا جائے تو کسی قدر ریشم پہننا طاعت بھی ہوجائے گا اور اس نیت سے ریشم پہننے پر ثواب ملے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں لیکون انموذ جالحریر الجنۃ یعنی قدر قلیل حریر کی اجازت اس لئے دی گئی تا کہ اس کو دیکھ کر حریر

جنت یاد آئے اوراس کی تحصیل کی کوشش کریں۔اب اگر کوئی اس نیت کو کام میں لائے اور ریشم کا استعمال حریر جنت کا نمونہ سمجھ کر کرے اس کو ضرور اس نیت پر ثواب ملے گا۔سو واقعی صاحب ہدایہ نے کیسا عجیب نکتہ بیان فرمایا جس سے ایک مباح کو طاعت بنانے کا طریقہ بتلا دیا پھر یہ نکتہ حریر ہی کے ساتھ خاص نہیں اس سے تمام نعمتوں میں کام لیا جا سکتا ہے۔آپ ایک لذیذ کھانا اپنی حیثیت کے موافق کھائیں تو اس کا کھانا صرف مباح ہےاوراس حیثیت سے کھائیں کہ یہ نعماء جنت کا نمونہ ہے اس سے آخرت کی طرف رغبت ہوتی ہے تو اس میں ثواب بھی ملے گا حقیقت میں فقہا اور صوفیہ حکماء امت ہیں اور آج کل چاہے کوئی کتنا پڑھ لے مگر وہ بات کہاں سے لائیگا جوان حضرات میں تھی خوب کہا ہے ۔

شاہد آں نیست کہ موی و میانے دارد   بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد

محبوب وہ نہیں جس کے بال عمدہ کمر پتلی ہو بلکہ محبوب وہ ہے جوایک آن اورادا رکھتا ہو جومحبوب اور دلکش ہوتی ہے۔(الاسراف ج ۲۵)

حضرت زین العابدینؒ کی خشیت خداوندی

حضرت امام زین العابدینؒ نے بچپن میں یہ آیت سنی وقودھا الناس والحجارة یعنی دوزخ کا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے ۔تو بے انتہا روتے تھے۔ایک شخص نے کہا کہ آپ تو اہل بیت میں سے ہیں آپ اس قدر کیوں روتے ہیں فرمایا کہ کنعان نوحؑ کا بیٹا تھا دیکھئے اس کیلئے ارشاد ہے انه لیس من اهلك یہ شخص تمہارے گھر والوں میں سے نہیں اس شخص نے کہا آپ تو بچے ہیں فرمایا میں نے اپنی ماں کو دیکھا ہے کہ جب چولہے میں آگ سلگاتی ہیں تو چھوٹی لکڑیوں میں آگ لگاتی ہیں۔پھر ان سے بڑی لکڑیوں میں اسی طرح مجھ کو ڈر ہے کہ وہاں بھی یہی ترتیب نہ ہو۔(الغاء المجازفۃ ج ۲۵)

ایک دنیا دار عالم اور درویش

ایک درویش کی حکایت ہے کہ وہ کسی دنیا دار عالم کے پاس پہنچے جن کے یہاں بڑے بڑے محل اور دنیا کا سامان تھا۔عرض کیا کہ حضرت مجھے وضو کرنا نہیں آتا مجھے وضو کرا دیجئے۔چنانچہ وہ عالم ان کو وضو کرانے لگے۔اس درویش نے کسی عضو پر چار مرتبہ پانی

ڈال لیا تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ اسراف ہے تین مرتبہ ڈالو۔ درویش صاحب نے فرمایا کہ یہ اتنے بڑے بڑے محل اور طرح طرح کے سامان جو تمہارے یہاں میں دیکھتا ہوں اس میں اسراف نہیں ہے۔ اور ایک چلو پانی میں اسراف ہوگیا۔ ان مولوی صاحب کے دل پر ایک چوٹ لگی اور سب ذخیرہ خیرات کر کے اللہ کی یاد میں مشغول ہو گئے۔ دیکھئے اس ایک دم کی صحبت نے کیا کچھ کر دیا۔ اور اس حکایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم دین وہی کارآمد ہے کہ جس سے دین درست ہو اور دنیا سے بے رغبت کر دے۔ صحابہؓ میں آخر کیا بات تھی کہ وہ علوم اصطلاحیہ سے بالکل واقف نہیں تھے۔ لیکن جو مقصود اصلی ہے علم کا وہ ان میں اس درجہ تھا کہ قیامت تک کسی میں نہ ہوگا۔ ان میں اکثر کی شان یہ تھی **نحن امة امية لا نکتب و لا نحسب** (مسند احمد ۲:۱۲۲) (یعنی ہم ان پڑھ امت ہیں حساب اور لکھنا نہیں جانتے ہیں۔) حق تعالیٰ نے جہاں ہدی کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اور اس کے عوض دس روزے تین قبل از حج اور سات بعد حج رکھنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ اس کے آخر میں ارشاد ہے **تلک عشرۃ کاملة** ۔ یعنی یہ پورے دس ہیں اس میزان الکل کے بیان فرمانے سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ فن حساب وغیرہ میں نہایت سادہ تھے۔ ایک تاریخ میں نظر سے گزرا ہے کہ ایک صحابی کی فارس میں کسی عورت پر نگاہ جا پڑی اس پر فریفتگی ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ شاید وہ شہر فتح ہو تو وہ عورت مجھے دے دیجئے اور آپ لکھ دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوا دیا۔ خدا کی قدرت حضرت عمرؓ کے وقت میں لشکر اسلام وہاں پہنچا اور وہ ملک فتح ہوگیا اور وہ عورت جو کہ شہزادی تھی قید ہو کر آئی انہوں نے وہ تحریر دکھلائی چنانچہ وہ ان کو مل گئی۔ اس کے بھائی کو اطلاع ہوئی تو اس نے روپیہ دے کر چھڑانا چاہا پوچھا کیا لو گے فرمایا کہ ایک ہزار روپیہ لوں گا۔ سمجھے کہ ایک ہزار روپیہ بہت ہوتا ہوگا وہ دیا گیا فرمانے لگے میں تو سمجھا تھا کہ ایک ہزار روپیہ بہت ہوتا ہوگا یہ تو کچھ بھی نہیں۔ میں نہیں لیتا اس نے کہا آپ کو لینا پڑے گا۔ غرض امیر لشکر نے فیصلہ کیا کہ آپ کو حسب وعدہ لینا پڑے گا۔ غرض صحابہؓ اس قدر بھولے تھے کہ ان کو کچھ خبر نہ تھی۔ اسی واسطے صورۃ قدر میں الف کا عدد کہ جو کنایہ ہے کثرت سے اختیار کیا اس لئے کہ اکثر عرب الف کو بہت شمار کرتے تھے۔ (الغاء المجازفة ج ۲۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عجیب حکایت عدل

دو شخص راہ میں رفیق ہوئے۔ کھانے کا وقت آیا ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں۔ اتفاقاً ایک مسافر بھی آ گیا اس کو بھی بلا کر کھانے میں شریک کیا تینوں نے مل کر وہ روٹیاں کھائیں جب وہ مسافر ان سے علیحدہ ہوا تو اس نے ان کے احسان کے صلہ میں آٹھ درہم ان کو دیئے کہ تم آپس میں ان کو تقسیم کر لیجیو۔ تقسیم میں دونوں رفیقوں میں اختلاف ہوا۔ پانچ والے نے کہا کہ بھائی تیری تین روٹیاں تھیں تین درہم تو لے اور میری پانچ تھیں پانچ مجھ کو دیدے۔ تین والے نے کہا نہیں نصفا نصف تقسیم ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ دونوں عدد قریب قریب ہیں۔ یہ قصہ حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچا حضرت نے دونوں کو سمجھایا کہ صلح کر لو صلح پر راضی نہ ہوئے اور درخواست حساب سے دینے کی کی تو تین والے کو فرمایا ایک تم لو اور سات اس کو دے دو۔ محاسب سن کر بہت حیران ہوئے کہ یہ کیا فیصلہ ہے۔ لیکن سننے کے بعد معلوم ہوا کہ عین عدل ہے۔ اس لئے کہ کل روٹیاں آٹھ تھیں اور تین آدمیوں نے کھائیں اور کمی بیشی کا اندازہ ناممکن اس لئے یوں کہیں گے کہ تینوں نے برابر کھائیں تو اب دیکھنا چاہئے کہ ہر ایک نے کتنا کھایا۔ پس ہر روٹی کے تین تین ٹکڑے کر لو تو کل 24 ٹکڑے ہوئے پس ہر شخص نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے۔ سو تین والے کی روٹیوں کے نو ٹکڑے ہوئے جس میں سے آٹھ تو اس نے خود کھائے ایک بچا وہ مسافر نے کھایا۔ اور پانچ والے کی روٹیوں کے پندرہ ٹکڑے ہوئے جن میں سے آٹھ اس نے کھائے اور سات مسافر نے کھائے بس یہی نسبت درہم میں بھی ہونا چاہئے کہ سات درہم پانچ والے کو اور ایک تین والے کو ملنا چاہئے۔ اس قسم کے بہت قصے حضرت علیؓ کے ہیں کہ جو حضرت کی ذکاوت و فطانت پر دال ہیں۔ لیکن اکثر صحابہؓ لکھے پڑھے کم تھے۔ مگر دیکھ لیجئے کہ صحابہؓ کی کیا فضیلت ہے تو یہ سب ایک ذات پاک کی صحبت کی برکت ہے۔ اسی صحبت کی نسبت حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

شراب لعل و مے بیغش و رفیق شفیق	گرت مدام میسر شود زہے توفیق

یعنی خالص محبت الٰہی اور مرشد کامل شفیق اگر ہمیشہ تم کو میسر ہوتے رہیں تو بہت اچھی توفیق ہے۔ (القاء المجازفۃ ج ۳۵)

جنت میں حسد نہ ہوگا

اگر کوئی کہے کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ایک کے پاس دنیا کا سامان جیسے مال اولاد مکان گھوڑے جوڑے وغیرہ بہت ہوتا ہے تو دوسرا دیکھ کر اس کو حسد کرتا ہے اور حسد کی آگ سے جلتا ہے تو یہ مسلم ہے کہ جنت میں سب نعمتیں ہوں گی لیکن اختلاف درجات کی وجہ سے شاید آپس میں حسد ہو تو یہ بھی ایک قسم کی تکلیف اور کدورت ہے جواب یہ ہے کہ وہاں یہ حسد نہ ہوگا ہر شخص اپنے حال اور نعمتوں میں بے حد خوش ہوگا اور کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھے گا یا نہیں اگر افضل جانے گا تو حسد ہوگا اور اگر نہ جانے گا تو جہل لازم آئے گا جواب یہ ہے کہ ہم اس شق کو اختیار کرتے ہیں کہ وہ افضل کو اپنے سے افضل جانے گا۔ لیکن وہ ان کے درجات کی تمنا نہ کرے گا اس لئے کہ اپنی استعداد اس کو معلوم ہوگی اور اپنے اعمال اس کو اپنے پیش نظر ہوں گے اور تفاوت درجات وہاں تفاوت اعمال سے ہوں گے اس لئے اس کو معلوم ہوگا کہ اس سے زیادہ درجہ مجھ کو نہیں مل سکتا اس لئے وہ اسی میں خوش ہوگا نہ کسی پر اس کو حسد ہوگا اور نہ زیادہ کا متمنی ہوگا۔

دوسرا جواب اس سے باریک ہے وہ یہ کہ وہاں سب عبد کامل ہوں گے تمام مقامات باطنی حاصل ہوں گے اور مقامات میں سے رضا بھی ہے اس لئے مقام رضا بھی اس کو حاصل ہوگا اور وہ اس میں اس قدر خوش ہوگا کہ درجات فاضلہ کی اس کے قلب میں تمنا نہ ہوگی جیسا کہ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بعض طبائع میں قناعت کا مضمون ایسا راسخ ہے کہ ان کے قلب میں ترقی دنیا نہ ہونا کیا معنی بلکہ اس سے نفرت ہے۔ ایک پولیس کے اہلکار کو دیکھئے کہ ان کے افسر کوشش کرتے ہیں کہ ان کی ترقی کریں مگر وہ منظور نہیں کرتے اور ان کے ہم چشم ان پر ہنستے ہیں۔ بات یہ ہے کہ طبائع کا مذاق مختلف ہے جبکہ دنیا میں اس کا نمونہ موجود ہے۔ آخرت میں تو کیا بعید ہے۔ ہاں ایک شبہ رہا وہ یہ کہ حدیثوں میں آتا ہے کہ جنتی آپس میں ملیں گے اور ایک جنتی دوسرے کو دیکھ کر تمنا کرے گا کہ جیسا لباس اس کا ہے ایسا ہی میرا بھی ہو۔ (تسہیل الاصلاح ج ۲۶)

مضرت آخرت سے بچنے کا طریق

آخرۃ کی منفعت جنت ہے اور اس کے حاصل کرنے کا طریق اعمال صالحہ ہیں اور

آخرۃ کی مضرت دوزخ ہے اور اس سے بچنے کا طریق بداعمالیوں سے بچنا ہے خلاصہ یہ کہ اعمال صالحہ کو اختیار کیا جاوے اور ذنوب سے بچا جاوے اور جو ہو چکے ہیں ان سے توبہ کی جاوے خلاصہ یہ کہ مقصود دو شے ہیں اصلاح اعمال محو ذنوب اور محو ذنوب کے معنی یہ ہیں کہ گذشتہ سے توبہ کی جائے اور آئندہ بچنے کا عزم کیا جائے لیکن اعمال کی تحصیل اور گناہوں سے بچنا اول تو اکثر لوگوں پر ہمیشہ ہی سے گراں اور ثقیل ہے۔ (تسہیل الاصلاح ج ۲۶)

حضرت اکابر صوفیاء کی عمدہ لباس اور عمدہ غذا میں نیت

حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرات اکابر صوفیہ جیسے حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ عمدہ لباس اور عمدہ غذائیں اس لئے استعمال کرتے تھے کہ ان کو ان چیزوں میں نعمائے جنت کے اظلال نظر آتے تھے تو عارف کو بعض دفعہ ہر چیز میں ظل جمال حق نظر آتا ہے اس وقت یہ حال ہوتا ہے کہ وہ حور کو بھی حاجب نہیں سمجھتا بلکہ وہ اس کے لئے ایسی بن جاتی ہے جیسے آئینہ میں صورت محبوب نظر آیا کرتی ہے اور جس وقت معرفت کا غلبہ نہ ہو بلکہ عشق کا غلبہ ہو تو وہ اس سے زیادہ کہتا ہے یعنی اپنے کو بھی حجاب سمجھتا ہے حور کو تو کیوں نہ سمجھے گا حضرت قلندرؒ فرماتے ہیں۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم   گوش را نیز حدیث تو شنیدن نہ دہم

(مجھ کو آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ ان کو محبوب کے چہرہ انور کو نہ دیکھنے دوں اور کانوں کو بھی اس کی باتیں نہ سننے دوں)

گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرو   تا نہ بینم رخ تو روح رمیدن نہ دہم

(اگر ملک الموت میری جان لینے کو آئے تو میں جب تک آپ کی تجلی نہ دیکھ لوں جان نہ دوں گا۔

اور عارف اپنے کو بھی مرآۃ سمجھتا ہے اور یوں کہتا ہے۔

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو سمن درآ   تو زغنچہ کم نہ دمیدہ دردل کشا بچمن درآ

(تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھاٹک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کرلو)

چنانچہ صوفیہ نے قلب میں تمام عالم ناسوت وملکوت کو مندرج مانا ہے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ تم کو چمن اور سرو وسمن کی سیر کی ضرورت نہیں اپنے دل کا دروازہ کھول کر اس کی سیر کرو اس میں سب کچھ موجود ہے اور دوسرے آثار کو بھی جیسا مولانا نے ایک صوفی کا قصہ لکھا ہے۔

صوفی درباغ از بہر کشاد صوفیانہ روئے بر زانو نہاد

یعنی وہ سر جھکائے باغ میں مراقب بیٹھا تھا کسی نے کہا فَانْظُرْ اِلٰی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰہِ

(الاسعاد والابعاد ج ۲۶)

عورتوں کا دنیا میں انہماک واشتغال

میں دیکھتا ہوں کہ یہ عورتیں دنیا کے کاموں میں بے حد کھپتی ہیں۔ کپڑوں میں زیور میں جب یہ مشغول ہوتی ہیں اس وقت ان کو اس قدر انہماک ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی یاد بالکل ان کے قلب میں نہیں ہوتی اور پھر زیادہ شکایت اس کی ہے کہ وقت گزرنے کے بعد بھی اپنی اس حالت کا کچھ قلق ان کو نہیں ہوتا۔ چاہئے تھا کہ بعد اس حالت کے تو اپنے وقت ضائع ہونے پر کچھ کڑھتیں مگر حس تک نہیں ساری عمر جانوروں کی طرح گزر جاتی ہے۔ ہاں کپڑوں اور زیور سے لاددو۔ بڑا لائق خاوند وہ ہے جو ان کو چاندی سونے سے لاد دے خواہ کہیں سے لائے حرام آمدنی سے یا حلال سے ان کو اس سے کچھ بحث نہیں۔ جب کسی کا خاوند پردیس سے آتا ہے تو یہی سوال ہوتا ہے کیا کمال کر لائے اگر وہ بجائے روپیہ اور زیور کے یہ کہے کہ بی بی اب کی مرتبہ میں تو دین کے مسائل سیکھ کر آیا ہوں دین کی دولت لایا ہوں۔ تو بی بی صاحبہ اگر زبان دراز اور خاوند پر غالب ہوئیں تو پوری خبر ان کی لیں گی کہ کیا مسئلوں کو لے کر ہم چاٹیں گے اور اگر کوئی نیک مزاج ہوئی تو سنتے ہی منہ ضرور سوکھ جائے گا۔ (السوال ج ۲۶)

روزانہ محاسبہ نفس کی ضرورت

محاسبہ نفس ایک آدھ وقت کر لینے سے کام نہیں چلتا ضرورت اس کی ہے کہ روز کا دھندا ہو جائے فرماتے ہیں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ. (اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور چاہئے کہ نظر میں رکھے نفس اس چیز کو جس کو اس نے کل کے لئے بھیجا ہے) یعنی اس کو سوچو کہ کل کے لئے کیا کر رکھا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کے سارے کام چھوڑ کر معطل ہو جاؤ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی دھن لگ جائے اگر روزانہ نصف گھنٹہ بھی اس تفکر کے لئے نکال لیا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت کم نافرمانی ہوگی اور دنیا کی محبت جاتی رہے گی پھر ان شاء اللہ تعالیٰ یہ حالت ہو

گی کہ تم دنیا کے سب کاروبار کرو گے لیکن ان کاموں میں جی نہ لگے گا اور اس کے بعد دو چیزوں کی اور ضرورت ہوگی ایک تو بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنے کی سو بحمد اللہ اب اس کا سامان بہت میسر ہو گیا ہے اور ہر شخص کو ہر جگہ رہ کر اس کا سیکھنا آسان ہے اس کیلئے یہ کرو کہ کوئی جامع رسالہ لے کر اس کو کسی عالم سے پڑھنا اگر پڑھنے کا موقع نہ ہو تو نہایت غور سے دیکھنا شروع کر دو اور ہمیشہ اس کا ورد رکھو۔ (اصلاح النفس ج ۲۶)

حضرات مجتہدین کا خوف الٰہی

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال کے وقت حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ خداوند! میں نے اپنے زمانہ قضا میں جہاں تک مجھ سے ہو سکا ہے خلاف حق فیصلہ نہیں کیا نہ کسی فریق کی رعایت کی ہے ہمیشہ حق کی حمایت کی ہے مگر ایک بار مجھ سے یہ غلطی ہو گئی کہ خلیفہ ہارون الرشید کا مقدمہ ایک یہودی کے ساتھ تھا اس وقت میں نے خلیفہ کو اپنی مسند پر بٹھلایا اور خود یہودی کے برابر بیٹھا حالانکہ مجھے ایسا نہ کرنا چاہئے تھا پھر فیصلہ میں ڈگری میں نے یہودی ہی کو دی مگر فریقین کی نشست میں جو مساوات لازم تھی اس میں مجھ سے غلطی ہو گئی اس گناہ سے میں توبہ و استغفار کرتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں پھر امام ابو یوسف بہت روئے اور اس لغزش پر بہت اہتمام سے بار بار استغفار کیا اس سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ حضرات مجتہدین خدا تعالیٰ سے کس قدر خائف تھے اور وہ اتباع احکام کا کس درجہ اہتمام کرتے تھے تو کیا ان حضرات کے متعلق یہ وسوسہ ہو سکتا ہے کہ وہ قصداً قرآن و حدیث پر قیاس کو اور اپنی رائے کو مقدم کریں گے اور اپنی رائے کے مقابلہ میں نصوص شریعت کو چھوڑ دیں گے جو لوگ ان کی شان میں ایسی سخت بات کہتے ہیں وہ اپنی عاقبت کی خیر منائیں۔ سُبْحٰنَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ (اے اللہ تو ہر عیب سے پاک ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے) (الارتیاب والاغتیاب ج ۲۶)

عورتوں کے قبرستان جانے کا حکم

عورتوں کے پردے سے نکلنے میں بہت سی خرابیاں ہیں مراد تذکرہ آخرت و قیامت ہے جس طرح بھی ہو کسی معتبر کتاب میں قیامت کے حالات پڑھیں یا سنیں)

اور یہ موت اور قیامت کی اجمالی حالت کافی نہیں کہ کوئی موت موت کی تسبیح پڑھا

کرے بلکہ موت کو یادرکھنا یہ ہے کہ جب کوئی کام کرے سوچ لے کہ موت کے اس پر کوئی جواب دہی تو میرے ذمہ عائد نہ ہوگی۔ ہمیشہ اس کا خیال رہے اور اگر کچھ کام قابل جواب دہی ہو گئے ہیں تو ان سے توبہ کرو۔ اور برابر توبہ کرتی رہو۔ (علاج الکبر ج ۲۶)

نااہل کو علم دین پڑھانے کا انجام

کلکتہ میں ایک عالم نے مسئلہ رضاع غلط لکھا اور علماء کے پاس اس کو دستخط کے واسطے بھیجا' علماء نے بالا تفاق اس پر دستخط سے انکار کیا کہ یہ تو بالکل غلط مسئلہ ہے کسی نے ان کا ساتھ نہ دیا آخر میں ان کو اپنی غلطی کا علم بھی ہو گیا تھا مگر بات کی پچ بری بلا ہے۔ انہوں نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ لکھ مارا اور اس میں واہی تباہی دلائل سے اپنے مطلب کو ثابت کرنا چاہا پھر وہ اپنے استاد کے پاس اس فتویٰ کو لے گئے اور ان سے جا کر کہا کہ اس مسئلہ میں سب لوگ مجھ سے علیحدہ ہیں' کوئی میرے ساتھ نہیں' آپ ہی میرا ساتھ دید یجئے۔ انہوں نے کہا کہ بھائی یہ تو غلط مسئلہ ہے اس میں ساتھ کیونکر دوں۔ کہنے لگے کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ غلط ہے مگر اب تو زبان وقلم سے نکل گیا اب تو جس طرح ہو میری تائید کر دیجئے مگر استاد نے ساتھ نہیں دیا۔ افسوس دین کو کھیل بنا رکھا ہے کہ محض اس وجہ سے کہ ایک بات زبان سے نکل گئی ہے اس کی لکیر پیٹے جاتے ہیں حالانکہ اس کا غلط ہونا معلوم ہے نہ معلوم ان لوگوں کے دلوں سے خوف خدا کہاں جاتا رہا۔ اب سنا ہے کہ ان عالم مفتی صاحب کا انتقال ہو گیا' خدا معاف کرے۔ اگر چہ جرم بہت سنگین ہے میں تمام مدرسین و مہتممین مدارس سے بالتجا کرتا ہوں کہ للہ اس بات کا کچھ انتظام کیجئے کہ سب طلبہ کو ایک لاٹھی سے نہ ہانکا جائے اور سب کی تعلیم کو ضروری نہ سمجھا جائے بلکہ جس شخص کے اخلاق خراب ہوں اول اس کے اخلاق کی اصلاح کا اہتمام کیا جائے' بات بات پر اس کو ٹوکا جائے' اگر اصلاح کی امید نہ ہو تو مدرسہ سے علیحدہ کیا جائے۔ اسی طرح جس طالب علم کی طبیعت میں کجی معلوم ہو سلامتی سے محروم ہو اس کو بھی ہرگز پورا نصاب نہ پڑھایا جائے کیونکہ تکمیل نصاب کے بعد وہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی اس کو عالم و مقتدا سمجھیں گے اور ایسا شخص مقتدا ہو کر جو کچھ ستم ڈھائے گا ظاہر ہے پھر ان سب کا وبال ان مدرسین و مہتممین کے اوپر ہوگا کہ انہوں نے ایسے نااہلوں کو کیوں علم پڑھایا۔ میری رائے میں ایسے لوگوں کے لیے ایک مختصر نصاب اردو

میں یا فارسی میں یا کسی قدر عربی میں مقرر کرلیا جائے جوضروری مسائل واحکام کے جاننے کیلئے کافی ہو وہ نصاب پڑھا کران سے کہہ دیا جائے کہ جاؤ دنیا کا کوئی کام سیکھو (تعظیم العلم ج ۲۷)

اموراختیاریہ کی قسمیں

اموراختیاریہ کی دوقسمیں ہیں ایک وہ جن کا بقاء وحدوث دونوں قصد و اختیار کے محتاج ہیں اور دوسرے وہ جو حدوث میں قصد واختیار کے محتاج ہیں بقاء میں محتاج نہیں تو کلام اسی دوسری قسم میں داخل ہے جیسا کہ مشی (یعنی چلنا) بھی اور بھی بعضے افعال اس صفت میں کلام کے ساتھ شریک ہیں یعنی ایسے ہی اموراختیاریہ میں سے ہیں کہ ان کا حدوث محتاج قصد واختیار ہے گو بقاء میں اس کی ضرورت نہیں کہ مثلاً ہر ہرقدم پر ارادہ جدید متعلق ہو البتہ یہ ضرور ہے کہ بقاء میں گو تفصیلی علم و ارادہ نہیں ہوتا مگر اجمالی ضرور ہوتا ہے یہاں تک تو اشتراک ہے مگر پھر تکلم میں ان سب سے یہ خاص امتیاز ہے کہ اور مشی (چلنا) وغیرہ سے زیادہ آسان بولنا ہے یہ کام اتنا آسان ہے کہ بظاہر اس میں قصد کی بھی ضرورت نہیں اسی واسطے کسی نے کہا ہے **اللسان جرمه صغير و جرمه كبير** (زبان کا (جرم) جسم چھوٹا ہے اور اس کا جرم (گناہ) بڑا ہے اور اس سہولت ہی کی وجہ سے لوگوں نے اس کو غیر مہتم بالشان سمجھ رکھا ہے دوسرے ہر فعل کا کچھ اثر ظاہر میں باقی رہتا ہے مثلاً اگر آپ کچھ لکھیں گے تو اس کا اثر باقی رہے گا اسی طرح سب افعال کا اثر چنانچہ تتبع سے معلوم ہوسکتا ہے مگر زبان کا اثر باقی نہیں رہتا اس لئے بھی لوگوں نے اس کو معمولی سمجھ لیا ہے مگر یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے یہاں تو سب کچھ محفوظ ہے آپ سمجھتے ہیں کہ ہم زبان سے جو کچھ کہتے رہتے ہیں وہ معدوم ہوتا جاتا ہے اور یہ خبر نہیں کہ وہ سب ایک دفتر میں جمع ہو رہا ہے **مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ** (وہ کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں دیتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے) حق تعالیٰ کے دفتر بہت سے ہیں سب سے چھوٹا دفتر انسان کا نامہ اعمال ہے قیامت کے دن ہر شخص کو اس کا نامہ اعمال دے دیا جائے گا اور کہا جائے گا **اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْباً** (اپنے نامہ اعمال کو پڑھ آج تو خود اپنا آپ ہی محاسب ہے) جس دن لوگ اس کتاب کو دیکھیں گے تو حیرت سے کہیں گے **مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا**

حَاضِراً وَلاَ یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَداً o (اس نامہ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بے قلمبند کئے ہوئے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا گناہ اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب لکھا ہوا موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا) (خفیہ پولیس والے کہاں تک لکھیں گے وہ تو تقریر کا خلاصہ ہی نوٹ کرتے ہیں اور یہاں تو بعینہٖ بجنسہٖ لکھا جاتا ہے پہلے تو یہ بات بعضوں کی عقل میں بھی نہ آتی تھی کہ فرشتے بعینہٖ کس طرح لکھتے ہیں مگر خدا بھلا کرے یعنی ہدایت کرے گراموفون ایجاد کرنیوالوں کو کہ ان کی اس ایجاد سے ہم کو عقل پرستوں کے سامنے ایک نظیر پیش کرنے کا موقع مل گیا۔ (مطاہر الاقوال ج ۲۸)

ہم ہر وقت سفرِ آخرت میں ہیں

خدا کا راستہ قصیر نہیں بلکہ طویل ہے کہ عمر دراز میں بھی طے نہیں ہوسکتا مگر جن کو توفیق دی گئی ہے ان کے لیے قصیر ہو جاتا ہے۔ گو واقع میں طویل ہے جیسے قیامت کے بارے میں ارشاد ہے: ''فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ'' (کہ وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا) مگر حدیث میں آیا ہے کہ مومن کو اتنا چھوٹا معلوم ہوگا جیسے ایک نماز کے شروع سے اس کے ختم کرنے تک فاصلہ ہوتا ہے اور اوپر جو حضرت بایزیدؒ کے قصہ میں طریق دین کا قصیر ہونا بیان کیا گیا ہے مراد اس قصر سے سہولت ہے بمقابلہ مشاق دنیا کے۔ اب سمجھئے اور اسی بات کا سمجھانا اس بیان سے مقصود ہے کہ جب خدا کا راستہ طویل ہے اور ہم اس پر چل رہے ہیں تو ہم ہر وقت سفر میں ہوئے اور قرآن اس سفر کی یادداشت ہے جو اس راستہ سے منازل و مقامات سے ہم کو آگاہ کرتا ہے۔ جب ہم سفر میں ہوئے تو بتلائیے کیا سفر میں بھی چین ہوا کرتا ہے۔ مگر افسوس ہم کیسے بے فکر و مطمئن ہیں۔ گویا وطن میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اے صاحب جس کو ہر وقت سفر درپیش ہو وہ کیونکر مطمئن ہو کر بیٹھ سکتا ہے اور جس کے سامنے اتنا لمبا سفر ہو وہ کیونکر دل کھول کے ہنس سکتا ہے۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

لوازم سفر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ.
(یعنی یہ قرآن عام لوگوں کے لیے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور یقین

لانے والوں کے لیے بڑی رحمت ہے) اس میں لفظ بصائر سے ضیاء پر دلالت ہے۔ ایک دفعہ مجھے اس آیت میں یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ اس جگہ تین چیزیں کیوں بیان کی گئیں۔ ''بصائر وھدی ورحمۃ'' (بصیرت، ہدایت اور رحمت) پھر سمجھ میں آیا کہ راستہ چلنے میں ایک تو رہبر کی ضرورت ہے وہ تو ھدیٰ ہے پھر رہبر کی عنایت و شفقت کی ضرورت کہ مختصر اور سہل راستہ سے لے جائے وہ رحمت ہے پھر اس کی بھی ضرورت ہے کہ چلنے والا سوانکھا ہو اگر راستہ حسی ہے تو بصر کی ضرورت ہے اور معنوی ہے تو بصیرت کی ضرورت ہے اس کا ذکر بصائر میں ہے مگر بصائر سے مراد اسباب بصیرت ہیں یعنی ضیاء کیونکہ قرآن کو جو بصیرت فرمایا ہے ظاہر ہے کہ وہ اسباب بصیرت میں سے ہے۔ پس قرآن میں ضیاء معنوی موجود ہے جس میں تامل کرنے سے بصیرت کام کرنے لگتی ہے اور اس کو راستہ نظر آنے لگتا ہے۔ پس اس آیت سے ضیاء بھی ثابت ہوئی اور دوسری آیات میں تو صاف طور پر لفظ نور وارد ہے۔

لَقَدْ جَآءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ. (یعنی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک کتاب واضح کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں) غرض قرآن سے سفر اور لوازم سفر سب ثابت ہیں۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

دل سے خیالات مٹانے کی عمدہ تدبیر

جب دل میں دنیا کی کوئی چیز آوے تو فوراً یہ سوچو کہ ہماری بی بی وہاں منتظر ہے کہ دیکھئے کب ملاقات ہوتی ہے سو مجھ کو ایسے کام کرنے چاہئیں جس سے یقیناً ملاقات ہو جائے یہ خیال ایسا ہے کہ دوسرے سب خیالوں کو فوراً دبا لے گا کیونکہ دنیا میں ایسا کوئی نہیں جس کو بی بی کا شوق نہ ہو اور وہ بی بی بھی کیسی جس کی صفت حدیث میں یہ آئی ہے کہ اگر اس کے دامن کا ایک کنارہ دنیا میں لٹکا دیں تو اس کی روشنی کے سامنے چاند، سورج ماند ہو جائیں، یہ تو ان کے کپڑے کی صفت ہے اور ان کے جسم کی یہ کیفیت آئی ہے کہ متعدد حلوں اور گوشت پوست اور ہڈی کے اندر سے گودا نظر آئے گا اس کی نظیر

کہیں بھی دنیا میں ہے یا ہو سکتی ہے ایسی بی بی کا خیال ایسی چیز نہیں ہے کہ سرد سے سرد آدمی کو بھی ایک دفعہ گرم نہ کر دے اور سست سے سست کو بھی اعمال کے لیے مستعد نہ بنا دے اس کے سامنے کوئی خیال دل میں نہیں رہ سکتا۔ (الباطن ج ۲۹)

سفر آخرت کا الارم

خدا تعالیٰ کی یاد میں کیسے امن وعیش یعنی اطمینان اور بے فکری ہو جبکہ ہر وقت جرس یہ فریاد مچا رہا ہو کہ کجاوے باندھو جب ہر وقت کوچ کی گھنٹی بج رہی ہو۔ بڑا غافل ہے وہ جو اس وقت بے فکری سے باتیں بنا رہا ہو اور کوچ کی تیاری نہ کرے، وہ گھنٹیاں یہی ہیں جو جا بجا موتیں ہو رہی ہیں، ریل پر دیکھا ہوگا کہ جب گھنٹی بج جاتی ہے سب مسافر اپنا اپنا سامان لے کر تیار ہو جاتے ہیں اور ریل تو ریل عرب کے سفر میں دیکھا ہے کہ اونٹ جو کہ اپنے اختیار کی سواری ہے وہ بھی نہیں ٹھہرتے، جب جمال حی حی پکارتے ہیں اور اونٹوں کے لادنے کا تہیہ کر لیتے ہیں پھر وہ بالکل نہیں دیکھتے کہ کون فارغ ہے اور کون نہیں۔ چنانچہ بعض قضائے حاجت کرتے ہوئے ہیں، بعض کچھ پکاتے ہوئے ہیں سب چھوڑ کر ہنڈیا ہاتھ میں لیے ہوئے بھاگتے ہیں اور اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں۔ افسوس ہے کہ سفر آخرت کی گھنٹیاں بج رہی ہیں، ہر وقت حی حی کا شور ہے کوئی دوست مر گیا، کوئی عزیز مر گیا لیکن ہم ہیں کہ خواب خرگوش میں کروٹ ہی نہیں بدلتے۔ مسلمانوں کو عموماً بھی بے فکر نہ ہونا چاہیے اور خصوصاً ان لوگوں کو جن کو اللہ تعالیٰ نے معاش سے بے فکر کیا ہے ان کو تو ضروری ہے کہ ہر وقت متوجہ رہیں کسی وقت غفلت نہ ہو، اب یہیں پر ذاکرین کو دوام توجہ کے متعلق ایک غلطی ہو جاتی ہے پوری بات تو وقتاً فوقتاً جس طرح کے حالات پیش آویں شیخ ہی سے طے ہوتے ہیں لیکن یہاں بھی اجمالاً کچھ ذکر کیا جاتا ہے وہ یہ کہ انسان کا خاصہ طبعی ہے کہ ہر وقت ایک کام نہیں کر سکتا، طبیعت اکتا جاتی ہے جیسے کوئی رات دن پڑھے اور کسی وقت بھی فارغ نہ ہو اور سیر و تفریح سے جی نہ بہلاوے تو لازمی بات ہے کہ طبیعت اس کی اکتا جاوے گی اور بعض مرتبہ ایسی پژمردہ ہوگی کہ وہ بالکل معطل محض ہو جاوے گا۔ اسی واسطے ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر سبق دس دفعہ کہنے کا شوق ہو تو آٹھ دفعہ کہو، دو دفعہ چھوڑ دو تا کہ شوق باقی رہے اور اس شوق سے پھر کام لیا جاوے۔ اسی

طرح عابدین ذاکرین کو بھی یہ امر پیش آیا ہے کہ کثرت ذکر سے ان کو ایک قسم کا ملال اور اکتاؤ پیش آ جاتا ہے اور بعض مرتبہ شیخ کامل اگر نہ ہو تو اس کا نتیجہ آخرہ غفلت و تعطل ہو جاتا ہے اس وقت یہ ضروری ہے کہ سب کام خلوت کا چھوڑ دے اور باغ میں دوستوں کے مجمع میں بیٹھے اور کچھ دیر باتیں کرے، مزاح کرے تو وہ نشاط سابق پر عود کرآوے گا اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ غفلت کی اجازت ہے۔ صاحبو! یہ غفلت نہیں اس کو بھی ذکر ہی میں شمار کریں گے اس لیے کہ معین ذکر ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً کوئی شخص پوچھے کہ تمہارے یہاں کھانے میں کیا ہوتا ہے اور کس حساب سے ہوتا ہے تو تم کہو کہ جنس اس قدر اور مصالحہ اس قدر اور لکڑیاں اتنی تو وہ شخص اعتراض کرے کہ کیا آپ لکڑیاں بھی کھاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ معترض احمق ہے اس لیے کہ جس سے کھانے میں اعانت ہو وہ کھانے ہی کے حساب میں شمار کی جاتی ہے۔ (التوبہ ج ۲۹)

شفاعت کبریٰ

صاحبو! میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ تم کو کچھ عذاب بھی نہ دیں صرف کھڑا کر کے اتنا پوچھ لیں کہ ارے ظالم تجھ کو ہمارا اتنا بھی خوف نہ تھا کہ جتنا اپنے چھوٹوں سے ہوتا ہے تو اس وقت جو ذلت و شرمندگی ہوگی اسی کا خوف گناہ سے بچنے کے لیے کافی ہے کیونکہ ایسے موقع پر آدمی یہ چاہا کرتا ہے کہ بلا سے دوزخ میں چلا جاؤں لیکن یہاں سے مجھ کو خلاصی ہو چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے جب سب اولین و آخرین قبور سے اٹھائے جائیں گے اور مجرمین کو سخت ذلت و پریشانی ہوگی تو سب بے قرار ہوں گے کہ کسی طرح یہاں سے نجات اور خلاصی ہو اور آپس میں مشورہ کریں گے کہ کیا تدبیر کریں چنانچہ اس پر سب کا اتفاق ہوگا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام چونکہ مقبول بندے اور بے گناہ ہیں ان کی خدمت میں عرض کریں تاکہ وہ ہماری اس بات میں شفاعت کریں۔ پس سب جمع ہو کر آدم علیہ السلام کی خدمت میں آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ صفی اللہ ہیں اور آپ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے آپ دعا فرمائیے اور شفاعت فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یہاں سے خلاصی دیں تو وہ فرمائیں گے کہ میرا یہ منصب نہیں ہے اور شجر کے کھانے کا عذر فرمائیں گے پھر نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام بھی یہی جواب دیں گے اور اپنے اپنے عذر ذکر

کریں گے۔ حتیٰ کہ فخر عالم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی خدمت میں آئیں گے، آپ سب کی شفاعت فرمائیں گے کہ اس میدان سے نجات ہو یہ شفاعت کبریٰ کہلاتی ہے اس کے بعد سب کو موقف سے نجات ہوگی اور حساب و کتاب شروع ہوگا اور اس میں مومنین و کافرین سب داخل ہیں یہ حدیث کا حاصل ہے اس میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ سب مومنین و کافرین جو اس مقام سے خلاصی چاہیں گے اس کی کیا وجہ ہے یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ اس وقت سب کو یہ گمان ہوگا کہ ہم سب یہاں سے چھوٹ کر بہشت میں چلے جائیں گے اس لیے کہ حقائق وہاں منکشف ہوں گے، مغیبات مشاہدہ ہوں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَآئَکَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ" (سو اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ غفلت اٹھا دیا، سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے) اور کفار کو معلوم ہوگا کہ ہم معذب ہوں گے تو پھر خلاصی پا کر دوزخ میں جانا کیوں گوارہ کیا۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ چونکہ وہاں اولین وآخرین جمع ہوں گے ان سب کے سامنے رسوا ہونے سے بچنا چاہیں گے۔ طبعی بات ہے کہ آدمی رسوائی سے بچنے کے لیے سزا اور تکلیف کو اختیار کر لیتا ہے اور عام رسوائی میدان قیامت میں ہوگی، دوزخ میں نہ ہوگی۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دوزخ میں ہر کافر کو ایک صندوق میں بند کر کے الگ الگ آگ میں دفن کر دیا جائے گا پھر وہاں تاریکی بھی ہوگی کوئی ایک دوسرے کو نہ دیکھے گا۔ "وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِراً" (جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب موجود پائیں گے) اس کی تفسیر میں حضرت استاذی مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ گناہ کو اس کی صورت میں دکھلایا جائے گا۔ مثلاً اہل محشر کو یہ معلوم ہوگا کہ چور نقب دے رہا ہے، زانی زنا کر رہا ہے اور اس کو بعید نہ سمجھا جائے، دیکھئے بائیس کوپ میں اچھی خاصی دوڑتی ہوئی صورتیں دکھائی دیتی ہیں اور دیکھا جاتا ہے کہ وہ تلوار لگی اور سر کٹ گیا اور گولا پھٹا اور توپ چلی۔ جب مخلوق کو ایسی قوت دی ہے کہ وہ واقعات گزشتہ کو ہو بہو دکھلا دیتے ہیں تو کیا خداوند تعالیٰ گناہوں کو ان کی صورت میں نہیں دکھلا سکتے، ضرور اس سے زیادہ پر قادر ہیں۔ (خواص لا لخشیہ ج۲۹)

حکایت مفتی عنایت احمد صاحب مرحوم

میں نے عبدالرحمٰن خاں صاحب مالک مطبع نظامی سے سنا ہے کہ مولانا مفتی عنایت

احمد صاحب مرحوم حج کوتشریف لے گئے تھے۔ طوفان آیا جہاز ڈوبنے لگا اور پانی چاروں طرف سے غرغراس میں آ رہا تھا' تمام مخلوق جو اس میں تھی سخت پریشانی میں تھی اور مفتی صاحب مرحوم ایک جگہ اطمینان سے بیٹھے ہوئے اس آیت کا تکرار فرمارہے تھے:

قُلْ لَّنْ يُّصِيبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

(یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے فرمادیجئے کہ ہم کو ہرگز کچھ مصیبت نہ پہنچے گی مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے وہ ہمارا مولا ہے اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیے) یہ آیت پڑھتے پڑھتے غرق ہو گئے۔ غرض فرمانبردار ہر حالت میں راضی ہے حتیٰ کہ مصیبت میں بھی یہ تفاوت تھا۔ مصیبت میں اور نعمت کی حالت میں بھی مطیع اور غیر مطیع کے درمیان تفاوت ہے یعنی نافرمان کو نعمت میں بھی پوری لذت نصیب نہیں بلکہ وہ بھی فرمانبردار ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ طعام کے اندر بھی اس کو وہ لذت آتی ہے کہ دوسرے کو نہیں آتی' لوگوں کو سن کر حیرت ہو گی کہ فرمانبرداری کو کھانے کے مزے کے اندر کیا دخل ہے لیکن تھوڑا سا غور فرمائیں گے تو سمجھ میں آ جائے گا۔ دیکھئے جب کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کی ہر شے پیاری معلوم ہوتی ہے' خواہ وہ شے خراب ہی ہو۔ مثلاً دو انبہ میں ایک تو اپنا خریدا ہوا اور ایک محبوب نے دیا ہو دونوں میں بڑا فرق ہے' محبوب کے دیئے ہوئے انبہ کو اگرچہ وہ ترش ہی ہو جس رغبت سے کھائے گا اپنے انبہ کو اس طرح نہ کھائے گا اور اس میں مزہ بھی بہت آئے گا۔ اس لیے کہ وہ مزہ نرے انبہ کا نہیں بلکہ وہ اس نسبت کا ہے کہ محبوب کا دیا ہوا ہے پس ایسے ہی یہاں بھی سمجھ لیجئے کہ جس کو حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہو گیا ہے اس کو ہر نعمت میں بے حد مزہ آئے گا کہ یہ میرے محبوب نے مجھ کو عطا فرمائی ہے اس کو سوکھی روٹی میں وہ لطف آئے گا جو دوسروں کو پلاؤ' قورمہ میں نہیں آتا اور حرام خور نافرمان اناج کی کوٹھیاں اور پانی کے تالاب کے تالاب خالی کر دیتے ہیں اور کبھی دل میں تو کیا زبان پر بھی یہ نہیں آتا کہ معطی حقیقی کا شکر کریں اور ان نعمتوں کو اس کی طرف سے سمجھیں' پھر وہ اس نسبت کی لذت سے بھی محروم ہیں اور نعمت تو نعمت فرمانبردار کو تو میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مصیبت اور تکلیف میں بھی مزہ آتا ہے جیسے محبّ کو محبوب کی مار میں بھی لطف آتا ہے اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ نافرمانی میں معیشت کے تنگ ہونے کے کیا معنی ہیں اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ رہم جیسا کہ

افراط خوف کو درجہ توسط پر لانے والا ہے اسی طرح نفس خوف کو بھی درجہ تفریط سے ترقی دینے والا ہے اور خشیۃ پر مغفرت اجر کبیر کے مرتب کرنے سے اور یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ اگر خشیت نہ ہوگی تو ان کے لیے مغفرت اور اجر کبیر کا وعدہ نہیں۔ (خواص الخشیۃ ج ۲۹)

خوف خدا

مسلمان کو گناہ کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کا خوف ضرور ہوتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے اور آخرت میں عذاب ہوگا یہ خیال ساری لذت کو مکدر کر دیتا ہے اس لئے مسلمان کا گناہ کرنا تو محض حماقت ہی ہے گناہ کرے تو کافر کرے جس کو یہ خدشہ نہ ہو کیونکہ وہ آخرت کا قائل ہی نہیں تو اس کو لذت تو آئے گی اور مسلمان کا گناہ تو بے لذت ہے پھر گناہ بے لذت میں کیا نفع اور ایک بات اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ مسلمان کو دنیا میں بھی گناہ کر کے سخت تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ گناہ کی خاصیت ہے کہ اس سے قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے جس سے ایک وحشت اور بے چینی دل پر غالب ہو جاتی ہے انشراح اور اطمینان کی کیفیت زائل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ گنہگار کے دل کو مطیع و متقی کی برابر راحت نہیں ہوتی نیز گنہگار کا دل اس ظلمت و وحشت کی وجہ سے کمزور بھی ہو جاتا ہے جس کا تجربہ نزول حوادث کے وقت ہوتا ہے کہ متقی اس وقت مستقل مزاج رہتا ہے اور گنہگار کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور اگر کسی کو گناہ کر کے ظلمت محسوس نہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو نور ہی کا احساس نہیں ہوا باقی جس کو بالکل ہی نور کا احساس نہ ہوا ایسا تو کافر ہی ہوسکتا ہے۔ مومن کو ایمان کی وجہ سے نور ضرور حاصل ہوتا ہے اور جو شے حاصل ہے اس کا احساس بھی ضرور ہے گو اس کی طرف التفات نہ ہو جیسے ہماری آنکھ آفتاب کی روشنی ہی میں کام کرتی ہے مگر اس کی طرف التفات کبھی نہیں ہوتا چنانچہ ہم بارہا خط دیکھتے اور کتاب لکھتے ہیں مگر کبھی اس کا دھیان بھی نہیں آتا کہ ہماری آنکھ کی روشنی کے ساتھ ایک اور روشنی بھی ہے اور ہم اس سے یہ کام کر رہے ہیں ہاں رات کو اندھیرے میں اس طرف التفات ہوتا ہے کہ ہماری آنکھ کی روشنی آفتاب کی روشنی سے مل کر ابصار کا سبب تھی اس لئے اس وقت قندیل کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح مسلمان کو گناہ کر کے معلوم ہوتا ہے کہ میرے اندر ایک نور تھا جو اس وقت گل ہو گیا۔ (انفاق المحبوب ج ۳۰)

اشیاء جنت کی حقیقت

جنت کی چیزوں کو دنیا کی چیزوں سے اچھا کہنے کے معنی یہ نہیں کہ چیزیں جنت میں وہی ہیں جو دنیا میں ہیں مگر اعلیٰ درجہ کی ہیں جیسے دنیا کی چیزوں میں یہی فرق ہوتا ہے ایک میلا پانی اور ایک صاف ستھرا چھنا ہوا پانی کہ حقیقت دونوں کی ایک ہے صرف وصف میں فرق ہے بلکہ اچھا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جنت کی چیزوں کی حقیقت ہی دوسری ہے اس حقیقت کی چیز دنیا میں موجود ہی نہیں۔ رہا یہ کہ پھر ان کا نام دنیا کی چیزوں کا کیوں ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اور کوئی عنوان ان سے تعبیر کرنے کا نہیں اگر کوئی عنوان ہے تو یہی ہے جو دنیا کی چیز کا ہے بایں معنی کہ اگر اس سے کچھ مناسبت اور قرب ہے صورتاً یا کسی معنی کو تو فلاں دنیا کی چیز کو ہے اس لحاظ سے اس کے اوپر اس کا نام اطلاق کر دیا۔ مثلاً انار ایک چیز ہے جو دنیا میں موجود ہے اور اس کے افراد میں سے بھی وہ فرد لیجئے جو سب سے بڑھیا ہو اور انار جنت میں بھی موجود ہے جیسا کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے لیکن دونوں میں کچھ بھی علاقہ نہیں سوائے اس کے کہ صورتاً ایک کہے جاویں۔ یہ مضمون ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دنیا اور جنت کی نعمتوں کا صرف نام ہی مشترک ہے ورنہ وہاں اور چیزیں ہیں جن کا خیال بھی نہیں آ سکتا بلکہ یہ مضمون حدیث میں ہے وہ یہ ہے "**اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر**" یعنی فرماتے ہیں حق تعالیٰ کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا۔ معلوم ہوا کہ وہاں کی چیزیں ایسی ہیں جو یہاں موجود نہیں ورنہ کوئی آنکھ تو دیکھتی اور نہ کبھی ہم سے پہلے زمانہ میں دنیا میں پیدا ہوئیں ورنہ ان کا ذکر تو کان سے سنتے بلکہ ان کو یہاں کی چیزوں سے اس قدر مغایرت ہے کہ خیال بھی ان تک نہیں پہنچ سکتا اس کے معنی یہی تو ہوئے کہ وہاں کی چیزیں دنیا سے علیحدہ ہی ہیں

اور مثلاً وہاں کی عورتیں جو حور کہلاتی ہیں ان کا نام سن کر خیال ہوتا ہے کہ دنیا کی حسین عورتوں کی نوع سے ہوں گی خود دنیا میں بھی ایک سے ایک حسین موجود ہیں مگر حدیث میں جو ان کی صفات آئی ہیں ان کو سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ حور کسی اور ہی نوع سے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر حور عین کے کپڑے کا ایک کونہ دنیا میں لٹکا دیں تو اس کی روشنی سے سورج اور چاند ماند

ہو جائیں جس کے کپڑے کا یہ حسن ہو اس کی ذات کا کیا حسن ہوگا اس کا حسن تو وہم وگمان سے باہر ہے۔ چنانچہ حدیث میں ان کے حسن کی نسبت آیا ہے ''یری مخ سوقھن من ورائھن ''، یعنی ان کا جسم ایسا صاف شفاف ہوگا کہ کپڑوں کے اندر سے اور کھال کے اندر سے اور ہڈی کے اندر سے پنڈلی کا گودا نظر آئے گا۔ یہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ سچی بات ہے کیونکہ حدیث میں آ چکی ہے۔ قرآن وحدیث میں مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا سچی سچی اور سیدھی باتیں بیان ہوتی ہیں حور واقع میں ایسی ہی ہوگی یہ خبر ایسی نہیں ہے جیسے کہ یہاں ہم نے سنا تھا کہ ایک حسین آدمی ایسا ہے کہ جب وہ پان کھاتا ہے تو اس کا رنگ گلے میں اترتا نظر آتا ہے۔ یہ قصہ غلط ہے بھلا دنیا میں ایسا کون ہوسکتا ہے آخر گلے میں اوپر کھال ہے اس کے نیچے گوشت ہے اس کے نیچے نرخرے کی ہڈیاں ہیں ایسی بھی کیا لطافت ہے کہ ان میں سے کوئی بھی حاجب نہ ہو ایک جلد ہی شاع نظر کو روکنے کے لیے کافی ہے چہ جائیکہ تین تین چیزیں ہوں۔ غالباً کسی نے مبالغہ سے کام لیا ہے بہرحال جو یہاں مبالغہ ہے وہ وہاں حقیقت ہوگی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ وہاں کے حالات میں اور یہاں کے حالات میں بڑا فرق ہے وہاں کے حالات یہاں ذہن میں آ ہی نہیں سکتے اس واسطے کہ ان کی کوئی نظیر کبھی نظر سے نہیں گزری اس دقیقہ سے غافل ہونے کے سبب لوگوں نے حور کو محبوبان دنیا کی طرح سمجھ لیا اور بعضوں نے تو یہاں تک بیہودگی کی کہ براہ تمسخر گھوسنوں سے اور کشمیر کے چکلے کی رنڈیوں سے تشبیہ دی (نعوذ باللہ) بات یہ ہے کہ لوگوں میں مادہ قیاس الغائب علی الشاہد کا ہے اسی لیے حور کو بھی اگر قیاس کیا تو اس پر کہ جس کو دیکھا ہے یا جو اپنے خیال میں ہے اب جن کے خیالات گندے ہیں رنڈیوں اور گھوسنوں تک ان کا ذہن پہنچا۔

آخرت کی دو حالتیں

اور جیسے دنیا میں دو حالتیں ہیں ایک راحت اور ایک تکلیف ایسے ہی آخرت میں بھی دونوں حالتیں ہیں، ایک راحت کی حالت جس کی جگہ جنت ہے دوسری تکلیف کی حالت جس کی جگہ دوزخ ہے مگر اتنا فرق ہے کہ دنیا کی ہر راحت میں الم ہے اور ہر الم میں کچھ راحت بھی مگر آخرت میں نہ راحت کے ساتھ الم ہے نہ الم کے ساتھ راحت

اہل ایمان دوزخ میں امیدوار نجات ہوں گے

سوائے ان اہل ایمان کے جو بعض گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جاویں گے کہ ان کو

وہاں تکلیفیں جو کچھ بھی ہوں مگر اتنی راحت ضرور ہوگی کہ توقع ہوگی نجات کی اور یہ امید رہے گی کہ سو برس میں ہزار برس میں دس ہزار برس میں کبھی نہ کبھی یہاں سے نکل جاویں گے سو اس گروہ کے ذکر کا یہ مقام اس لیے نہیں کہ یہ حقیقی اہل دوزخ نہیں ہیں ان کا مکان اصلی تو جنت ہے مگر کچھ نجاستوں میں آلودہ ہونے کی وجہ سے ان کو پاک وصاف کیے جانے کی ضرورت تھی اس واسطے دوزخ میں ڈالے گئے چند روز میں یہاں سے نکل جاویں گے، حقیقی اہل دوزخ کفار ہی ہیں جو دوزخ کے واسطے موضوع ہیں اور دوزخ ان کے واسطے موضوع ہے قرآن شریف میں جگہ جگہ ان ہی کو فرمایا گیا "**ماولکم النار والنار مثوی لهم ونحوه**" سو ان کے واسطے واقعی دوزخ میں شائبہ بھی راحت کا نہ ہوگا بلکہ جب اہل ایمان کو کبھی نہ کبھی نجات ہو جائے گی اس وقت ان کو صاف حکم سنا دیا جائے گا کہ تم کبھی نہیں نکالے جاؤ گے، اتنا جزو راحت کا بھی نہ رہا اب سوائے الم کے اور کیا رہا، ہر قسم کا الم وہاں موجود ہے مگر راحت ذرا بھی نہیں درد ہر طرح کا ہے مگر طبیب نہیں، دوا نہیں، تیماردار نہیں، اپنے ابناء جنس کو بھی رحم نہیں آتا، آیت میں صاف موجود ہے کہ اہل دوزخ اہل جنت سے لجاجت کریں گے کہ "**افیضوا علینا من الماء او مما رزقکم الله**" یعنی تھوڑا سا پانی یا اور کوئی نعمت جنت کی ذرا سی ہم کو بھی دیدو تو جواب ملے گا کہ "**ان الله حرمهما علی الکفرین**" یہ تم کو نہیں مل سکتیں حق تعالیٰ نے ان کو کفار کے لیے حرام کیا ہے یہ جواب ان لوگوں کا ہے جو اہل دوزخ کے ابناء جنس ہیں یعنی آدمی ہیں مگر اس لحاظ سے اجنبی بھی ہیں کہ اب ان میں اور ان میں کوئی تعلق نہیں رہا وہ اہل جنت ہیں یہ اہل دوزخ ہیں وہ چین میں ہیں یہ تکلیف میں ہیں بلکہ درحقیقت تو ان میں اور ان میں تعلق دنیا میں بھی نہ تھا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کو ماننے والے تھے اور یہ خدا تعالیٰ کے منکر تھے وہ ان کے دشمن تھے یہ ان کے دشمن تھے، ہاں کچھ وہ تعلقات دنیا کے دونوں میں تھے جو معیشت دنیا کے لیے ضروری تھے بہرحال اہل جنت اہل دوزخ سے بالکل مغائرت رکھتے ہیں اگر ان سے ایسا روکھا جواب ملے تو کچھ تعجب اور شکایت کی بات نہیں۔

اہل دوزخ میں باہم بھی عداوت ہوگی

مگر وہاں تو اہل دوزخ میں باہم بھی تراحم نہ ہوگا، یہ بھی ایک قسم کی راحت ہوا کرتی

ہے کہ ایک بلا میں ایک مجمع کا مجمع گرفتار ہو مگر ان میں باہم ہمدردی ہو اور ایک دوسرے کا شریک حال ہو اس سے وہ مصیبت کچھ نہ کچھ ہلکی ہو جاتی ہے دوزخ میں اتنی بھی راحت نہ ہوگی بلکہ ایک کا ایک دشمن ہوگا۔ چنانچہ آیا ہے:

کلما دخلت امة لعنت اختها حتّٰی اذا ادارکو افیها جمیعا قالت اخرهم لاولهم ربنا هولآء اضلونا فاتهم عذاباً ضعفا من النار قال لکل ضعف ولکن لاتعلمون وقالت اولهم لاخراهم فما کان لکم علینا من فضل فذوقوا العذاب بما کنتم تکسبون.

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب کوئی ایک گروہ دوزخ میں جائے گا تو دوسرے گروہ پر لعنت کرے گا اور برا بھلا کہے گا یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں پہنچ جاویں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کی نسبت یوں کہیں گے کہ اے اللہ ان لوگوں نے ہم کو بہکایا تھا یعنی یہ گمراہ تھے ان کی تقلید میں ہم بھی گمراہ ہو گئے۔ لہٰذا ان کو دونا عذاب ہونا چاہیے حکم ہوگا کہ سب کے لیے دونا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں عذاب کی کچھ کمی نہیں ایک حصہ اور دو حصے سب برابر ہیں کیونکہ کوئی بھی ختم ہونے والا نہیں ایک گروہ نے تو یہ کہا دوسرا گروہ کہے گا کہ تم ہم سے کس بات میں بڑھے ہوئے ہو جیسا کیا تھا اس کی سزا بھگتو' یہ اہل دوزخ کی باہم جنگ و جدل ہے اور عذاب میں تو تھے ہی یہ بھی عذاب ہی ہے کہ باہم سلوک اور ہمدردی بھی نہیں تو وہاں کی تکلیف بھی کامل تکلیف ہے جس میں کوئی شائبہ راحت کا نہیں مگر مجھ کو اس وقت وہاں کے تکلیف کے جزو کا بیان کرنا مقصود نہیں' مقصود محض راحت کے جزو کا بیان کرنا ہے اور یہ دکھلانا ہے کہ دنیا کی راحتوں سے وہاں کی راحت کو بڑا فرق ہے۔ پس تمام اشکالات رفع ہو کر ثابت ہو گیا کہ آیت میں اسلام کا کامل ثمرہ بتلایا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ اگر کسی کام پر ناقص ثمرہ کا وعدہ ہو تو اس کی طرف رغبت بھی ناقص ہوگی اور اگر کامل ثمرہ کا وعدہ ہو تو رغبت بھی کامل ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص سے ایک تو یوں کہا جائے کہ ایک گھنٹہ فلاں کام کرو تو ایک پیسہ ملے گا اور ایک سے یوں کہا جائے کہ ایک گھنٹہ فلاں کام کرو تو ایک اشرفی ملے گی۔ تو ظاہر ہے کہ اس شخص کو اس کام کی طرف رغبت زیادہ ہوگی جس کی اجرت کامل ہے یعنی جس پر ایک اشرفی کا وعدہ ہے اسی طرح یہاں جب حق تعالیٰ نے اسلام کا ثمرہ کامل

بیان فرمایا اس طرح سے کہ ثمرے ہر کام کے دو ہی ہوتے ہیں، نجات عن التکلیف اور حصول راحت اور یہاں دونوں کا وعدہ ہے تو اب کوئی فرد ثمرہ کا باقی نہیں رہا اور اس طرح سے ثمرہ کامل ہو گیا تو اس میں اسلام کی پوری ترغیب ہو گئی اور اس ثمرہ کا کامل ہونا یہاں تو اس طریق سے معلوم ہوا اور دوسری نصوص میں دوسرے عنوانات سے بھی مذکور ہے۔ (السلام الحقیقی ج ۳۱)

جنت میں نیند کی خواہش نہیں ہو گی

کچھ عجب نہیں کہ یہ لوگ جنت میں بھی نیند کی خواہش کریں اور یہ ثابت ہے کہ جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جس کو دل چاہے تو نیند بھی ملنی چاہیے تو تعارض ہو گیا نصوص میں ایک نص میں ہے "وفیها ماتشتهیه الانفس " اور حدیث میں ہے کہ "النوم اخ الموت" (نیند موت کی بہن ہے) جس کو میں نے ابھی بیان کیا تھا کہ مطلب یہ ہے کہ وہاں نیند نہ ہو گی اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو سب قدرت ہے وہاں نیند کی خواہش ہی نہ ہونے دیں گے اور راز اس کا یہ ہے کہ نیند فی نفسہ کوئی مرغوب چیز نہیں اور یہاں جو مرغوب ہے تو اس وجہ سے کہ یہاں جاگنے سے تکان ہو جاتا ہے اس واسطے ضرورت پڑتی ہے سب کام چھوڑ کر تھوڑی دیر آرام کرنے کی یہی حقیقت ہے، نیند کی اور جہاں تکان نہ ہو وہاں اس کی کیا ضرورت ہے۔ طالب علموں کے سمجھنے کے قابل تقریر اس امر کی کہ نوم کوئی مطلوب چیز نہیں اس طرح پر ہے کہ اصل نعمت وجودی چیز ہے اور اسی بناء پر تو دنیا کو عدم سے وجود میں لایا گیا کیونکہ حق تعالیٰ کو اپنی نعمت کا اظہار مقصود تھا۔

من نکردم خلق تا سودے کنم　　بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

(تو پیدا کرنا نعمت ہوا فنا کرنا اصل میں نعمت نہیں ہوا)

اور موت عدم ہے من وجہ (من وجہ اس واسطے کہا کہ عدم محض نہیں ہے) اور نیند مشابہ موت کے ہے۔ لہٰذا نیند بھی اصل میں نعمت نہ ہوئی اور جنت نعمتوں اور عیش کا گھر ہے تو وہاں اس کا کیا ذکر ہے اس لیے جنت میں کسی کو اس کی تمنا ہی نہ ہو گی۔ بس یہ سوال ایسا ہے جیسے کوئی کہنے لگے کہ جب جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جس کو جی چاہے تو اگر کسی کا جی موت ہی کو چاہے تو یہ بھی ملنی چاہیے یا کسی کا جی لڑائی دنگے، خون خرابے کو چاہے تو یہ بھی جنت میں ہونا چاہیے یہ مذاق تو ایسا ہے۔ (السلام الحقیقی ج ۳۱)

روزانہ اپنے محاسبہ کی ضرورت

صاحبو! ہنوز وقت باقی ہے اپنا علاج کرلو اور زادراہ جمع کرلو "والتنظر نفس" ایک کلیہ ہے اللہ کے بندوں نے اس کے جزئی طریقے نکال کر بتلا دیئے ہیں ان میں ایک طریقہ یہ ہے کہ دن رات میں ایک وقت تجویز کرلو اور اس وقت بیٹھ کر سوچا کرو' سب سے اول یہ سوچو کہ خدا تعالیٰ کی کیا کیا نعمتیں ہم پر ہیں اس کے بعد یہ سوچو کہ ہمارا خدا تعالیٰ کے ساتھ کیا برتاؤ ہے ہم اس کی نعمتوں کا کس قدر شکر ادا کرتے ہیں اور کچھ بھی نہیں تو صبح سے شام تک کے گناہ ہی گن ڈالے اس کے بعد غور کرے کہ اگر ہمارا یہ برتاؤ کسی دوسرے سے خصوصاً حاکم یا آقا سے ہوتا تو وہ کیا کرتا اور جو کچھ ذہن میں آئے اس کی بابت سوچے کہ خدا تعالیٰ بھی ہمارے ساتھ یہ کرسکتا ہے اس کے بعد سوچے کہ میدان قیامت برپا ہے آفتاب قریب آ گیا ہے احکم الحاکمین کا اجلاس ہو رہا ہے نہ کوئی بیرسٹر ہے نہ کوئی وکیل ہے اور اس اثناء میں مجھے پکارا گیا ہے' فرشتے آئے اور مجھ کو پکڑ کر لے گئے اور وہاں لیجا کر چھوڑ دیا' اب مجھ سے میرے اعمال کی باز پرس ہو رہی ہے اور میرے پاس کوئی معقول جواب نہیں نہ کوئی ٹھکانا ہے کہ وہاں بھاگ کر پناہ لوں' ہاں سامنے جہنم ہے ملائکہ گرفتار کر کے مجھ کو

پابد ستے دگرے درست بدست دگرے

جہنم کی طرف لے جا رہے ہیں۔ بس یہ سوچ کر فوراً سر بسجود ہو جاؤ اور نہایت گڑگڑا کر خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور رونا نہ آئے رونے کی صورت بناؤ اور یہ دعا کرو کہ اے خدا میرے گناہوں کو معاف کر اور مجھے ہمت دے کہ مجھ سے گناہ نہ ہوں۔ یہ تو رات کو کرے اور دن میں علماء کے رسائل لے کر ان کو پڑھے اور اپنے بچوں اور بیوی کو بھی پڑھاوے۔ اگر چہ بچے انگریزی ہی پڑھتے ہوں' افسوس تم لوگ اولاد کو کندہ جہنم بنانے کے لیے پرورش کرتے ہو۔ صاحبو! جب ان کا مآل یہ ہوا تو ان کے پیدا ہونے سے اور پرورش ہونے سے کیا نفع ہوا اس سے تو پیدا نہ ہوتے اور بچپن میں مرجاتے تو اچھا تھا۔

مرا اے کاشکے مادر نمیزاد وگر میزاد کس شیرم نمی داد

(مجھ کو کاش کہ میری ماں نہ جنتی اور اگر پیدا کرتی کوئی مجھ کو دودھ نہ دیتا اور ان رسائل میں جہاں شبہ ہو اس کو علماء سے حل کرلو) (فضائل العلم ج ۳۱)

سِیاست

☆ سلطنت کی حقیقت

☆ جمہوری نظام کا شرعی جائزہ

☆ مروجہ سیاست کی اصلاح

☆ معاملات و معاشرت

☆ سیاسیات کس طرح دین کا حصہ ہیں

☆ کثرت رائے کی حقیقت

☆ جیسے عنوانات پر منتخب جواہرات

سلطنت کی حیثیت

ایک بادشاہ نے ایک بزرگ سے دریافت کیا کہ اگر آپ کسی موقع پر راستہ بھول جائیں اور وہاں پیاس معلوم ہو اور تشنگی بے چین کر رہی ہو اور ایک شخص پانی لے کر آئے اور کہے کہ میں یہ کٹورا پانی کا آدھی سلطنت کو فروخت کرتا ہوں تو آپ اسے خرید لیں گے؟ بادشاہ نے کہا بلا شک، میں آدھی سلطنت میں اس ایک کٹورہ پانی کو خرید لوں گا۔ بزرگ نے کہا اگر اسی طرح کبھی آپ کا پیشاب بند ہو جائے اور کوئی شخص یہ کہے کہ میں نصف سلطنت کے معاوضہ میں پیشاب کا بند کھولتا ہوں تو آپ اس پر راضی ہو جائیں گے؟ کہا بیشک! بزرگ نے فرمایا کہ آپ کی سلطنت کی کیا قیمت ہوئی! ایک کٹورہ بھر پانی اور پیشاب؟ ایسی قیمت کی چیز پر نخوت وغرور کرنا اور دوسروں کو حقیر وذلیل خیال کرنا کہاں تک درست کہا جا سکتا ہے۔ (تذکیرۃ الآخرۃ ج۱)

لیڈر کی نماز

آج کل ایک لیڈر ہیں جو پہلے تو بے نمازی ہی تھے مگر اب چند روز سے وہ نمازی ہو گئے ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ ایک مرتبہ اسٹیشن پر اتر کر موٹر میں سوار ہوئے۔ نماز کا وقت تھا تو موٹر ہی میں بیٹھے بیٹھے آپ نے نماز شروع کر دی۔

انہیں لیڈر کا ایک قصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ نماز کا وقت آیا۔ پانی موجود نہ تھا تیمّم کی ضرورت ہوئی۔ آپ کو تیمّم کا طریقہ تو معلوم نہ تھا اور کسی سے اس لئے نہیں پوچھا کہ لیڈر اور مقتدا ہو کر کسی سے پوچھنا عیب کی بات ہے۔ لوگ کہیں گے کہ یہ اچھا لیڈر ہے جسے تیمّم کا قاعدہ بھی معلوم نہیں۔ غرض خود ہی تیمّم شروع کر دیا۔ سب سے پہلی حرکت تو آپ نے یہ کی کہ مٹی لے کر ہاتھ کو ملی جس طرح پانی کو ملا کرتے ہیں۔ حالانکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ مٹی پر ہاتھ مار کر مٹی کو جھاڑ کر پھر ملنا چاہیے۔ شریعت نے بدن کو بھبوت ملنے سے منع کیا ہے کیونکہ

یہ مثلہ ہے جس سے انسان کی صورت بگڑ جاتی ہے۔ سبحان اللہ! کس قدر رعایت ہے کہ تمہاری صورت بھی بگاڑنا نہیں چاہتے۔ توان لیڈر صاحب نے اول تو مٹی کو پانی کی طرح ہاتھ پر بہایا۔ پھر منہ میں بھی مٹی دی گویا آپ نے مٹی سے کلی کرنا چاہی۔ اس پر سب لوگ ہنس پڑے اور سب کو ان کی جہالت معلوم ہوگئی۔ اس سے تو یہی اچھا ہوتا کہ وہ پہلے سے چپکے سے ایک آدمی سے پوچھ لیتے کہ تیمّم کا طریقہ کیا ہے۔ اگر جہالت ظاہر ہوتی تو ایک آدمی پر ظاہر ہوتی یا دوسروں کے تیمّم کو دیکھ لیتے۔ مگر آپ نے اجتہاد سے کام لیا جس سے سب کو معلوم ہو گیا کہ بالکل ہی جاہل ہے۔ اس پر بھی وہ مسلمانوں کے پیشوا اور لیڈر بنے ہوئے ہیں۔ (تعیم التعلیم ج۲)

امارت وسیادت

حکومت وہ چیز ہے کہ حضرات سلف تو اس سے بھاگتے تھے، ماریں کھاتے تھے اور قبول نہ کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے آپ مقلد کہلاتے ہیں اسی پر شہید کئے گئے۔ خلیفہ وقت نے ان کو کئی دفعہ عہدہ قضا پر مامور کیا مگر انکار کر دیا کیونکہ ان کو یہ حدیث یاد تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

من جعل قاضيا فقد ذبح بغير سكين. (المسند الامام احمد ۲:۳۶۵، شرح السنة للبغوی ۱۰:۹۲)

یعنی جو شخص قاضی بنا دیا گیا وہ بدوں چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ اس لئے امام صاحب عذر کرتے تھے۔ آخر اسی بات پر امام صاحب قید کئے گئے اور قید خانہ ہی میں زہر دے کر شہید کیے گئے۔ یہ سب کچھ گوارہ تھا مگر حکومت منظور نہ تھی۔

صاحبو! سلف کی یہ حالت تھی کہ جب خلفاء کسی عالم کو قاضی بنانا چاہتے اور وہ قضا کی مذمت اور وعید میں ان کو احادیث سناتے تو سلاطین ان کی خوشامد کرتے تھے کہ اچھا ہم تم کو چھوڑے دیتے ہیں مگر للہ یہ باتیں دوسروں سے نہ کہنا ورنہ سب لوگ قضاء کو چھوڑ دیں گے۔

لیکن یہ وعیدیں اسی حاکم کے لئے ہیں جو حکومت کے حقوق ادا نہ کرے اور جو عدل وانصاف کا اہتمام کر کے اس کے حقوق ادا کرے تو اس کے لئے قیامت میں عرش کا سایہ بھی ہے۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج۴)

احساس ذمہ داری

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ دو پہر کو سخت گرمی میں سر پر چادر ڈالے ہوئے ایک اونٹ کی تلاش میں جا رہے تھے۔ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بالا خانے پر بیٹھے تھے۔ دور سے دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ شاید امیر المؤمنین جا رہے ہیں۔ جب قریب آئے تو پکارا اے امیر المؤمنین! آپ اس دھوپ اور لُو میں کہاں جا رہے ہیں۔ فرمایا: بیت المال کا ایک اونٹ گم ہو گیا ہے اس کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ عرض کیا کہ تھوڑی دیر کے بعد بھی تلاش ممکن تھی اس دھوپ میں کیوں تکلیف کی۔ فرمایا: جہنم کی آگ اس سے بھی سخت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اچھا میں اپنے غلام کو بھیج دیتا ہوں آپ یہاں آرام کیجئے۔ فرمایا کہ قیامت میں تم سے یا تمہارے غلام سے باز پرس نہ ہوگی۔ بیت المال کے متعلق باز پرس تو مجھی سے ہوگی اس لئے میں اپنی رہائی کی فکر میں خود ہی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ فرما کر تشریف لے گئے اور دو پہر کی دھوپ ہی میں اس کو تلاش کیا۔

عرب کی گرمی اور دھوپ مشہور ہے۔ اندازہ کر لیجئے کیسی سخت دھوپ ہو گی مگر امیر المؤمنین اس وقت خود تلاش کے واسطے نکلے، دوسروں پر بھی بھروسہ نہ کیا تو حضرت جن کو حکومت میں جہنم سے بچنے کا خیال ہے وہ ایسی ایسی تکالیف برداشت کر کے حکومت کرتے ہیں۔ آپ نے اس کو منہ کا نوالہ سمجھا ہے اور باوجودیکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عدل و انصاف و جفاکشی کی یہ حالت تھی کہ دنیا میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے اور خود حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فخر تھا کہ میں نے ایسے شخص کو اپنا خلیفہ بنایا ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ چنانچہ جب حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنا خلیفہ بنایا تو ایک شخص نے کہا اے ابوبکرؓ! تم نے مسلمانوں پر ایک سخت مزاج شخص کو خلیفہ بنا دیا، خدا کو اس کا کیا جواب دو گے تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فخر کے ساتھ فرمایا کہ تو مجھے کیا ڈراتا ہے اگر مجھ سے سوال ہوا تو میں حق تعالیٰ سے عرض کروں گا کہ میں نے ایسے شخص کو خلیفہ بنایا تھا کہ روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی نہ تھا۔

صاحبو! خدا کے یہاں ایسی ویسی بات نہیں چل سکتی، خدائے تعالیٰ کے سامنے پکی ہو ہی بات کوئی کہہ سکتا ہے، پس حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی وثوق تھا جو وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق حق تعالیٰ کے سامنے شہادت دینے کو تیار تھے مگر اس پر

بھی کسی صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصال سے دس یا پندرہ سال بعد خواب میں دیکھا کہ پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے آ رہے ہیں، پوچھا: اے امیر المؤمنین! آپ کا کیا حال ہے فرمایا: عمرؓ قریب بہلاکت ہو گیا تھا، مرنے کے بعد سے جو حساب شروع ہوا ہے تو آج حساب سے فراغت ہوئی ہے۔ الحمد للہ کہ خدا تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔

تو حضرت حکومت کوئی مزہ کی چیز نہیں ہے جس کو جتنی بھی حکومت حاصل ہے اسی قدر اس کے ذمہ حقوق ہیں جن کا ادا کرنا اس کے ذمہ لازم ہے۔ پس حکام پر لازم ہے کہ جو شخص ان سے ملنے آئے اس کو جائے امن تک پہنچائیں تا کہ عملہ والے اس کو پریشان نہ کریں یہ تو جان و مال کے حقوق تھے۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

دین میں قطع و برید

ابھی ایام تحریکات میں ایک بڑا ہندو جیل خانہ میں گیا تھا پھر اخباروں میں مشہور ہوا کہ وہ جیل خانہ سے جہل خانہ میں بھی پہنچ گیا یعنی وہ قرآن کا مطالعہ کر رہا ہے گویا وہ بھی قرآن سمجھنے کے قابل اور استنباط احکام کا اہل ہو گیا اور صاحب ایک ہندو کا عالم ہو جانا کیا تعجب ہے جب کہ اس کے لئے نبوت تک کی تجویزیں ہو رہی تھیں تو مولویت کا درجہ تو کم ہی ہے چنانچہ ایک ایسے شخص کا مقولہ اخبار میں شائع ہوا تھا جو دوسرے لیڈروں کی طرح آزاد بھی نہیں بلکہ تہجد گزار پابند صوم و صلوٰۃ ہیں جن کی داڑھی بہت لمبی ہے اور پائجامہ بھی بہت اونچا رہتا ہے ان کا اس ہندو کے متعلق یہ مقولہ ہے کہ اگر نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی تو یہ شخص مستحق نبوت ہوتا اللہ خیر کرے اگر یہی ترقی ہے تو شاید کل یہ کہیں گے کہ اگر یہ بشر نہ ہوتا تو مستحق خدائی ہوتا۔ نعوذ باللہ! کیونکہ دونوں میں کچھ بھی فرق نہیں نہ یہاں استلزام ہے نہ وہاں اگر محض قضیہ شرطیہ کے ساتھ کافر کو باوجود مانع کفر کے مستحق نبوت کہنا کفر نہیں تو پھر کفر نہ ہونا چاہئے افسوس کیا انتہا ہے اس اندھیر کا گویا نبوت کے لئے ایمان کی بھی شرط نہیں رہی تقویٰ اور ورع تو الگ رہا۔ (المورد الفرخی فی المولد البرزخی ج ۵)

مقام ادب اور تعمیل حکم

دارا شکوہ اور عالمگیر میں اختلاف تھا اور ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ تخت و تاج میرے قبضہ میں ہو

اور اس کی مختلف تدابیر میں مصروف رہتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ داراشکوہ کو ایک صاحب حال درویش کا پتہ لگا۔ اس کی خدمت میں جا کر مؤدب کھڑا ہو گیا اس نے اپنی جگہ چھوڑ کر وہاں بیٹھنے کو کہا داراشکوہ نے ادب کے سبب عذر کر دیا کیونکہ یہ درویشیوں کے بے حد معتقد تھے خیر وہ اپنی جگہ بیٹھ گئے پھر داراشکوہ نے تخت کے واسطے کہا درویش صاحب نے فرمایا میں تو تخت پر بٹھلاتا تھا مگر تو نے انکار ہی کر دیا بہت افسوس ہوا اور اس نے کسی سے نہیں کہا کہیں عالمگیر کو خبر نہ ہو جائے۔

پھر ان صاحب حال کا عالمگیر کو پتہ چلا داراشکوہ تو جاہل تھے اور عالمگیر عالم تھے گو داراشکوہ کتابی علم رکھتا تھا مگر اس کی حقیقت صرف زبان دانی ہے زبان دانی دوسری چیز ہے اور علم دوسری چیز زبان دان تو سب سے زیادہ عرب میں ابوجہل تھا (ابن جہل بھی نہیں) غرض جب عالمگیر ان کے پاس پہنچے تو وہ تعظیم کو کھڑے ہو گئے اور اپنی جگہ چھوڑ کر وہاں سے بھی بیٹھنے کو کہا یہ بے تکلف جا کر بیٹھ گئے اور کہا کہ تخت و تاج دلوایئے فرمایا تخت پر تو تم بیٹھے ہی ہو اور تاج میرے قبضہ میں نہیں ہے پوچھا وہ کس کے متعلق ہے کہا وہ تمہارے فلاں خدمت گار کے قبضہ میں ہے وہ اگر تمہارے سر پر ٹوپی یا عمامہ رکھ دے تو بس تاج مل گیا دیکھئے ایک خدمتگار کو تاج بخشی کی طاقت حاصل تھی۔

مبیں حقیر گدایان عشق را کیں قوم — شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند
گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں — کہ ناز بر فلک و حکم برستارہ کم
خاکساران جہاں را بحقارت منگر — تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

گدایان عشق کو حقیر نہ سمجھو کہ یہ لوگ بے تاج و تخت اور پٹکے کے بادشاہ ہیں۔ میں عشق و معرفت کے کوچہ کا گدا ہوں لیکن مستی کے وقت دیکھو کہ فلک پر ناز اور ستارہ پر حکم کرتا ہوں۔ خاکسار لوگوں کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو کہ ان میں کوئی اہل دل صاحب حال ہو۔

انہوں نے اس خدمت گار کا نام وغیرہ پورا پتہ بتا دیا۔ پھر مکان پر واپس آ کر اس خدمت گار کو بلایا اسی آن بان سے اور اسی صولت و شکوت سے جب وہ آیا کہا وضو کے واسطے پانی لاؤ زبردستی وضو کرنا شروع کر دیا نہ وقت تھا نہ ضرورت تھی عمامہ اتار کر علیحدہ کر دیا پھر تولیہ منگایا اس کے بعد کہا ہمارے سر پر یہ عمامہ رکھ دو اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا میری کیا مجال عمامہ کو ہاتھ لگاؤں اس نے ڈانٹ پلائی کہ نہیں جو ہم حکم دیتے ہیں کرنا پڑے گا۔

جناب زبردستی اس سے تاج لے لیا اور بیچارہ عمامہ رکھ کر اس فقیر کو کوستا ہوا چلا گیا کہ خدا اس فقیر کا ناس کرے جس نے مجھے رسوا کیا۔ یہ مضمون استطراداً اس شعر کی تفسیر پر آ گیا تھا۔
بجائے بزرگاں بناید نشست۔ (الاعتصام بحبل اللہ ج ٦)

قرآن اور جمہوری نظام

قرآن شریف میں مشورہ کی تاکید ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ کرنا وہی جو اپنی سمجھ میں آ جاوے۔ حضرت قرآن شریف میں سب کچھ ہے اس کی شان ہے تبیانا لکل شیء کوئی ضروری بات ایسی نہیں ہے جو اسکے اندر نہ ہو۔ چنانچہ قرآن شریف میں مشورہ کا بھی امر ہے وشاورھم فی الامر کہ آپ مشورہ کیجئے اور آگے یہ بھی ہے فاذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ یعنی جب خود آپ کا قصد ہو جائے تو آپ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس کام کو کر ڈالئے یہ نہیں فرمایا فاذا عزموا کہ وہ جب عزم کریں یا فاذا عزم اکثر بہ کہ ان میں سے اکثر عزم کریں۔ مطلب یہ ہے کہ مشورہ تو ان سے کیجئے اور عزم اپنا ہو کہ مشورہ کے بعد جس بات پر آپ کی رائے قرار پائے وہ کیجئے۔

یہاں سے سلطنت جمہوری کا قلع قمع ہوتا ہے جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جدھر کثرت رائے ہو اس جانب کو لیا جاوے سو قرآن شریف کی تعلیم اس کے خلاف ہے ورنہ یوں ہوتا فاذا عزم اکثرھم مگر یہ نہیں فرمایا بلکہ فاذا عزمت فرمایا کہ جب آپ کا عزم ہو تب کیجئے۔

خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ مشورہ تو سب کا ہو اور عزم آپ کا ہو مشورہ کے بعد جو آپ کی رائے ہو وہ کیجئے دوسروں کی رائے پر عمل کرنا آپ کو لازم نہیں ہے۔ اگرچہ وہ اہل ہی ہوں اور آج کل کے تو اہل الرائے ماشاء اللہ اہل بھی نہیں ہوتے۔ (احکام المال ج ٨)

حکومت ذمہ داری ہے

حدیث میں آیا ہے کہ جو حکومت کی درخواست کرے ہم اس کو کبھی حکومت نہ دیں گے راز اس میں یہ ہے کہ حکومت بڑی ذمہ داری کی چیز ہے اور بڑا بوجھ اٹھانا ہے اگر دس پر حاکم ہے تو دس کا بوجھ اٹھانا اور پچاس پر حاکم ہے تو پچاس کا بوجھ اٹھانا اور ایک پر حاکم ہے تو ایک کا بوجھ اٹھانا اور یہ بوجھ اٹھانا اور ان کی راحت کی فکر کرنا نہایت دشوار کام ہے جیسا تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مقام پر پہنچے آپ کو ایک خیمہ جنگل میں نظر آیا آپ اس خیمہ کے باہر کھڑے ہو گئے دیکھا کہ اس میں بچوں کے رونے کی آواز آ رہی ہے اور گو یہ تجسس تھا مگر امام وقت کو تفتیش اور تجسس جائز ہے دوسرے کو جائز نہیں۔ غرض آپ کو معلوم ہوا کہ ایک خاندان باہر سے آ کر ٹھہرا ہے ان کے بچے بھوک سے چلا رہے ہیں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ بی بی نے ایک خالی دیگچی چڑھا رکھی ہے اور بچوں سے کہہ رہی ہے کہ سو جاؤ کچھ دیر میں کھانا پکا کر تمہیں اٹھا لیں گے۔

اس حالت کو دیکھ کر آپ بے حد دل گیر ہوئے پھر ان کے سامنے کھڑے ہو گئے وہاں کوئی فیشن تو تھا نہیں جس سے شناخت ہوتی معمولی وضع سے جو کھڑے ہوئے تو کسی کو معلوم بھی نہ ہوا کہ کون ہیں۔ آپ نے ان سے خود فرمایا کہ عمر کے پاس جا کر اپنے حال کی اطلاع کرو۔ وہ تمہیں کھانے پینے کا سامان دیں گے تو وہ عورت کہتی ہے سبحان اللہ! یہ ہمارے ذمہ ہے یا ان کے ذمہ ہے کہ وہ خود ہماری خبر رکھیں۔ انہوں نے خلافت کیوں اختیار کی ہے جب ان سے انتظام نہیں ہو سکتا آپ نے کہا کہ عمر غیب دان نہیں ہے ایک شخص تمام باتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا اس عورت نے کہا کہ پھر کیوں خلافت کا منصب اختیار کیا ہے چھوڑ دیا ہوتا۔ بس یہ سن کر آپ واپس ہوئے اور رات ہی کو بیت المال کا قفل کھولا اور کچھ آٹا اور جنس اپنے ساتھ لیا غلام نے کہا کہ یہ سامان میرے حوالے کیجئے میں لے چلوں گا تو آپ فرماتے ہیں۔

لاتزر وازرۃ وزر اخری فرمایا یہاں کا بوجھ اٹھانا سہل ہے آخرت کا بوجھ اٹھانے سے۔

آپ لے کر وہیں پہنچے اور ان سے کہا کہ اس کو کھاؤ پیو۔

میں نے ایک تاریخ میں دیکھا ہے کہ اسی طرح آپ شب کے وقت ایک بار گشت کرتے پھر رہے تھے ایک خیمہ دیکھا اور اس میں سے دردناک آواز سنی تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ ایک عورت کے درد زہ ہو رہا ہے۔ آپ نے کہا کہ تم نے کسی دایہ کو نہیں بلایا وہ لوگ بولے ہم پردیسی ہیں ہمارے پاس کون ہے بلانے والا بس آپ فوراً اپنے گھر گئے اور اپنی بیوی کو وہاں لائے اور ان سے کہہ دیا کہ یہ ظاہر نہ کرنا کہ میں خلیفہ کی بیوی ہوں اس کے جتلانے کی ضرورت نہیں غرض یہ کہ بچہ پیدا ہوا اور ان کے منہ سے بے اختیار یہ کلمہ نکل گیا۔

ابشر یا امیر المومنین بشارت ہو آپ کو یا امیر المومنین!

اس سے ان لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہ امیر المومنین ہیں خیال تو فرمائیے کہ یہ خلیفہ کی بیگم ہیں۔ (احکام الجاہ ج ۸)

حصول اقتدار کیلئے سعی

اگر کسی زمانہ میں کسی شخص کو اپنی نسبت یہ معلوم ہو کہ میں اپنے بھائیوں کو راحت پہنچا سکتا ہوں اور مخلوق اگر کسی دوسرے کے قبضہ میں پہنچے گی تو راحت نہیں مل سکتی اور اس کو بھروسہ ہو کہ میں آرام پہنچا سکتا ہوں اور شریعت کے موافق حکومت وانتظام کر سکتا ہوں اور اس کو مال وجاہ کی بالکل پرواہ نہ ہو تو ایسے شخص کو اب بھی حکومت کی درخواست کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے۔ اور ہمارے نزدیک عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی سلطنت کے لئے سعی کرنا بھی اسی وجہ سے تھا یا یہ صورت ہو کہ کوئی حاکم نہ ہو تو غیر قوم سے ہو جائے گا اور اس صورت میں مسلمانوں کی بری گت بنائی جائے گی تو درخواست کرنا حکومت کی اس صورت میں بھی جائز ہے مگر اس میں بھی دو شرطیں ہیں۔

ایک یہ کہ مال مقصود نہ ہو۔ دوسرے جاہ مقصود نہ ہو۔

حکومت میں بڑی مشقت اور دلسوزی کرنی پڑتی ہے یہ آسان کام نہیں ہے۔ حاکم اگر قصد کرے مخلوق کی نفع رسانی کا تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے تمام کاموں میں مدد ہوتی ہے مگر دلسوزی کی ضرورت ہے میں تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں مشائخ کو بھی اطباء کو بھی عہدہ داروں کو بھی کہ دوسروں کو وہی شخص راحت پہنچا سکتا ہے جو اپنے اوپر تکلیف اٹھائے اور جو شخص خود آرام کا طالب ہوگا وہ شخص دوسروں کو آرام نہیں پہنچا سکتا۔ (احکام الجاہ ج ۸)

میرے ذوق میں اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو سلطنت دی گئی تھی تو اس کے ساتھ ان کی یہ خاص تسلی بھی حقوق ادا ہو سکنے یا نہ ہو سکنے کی کر دی گئی تھی ارشاد ہے۔ **هٰذا عطاؤنا فامنن او امسک بغیر حساب** کہ یہ ہماری عطا ہے خواہ کسی پر احسان کر و یا جمع کرو۔ یعنی عطاؤ امساک بالکل تمہارے اختیار میں ہے آپ پر کسی قسم کی پابندی نہیں تم سے اس کا کوئی حساب نہ ہوگا اس تسلی کے بعد ان کو سلطنت سے گرانی نہیں ہوئی ورنہ گھبرا جاتے اور ایک دن بھی بادشاہت نہ کر سکتے۔

اس آیت پر ایک بات یاد آ گئی کہ آج کل تعلیم جدید والے ترقی دنیا پر اس سے دلیل

پکڑتے ہیں اور کہتے ہیں کیا سلیمان علیہ السلام بادشاہ نہ تھے معلوم ہوا ترقی دنیوی محمود ہے اول تو ان لوگوں کو تمام انبیاء علیہم السلام میں دلیل پکڑنے کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام ہی ملے ہیں میں کہتا ہوں کیا اور انبیاء علیہم السلام دنیا میں نہیں ہوئے ان کے حالات بھی لینے چاہیں دیکھ لیجئے کہ ان میں سے اکثر کی بلکہ قریب قریب کل انبیاء علیہم السلام کی کیا حالت تھی سب کی حالت قریب قریب فقر کی رہی ہے دوسرے خود یہ استدلال بھی صحیح نہیں کیونکہ حکمت الٰہیہ سے ہر زمانہ کا ایک خاص مقتضا ہوتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں بڑے بڑے جبار اور متکبر بادشاہ تھے اس وقت کا مقتضا یہی تھا کہ نبی کو بطور معجزہ ایسی سلطنت دی جاوے جس کا سب لوہا مان لیں اسی واسطے جانوروں اور ہوا تک پر ان کو حکومت دی گئی کہ تمام بادشاہ پست ہو گئے پس سلطنت ان کا معجزہ تھا یہ راز تھا ان کی سلطنت میں ترقی دنیا مطلوب نہ تھی چنانچہ اس حالت میں بھی حسب نقل عارف رومی

زار سلیماں خویش را مسکیں بخواند

یعنی آپ اپنے کو مسکین ہی کہا کرتے تھے اور اپنی ذات کے لئے بادشاہی سامان سے کام نہ لیتے تھے بلکہ حسب نقل بہشتی زیور اپنی دستکاری زنبیل سازی کے پیسوں سے کھاتے پیتے تھے اور بادشاہ سے گھبراتے تھے کہ مبادا حقوق کی ادائیگی میں کمی رہ جائے اس لئے آپ کے بارے میں ارشاد ہوا۔

فامنن او امسک بغیر حساب پس خواہ کسی پر احسان کرو یا بے اندازہ جمع کرو۔ کہ ہم ان حقوق کے متعلق آپ سے حساب نہ لیں گے آپ نہ گھبرائیے۔ (خیر المال للرجال ج ۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے من جانب اللہ حق پوچھا گیا کہ اگر آپ کہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے احد پہاڑ کو سونا کر دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہا کریں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ مجھ کو تو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت ہو تو کھا کر آپ کا شکر بجالاؤں۔ اور جب نہ ہو تو آپ سے مانگوں۔ غریب متروک الدنیا ہوتا ہے۔ آپ تارک الدنیا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں سلطنت تھی۔ آپ کو سلطنت کے اختیارات تھے۔ سو اس کو غریب نہیں کہتے۔ (وعظ الحیوۃ ج ۸)

لوگ یا تو اپنا علاج خود تجویز کریں یا شیخ تجویز کرے۔ دو ہی صورتیں ہیں۔ مگر شیخ کی

تجویز کرنے میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ شیخ طبیب ہے علاج کو خوب سمجھتا ہے اس لئے اس کا علاج تجویز کیا ہوا اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔ دوسرے اپنے ہاتھ سے اپنے نفس پر چھری چلانا مشکل ہے نشتر لگانا مشکل ہے جیسے محسود کے خود پاؤں دبانا مشکل ہے اور جب شیخ نے کہا کہ پاؤں دباؤ تو اب آسان ہو جاوے گا شیخ کے کہنے کے بعد اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر طبع سلیم ہو تو خود بھی علاج سمجھ سکتا ہے مگر پھر بھی شیخ کی تجویز میں جو برکت ہے وہ کہاں سے لائے گا۔

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

''جو شخص بھی چہرہ کو برافروختہ کرے لازم نہیں کہ وہ دلبری بھی جانتا ہو جیسے جو شخص بھی آئینہ بناتا ہو لازم نہیں کہ سکندری بھی جانتا ہو''۔ (ایضاً)

باہمی جھگڑے

پہلی تحریکات میں ہمارے ہی بھائیوں نے بعض مسلمانوں کی طرف سے ایسے جھوٹے الزامات عائد کئے ہیں کہ کوئی مسلمان ان کا مصداق ہرگز نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً وہ مسلمان جس کی حالت کا عرصہ دراز تک تجربہ بھی کر لیا گیا ہو پھر ان باتوں کا انجام فساد ذات البین ہوا کہ دوستوں اور بھائیوں کی عداوت اور بغض پیدا ہو گیا اور فساد ذات البین وہ بلا ہے جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم و فساد ذات البین فانھما ھی الحالقة لا اقول تحلق الشعر بل تحلق الدین.

یعنی مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطاب فرماتے ہیں کہ فساد ذات البین کو اپنے سے دور رکھو کیونکہ یہ مونڈنے والی چیز ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بالوں کو مونڈتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔ یاد رکھو مصائب میں حدود شرع سے تجاوز کرنا اعلیٰ درجہ کی بے صبری ہے صابر وہی ہے جو ایسے مواقع میں شریعت پر جما رہے اور کوئی کام خلاف مرضی حق نہ کرے ایسے ہی صابرین کے لئے بشارت ہے اور انہی لوگوں کی فضیلت احادیث و قرآن میں بیان کی گئی ہے۔ (حقیقت الصبر ج ۹)

کثرت رائے کی حقیقت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نقشہ جنگ کا اس طرح انتظام فرمایا کہ اس گھاٹی پر ایک

دستہ فوج مقرر فرمادیا کہ اس طرف سے کفار نہ آسکیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو کفار پر حملہ کا حکم دیا تو تھوڑی ہی دیر میں کفار کو شکست ہوئی (اور ان کا جھنڈا زمین پر گر پڑا۔ سات دفعہ اس کو اٹھایا گیا۔ مگر ہر دفعہ سرنگوں ہوا اور کفار بری طرح بھاگے) اب اس دستہ فوج میں جو گھاٹی پر متعین تھا، اختلاف ہوا۔ اکثر کی رائے یہ ہوئی کہ اب ہم کو یہاں رہنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے بھائیوں کو پورا غلبہ حاصل ہو چکا ہے اور وہ کفار کے تعاقب میں جا رہے ہیں۔ ہم کو بھی اب جہاد و غنیمت میں حصہ لینا چاہئے۔ ان کے افسر نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہاں سے بدوں اجازت کے ہٹنے سے منع فرمادیا ہے تم کو یہاں سے نہ ہٹنا چاہئے۔ مگر بجز دس پانچ آدمیوں کے کسی نے افسر کی رائے نہ مانی۔ اور زیادہ تعداد وہاں سے ہٹ کر قتال و غنیمت میں مشغول ہوگئی۔ یہاں سے آپ کو کثرت رائے کی حقیقت واضح ہو کہ کثرت رائے کا ہمیشہ حق پر ہونا ضروری نہیں۔ (السمر بالصرج ۹)

حاکم کی اطاعت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مجذوم عورت کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا "یا امۃ اللہ اقعدی فی بیتک ولا تؤذی الناس" یعنی اے خدا کی بندی اپنے گھر بیٹھ اور لوگوں کو تکلیف مت دے وہ طوعاً کرہاً چلی گئی۔ چند سال کے بعد دیکھا گیا کہ پھر آ رہی ہے' یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا مگر اس کو خبر نہ تھی ایک شخص نے اس سے کہا "بشری فقد مات ذاک الرجل" یعنی اب دل کھول کر طواف کرلے کیونکہ عمر (جنہوں نے منع کیا تھا) وفات پا چکے ہیں اس نے بہت تاسف کیا اور انا للہ پڑھا اور کہا میں اب آئندہ طواف نہ کروں گی۔ اگر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندہ ہوتے تو طواف کرتی میں ان کو مردہ سمجھ کر نہیں آئی تھی بلکہ زندہ سمجھ کر آئی تھی' طواف کے شوق نے مجھے مجبور کیا اور میں نے جی میں کہا کہ طواف کروں گی' بہت سے بہت یہ سزا ہو جاوے گی۔ عمرؓ ایسا شخص نہ تھا کہ زندگی میں تو اس کا حکم مانا جاوے اور مرنے کے بعد نہ مانا جاوے' یہ کہہ کر چلی گئی۔ یہ تھی اطاعت حاکم کی اور یہ تھا مسلمانوں کا باہم ارتباط اور تعلق جس کی نظیر ملنا مشکل ہے حتیٰ کہ ایسے ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ بعض لشکروں کے امیر نے حکم دیا کہ سپاہی آگ میں کود پڑے اور وہ کودنے کے لیے تیار ہوئے (یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کا ہے) اس لشکر میں فقہاء صحابہ بھی

تھے۔انہوں نے ان کودنے والوں کو پکڑا اس قاعدہ کے موافق "لاطاعة للمخلوق فی معصیة الخالق" (اللہ تعالیٰ کی معصیت میں مخلوق کی طاعت منہی ہے) اور مجمع مرکب از مجاذیب وسالکین تھا پھر یہ مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سالکین مانعین کی تصویب فرمائی غرض وہ بی بی واپس چلی گئی۔(اوج قنوج ج۱۱)

مذہب اور سیاست

مذہب میں بھی سیاسیات کا بہت بڑا حصہ ہے مگر وہ سب مذہب کے تابع ہے اور وہ سیاسیات خالص مذہبی سیاسیات ہیں ان میں غیر مذہب کا دخل ہرگز نہیں ہوسکتا اگر ان حضرات کے نزدیک پہلی تحریکات مذہبی سیاسیات میں داخل تھیں تو ان کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ تحریک انسداد ارتداد خالص مذہبی تحریک ہے اس میں سب کو شریک ہونا چاہیے۔اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی تحریک خالص مذہبی نہ تھیں تو پھر وہ مذہبی سیاسیات میں بھی داخل نہ تھیں۔(محاسن الاسلام ج۱۲)

مشروعیت جہاد کی علت

جہاد حفاظت اسلام کے لئے مشروع ہوا ہے نہ کہ اشاعت اسلام کیلئے۔اوران دونوں میں بڑا فرق ہے۔لوگ اس فرق کے نہ سمجھنے کی وجہ سے غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔جہاد کی مثال آپریشن جیسی ہے کیونکہ مادے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک متعدی ایک غیر متعدی۔جو مادہ غیر متعدی ہوتا ہے اس کو تو محلات اورام کے ذریعہ سے دبا دیا جاتا ہے۔کوئی مرہم لگا دیا۔مالش کردی جس سے وہ دب گیا اور متعدی مادہ کے لئے اپریشن کیا جاتا ہے۔اس کو چیر کر نکال دیا جاتا ہے۔اسی طرح دشمنان اسلام دو طرح کے ہیں بعض تو وہ جن سے صلح کرلینی مناسب ہوتی ہے۔وہ صلح کرکے مسلمانوں کو ستانا چھوڑ دیتے ہیں۔ان سے تو صلح ومصالحت کرلی جاتی ہے۔بعض ایسے موذی ومفسد ہوتے ہیں کہ صلح پر آمادہ نہیں ہوتے۔یہ مادہ متعدیہ ہے۔ان کے واسطے آپریشن کی ضرورت ہے اسی کا نام جہاد ہے۔پس جہاد سے لوگوں کو مسلمان بنانا مقصود نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی حفاظت مقصود ہے۔(ایضاً)

موجودہ سیاست

محکمہ تعلیم اور محکمہ مال تمام کاموں کی جڑ ہے۔اگر محکمہ تعلیم نہ رہا تو آئندہ کام

کرنے والے کیوں کر پیدا ہوں گے اور محکمہ مال نہ رہا تو چندہ کون دے گا۔ پس یہ کیسی حماقت تھی ان لوگوں کی جو مدرسوں اور خانقاہوں کو ایک ذرا سے کام کے واسطے بند کرنا چاہتے اور سب مسلمانوں کو اسی میں لگانا چاہتے تھے۔ افسوس یہ لوگ اپنے کو سیاست دان سمجھتے ہیں مگر واللہ ان کو سیاست کی ہوا بھی نہیں لگی۔

صاحبو! سیاست کو بھی وہی لوگ زیادہ جانتے ہیں جن کو تم دنیا سے بے خبر اور تاریک خیال کہتے ہو۔ کیونکہ وہ شریعت کو تم سے زیادہ جانتے ہیں اور شریعت نے سیاست کے اصول سب سے بہتر بتلائے ہیں۔ پس تبلیغ میں بھی یہ صورت نہ ہونا چاہیے۔ کہ علماء سب کے سب آگرہ ہی میں جا گریں۔ بلکہ اصول سے کام کرنا چاہیے۔ میں نے بتلا دیا ہے کہ تبلیغ کے مختلف شعبے ہیں۔ خطاب عام وخطاب خاص اور خطاب بالمنصوص اور خطاب بغیر المنصوص بس خطاب عام اور خطاب بغیر المنصوص تو علماء ہی کریں اور خطاب بالمنصوص کے ساتھ ہر مسلمان تبلیغ کا کام کرسکتا ہے اور اسی لئے تبلیغ کا امر سب کو دیا گیا ہے۔ (التواصی بالحق ج ۱۳)

تعلیم اعتدال

حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ جب تم کسی کو ایسی حالت میں دیکھو۔ کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہو کہ بہت کام کرتا ہے۔ اس کو شمار میں نہ لاؤ اور جس کو اعتدال سے کام کرتا ہوا دیکھو۔ فار جوہ اس سے امید رکھو۔ کہ ان شاء اللہ یہ کامیاب ہوگا۔

شریعت کی تعلیم تو یہ ہے۔ مگر آج کل کچھ مذاق ایسا بدلا ہے۔ کہ اظہار واشتہار وٹیپ ٹاپ کے بغیر کام کرنا ہی نہیں جانتے۔ یاد رکھو جوش سے کام نہیں چلتا۔ بلکہ ہوش سے کام چلتا ہے۔ پس جوش اور ہنگامہ کی ضرورت نہیں۔ ہوش سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کا وہی طریقہ ہے کہ جس سے جتنا ہو سکے بس اللہ کا نام لے کر شروع کردے۔ (ایضاً)

ہوس اقتدار

حکومت دنیوی کی نسبت حدیث میں ہے کہ جس کی دس آدمیوں پر بھی حکومت ہوگی، قیامت میں اس کو مشکیں کس کر لایا جاوے گا۔ اگرچہ اس کے بعد چھوٹ ہی جاوے آج اس

کی درخواست کی جاتی ہے اس کے لئے روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اور اگر کوئی کچھ کہتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ ہم میں اگر صاحب حکومت نہ ہوں گے تو قوم تباہ ہو جائے گی۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ حاکم ہوں۔ لیکن کون شخص ہو اس کا فیصلہ خود حدیث میں موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

اَلْقَضَاةُ ثلثَةٌ اِثْنَانِ فِي النَّارِ وَ وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ ط (سنن ابن ماجة:4196، الدر المنثور:26513)

(قاضیوں کی تین قسمیں ہیں ان میں دو قسمیں دوزخی ہیں صرف ایک قسم جنتی ہیں)

اور اس واحد کو عالم باعمل بتلایا ہے تو حکومت ضروری ہے مگر حکومت کے لئے متبحر عالم ہونا چاہئے ورنہ بدوں علم کے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور امتحان علم کا یہ ہے کہ ان کے سامنے جتنے واقعات و مقدمات پیش ہوں اُن میں اپنی رائے لکھیں اور اس کے بعد اہل علم سے ان کا حکم دریافت کریں پھر دونوں میں موازنہ کریں واللہ! زمین آسمان کا فرق نکلے گا۔

دوسری اس میں ایک اور شرط ہے کہ حکومت کی خود درخواست نہ کرے کیونکہ جو درخواست کرے گا وہ خودغرض ہوگا۔ اور نفسانیت سے کام کرے گا۔ اس کو لوگوں کی مصلحت پر ہرگز نظر نہ ہوگی بلکہ اپنی مصلحت پر ہرگز نظر ہوگی اور اس سے جتنی خرابیاں پیدا ہوں کم ہیں۔

حضرت عثمانؓ نے ابن عمرؓ سے قضا کا عہدہ قبول کرنے کے لئے کہا۔ انہوں نے انکار کردیا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اگر تم منظور نہیں کرتے تو اپنے انکار کی کسی کو خبر نہ کرنا کیونکہ ایسا نہ ہو کہ سب ہی انکار کردیں۔ (طریق القرب ج ۱۵)

سلطنت کی ضرورت

نظام عالم تابعیت و متبوعیت کو چاہتا ہے۔ اسی لئے متبوع کو تابع کی مساوات گوارا نہیں۔ اسی وجہ سے سلطنت کی ضرورت ہے تاکہ ایک تابع ہو ایک متبوع ہو سب کے سب آزاد نہ ہوں۔ بلکہ متبوع کے سامنے تابع کی آزادی سلب ہو جائے یہ حقیقت ہے سلطنت کی اگر سلطنت نہ ہو تو ہر شخص آزاد ہوگا اور آزادی مطلق انتظام کے لئے ہرگز کافی نہیں اور نہ کسی نے آج تک اس کو گوارا کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سلطنت کوئی چیز نہیں چنانچہ آج کل ایک فرقہ نکلا ہے جو سلطنت کا مخالف ہے مگر میں نہیں سمجھتا کہ بدون سلطنت کے انتظام اور نزاعات کا فیصلہ کیونکر ہوگا اگر کہو کہ کثرت رائے سے فیصلہ ہوگا تو میں کہتا ہوں کہ جن

کثیرین کی رائے پر فیصلہ ہو گا وہی سلطنت کے مصداق ہو گئے کیونکہ ان کے سامنے دوسروں کی آزادی سلب ہو گئی اور یہی حقیقت ہے سلطنت کی کہ بعض کی آزادی بعض کی رائے کے سامنے سلب ہو جائے کثرت رائے پر فیصلہ ہونے کے بعد بھی آزادی مطلق کہاں رہی۔اس فیصلہ کی پابندی سے بھی تو آزادی سلب ہو گی تو یہ لوگ جس چیز کو مٹاتے ہیں اخیر میں اس کو ثابت کرتے ہیں خدا تعالیٰ نے بھی آزادی مطلق کو گوارا نہیں کیا۔ بلکہ ایک کو تابع ایک کو متبوع بنایا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنے احکام نبی کے واسطہ سے بھیجے ہیں اور تمام مخلوق پر نبی کا اتباع فرض کیا ہے تا کہ مخلوق کو کسی ایک کا تابع کیا جائے ورنہ بہت سہل تھا کہ انبیاء کو نہ بھیجتے بلکہ آسمان سے چھپے ہوئے کاغذ ہر ایک کے پاس آ گرا کرتے اور ہر شخص اس کو پڑھ کر کام کرتا۔نہ نبی کا اتباع ضروری ہوتا نہ خلیفہ کا نہ علماء و مجتہدین کا۔

جو لوگ جمہوری سلطنت کے حامی ہیں اور حریت و مساوات کے مدعی ہیں وہ بھی آزادی کا عام ہونا گوارا نہیں کرتے۔ کیونکہ جمہوری سلطنت کے بعد بھی وہ کوئی قانون ہو گا جس کی پابندی عام رعایا پر لازم ہو گی تو اس قانون کے سامنے سب کی آزادی سلب ہو جائے گی۔ہم تو آزادی کا دعویٰ جب جانیں کہ کسی شخص کو بھی قانون کا پابند نہ کیا جائے بلکہ جس کے جو جی میں آئے کرنے دیا جائے کسی سے کچھ مزاحمت نہ کی جائے کیونکہ تم آزادی کے حامی ہو تو آزادی تو اسی کا نام ہے کہ کوئی کسی بات کا پابند نہ ہو۔ پھر تم لوگوں کو قانون کا پابند کیوں بناتے ہو اور ان کی آزادی کو قانون کا تابع کیوں بنایا کرتے ہو۔یا کم از کم یہی کرو کہ قانون بنانے میں ساری رعایا کی رائے لے لیا کرو قانون سازی کے لئے پارلیمنٹ کی مختصر جماعت کو کیوں خاص کر رکھا ہے اور تمام رعایا کو چند آدمیوں کی رائے کا تابع کیوں بنا رکھا ہے حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ جمہوری سلطنت کے حامی ہیں وہ بھی شخصیت ہی کے حامی ہیں مگر ہر شخص کبھی حقیقی ہوتا ہے کبھی حکمی۔فلسفہ کا مسئلہ ہے کہ مجموعہ بھی شخص واحد ہے مگر وہ واحد حکمی ہے حقیقی نہیں تو یہ لوگ جس پارلیمنٹ کے فیصلوں کا اتباع کرتے ہیں اس میں گو بظاہر بہت سے آدمی معلوم ہوتے ہیں مگر مجموعہ مل کر پھر شخص واحد ہے کیونکہ جو قانون پاس ہوتا ہے وہ سب کی رائے سے مل کر پاس ہوتا ہے پارلیمنٹ میں بھی ہر شخص آزاد نہیں کہ جو شخص جو رائے دیدے وہی قانون ہو جایا کرے اگر ایسا بھی ہوتا جب بھی کسی قدر آزادی کا دعویٰ صحیح ہوتا مگر وہاں تو پارلیمنٹ کے بھی ہر شخص کی انفرادی رائے معتبر نہیں بلکہ اجتماعی رائے معتبر

ہے اور اجتماعی رائے پھر شخصی رائے ہے کیونکہ مجموعہ مل کر واحد حکمی ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہم شخص واحد حقیقی کے حامی ہیں اور تم شخص واحد حکمی کے حامی ہو۔ جمہوریت کے حامی ہو تو تم بھی نہ رہے۔ جمہوریت اور آزادی کامل تو جب ہوتی جب ہر شخص اپنے فعل میں آزاد ہوتا کوئی کسی کا تابع نہ ہوتا نہ ایک بادشاہ کا نہ پارلیمنٹ کے دس ممبروں کا اور یہ کیا آزادی ہے کہ تم نے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کو پارلیمنٹ کے دس ممبروں کی رائے کا تابع بنادیا۔ ہم تو ایک ہی کا غلام بناتے تھے تم نے دس کا غلام بنادیا اب تمہیں فیصلہ کرلو کہ ایک کا غلام ہونا اچھا ہے یا دس بیس کا غلام ہونا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص پر ایک کی حکومت ہو وہ اس سے بہتر ہے جس پر دس بیس کی حکومت ہو۔ یہ حاصل ہے جمہوری سلطنت کا کہ رعایا کی غلامی سے تو اس کو بھی انکار نہیں مگر وہ یہ کہتی ہے کہ تم دس بیس کی غلامی کرو۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ صرف ایک کی غلامی کرو۔ (تقلیل الاختلاط مع الانام ج ۱۶)

اسلام اور جمہوریت

اسلام میں جمہوری سلطنت کوئی چیز نہیں۔ اسلام میں محض شخصی حکومت کی تعلیم ہے اور جن مفاسد کی وجہ سے جمہوری سلطنت قائم کی گئی ہے وہ سلطنت شخصی میں تو محتمل ہی ہیں اور جمہوری متیقن ہیں۔ شخصی سلطنت میں یہ خرابی بیان کی جاتی ہے کہ اس میں ایک شخص کی رائے پر سارا انتظام چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ جو چاہے کرے حالانکہ ممکن ہے کسی وقت اس کی رائے غلط ہو اس لئے ایک شخص کی رائے پر سارا انتظام نہ چھوڑنا چاہیے۔ بلکہ ایک جماعت کی رائے سے کام ہونا چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ جس طرح شخصی سلطنت کے بادشاہ کی رائے میں کبھی غلطی کا احتمال ہے اسی طرح جماعت کی رائے میں بھی غلطی کا احتمال ہے کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ ایک شخص کی رائے ہمیشہ غلط ہوا کرے اور دس کی رائے ہمیشہ صحیح ہوا کرے بلکہ ایسا بھی بکثرت ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کا ذہن وہاں پہنچتا ہے جہاں ہزاروں آدمیوں کا ذہن نہیں پہنچتا۔ ایجادات عالم میں رات دن اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کیونکہ جتنی ایجادات ہیں وہ اکثر ایک ایک شخص کی عقل کا نتیجہ ہیں۔ کسی نے کچھ سمجھا کسی نے کچھ سمجھا۔ ایک نے تار برقی کو ایجاد کیا ایک نے ریل کو ایجاد کیا تو موجد اکثر ایک شخص ہوتا ہے اور اس کا ذہن وہاں پہنچتا ہے جہاں صدہا ہزارہا مخلوق کا ذہن نہیں پہنچتا علوم میں بھی یہ امر مشاہد ہے کہ بعض دفعہ ایک

شخص کسی مضمون کو اس طرح صحیح حل کرتا ہے کہ تمام شراح ومحشین کی تقریریں اس کے سامنے غلط ہو جاتی ہیں تو جماعت کی رائے کا غلط ہونا بھی محتمل ہے اب بتلایئے اگر کسی وقت بادشاہ کی رائے صحیح ہوئی اور پارلیمنٹ کی رائے غلط ہوئی تو عمل کس پر ہوگا۔

جمہوری سلطنت میں کثرت رائے پر فیصلہ ہوتا ہے تو بادشاہ اپنی رائے پر عمل نہیں کر سکتا۔ بلکہ کثرت رائے سے مغلوب ہو کر غلط رائے کی موافقت پر مجبور ہوتا ہے اور شخصی سلطنت میں بادشاہ اپنی رائے پر ہر وقت عمل کر سکتا ہے وہ کسی سے مغلوب نہیں ہوتا اگر وزراء کی رائے صحیح معلوم ہوئی اس پر عمل کر لیتا ہے اگر وزراء کی رائے غلط معلوم ہوئی تو وہ اپنی صحیح رائے پر عمل کر سکتا ہے۔ اور جمہوری میں اگر کثرت رائے غلطی پر ہوئی تو صحیح رائے پر عمل کرنے کی کوئی بھی صورت نہیں سب مجبور ہیں غلط رائے کی موافقت پر۔ (تقلیل الاختلاط مع الانام ج۱۶)

کثرۃ رائے کی حیثیت

یہ کتنا بڑا ظلم ہے اس لئے یہ قاعدہ ہی غلط ہے کہ کثرت رائے پر فیصلہ کیا جائے۔ بلکہ قاعدہ یہ ہونا چاہیے کہ صحیح رائے پر عمل کیا جائے خواہ وہ ایک ہی شخص کی رائے ہو۔ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی نے سید احمد خاں سے کہا تھا کہ آپ لوگ جو کثرت رائے پر فیصلہ کرتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ حماقت کی رائے پر فیصلہ کرتے ہیں کیونکہ قانون فطرت یہ ہے کہ دنیا میں عقلاء کم ہیں اور بیوقوف زیادہ تو اس قاعدہ کی بناء پر کثرت رائے کا فیصلہ بیوقوفی کا فیصلہ ہوگا۔ سید احمد خاں نے جواب دیا کہ دنیا میں جو عقلاء کی قلت اور بیوقوفوں کی کثرت ہے یہ اس صورت میں ہے جبکہ بہت سے آدمیوں کو کیفما اتفق جمع کر لیا جائے تو ان میں واقعی بیوقوف زیادہ ہوں گے۔ لیکن ہم جن لوگوں کی کثرت رائے پر فیصلہ کرتے ہیں وہ کیفما اتفق جمع نہیں کئے جاتے بلکہ انتخاب کر کے خاص خاص آدمیوں کی کمیٹی بنائی جاتی ہے جس میں سب عقلاء ہی ہوتے ہیں۔ تو ان میں جس طرف کثرت ہوگی وہ بیوقوفوں کی کثرت نہ ہوگی۔ بلکہ عقلاء کی کثرت ہوگی۔ مولانا نے جواب دیا کہ بہت اچھا۔ لیکن عقلاء میں بھی قانون فطرت یہ ہے کہ کامل العقل تھوڑے ہیں اور ناقص العقل زیادہ۔ چنانچہ تجربہ کر لیا جائے کہ ہزار عاقلوں میں کامل العقل ایک ہی یا دو ہوتے ہیں۔ تو عقلاء میں بھی کثرت ان ہی لوگوں کی ہے جو ناقص العقل ہیں پس کثرت رائے پر فیصلہ اگر حماقت کا فیصلہ نہیں تو کم عقلی کا فیصلہ تو ضرور ہی ہوگا۔ سید احمد خان

کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا بالکل ہی خاموش ہو گئے۔ غرض صحیح رائے پر عمل کرنا بدون شخصی حکومت کے ممکن نہیں جمہوری میں تو کثرت رائے کا اتباع لازم ہے خواہ وہ غلط ہو یا صحیح بلکہ مولانا محمد حسین صاحب کے قول کے موافق کثرت رائے اکثر غلط ہی ہو گی۔ تو گویا جمہوری میں اکثر غلط رائے پر عمل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک صحیح رائے پر عمل نہ ہو گا اس وقت تک انتظام درست نہیں ہو سکتا پس ثابت ہو گیا کہ انتظام بدون شخصی حکومت کے نہیں ہو سکتا۔ دوسرے جو لوگ کثرت رائے پر فیصلہ کا مدار رکھتے ہیں اور بادشاہ کو تنہا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں دیتے وہ پہلے ہی سے اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا بادشاہ ایسا ضعیف الرائے ہے کہ اس کی تنہا رائے قابل اعتبار نہیں۔ اور وہ نااہل ہے۔ تو واقعی جو لوگ اپنے بادشاہ کو ایسا سمجھتے ہوں ہم ان سے گفتگو نہیں کرتے۔ ان کو جمہوریت مبارک ہو ایسا نااہل بادشاہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو شخصی سلطنت کا بادشاہ بنایا جائے۔ (تقلیل الاختلاط مع الانام ج ۱۶)

باہمی مشاورت

شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ سے صرف یہ ثابت ہوا کہ حکام رعایا سے مشورہ کر لیا کریں یہ کہاں ثابت ہوا کہ ان کے مشورہ پر عمل بھی ضرور کیا کریں اور اگر کثرت رائے بادشاہ کے خلاف ہو جائے تو وہ کثیرین کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہے اور جب تک یہ بات ثابت نہ ہو اس وقت تک شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ سے جمہوریت ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی جب اسلام میں ایک معمولی آدمی بھی بادشاہ کے مشورہ پر مجبور نہیں ہوتا تو تم بادشاہ کو رعایا کے مشورہ پر کیونکر مجبور کرتے ہو۔ آخر اس کی کوئی دلیل بھی ہے یا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور ہمارے پاس حدیث بریرہ سے دلیل موجود ہے کہ کسی کے مشورہ پر عمل کرنا ضروری نہیں۔ خواہ نبی ہی کا مشورہ کیوں نہ ہو۔ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اگر حکام رعایا سے مشورہ لیں تو وہ ان کے مشورہ پر عمل کرنے کیلئے مجبور ہرگز نہیں ہیں۔ بلکہ عمل خود اپنی رائے پر کریں۔ خواہ وہ دنیا بھر کے مشورہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس آیت میں آگے ارشاد ہے فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ کہ مشورہ کے بعد جب آپ ارادہ کسی بات کا کریں تو خدا پر بھروسہ کر کے اس پر عمل کریں۔ یہاں اذا عزمت صیغہ واحد ہے معلوم ہوا کہ عزم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مستقل تھے۔ اسی طرح آپ کا نائب یعنی سلطان بھی

عزم میں مستقل ہے۔ اگر عزم کا مدار کثرت رائے پر ہوتا تو اذا عزمت نہ فرماتے بلکہ اس کے بجائے **اذا عزم اکثر کم فتوکلوا علی اللّٰہ** فرماتے۔ پس جس آیت سے یہ لوگ جمہوریت پر استدلال کرتے ہیں اس کا اخیر جزو خود ان کے دعویٰ کی تردید کر رہا ہے مگر ان کی حالت یہ ہے **حفظت شیئًا وغابت عنک اشیاء** کہ ایک جزو کو دیکھتے ہیں اور دوسرے جزو سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ (تقلیل الاختلاط مع الانام ج ۱۶۷)

مقصود سلطنت

سلطنت خود مقصود بالذات نہیں بلکہ اصل مقصود رضاحق ہے اگر ہم سے خدا راضی نہ ہوتو ہم سلطنت کی حالت میں فرعون ہیں اور لعنت ہے ایسی سلطنت پر جس سے ہم فرعون کے مشابہ ہوں۔ اگر سلطنت مقصود بالذات ہوتی تو فرعون و ہامان ونمرود وشداد بڑے مقرب ہونے چاہئیں۔ حالانکہ وہ مردود ہیں معلوم ہوا کہ سلطنت وہی مطلوب ہے جس میں رضاء حق بھی ساتھ ساتھ ہو اور جس سلطنت میں رضاء حق نہ ہو وہ وبال جان ہے اگر ہم سے خدا راضی ہو تو ہم پاخانہ اٹھانے پر بھی راضی ہیں اور اسی حالت میں ہم بادشاہ ہیں۔ آخر حضرت ابراہیم بن ادھم کیا تمہارے نزدیک پاگل تھے ان کو تو سلطنت ملی ہوئی تھی پھر کیوں چھوڑ دی محض اس لئے کہ مقصود میں خلل واقع ہوتا تھا معلوم ہوا کہ سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ مقصود دوسری چیز ہے کہ اگر اس میں خلل واقع ہونے لگے تو اس وقت ترک سلطنت ہی سلطنت ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم ہر فن کے امام ہیں۔ حدیث میں ثقہ اور محدث ہیں اور فقہاء میں فقیہ اور صوفیہ میں تو امام ہیں۔ ان کو کوئی پاگل نہیں کہہ سکتا جو ان کو پاگل کہے وہ خود پاگل ہے پھر دیکھ لو انہوں نے کیا کیا۔ جب رضاء حق میں سلطنت کو مزاحم دیکھا تو بادشاہت پر لات مار کے الگ ہو گئے۔ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو سلطنت مضر مقصود نہ تھی تو ان کو اجازت دی گئی کہ منصب خلافت کو قبول کریں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے لئے مضر مقصود تھی تو ان کے لئے حکم ہے **لاتلین مال یتیم ولا تقضین بین اثنین** (اتحاف السادۃ المتقین ۸:۳۱۸) اس سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ مقصود رضائے حق ہے اگر سلطنت سے مقصود میں خلل واقع ہو تو اس وقت اس سے منع کیا جائے گا حضرت ابوذر تو اتباع احکام کا ارادہ بھی

کرتے ہیں ان کو جب بھی قضاء وحکومت کی اجازت نہ دی گئی اور تم تو اتباع احکام کا بھی قصد نہیں کرتے۔اس حال میں تم کو کیونکر اجازت دی جاسکتی ہے۔(تقلیل الاختلاط مع الانام ج ۱۶۷)

خلافت صدیقی کی افضلیت

خلافت صدیقیہ وخلافت عمریہ کہ بعض ظاہر بیں لوگ خلافت عمریہ کو بوجہ کثرت فتوحات کے خلافت صدیقیہ سے افضل سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے زمانہ خلافت میں جدید فتوحات کچھ زیادہ نہ ہوئی تھی بلکہ ان کی خلافت کا زیادہ زمانہ خود مسلمانوں کے سنبھالنے میں صرف ہوا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بعض قبائل مرتد ہو گئے تھے' کچھ لوگوں نے زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کر دیا تھا۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ خلافت اس فتنہ ارتداد کے فرو کرنے اور مسلمانوں کی حالت سنبھالنے میں صرف ہوا۔مخالفین کے ملک فتح کرنے کی زیادہ نوبت نہ آئی اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں شاید کوئی دن بھی جدید فتوحات سے خالی نہیں رہا' روزانہ یہی خبریں آتی تھیں کہ آج فلاں شہر فتح ہو گیا اور کل فلاں شہر پر حملہ ہے یہاں تک کہ دس سال کے عرصہ میں حکومت اسلامیہ شرقاً وغرباً پھیل گئی اس لیے بعض کم فہم خلافت عمریہ کو خلافت صدیقیہ سے افضل شمار کرتے ہیں مگر عقلاء خوب جانتے ہیں کہ مکان کی خوبصورتی میں زیادہ کمال اس شخص کا ہے جس نے کہ اول نقشہ تیار کیا تھا اور بنیادیں قائم کی تھیں کیونکہ اس کو بہت دماغ سوزی سے کام کرنا پڑا ہے۔مکان کا خوبصورت نقشہ بنانا اور بنیاد کا مستحکم کرنا یہ بڑا کام ہے' دیواریں قائم کرنے والے کا اتنا بڑا کمال نہیں کیونکہ وہ تو اینٹ پر اینٹ رکھتا چلا گیا ہے' اس کو کونسی دماغ سوزی کرنی پڑی۔ظاہر بیں لوگ دوسرے معمار کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ مکان کو اسی نے مکمل کیا مگر حقیقت شناس سمجھتا ہے کہ اس مکان کی خوبصورتی میں بڑا کمال نقشہ بنانے والے اور بنیاد قائم کرنے والے کا ہے۔

اسی طرح جو اسرار شناس ہیں وہ جانتے ہیں کہ خلافت صدیقیہ سے خلافت عمریہ کو کوئی بھی نسبت نہیں کیونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکومت اسلامیہ اور خلافت کی بنیاد قائم کرنے میں جو تعب برداشت کرنا پڑا ہے اس کا عشر عشیر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں پیش آیا۔یہ کام اسی عالی حوصلہ خلیفہ کا تھا کہ ایسے فتنے کے زمانہ میں جبکہ خود اپنی ہی جماعت قبضہ سے باہر ہوا چاہتی تھی تمام فتنوں کا مقابلہ کر کے اور ان کو ایک دم نیست ونابود

کر کے اڑھائی سال کے عرصہ میں خلافت اسلامیہ کے کھونٹے گاڑ دیئے اور نظام حکومت کو ایسے مستحکم اصول پر قائم کر دیا کہ بعد کے خلیفہ کو کوئی پریشانی ہی پیش نہ آ سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں وہ اصول جاری ہو گئے اور وہ نظام صدیقی شائع ہو گیا تو بڑا کمال حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور جس قدر فتوحات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہوئی ہیں ان سب کا ثواب حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحیفہ اعمال میں داخل ہوگا۔ اہل تمدن وسیاست اس کو خوب سمجھتے ہیں کہ قانون جاری کرنے سے زیادہ مشکل قانون بنانا ہے۔ قانون بنانے والے کو جس مشقت کا سامنا ہوتا ہے جاری کرنے والے کو اس کا دسواں حصہ بھی پیش نہیں آتا۔ (الجلاء الابتلاء ج ۱۸)

اہل یورپ کے نزدیک جمہوری سلطنت بہتر ہے

آجکل جن لوگوں کو لیڈر کہا جاتا ہے وہ ایک خاص مسئلہ کے اندر اکثر کلام کیا کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ سلطنت جمہوری بہتر ہے یا شخصی ان لوگوں کی وہی مثل ہے'' رہیں جھونپڑوں میں خواب دیکھیں محلوں کا اپنی حد پر نہیں رہتے مولانا فرماتے ہیں ۔

آرزو می خواہ لیک اندازہ خواہ   برنتابد کوہ را یک برگ کاہ

(آرزو کر لیکن اعتدال کے ساتھ کیونکہ گھاس کا ایک تنکا پہاڑ کو موڑ نہیں سکتا)

اے صاحبو! اپنی بساط سے زیادہ مت کو دو۔ حد سے زیادہ مت اچھلو تم سلطنت جمہوری و شخصی کا کیا فیصلہ کرو گے تم اپنا ہی فیصلہ کر لو۔ تمہارے اندر رات دن ایک معرکہ رہتا ہے مولانا فرماتے ہیں ۔

موسیٰ و فرعون درہستی ست

ایک مصرعہ یاد نہیں رہا۔ اور خاص کر یہ زمانہ تو بہت زیادہ سکوت کا ہے۔ ھذا وقت السکوت و ملازمۃ البیوت جو بالکل ساکت رہتے ہیں اگر ان کو سلطنت نہیں ملتی تو یہ لوگ جو دن رات بیٹھکوں میں بیٹھ کر سلطنتوں کے فیصلے کیا کرتے ہیں ان کو بھی کچھ ہاتھ نہیں آتا بلکہ ایسے لوگوں کی ان خرافات سے قوم کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ ان پر وہی مثل صادق ہے۔ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ ادب مانع ہے ورنہ پہلا فقرہ بھی اس مثل کا میں کہہ دیتا خیر یہ مسئلہ ان لوگوں کے زیر بحث ہے اور لوگوں کے یہاں فتویٰ اس پر دیا گیا ہے کہ جمہوری سلطنت اچھی ہے اور اصل وجہ تو اس کی صرف یہ ہے کہ یہ لوگ ہر بات میں یورپ پر ایمان

لائے ہوئے ہیں یورپ ہی ان کا قبلہ ہے گو ٹیڑھا قبلہ ہے۔ غرض دلیل کا ایک مقدمہ تو یہ ہے کہ اہل یورپ سلطنت جمہوری کو ترجیح دیتے ہیں اور دوسرا مقدمہ یہ ملایا کہ یورپ جو کہتا ہے وہ حق ہے اس لئے کہ وہ معصوم ہے بس نتیجہ نکال لیا کہ سلطنت جمہوری سلطنت شخصی سے بہتر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تم کو تو نہ شخصی ملتی ہے نہ جمہوری تم کو اس فیصلہ سے کیا ملا ہاں جمہوری سلطنت البتہ مل جاوے گی جس کی نسبت کسی نے کہا ہے۔

گربہ میر وسگ وزیر و موش را دیواں کنند ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

(اگر بلی میر بنی ہوئی اور کتا وزیر اور چوہا منشی تو اس قسم کے ارکان حکومت ملک کو ویران کر دیتے ہیں۔)

آج لوگوں کو حکومت کا بڑا شوق ہے کوئی انجمن بناویں گے اس میں عہدہ دار ہوں گے اور عشق تقلید یورپ میں عہدوں کا نام بھی انگریزی میں رکھیں گے مثلا ایک سیکرٹری ہوگا کوئی گورنر بنے گا۔ میں کہتا ہوں بجائے سیکرٹری کے اگر آپ ناظم یا مہتمم یا خادم لقب رکھتے تو کیا حرج تھا اور پھر سیکرٹری ہی پر بس نہیں بلکہ اس کو انگریزوں کی طرح سیکرٹری کہتے ہیں تشبہ نے ناس کر دیا ہے ہر شے میں یورپ کے ساتھ تشبہ کا شوق ہے۔ (التوکل ج ۲۱)

قرآن پاک سے سلطنت جمہوری کا اثبات نہیں ہوتا

غضب یہ ہے کہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن سے ثابت ہے کہ سلطنت جمہوری سلطنت شخصی سے بہتر ہے اور دلیل میں وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ کو پیش کرتے ہیں اس استدلال کی ایسی مثال ہے جیسے کسی شخص نے لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا سے یہ فتوی لکھا تھا۔ اور وہ فتویٰ میں نے بھی دیکھا تھا کہ جمع ہو کر کھانا واجب ہے۔ اگر سلطنت جمہوری کی حقیقت صرف اسی قدر ہوتی ہے کہ جس میں صرف مشورہ ہو تو بے شک یہ استنباط صحیح تھا سلطنت جمہوری میں تو یہ ہوتا ہے کہ مشورہ کے بعد کثرت رائے پر فیصلہ ہوتا ہے اور بادشاہ کی رائے دورائے کے برابر سمجھی جاتی ہے اور اس آیت سے اس کیخلاف سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ کے بعد ارشاد ہے فَاِذَا عَزَمْتَ صیغہ مفرد مخاطب سے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشورہ تو کیجئے لیکن مشورہ کے بعد عمل اس پر کیجئے۔ جس کا آپ عزم کرلیں اور اس میں کوئی قید ہے نہیں تو اس میں سب مختلف صورتیں

آ گئیں ان صورتوں میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ سب کی رائے ایک جانب ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے ایک طرف تو اس صورت میں بھی آپ ہی کی عزم اور ترجیح پر مدار رہا پس اس سے تو سلطنت جمہوری کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ سلطنت جمہوری کی بناء ہی اس سے منہدم ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں ایسا نہیں ہوتا غرض اس آیت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مشورہ کے بعد فیصلہ کثرت رائے سے ہوگا بلکہ سلطان مشورہ کے بعد مستقل و مستعد ہے کہ اپنی بصیرت خداداد سے جس صورت کو چاہے اختیار کر لے۔ (التوکل ج ۲۱)

اسلام اور مال

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کا سلام پھیرا اور سلام کے بعد نہایت سرعت سے گھر میں تشریف لے گئے جس پر صحابہ کو تعجب ہوا کہ کیا بات ہے آپ اس قدر سرعت سے کیوں تشریف لے گئے آپ نے واپس تشریف لا کر فرمایا کہ میرے گھر میں کچھ سونا رکھا ہوا تھا جو تقسیم نہ ہوا تھا میں نے اُس کو جا کر تقسیم کر دیا کیوں کہ نبی کے لئے مناسب نہیں کہ اس پر اس حالت میں رات گذرے کہ اس کے گھر میں چاندی سونا رکھا ہوا ہو اور ترک سلطنت کی کسی حال میں اجازت نہیں الا بعذر و اضطرار۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کیلئے حکومت تو شرعاً مطلوب ہے مگر مالدار ہونا مطلوب نہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے مسئلہ میراث کو اسی واسطے مشروع کیا ہوتا کہ مسلمان جمعدار اور مالدار نہ ہوں کیوں کہ شریعت نے مقصوداً مال جمع کرنے سے منع کیا ہے اور اس کو مسلمانوں کیلئے مضر بتلایا ہے اِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وهٰكَذَا مگر جو ادھر اُدھر تقسیم کرتا رہے اس کو مضر نہیں یہ تو اس کا اصل حکم ہے لیکن ضعفاء کو عذر کی وجہ سے جمع مال کی بھی اجازت ہے جبکہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ (اسرار التوجہ ج ۲۳)

شاہی اور فقیری کا فرق

ایک طرف دو چار بادشاہوں کے حالات رکھئے اور ایک طرف چند اولیاء اللہ کے (میں اس بیان کو طول نہیں دیتا کتابیں بھری پڑی ہیں) دونوں فریق کے قصے پڑھئے خود آپ کا قلب بول اٹھے گا کہ میرا کہنا کہاں تک سچا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایسا ہوا ہے کہ سلطنت چھوڑ کر کسی نے فقیری اختیار کی ہے لیکن ایسی نظیر ایک بھی نہ ملے گی کہ فقیری چھوڑ کر

کسی نے سلطنت اختیار کی ہو۔ کوئی بات تو ہو جو فقیری کو سلطنت پر ترجیح دیتی ہے (فقیری سے مراد میری واقعی فقیری ہے بھیک مانگنا نہیں بھیک منگے تو سلطنت پر کیا پیسہ پیسہ پر جان دیتے ہیں) دنیا کا نفع چاہے کیسا ہی بڑا معلوم ہوتا ہو لیکن جب آخرت کے نفع کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے بشرطیکہ نظر بھی صحیح ہو تو ہیچ ثابت ہوگا۔ (ذکم المکرّ وہات ج ۲۶)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا سلطنت کی عجیب تفسیر

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب سلطنت کی دعا کی ہے تو ساتھ میں یہ بھی فرمادیا: "رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ" (یعنی مجھے ایسا ملک عطا ہو جو میرے بعد والوں کے لیے ملنا مناسب نہ ہو)

مولانا رومی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ظاہراً اس سے حرص و حسد کا شبہ ہوتا ہے مگر واقعہ میں یہ ضعفاء کے حق میں انہوں نے اس دعا میں عین رحمت فرمائی جس کی توجیہ یہ ہے کہ من بعدی میں بعدیت زمانیہ مراد نہیں بلکہ بعدیت رتبیہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ایسا ملک مجھے عطا کیا جائے جو میرے درجہ والوں کے لیے خواہ مناسب ہو مگر مجھ سے کم درجہ والوں کے لیے غیر مناسب ہوگا یعنی ان کو عطا نہ کیا جائے کیونکہ وہ ایسی سلطنت سے کفر و تکبر میں مبتلا ہو جائیں گے اب اس تفسیر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ اشکال نہیں ہوسکتا کیونکہ آپ تو سلیمان علیہ السلام کے اعتبار سے من معی بلکہ من قبلی (مجھ سے پہلے) ہیں یعنی آپ تو ان کے ہم رتبہ نبوت و رسالت میں اور درجہ میں ان سے بھی افضل ہیں ختم ہوئی تفسیر مولانا کی۔ واقعی تفسیر کو ان حضرات سے سیکھئے الغرض سلیمان علیہ السلام کا ملک ان کے حق میں باخدا ہونے کے خلاف نہ تھا وہ سلطنت کے ساتھ بھی ہر دم باخدا تھے اور حضرت سلیمان کو تو ملک کیا مضر ہوتا جبکہ حضرات صحابہ کو مضر نہ ہوا۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس دنیا ایسی تھی جیسے منتر جاننے والے کے ہاتھ میں سانپ جس طرح منتر جاننے والے پر سانپ کے زہر کا اثر نہیں ہوتا اسی طرح حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر دنیا کا اثر نہ ہوتا تھا۔ اس کی وجہ کیا تھی، وجہ یہ تھی کہ ان حضرات کے ہاتھ میں دنیا تھی، دل میں دنیا نہ تھی، دل میں خدا کی محبت و معرفت اس درجہ بھری ہوئی تھی کہ وہاں دنیا و مافیہا کا گذر ہی نہ تھا۔ مولانا نے عجیب مثال بیان فرمائی ہے:

آب در کشتی ہلاک کشتی است — آب اندر زیر کشتی پشتی است

(کشتی میں پانی کشتی کوڈبونے والا ہےاوراس کے نیچے ہونا کشتی کے لیے پشتی ہے)(تعظیم العلم ج ۲۷)

سلطنت تقرب الی اللہ کا سبب نہیں

خدا کی قسم اگر ہم کو پاخانہ اٹھانا پڑے اور خدا ہم سے راضی ہو تو وہی ہمارے لیے سلطنت ہے اور اگر خدا راضی نہ ہوا تو لعنت ہے ایسی سلطنت پر جو خدا کو ناراض کر کے حاصل کی جاوے۔ یادرکھو سلطنت کوئی تقرب الی اللہ کا سبب نہیں۔

بعض انبیاء علیہم السلام ایسے بھی ہوئے ہیں جن کو ساری عمر سلطنت نصیب نہیں ہوئی۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک نبی کے ساتھ صرف ایک ہی آدمی ہوگا اور بعض کے ساتھ ایک بھی نہ ہوگا' تو کیا سلطنت نہ ہونے سے ان انبیاء کے درجہ میں کوئی کمی آ گئی' اگر محض سلطنت کوئی قرب کی چیز ہوتی تو فرعون بڑا مقرب ہونا چاہیے جس نے چارسو برس تک نہایت شان وشوکت کے ساتھ سلطنت کی تھی۔ (ایضاً)

علم کی دو قسمیں

علم کی اصل میں دو قسمیں ہیں ایک علم احکام اور ایک علم واقعات اور یہ تقسیم خصوصاً جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تامل کرنے سے بہت زیادہ سمجھ میں آ جاوے گی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحب سلطنت بھی تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو قسم کے علم کی ضرورت تھی ایک حکم کے علم کی اور ایک واقعات کے علم کی جیسے حکام کو دونوں باتوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے کیونکہ اگر واقعہ نہ معلوم ہو تو نرے قانون سے کیا ہوتا ہے یا اس کا عکس ہو کہ قانون نہ معلوم ہو تو صرف واقعہ معلوم ہو جانے سے کیا ہوتا ہے' فیصلے میں دونوں ہی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ واقعہ کا بھی علم ہو اور اس کے حکم کا بھی علم ہو اور یہیں سے اس کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی جو حدیث میں آیا ہے کہ حاکم تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ کہ علم دین رکھتا ہے اور اس کے موافق فیصلہ کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ فیصلہ کے معنے یہی ہیں کہ کسی جزئی کو کسی کلی پر منطبق کرنا اور وہ موقوف ہے اس جزئی کے علم پر اور وہی واقعہ ہے۔ پس اس فیصلہ بحث سے علم تحقیق واقعہ کی ضرورت ثابت ہوگئی یہ تو جنت میں ہے ایک وہ

جو علم دین ہی نہیں رکھتا ایک وہ جو علم دین رکھتا ہے مگر اس کے موافق فیصلہ نہیں کرتا' یہ دونوں جہنم میں ہیں تو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ ان دونوں چیزوں کے علم کی ضرورت ہے پس جس نے واقعہ کا علم تلاش نہیں کیا یا واقعہ کا علم تو حاصل کیا مگر حکم کا علم نہیں ہے یہ دونوں جہنم میں ہوں گے اور جس کو دونوں کا علم ہو گا اور اسی کے موافق فیصلہ کرے گا وہ جنت میں ہو گا۔ اب اس حدیث کو سن کر ان لوگوں کو ذرا آنکھیں کھولنی چاہئیں جو آج کل بڑے عہدوں پر ہیں یا محلّہ کے سردار ہیں کیونکہ وہ اکثر واقعات کی تحقیق تو زیادہ کرتے ہیں مگر فیصلہ جو کرتے ہیں وہ اکثر اپنی رائے سے کرتے ہیں علم دین سے نہیں کرتے تو اب یہ لوگ کیا کریں یا تو فیصلہ کرنا چھوڑ دیں' یہ صورت تو مجھے پسند نہیں بلکہ یہ کریں کہ فیصلہ تو کریں مگر اس طرح کہ واقعات کی تحقیق کر کے ایک مثل تیار کریں اور کسی عالم کے پاس وہ مثل لے جاویں جو کچھ وہ عالم جواب لکھ دے پس اسی کے موافق فیصلہ کر دیا کریں۔ غرض یہ ہے کہ حاکم کو دو چیزوں کی ضرورت ہوئی ہے ایک تو احکام جاننے کی اور دوسری واقعات کے علم کی۔ (بفصل العظیم ج ۲۷)

بدامنی میں صبر وسکون کی تعلیم

مسجد کان پور کے واقعہ میں بعض احباب نے مجھ سے مشورہ لیا تھا کہ ہم کو کیا کرنا چاہئے میں نے سب کو یہی رائے دی کہ صبر وسکون سے کام لو ہلڑ نہ کرو اور اطمینان کے ساتھ گورنمنٹ تک اپنی آواز پہنچاؤ ان شاء اللہ اس کا اثر ہو گا باقی حکام سے مقابلہ نہ کرو کیونکہ سلطنت سے مقابلہ کرنا رعایا کا کام نہیں یہ کام سلطنتوں کا ہے تو میرے بعضے خطوط اس قسم کے حکام کی نظر سے بھی گزرے یا کسی نے ان کو خبر کر دی کہ فلاں شخص نے اپنی جماعت کو صبر و سکون کے ساتھ درخواست کرنے کا امر کیا تھا اسی کا حکام پر خاص اثر ہوا اور یہ تجویز کی گئی کہ اس کے لئے کوئی صورت اعزاز و امتیاز کی ہونا چاہئے مجھ کو بعض افسروں کے ذریعہ سے معلوم ہوا میں نے صاف کہہ دیا کہ میں نے اس واقعہ میں جو کچھ تعلیم مسلمانوں کو دی ہے وہ محض قوانین شرع کے اتباع کی تعلیم تھی ایسے موقعہ میں ہماری شریعت کا یہی حکم ہے سکون سے کام لیا جائے۔ حکومت کو نفع پہنچانا میرا بالذات مقصود نہ تھا یہ اتفاقی بات ہے کہ حکومت کو بھی نفع ہو گیا کیونکہ یہ شریعت ہی ایسی ہے جس کے اندر سب کے حقوق کی رعایت ہے اس لئے میں اپنی رائے کا صلہ صرف حق تعالیٰ سے چاہتا ہوں اور کسی سے نہیں چاہتا۔ (الاخوہ ج ۳۰)

معاملات ومعاشرت اورسیاسیات دین کا حصہ ہیں

ہماراسب کاایک ہی مقصود ہےیعنی اسلام اوروہ مشتمل ہےتمام مقاصد حقیقیہ وغیر حقیقیہ کواس میں نماز روزہ حج زکوۃ بھی آ گئے اور کھانے پینے کے احکام متعلق آمدنی بھی آ گئے۔اسی طرح تمام معاملات ومعاشرات وسیاسیات بھی اس میں داخل ہیں گولوگوں نے ان کواسلام سے خارج سمجھ رکھا ہے۔آج کل صرف چند عبادات کواسلام میں داخل سمجھا جاتا ہے۔نماز روزہ ہی میں لوگوں نے دین کومنحصر کرلیا ہے۔بس اگر نماز پڑھ لیں تو دیندار ہیں اوراگر تہجد بھی پڑھنے لگیں تو جنید ہیں اوراگر زکوۃ بھی دینے لگیں پھرتوان کی دینداری میں کچھ کسر ہی نہیں اوراگر حج بھی کرلیا تو گویا رجسٹری ہوگئی گو معاملات کیسے ہی خراب اور گندے ہوں اگر معاملات و معاشرات کوبھی دین میں داخل سمجھا جاتا تو فقط نماز روزہ کرلینے سے ہم اپنے کو دیندار نہ سمجھتے کیونکہ ابھی بعض اجزاء دین کے ہم سے فوت ہورہے ہیں۔مگر ہماری حالت یہ ہے کہ تہجد پڑھ لینے کے بعد اپنے کو دیندار سمجھنے لگتے ہیں۔نیز کسی قدر وضع کی درستی کوبھی دین میں داخل سمجھتے ہیں کہ ثقہ وضع ہو چوغہ اور پائجامہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہولباس ریشمی نہ ہوڈاڑھی منڈی ہوئی یا کتری ہوئی نہ ہوتشبہ بالکفار نہ ہواگرایسی وضع ہوگئی تو بس ان کی دینداری میں کچھ کسر نہیں رہی بڑے پکے دیندار ہو گئے پھر دوسروں کواگر ہماری وضع دیکھ کر دینداری کا گمان ہوتو کچھ تعجب نہیں مگر غضب تو یہ ہے کہ ہم خود بھی اپنے کوایسا ہی سمجھنے لگتے ہیں۔(درجات الاسلام ج ۳۰)

کثرت رائے سے فیصلہ

آج کل کثرت رائے کوکس بناء پر معیار صواب قرار دے رکھا ہے۔شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں' فقط اہل یورپ کی تقلید سے ایسا کرتے ہیں باوجود یہ کہ دعویٰ کرتے ہیں ان کی مخالفت اور مقاطعت کا اور یہ بھی یاد رکھو کہ ان صحابہؓ کی یہ شرکت فی الغنیمت (مال غنیمت میں شریک ہونا) کسی دنیوی غرض سے نہ تھی یعنی مال حاصل کرنے کے واسطے نہیں تھی کیونکہ غنیمت کاحکم یہ ہے کہ جوبھی جہاد میں شریک ہواس کوغنیمت سے حصہ ملتا ہےخواہ وہ لوٹ میں شریک ہو یانہ ہو'یہ نہیں ہے کہ جس کے جو ہاتھ لگےوہ لے بھاگا بلکہ اول سب غنیمت کوجمع کرکے پھر سب مجاہدین پر تقسیم کیا جاتا ہے۔جب یہ معلوم ہوگیا تو اگر وہ صحابہؓ گھاٹی پر

بیٹھے رہتے تب بھی ان کو اتنا ہی حصہ ملتا جتنا کہ لوٹ میں شرکت کے بعد ملا تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے تحصیل مال کے لیے شرکت کی تھی بلکہ محض قتال میں شرکت چاہی تھی تا کہ ثواب میں اضافہ ہو کیونکہ ان لوگوں نے ظاہر میں اب تک کچھ کام نہ کیا تھا صرف گھاٹی پر خالی بیٹھے ہی رہے تھے وہ سمجھے کہ ہم نے کچھ کام نہیں کیا لاؤ جہاد میں ہم بھی عملی حصہ لیں۔ (الرحمۃ علی الامہ ج ۳۱)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ فرمانے میں حکمت

ایک روایت میں تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو مشورہ کی ضرورت نہیں مگر اُمت پر رحمت کے لیے کہ تطییب قلب بھی اس میں داخل ہے اس لئے کر لیتا ہوں۔

"اخرجه ابن عدی والبیهقی فی الشعب بسند حسن عن ابن عباس لما نزلت وشاورهم فی الامر قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اما ان اللّٰه ورسوله یغنیان ولکن جعلها اللّٰه تعالیٰ رحمة لامتی کذافی روح المعانی."

(ابن عدی اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سند حسن سے روایت کیا ہے جبکہ آیت **شاورهم فی الامر** نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو مستغنی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے لیے رحمت اس کو بنا دیا ایسے ہی روح المعانی میں ہے)

اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاجت مشورہ کی نہ تھی اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مشورہ کے خلاف کوئی کام نہ کرتے تھے۔

"اخرجه الامام احمد عن عبدالرحمٰن بن غنم ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال لابی بکر و عمر لواجتمعتما فی مشورة ما خالفتکما کذا فی روح المعانی ایضاً"

(امام احمد نے عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا اگر تم دونوں کسی مشورہ میں متفق ہو جاؤ گے تو میں تمہاری مخالفت نہ کرونگا۔ ایسے ہی روح المعانی میں ہے) مراد انتظام وبعث عسا کر وغیرہ کا کام۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی ضرورت ہوتی تھی دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غالب اوقات میں تو مشورہ کی حاجت نہ ہوتی تھی کبھی کبھی اتفاقاً ضرورت پڑ جاتی تھی اور یہ بات شان نبوت کے خلاف نہیں بلکہ مناسب شان ہے۔ میں نے اس میں ایک نکتہ نکالا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی حاجت ہونے میں "ولو فی بعض الاحوال" (اگرچہ بعض حالتوں میں ہو) حکمت ہے کیونکہ حاجت منافی الوہیت ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان شریف کا اظہار تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں الہ نہیں اور بعض علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ کی حکمت تعلیم اُمت بیان کی ہے۔ اب مشورہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات کی وسعت بیان فرماتے ہیں۔ "فاذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ" (پھر جب آپ رائے پختہ کرلیں تو خدا پر اعتماد کیجئے) اس میں مطلقاً یہ فرمایا ہے کہ مشورہ کے بعد جدھر آپ کا عزم ہو اپنے عزم پر عمل کیجئے اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سب کے خلاف ہو یا ایک کے موافق اور اکثر کے خلاف ہو ہر حال میں تو کلاً علی اللّٰہ (اللہ پر بھروسہ کرکے) اپنے عزم پر عمل کرنے کے واسطے حکم فرمایا۔ (الرحمۃ علی الامۃ ج۳۱)

بعض کتب نا قابل مطالعہ ہیں

میں جب ضلع فتح پور گیا تو ایک صاحب میرے ملنے والے ہیں انہوں نے ایک شخص کے ہاتھ وہ سیرت میرے پاس بھیجی کہ ذرا اس کو دیکھ لو اور یہ بتلا دو کہ یہ سیرت دیکھنے کے قابل ہے یا نہیں؟ میں نے یہ عذر کیا کہ بھائی میں اس وقت سفر میں ہوں اس وقت ساری کتاب کا دیکھنا دشوار ہے اور دو تین مواقع دیکھ کر میں یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ اس میں کیا خوبی ہے اور کیا خرابی ہے۔ جب میں وطن پہنچوں گا وہاں بھیج دی جائے تو میں وہاں دیکھ کر اس کا فیصلہ کرسکتا ہوں۔ اسی مجلس میں ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ آپ کو اس ساری کتاب کے دیکھنے کی ضرورت نہیں میں ایک موقع دکھاتا ہوں بس اسی کو دیکھ لینا کافی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک موقع نکال کر دکھایا اس جگہ مصنف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کمالات کو ظاہر کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام میں انتظام سلطنت کی قابلیت نہ تھی۔

نوح علیہ السلام میں رحمت وشفقت کا مضمون نہ تھا' میں نے کہا لو بھائی اس کتاب کا حال تو اسی موقع سے معلوم ہوگیا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت کی گئی ہے آپ کے بھائیوں کو عاری عن الفضائل (فضائل سے خالی) بتلا کر۔ اسی سے قیاس کرلو کہ جب مصنف کے دل میں انبیاء علیہم السلام کی یہ وقعت ہے تو اور کیا کچھ گل کھلائے ہوں گے۔

ع قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

(میرے چمن ہی سے میری بہار کا اندازہ کرلو)

میرے نزدیک وہ سیرت ہرگز قابل دیکھنے کے نہیں جس میں انبیاء علیہم السلام کی تنقیص کی گئی ہو۔

صاحبو! یہ کتنا بڑا غضب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ان میں سلیقہ ملک داری نہ تھا حالانکہ احادیث صحاح میں وارد ہے کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نزول فرمائیں گے اور اس وقت وہ بادشاہت بھی کریں گے اور انتظام سلطنت بہت خوبی کے ساتھ انجام دیں گے تو جس شخص کے انتظام سلطنت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدح فرمائیں' اب کسی کا کیا منہ ہے جو ان پر یہ الزام لگائے کہ ان میں سلیقہ ملک داری نہ تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں چونکہ ساری عمر زہد و پارسائی کے ساتھ بسر کی اس لیے اس سے یہ قیاس کرلیا گیا کہ ان کو انتظام سلطنت آتا ہی نہ تھا سو خود یہ قیاس کتنا غلط قیاس ہے۔ بھلا بادشاہت نہ کرنے سے یہ کیونکر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان میں قابلیت ہی نہ تھی قابلیت نہ ہونا تو یوں معلوم ہوسکتا ہے کہ بادشاہت کرتے اور اچھے طریقے سے نہ کرتے۔

اس باب میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نازل ہوں گے اور مسلمانوں پر بادشاہت کریں گے اور نہایت عدل وخوبی کے ساتھ بادشاہت کریں گے اور ان میں ایسی قابلیت ہوگی کہ ایک بہت بڑے قانون کا انتظام خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سپرد فرماتے ہیں وہ یہ کہ جزیہ کو موقوف کردیں گے جس پر بظاہر یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تو شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہوکر تشریف لائیں گے پھر وہ شریعت کے کسی حکم کو کیونکر منسوخ کریں گے مگر میری تقریر سے جواب نکل آیا۔ اگرچہ صورتاً خبر ہے مگر معناً انشاء ہے۔ گویا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو امر فرما گئے ہیں کہ اپنے زمانہ میں آپ جزیہ کو موقوف فرمادیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اتنا بڑا امد بر تسلیم فرماتے ہیں کہ ان کے سپرد اتنا بڑا قانون فرماتے ہیں کسی دوسرے کو یہ اجازت نہیں دیتے۔ بات یہ ہے کہ ان میں ملکہ سلطنت کامل ہے۔ مگر جب تک حق تعالیٰ نے اس سے کام لینے کو نہیں فرمایا اس سے کام نہیں لیا اور جب اس سے کام لینے کا حکم ہوگا کام لیں گے۔ (شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمہ ج ۳۱)

حضرات صحابہؓ کا حال

آخر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں کیا بات تھی حالانکہ وہ حضرات ٹوٹی ہوئی چٹائیوں پر بلکہ کنکریوں پر بیٹھے ہوئے سلطنت فارس وروم کا فیصلہ فرماتے تھے مگر کوئی مال و دولت ان کے پاس نہ تھی اور نہ اس کی ہوس تھی اسی لیے ان حضرات کو ثروت کے ملنے سے ذرا بھی خوشی نہیں ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ حضرت حباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب انتقال ہونے لگا تو آپ روتے تھے' لوگوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا افسوس ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں پلہ داری کرتے تھے اور آج اس قدر مال و دولت جمع ہے کہ بجز مٹی میں دفن کرنے کے اور کہیں رکھنے کی جگہ نہیں۔ حضرات! اگر وہ اصلی ترقی آپ کو نصیب ہو جائے تو واللہ اس ظاہری نمود کو آپ ہیچ در ہیچ سمجھنے لگیں۔ آپ کو معلوم ہوا کہ ان حضرات کے دل میں دنیا کی کیا قدر تھی آپ کی ساری عمر دنیا پرستی میں گزری ہے اس لیے آپ کو کچھ خبر نہیں۔

تو نہ دیدی کہے سلیمان را   چہ شناسی زبان مرغاں را

(تو نے کبھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو نہیں دیکھا' تو پرندوں کی بولی کو کیسے پہچانے گا)

عملیات وتعویذات

☆ وظائف واوراد کی اہمیت

☆ سحر کی اقسام

☆ ناجائز عملیات

☆ تسخیر کا عمل

☆ مسئلہ اجازت عملیات

☆ جیسے دیگر عنوانات منتخب جواہرات

سحر کی اقسام

سحر کی دو قسمیں ہیں۔ایک سحر حرام کہ محاورات میں اکثر اسی پر سحر کا اطلاق ہوتا ہے۔ دوسرا سحر حلال جیسے عملیات اور عزائم اور تعاویذ وغیرہ کہ لغۃً یہ بھی سحر میں داخل ہیں اور ان کو سحر حلال کہا جاتا ہے۔لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تعویذ وعزائم وغیرہ مطلقاً مباح نہیں بلکہ اس میں بھی تفصیل ہے کہ اگر اس میں اسماء الٰہی سے استعانت ہو اور مقصود بھی جائز ہو،تو جائز ہے۔ اگر مقصود ناجائز ہوتو حرام ہے۔ اور اگر شیاطین سے استعانت ہوتو مطلقاً حرام ہے۔خواہ مقصود اچھا ہو یا برا۔بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ جب مقصود اچھا ہوتو شیاطین کے نام سے بھی استعانت جائز ہے۔یہ بالکل غلط ہے خوب سمجھ لو۔(تعلیم التعلیم ج۲)

ایک عوامی غلطی

بعض لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر نیت اچھی ہو اور کسی کا نفع ہوتو سفلی عمل بھی جائز ہے جس میں شیاطین سے استعانت ہوتی ہے۔یہ خیال بالکل غلط ہے۔
نفع کی نیت سے حرام عمل جائز نہیں ہو جاتا۔پس سفلی عمل تو اپنی حقیقت ہی کے اعتبار سے گناہ ہے گو نیت کیسی ہی اچھی ہو۔مگر علوی عمل بھی مطلقاً جائز نہیں اگر کوئی علوی عمل پڑھے تو اس کو دیکھنا چاہیے کہ نیت کیا ہے۔اگر مباح کام کے واسطے پڑھا جائے تو جائز ہے جیسے حلال نوکری کے واسطے پڑھے یا کوئی شخص مقروض ہو وہ ادائے قرض کے واسطے عمل پڑھے اور اگر مثلاً کسی اجنبی عورت کو مسخر کرنے کے واسطے پڑھا ہے تو حرام ہے۔(ایضاً)

عورت کی تسخیر کا عمل کرنا کیسا ہے؟

اگر بلا نکاح ہی مسخر کرنا مقصود ہے تب تو حرام ہے اور اگر نکاح کے لئے مسخر کرنا ہے تب چونکہ اس سے نکاح کرنا اس کے ذمہ واجب نہیں ہے وہ بھی جائز نہیں۔ ہاں اگر کسی کی

بیوی نافرمان ہو، اس کے مسخر کرنے کے واسطے عمل پڑھے تو جائز ہے۔ اسی طرح کسی عورت کا شوہر ظالم ہو اس کا مسخر کرنا بھی۔ لیکن بعض افراد اس کے بہت نازک ہیں اکثر لوگ ان کو علی الاطلاق جائز سمجھتے ہیں مگر فقہاء نے ان کو بھی حرام لکھا ہے۔ مثلاً کوئی عورت اپنے شوہر کو تابعدار بنانے کے واسطے عمل پڑھے تو اس میں تفصیل ہے۔ اگر وہ ادائے حقوق میں کمی کرتا ہے تو اس درجہ کے حاصل کرنے کے واسطے جائز ہے۔ اور اگر حقوق ادا کرتا ہے تو محض عاشق و مفتون بنانے کے واسطے عمل کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح کسی امیر آدمی کے واسطے عمل پڑھنا کہ وہ ہم کو پچاس روپے دے دے نا جائز ہے۔ (تعلیم التعلیم ج ۲)

دعا کی طاقت

اور وظائف میں ثواب کی نیت نہیں ہوتی بلکہ محض دنیا ملنے کی نیت ہوتی ہے اس لئے ثواب کچھ نہ ہوگا بخلاف دعا کے کہ وہ اپنی ذات سے عبادت ہے حتیٰ کہ اس میں اگر دنیا مانگی جائے تب بھی شریعت اس کو عبادت کہتی ہے چنانچہ خود شریعت نے اس کو دنیا مانگنے کا طریق تجویز فرمایا ہے پس دنیا کی نیت کرنا دعا کے منافی نہیں کیونکہ احادیث میں دنیا کی نیت سے بھی دعا کرنیکا حکم ہے۔

مثلاً ایک حدیث میں ہے۔ واسئلوا اللہ **العافیة** الصحیح لمسلم کتاب الجهاد: ۲۰)

کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگو اسی طرح حصول رزق و حصول غنا و اداء دین وغیرہ کے لئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں تعلیم فرمائی ہیں اور اگر احادیث میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دنیوی راحت کو نہیں چھوڑا جس کے لئے کوئی دعا نہ بتلائی ہو اور کسی مصیبت کو نہیں چھوڑا جس سے پناہ مانگنے کا طریقہ نہ بتلایا ہو بلکہ راحت و مصیبت کے علاوہ بھی ہر حالت کے متعلق ایک نہ ایک دعا آپ نے مقرر فرمائی ہے۔ (تفصیل الدین ج ۳)

صحابہ کرامؓ کی حالت

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تو یہ حالت تھی کہ غرباء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کرتے ہوئے آئے کہ یا رسول اللہ مالدار لوگ ہم سے بڑھ گئے کیونکہ جس طرح نماز روزہ ذکر و شغل ہم کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں اور ان میں یہ بات زیادہ ہے کہ وہ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ خیرات و صدقات کرتے رہتے ہیں۔ جہاد میں خوب مال خرچ کرتے ہیں اور یہ کام ہم نہیں کر سکتے۔ تو حضور نے ان سے فرمایا کہ تم پانچوں نمازوں کے بعد۔

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر

اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہیں اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اللہ سب سے بڑے ہیں۔

پڑھا کرو اس کا تم کو اتنا ثواب ملے گا کہ مالداروں کے صدقات اور خیرات سے بڑھ جائے گا۔ مالدار صحابہ کو جو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی یہ کام شروع کر دیا۔ غرباء پھر شکایت لائے کہ یا رسول اللہ امراء نے بھی وہ تسبیحیں پڑھنا شروع کر دیں جو آپ نے ہم کو تعلیم فرمائی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ اب میں کیا کروں۔ میں خدا کے فضل کو کسی سے کیوں روک دوں۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ یہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہیں عطا فرمائیں۔

حضرات صحابہ میں جو لوگ مالدار تھے ان کی یہ حالت تھی کہ وہ ہر وقت اپنے دین کی ترقی میں لگے رہتے تھے اور جو نیک کام ان کو معلوم ہوتا اس کی طرف سبقت کرتے تھے۔ ان کو دین میں نیچا دکھانا غرباء کو مشکل تھا۔ ان حضرات کے پاس مال بہت کچھ تھا مگر حالت یہ تھی کہ دل کو اس سے ذرا بھی لگاؤ نہ تھا۔

ایک صحابی کا انتقال ہونے لگا تو وہ رو رہے تھے۔ لوگوں نے ان کو تسلی دی کہ ماشاء اللہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فلاں فلاں غزوات میں شرکت کی اور خدا کے راستہ میں اسلام کی بہت سی خدمتیں کی ہیں ان شاء اللہ تم کو حق تعالیٰ بخش دیں گے۔ تو کیوں روتے ہو۔ انہوں نے کہا میں اس وجہ سے نہیں روتا بلکہ میں اس واسطے روتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہماری تنگدستی کی یہ حالت تھی کہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا تو ان کے کفن کے لئے صرف ایک چھوٹا سا کمبل تھا جس کو سر کی طرف کھینچتے تو پیر کھل جاتے اور پیر کی طرف کھینچتے تو سر کھل جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کمبل کو سر کی طرف کھینچ دیا جائے اور پیروں پر گھاس ڈال دی جاوے اور آج ہمارے پاس اتنا مال ہے کہ سوائے مٹی کے اور کہیں اس کی جگہ نہیں۔

اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ سوائے زمین میں دفن کرنے کے اور کہیں اس کی جگہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ بجز عمارتوں میں خرچ کرنے کے اور کسی کام میں یہ روپیہ نہیں آتا تو وہ حضرات ایسے تھے کہ زیادہ مال جمع ہونے سے روتے تھے اس کی ان کو زیادہ خوشی نہ تھی۔ (الکمال فی الدین ج ۳)

رازمحبوبیت

بعض لوگ تسخیر کے لئے عمل کیا کرتے ہیں یہ بھی حرام ہے اور اگر کسی بزرگ کو دیکھا ہو کہ وہ میاں بیوی میں محبت ہونے کے لئے عمل کرتے ہیں۔ تو وہ اس درجہ کا عمل کرتے ہیں جس سے میاں حقوق واجبہ ادا کرنے لگے یہ نہیں کہ وہ مغلوب الحواس ہو جائے بزرگوں کے پاس تسخیر کا عمل تو تہذیب اخلاق ہے اس سے بڑھ کر کوئی تسخیر نہیں جس کی نسبت کسی نے کہا ہے۔

اخلاق سب سے کرنا تسخیر ہے تو یہ ہے   خاک آپ کو سمجھنا اکسیر ہے تو یہ ہے

(التہذیب ج ۴)

ممنوع تعویذ

بعض تعویذ بھی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ قابل منع کرنے کے ہیں ایک تعویذ یہ مشہور ہے:

لی خمسۃ اطفی بھا جرا الوباء الحاطم   المصطفیٰ والمرتضی وابنا ھما والفاطمہ

میرے پاس پانچ تن ایسے ہیں جن سے میں وبا کی حرارت کو توڑتا ہوں ۔ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جناب مرتضیٰؓ ان کے دونوں بیٹے اور حضرت فاطمہؓ۔

یہ حضرات پنجتن کے نام مبارک ہیں اگر کچھ تاویل نہ کی جائے تو اس کا مضمون شرک ہے اور اگر تاویل کی جاوے کہ ان کے توسل سے یہ اللہ تعالیٰ سے سوال اور دعا ہے تو دعا کا ادب یہ ہے کہ نثر میں ہو نظم میں کیسی دعا اور پھر یہ کہ توسل ہی ہے تو صحابہؓ اور بھی تو ہیں ان کا نام کیوں نہیں آیا یہ کسی شیعی کی تصنیف ہے ان کو اور حضرات سے بغض ہے اس لئے ان کو چھوڑ دیا۔ اور طرفہ یہ ہے کہ جن کی دوستی میں اوروں سے بغض ہے بغض فرق شیعہ کو خود ان سے بغض ہے حضرات شیخین سے تو اس لئے کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان کا حق کیوں نہ دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس لئے کہ انہوں نے اپنا حق وصول کیوں نہ کیا۔ (العمر ج ۹)

وظائف واوراد قابل قدر ہیں

یہ اوراد بیکار نہیں ہیں بڑے کام کی چیزیں ہیں جبھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحبات وسنن کی ترغیب دی ہے بلکہ اگر احادیث کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض وواجبات سے زیادہ سنن ومستحبات کی ترغیب و بیان

فضائل کا اہتمام فرمایا ہے کیونکہ واجبات کو تو لوگ خود ہی کرتے ہیں ان کے لئے زیادہ ترغیب کی ضرورت نہ تھی اور سنن و مستحبات کا لوگ اہتمام نہیں کرتے اور ہیں ضروری بھی اور مفید اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا (۱۲ جامع) اور اسی واسطے مشائخ نے بھی مستحبات کا بہت اہتمام فرمایا ہے۔ چنانچہ اہل طریق کا ارشاد ہے من لا وردلہ واردلہ جس شخص کا کوئی ورد نہ ہو اس پر کوئی وارد بھی نہ ہوگا اور یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں حقیقت میں صاحب واردات وہی لوگ ہیں جو اوراد کے پابند ہیں اور جو لوگ سوائے فرائض و واجبات کے کچھ نہیں کرتے ان پر واردات نہیں ہوتے (الاقلیل ۱۲) پس خوب سمجھ لو کہ جس طرح فرائض و واجبات اصل اور اوراد ان کی فرع ہیں مگر اصل کا نفع ان فرع ہی کے ساتھ کامل ہوتا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے آپ مسہل لینا چاہیں تو اس کے لئے طبیب آپ کو ایک نسخہ لکھ کر دیتا ہے یہ تو اصل مسہل ہے لیکن اس کے بعد وہ یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ دو چار گھنٹہ کے بعد مدد کے لئے سونف کا عرق بھی نیم گرم پینا یا بیخ جلایا یا کوئی گولی کھالینا تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مدد بیکار ہے ہرگز نہیں مدد کی بھی بہت ضرورت ہے ورنہ مسہل میں ضرور کسر رہے گی اسی طرح یہاں سمجھو کہ اوراد و نوافل فرائض کے لئے بمنزلہ مدد کے ہیں اس کا نفع اس کے ساتھ مل کر ہی کامل ہوتا ہے پس ان کی پابندی بھی بہت ضروری ہے اور یہی معنی ہیں صبر کے آدمی اپنے معمولات پر مستقل رہے، جو شخص ہر حالت میں اپنے معمولات پر جمارہے گا اور اعمال شرعیہ کا پابند رہے گا وہ کسی نعمت موہوبہ غیر اختیاریہ کے سلب سے یاس و کفران میں اور کسی نعمت موہبہ کے عطا سے فرح و فخر میں مبتلا نہ ہوگا کیونکہ اس کی نظر میں اعمال مکتسبہ اختیاریہ مقصود بالذات ہوں گے اور اعمال موہوبہ غیر اختیار مقصود بالذات نہ ہوں گے اور جو احوال موہوبہ کو مقصود بالذات سمجھتا ہے وہ ان کے حصول پر اعمال و معمولات میں اکثر کمی کر دیتا ہے اور سلب احوال پر یاس و کفران میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (المعرق والرحق ج ۱۴)

تعبیر خواب

بس آج کل تو بڑا بزرگ وہ سمجھا جاتا ہے جو خوابوں کی تعبیر بتا دیتا ہو یا جیسا کوئی تعویذ

مانگے ویسا ہی وہ دیتا ہو اور اگر کوئی صاحب کہہ دے کہ ہم تو بھائی تعویذ گنڈے جانتے نہیں تو
یا تو اسے کہیں گے کہ یہ جھوٹا ہے بھلا کوئی بزرگ بھی ایسا ہوسکتا ہے کہ جو تعویذ نہ جانتا ہو اور
اگر اسے سچا سمجھیں گے تو کہیں گے کہ اجی یہ بزرگ وزرگ کچھ نہیں اگر بزرگ ہوتے تو
تعویذ لکھنا نہ جانتے، پھر اگر تعویذ دیا اور بیمار اچھا نہ ہوا تو تعویذ دینے والے کی بزرگی ہی
میں شک ہونے لگتا ہے کہ اگر یہ بزرگ ہوتے تو کیا تعویذ میں اثر نہ ہوتا حالانکہ اچھا ہو جانا
کچھ بزرگی کی وجہ سے تھوڑا ہی ہوتا ہے بلکہ جس کی قوت خیالیہ قوی ہوتی ہے اس کے تعویذ
میں زیادہ اثر ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص بہت زیادہ قوت خیالیہ رکھتا ہو تو اس کے محض
سوچنے ہی سے جاڑا بخار اتر جاوے چاہے وہ کافر ہی کیوں ہو کیونکہ یہ قوت تو اس میں بھی
موجود ہے اور یہ مشق سے اور بھی بڑھ جاتی ہے بالخصوص بعض طبائع کو تو اس سے خاص
مناسبت ہوتی ہے غرض بزرگی کا اس میں کچھ دخل نہیں یا مثلاً آج کل لوگ تصرفات کو بڑی
بزرگی سمجھتے ہیں کہ ایک نگاہ دیکھا تھا دھڑ سے نیچے گر گیا تو یہ بزرگ کیا ہیں گویا گرگ ہیں،
یوں کہئے کہ پہلوان بھی ہیں بزرگ صاحب، سو جناب یہ ساری خرابی بزرگوں کے اخلاق کی
ہے کہ چاہے سمجھ میں آوے یا نہ آوے کچھ نہ کچھ تعبیر ضرور دے دینا، یا کوئی نہ کوئی تعویذ ضرور
لکھ دینا اس میں بھی تو ایک بناوٹ اور تصنع سے ایسا کرنا ہے تا کہ درخواست کرنے والا
ہماری بزرگی کا معتقد رہے یہ بات تو خیر الحمد للہ اہل حق میں نہیں ہے لیکن یہ خیال کر کے کہ
اس کا دل نہ ٹوٹے لاؤ کچھ کر دیں اور بنا کر سوچ سا چکر کچھ کر کرا دیا اس میں اہل حق بھی محتاط
نہیں الا ماشاء اللہ اور صاف جواب اس لئے نہیں دیتے کہ دل ٹوٹے گا، سو اب چونکہ کہیں
سے جواب تو ملتا نہیں اس لئے ان چیزوں کو بھی لوگ داخل بزرگی سمجھنے لگے، یہ خرابی ہوئی
اخلاق کی، میں کہتا ہوں کہ خیر اگر دل شکنی کو بھی دل گوارا نہ کرے اور صاف جواب نہ دے سکیں
تو کم از کم ایک بات تو ضروری ہے وہ یہ کہ یوں کہہ دیا کریں کہ بھائی اس کا تعلق دین سے تو
کچھ نہیں ہے لیکن خیر تمہاری خاطر سے تعویذ دیئے دیتا ہوں باقی اثر ہونے کا میں ذمہ دار نہیں
اور اگر اثر ہو بھی تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس میں میرا کچھ دخل نہ ہوگا۔ (آثار الموج ج ۱۴)

عمل تسخیر

ہمارے حضرت استاد علیہ الرحمۃ کو ایک شخص نے تسخیر کا عمل بتلایا تھا اور مولانا کو کمالات

کا ایسا شوق تھا کہ ہر قسم کی چیز کو سیکھ لیا کرتے تھے۔ اسی طرح یہ عمل بھی سیکھ لیا جس سے مقصود محض علم تھا، عمل مقصود نہ تھا۔ کیونکہ اہل اللہ مخلوق کو مسخر کرنے کی تدبیریں نہیں کیا کرتے۔ جیسا بعض لوگوں کو بزرگوں پر شبہ ہو جاتا ہے کہ ان کو تسخیر کا عمل آتا ہے اور انہوں نے کوئی عمل ایسا کیا ہے جس کی وجہ سے لوگ ان کی طرف جھکے چلے آتے ہیں۔ میں اس کی نفی نہیں کرتا۔ بلکہ آپ کو اس کی حقیقت بتلاتا ہوں۔ غور سے سنو کہ واقعی انہوں نے تسخیر کا عمل کیا ہے۔ وہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہے۔ جس کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے بندہ خدا کا محبوب ہو جاتا ہے۔ پھر مخلوق کے دلوں میں بھی اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا

بلا شبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا۔ (پارہ نمبر ۱۶، رکوع نمبر ۹)

اور حدیث میں اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا نَادٰی جِبْرَئِیْلُ اِنِّیْ اَحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّہٗ ثُمَّ یُنَادِیْ جِبْرَئِیْلُ فِی السَّمٰوٰتِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْہُ ثُمَّ یُوْضَعُ لَہُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ (او کما قال)

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام کو ندا ہوتی ہے کہ میں فلاں کو چاہتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر جبرئیل آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر زمین میں بھی اس کے لئے قبول رکھ دیا جاتا ہے۔ یعنی اہل قلب کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ اہل کلب کے دلوں میں نہیں اس میں اعتبار ان لوگوں کا ہے جن کو کوئی غرض اس شخص سے وابستہ نہ ہو۔ نہ نفع کی نہ ضرر کی یعنی کسی دنیوی غرض سے نہ دوست ہوں نہ دشمن ہوں۔ بلکہ خالی الذہن ہوں کیونکہ جن لوگوں کو اس شخص سے کچھ دنیوی ضرر پہنچتا ہے۔ مثلاً اس کی وجہ سے ان کی شہرت میں کمی آگئی ہو وہ تو خواہ مخواہ اس کے دشمن ہوں گے اور جن کو اس سے کچھ نفع پہنچ رہا ہے وہ خود بخود دوست ہوں گے۔ ان دونوں کا اعتبار نہیں بلکہ اعتبار ان کا ہے جن کو نہ اس سے کچھ ضرر پہنچا ہے۔ نہ نفع۔ کوئی غرض دنیوی اس کے ساتھ متعلق نہ ہو تو ایسے لوگوں کے دلوں میں خلقی کی محبت ضرور ہوگی۔ بشرطیکہ وہ اہل قلب ہو اہل کلب نہ ہو۔ کیونکہ بعض قلب کلب ہوتا ہے۔ (افناء المحبوب ج ۱۵)

نسبت پر عملیات کا اثر

حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب پر بھی بعض لوگوں کو ایسا گمان تھا۔ مولانا صاحب کشف تھے ان کو اس خطرہ پر اطلاع ہوگئی فرمایا استغفر اللہ، بعض لوگوں کا ایسا خیال ہے کہ اہل اللہ عملیات سے لوگوں کو مسخر کرتے ہیں۔ ارے یہ بھی خبر ہے کہ عمل سے نسبت باطنی سلب ہو جاتی ہے وہ ایسا کبھی نہیں کرتے تو مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے تسخیر وحُبّ کا عمل محض اس لئے سکھ لیا تھا کہ مولانا کو ہر چیز کے جاننے کا شوق تھا۔ عمل کرنے کے واسطے نہیں سیکھا تھا۔ چنانچہ جس شخص نے آپ کو یہ عمل بتلایا تھا اس نے اخفاء کے اہتمام کے جنگل میں لے جا کر تعلیم کیا تھا۔ جب مولانا نے اس عمل کو محفوظ کر لیا تو اس شخص نے مولانا کو زیادہ معتقد بنانے کے لئے یہ کہا کہ حضرت یہ عمل بہت تیز ہے۔ میں نے ایک ایسی امیر زادی پر اس عمل کا امتحان کیا تھا۔ جس کی ہوا بھی پردہ سے باہر نہ نکلی تھی مگر اس عمل سے وہ فوراً میرے پاس حاضر ہوگئی۔ یہ سُن کر مولانا اس عمل سے گھبرا گئے فرمایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ نفس کا کیا اعتبار ہے نہ معلوم کس وقت وہ بدل جائے اس لئے میں نے اس عمل کو ذہن سے بھلانے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ اب اس کا ایک لفظ بھی یاد نہیں۔ واقعی یہ بڑا کمال ہے کہ یاد کی ہوئی چیز کو اس طرح بھلا دیا جائے۔ اس کو کرامت کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔

ایک حالت مولانا کی اس سے بڑھ کر یاد آئی مجھ سے خود فرمایا کہ ایک بار خط لکھ کر دستخط کرنا چاہا تو اپنا نام یاد نہیں آیا۔ یہ واقعہ اگر میں خود حضرت سے نہ سنتا تو راوی کو کاذب سمجھتا۔ تو ایسے حالات اور کرامات تو مستثنیٰ ہیں لیکن عادۃً یہ امور اختیار سے باہر تھے۔ پس شیخ سے یہ درخواست کرنا کہ ہم بچہ کو بھول جائیں واقعہ ہی یاد نہ رہے۔ فضول ہے کیونکہ یہ بات اختیار سے باہر ہے اور اگر کسی نے ایسا کیا بھی ہے تو وہ محض کرامت ہے اور کرامت بھی اختیار میں نہیں۔ دوسرے اگر ایسا ہو جائے تو صبر ہی کہاں رہا اور صبر کا ثواب کیونکر ملے گا کمال تو یہی ہے کہ واقعہ غم یاد ہو پھر صبر کرے یعنی اجر کو یاد کر کے دل کو سمجھائے اور ذکر اللہ میں مشغول ہو جائے اس پر وعدہ ہے اطمینان کے مرتب ہونے کا۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (سمجھ لو) کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو چین حاصل ہوتا ہے۔ (پارہ نمبر ۱۳۔ رکوع نمبر ۱۰)

اور جس مرتبہ کا ذکر ہوگا اسی مرتبہ کا اطمینان ہوگا۔ اور اس اطمینان کا حاصل یہ نہ ہوگا

کہ غم بالکل زائل ہو جائے گا۔ بلکہ حاصل ہوگا کہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہ ہوگا۔ عقلاً اس پر راضی ہو جائے گا یا یہ سمجھے گا کہ جو ہوا عین حکمت ہوا۔ اسی ذکر کے تکرار سے غم کا غلبہ کم ہو جائے گا۔ جس سے تکلیف کا درجہ جاتا رہے گا۔ تو کیا ٹھکانہ ہے رحمت کا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا طریقہ بتلایا کہ عذابِ غم سے بھی بچ جاؤ اور ثواب سے بھی محروم نہ ہو۔ مگر تم یہ چاہتے ہو کہ غم ہی نہ رہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ صبر کا ثواب نہ ملے۔ (افناء المحبوب ج ۱۵)

جن بھگانے کے لئے اذان

حدیث میں ہے۔ **اذا تغولت الغیلان نادیٰ بالاذان** یعنی جبکہ جن کسی شکل کے اندر ظاہر ہو تو اذان پکار کر کہہ دے اس پر مجھے یاد آیا کہ بعض لوگ طاعون پر اذان کہتے ہیں اور استدلال یہ کرتے ہیں کہ طاعون ہے جن سے اور تغول جن (جن کی شکل میں ظاہر ہونے) کے لئے اذان کہنا آیا ہے۔ یہ تو استدلال صحیح نہیں کیونکہ تغول دفعتہً ہوتا ہے اور اس سے دفعتہً ہی ضرر پہنچتا ہے تو اگر اس کے لئے نماز کی اذان کا انتظار کریں تو اتنی دیر میں وہ تباہ کر دے گا۔ اور طاعون کا ضرر دفعتہً نہیں ہوتا پس اس میں جو جن ہیں وہ نماز مغرب کی اذان سے اور دوسرے اوقات کی نماز کی اذان سے بھاگ جائیں گے تو اس کیلئے مستقل اذان کی کیا ضرورت ہے خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اصل بات یہ ہے کہ جب حدیث میں اذا تغولت الغیلان ہے تو لاغول کے معنی یہ ہیں کہ آدمی مر کر بھوت نہیں ہوتا اب رہی یہ بات کہ وہ تو مرے ہوئے شخص کا نام بتلاتے ہیں کہ میں فلانا ہوں تو وہ جھوٹ اپنا نام بدل کر بتلا دیتے ہیں۔ (اجابۃ الداعی ج ۲۱)

مرض طاعون کا ازالہ

طاعون کی تدبیر میں صفائی مکانات کی اور فنائل ہی کافی نہیں ہے بلکہ دوسری صفائی بھی ضروری ہے اور یہ دوسری صفائی وہ نہیں جو بعضے بد مذاق لوگ سمجھتے ہیں یعنی وہ تعویزوں کو کافی سمجھتے ہیں کہ تعویذ دروازہ پر چسپاں کر دو طاعون تعویذ سے ڈر کر بھاگ جائے گا۔ یہ ان سے بڑھ کر ہیں جو دوا پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ دوا کا کھانا اور استعمال کرنا بیماری زائل ہو جانے کی طبعی تدبیر تو ہے لیکن تعویذ کا چسپاں کرنا طاعون کے بھاگ جانے کے لئے تو اُس درجہ کی طبعی تدبیر بھی نہیں اور نہ باطنی و حقیقی جیسا کہ اصلاح حالت تدبیر حقیقی ہے پس اس پر اتنا اعتقاد رکھنا

بہت ہی عجیب ہے جتنا وہ لوگ رکھتے ہیں جو کہ تعویذوں کے معتقد ہیں یعنی ان کو شک ہی نہیں ہوتا گویا ایک پٹہ لکھوالیا ہے صاحبو! طاعون تو جب بھاگے جبکہ باہر سے آتا ہو طاعون تو گھر کے اندر موجود ہے باہر تعویذ لگانے سے کیا ہوتا ہے وہ طاعون کیا ہے معصیت، کیونکہ طاعون ہو یا کوئی اور مصیبت ہو اس کا اصلی سبب تو معصیت ہے۔ (الاستغفار ج ۲۳)

مسئلہ اجازت عملیات

ایک شخص نے دہلی میں میرے ترجمہ کی حمائل شریف چھاپی۔ اس میں حاشیہ پر آیات کے متعلق عملیات بھی چھاپ دیئے۔ گو عملیات میں میری ایک علیحدہ کتاب ہے مگر اس حمائل پر جو عملیات چھپے ہیں اس کی مجھے خبر نہیں کہ وہ کہاں سے چھاپے اب لوگوں کے خطوط میرے پاس بکثرت آتے ہیں کہ ان عملیات کی اجازت دیدیجئے' میں لکھ دیتا ہوں کہ مجھے خود کسی نے اجازت نہیں دی' کیا ایسے شخص کی اجازت مفید ہوسکتی ہے میں کہتا ہوں اس اہتمام کے ساتھ یہ اجازت کا قصہ بھی محض ایک فضول حرکت ہے کیونکہ اس سے تسلسل لازم آئے گا کہ ہر اجازت دینے والے کے لیے اجازت دینے والا لازم آئے گا کہ کہو کہ منتہا سب کے حضور ہیں اور حضور کو حق تعالیٰ نے اجازت دی' بس سلسلہ ختم ہوگیا تو خود یہ دعویٰ غلط ہے کیونکہ عمل اور تعویذ گنڈے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تو منقول نہیں تو سب سے اول عمل والے کو کس نے اجازت دی تھی اگر اس کے عمل بے اجازت مؤثر ہوئے تو معلوم ہوگا کہ عملیات کے مؤثر ہونے کے لیے اجازت شرط نہیں یہ سب کھانے کمانے والوں کی ترکیبیں ہیں کہ لوگ خود تعویذ نہ لکھ سکیں' ہمارے محتاج رہیں اسی طرح اس کی بھی کیا ضرورت ہے کہ ایصال ثواب کے لیے کھانے پر پنج آیت بھی ضرور پڑھی جاوے جس میں جاہل لوگ ان پیر جیوں کے محتاج رہیں۔ (اشرف العلوم ج ۲۷)

تعویذ کی حیثیت

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل عملیات میں زبان سے کہنا ہے لیکن جو بچہ وغیرہ پڑھنے پر قادر نہ ہو اس کے واسطے روایات ہی میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "**کتبها فی صک و علقها فی عنقه**" یعنی لکھ کر گلے میں ڈال لیتے ہیں' سمجھداروں کے واسطے کہیں کسی روایت سے ثابت نہیں کہ تعویذ اس کے گلے میں لٹکایا گیا ہو میں اس کے جواز کا انکار نہیں کرتا۔ مقصود میرا یہ بتلانا ہے کہ سلف میں نقش تعویذ کا کیا درجہ ہے اور اب کیا ہوگا چنانچہ اب تو لوگوں کا یہ

اعتقاد ہے کہ جو بات تعویذ سے ہوگی وہ پڑھنے سے بھی نہ ہوگی کیونکہ لکھا ہوا تو کسی بزرگ کا ہے ان کے لکھنے کی وجہ سے برکت زیادہ ہوگی اور پڑھا ہوا ہمارا اہم میں وہ برکت کہاں ارے بھئی بس انہیں بزرگ ہی سے تعویذ لکھوالو حالانکہ اس کی کوئی دلیل نہیں مگر رواج اس کا اس قدر عام ہے کہ اپنے پڑھنے پر دوسرے سے لکھوانے کو ترجیح دی جاتی ہے میرے خیال میں تو اس کا راز یہ ہے کہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ محنت نہ کرنا پڑے بس جو کام ہو وہ بزرگوں کے تعویذ ہی سے نکل جائے خود کچھ نہ کرنا پڑے اس لیے فرمائش کی جاتی ہے کہ طاعون کا تعویذ لکھ دو اگر ان لوگوں سے یہ کہا جاوے کہ میاں تعویذ سے کیا ہوگا' استغفار پڑھا کرو تو جواب میں یوں کہیں گے کہ اجی ہم نے تعویذ لکھوالیا ہم تو مطمئن ہو گئے۔ یاد رکھو کہ یہ تعویذ صرف بچوں کے لیے ہیں جو خود پڑھنے اور لکھنے سے قاصر اور معذور اور تعویذ لکھنے کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں ثابت نہیں۔ البتہ آپ کا معمول تھا کہ آپ پڑھ کر دم فرمادیا کرتے تھے' تو دم بھی تو کر دیا کرو' محض تعویذ پر اکتفانہ کیا کرو' پھر اگر صاحب حاجت سمجھ دار ہے تو خود بھی پڑھے اور پڑھوا کر دم بھی کرالے اور خیر ایسا ہی جی چاہے تو تعویذ بھی لکھوالے' غرض ان تین چیزوں کو جمع کرے' صرف ایک تعویذ ہی پر اکتفانہ کرے اب تو تعویذ کی ایسی رسم ہوگئی ہے کہ بوڑھے بوڑھے تعویذ مانگتے ہیں یا آگے ترقی۔ (اشرف العلوم ج ۲۷)

وکیل کی مخالفت الی الشر کی اجازت نہیں

فقہاء نے کہا ہے کہ وکیل کی مخالفت الی الشر اپنے موکل کی جائز نہیں ہاں مخالفت الی الخیر جائز ہے جیسے کسی نے قلمدان بیچنے کو دیا کہ اسے ایک روپیہ کو بیچنا تو سوا روپیہ کو بیچنا تو بدرجہ اولیٰ جائز ہے کیونکہ سوا روپیہ میں تو ایک روپیہ بھی ہے اور بارہ آنہ کو بیچنا جائز نہیں۔ اسی طرح اگر فقیر نے ایک پیسہ مانگا اور تم نے ایک روپیہ دیدیا تو اس کے سوال کو رد کیا یا کہ اور زیادہ قبول کرلیا' اب آپ سو روپے کی دعا کر کے اثر یہ ثابت کر دیجئے کہ نہ آپ کو سو روپے ملے نہ اس کی اچھی چیز ملی تو عدم قبول کا دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے لیکن اگر آپ کو بجائے سو روپیہ کے دو رکعت نماز نفل کی توفیق ہوگئی تو کیا پھر بھی عدم قبول کا دعویٰ کر سکتے ہو۔ کیا نماز بھی سو روپے سے زیادہ اچھی چیز نہیں' کیا روزہ اس سے اچھا نہیں ہے؟ اگر سو روپے نہیں ملے اور نماز روزہ کی توفیق ہوگئی تو یہ قبول ہی تو ہے بلکہ اور زیادہ قبول ہے کہ ایسی چیز مل گئی جس کا اجر سو روپے سے بدرجہا زائد قیمتی ہے تو بعضا قبول خفی ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ اگر آج دعا نہ کرتے تو پارہ اور نماز پڑھنے کی توفیق ہی نہ ہوتی۔ (اشرف العلوم ج ۲۷)

زیارت نبوی غیر اختیاری چیز ی ہے

بعض لوگ اس کی ترکیبیں پوچھا کرتے ہیں کہ کوئی وظیفہ یا درود ایسا بتلا دو جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ہو جائے۔ گو بزرگوں نے اس کے طریقے بھی لکھے ہیں مگر حقیقت میں یہ محض ہیبت ہے اختیاری چیز نہیں اسی لئے اگر خواب میں کسی کو زیارت ہو جائے تو یہ کچھ کمال مامور بہ نہیں (گو نعمت عظیمہ ہے)۔

اور اگر کسی کو عمر بھر زیارت نہ ہو تو یہ کچھ نقص منہی عنہ نہیں کیونکہ ایسے کمال و نقص کا مدار تو امور اختیاریہ ہیں غیر اختیاری امور کے نہ ہونے سے نقص لازم نہیں آتا اور خواب میں دیکھ لینا امر غیر اختیاری ہے تو نہ کچھ کمال ہے اور نہ اس کی ضد کچھ نقص ہے بلکہ خود بیداری میں اختیار سے دیکھ لینا گو فضیلت ہے مگر نہ دیکھنا کوئی ایسا نقص نہیں جس میں کوئی دینی نقص ہو بلکہ بعض حالتوں میں دیکھنے پر نہ دیکھنے کو ترجیح ہو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت زندگی بعض ایسے لوگوں نے بھی دیکھا ہے جو مرتکب کبائر تھے گو کفار نے بھی دیکھا مگر ان کا دیکھنا تو نہ دیکھنے کے حکم میں ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (اور آپ ان کو اپنی طرف نظر کرتا ہوا دیکھیں گے حالانکہ وہ کچھ نہیں دیکھتے ۱۲) کفار کے دیکھنے کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کسی حسین جمیل محبوب کی صورت خوردبین کے آئینہ میں کو دیکھے جس میں چھوٹی شے بہت بڑی معلوم ہوتی ہے اب اس کو محبوب کا قد شہتیر سے بھی بڑا نظر آئے گا اور ناک ہاتھی کی۔ دیکھئے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو باوجودیکہ زیارت نہیں ہوئی مگر ان کی وہ فضیلت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اگر تم اویس سے ملو تو ان سے اپنے واسطے دعا کرانا وہ بڑے مستجاب الدعوات ہیں ان کی شفاعت سے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت بخشی جائے گی اور ان کے نہ دیکھنے پر اس لئے ترجیح تھی کہ وہ خود سرکار کے روکے ہوئے تھے ان کی والدہ بہت بوڑھی اور ضعیف تھیں اور خدمت کرنے والا ان کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا اس وقت ان کے لئے خدمت والدہ سفر مدینہ سے زیادہ اہم تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو نہ آسکے کیا ان کا دل نہ تڑپتا ہوگا ضرور تڑپتا ہوگا آج ہم لوگ دیدار نبوی کی حسرت میں ہیں حالانکہ کوئی صورت متوقع نہیں اور حضرت اویسؓ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا زمانہ پایا ہے جس میں زیارت متوقع تھی مگر وہ اس واسطے نہ جاسکے کہ۔

اريد وصاله ويريد هجرى فاترک ما اريد لمايرد

میل من سوے وصال نہ میل اوسوے فراق ترک کام خود گرفتم تابرآید کام دوست

(میں تو اس کے وصال کا خواہاں ہوں اور وہ میری جدائی کے درپے ہے۔ پس میں اپنی خواہش کو اس کی مرضی کے تابع کرتے ہوئے ترک کرتا ہوں)

وہ تو آنا چاہتے تھے مگر خدا اور رسول کا حکم یہی تھا کہ ماں کی خدمت کے لئے اپنے گھر ہی پر رہو اور اطاعت واجب تھی اور زیارت مستحب۔ (انفاق الحبوب ج ۳۰)

عن عثمان بن عبدالله بن وهب قال فارسلنى اهلى الى ام سلمة بقدح من مآء وكان اذا اصاب الانسان عين اوشئى بعث اليها محصنة لها فاخرجت من شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت نفسكه فى جلجل من فضة فحضحفته فشرب منه قال فاطلعت فى الجلجل فرايت شعرات حمراء. (رواه البخارى)

عثمان بن عبداللہ بن وہب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک پیالہ پانی کا دے کر بھیجا اور یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی انسان کو نظر وغیرہ کی تکلیف ہوتی تو حضرت ام سلمہؓ کے پاس پانی کا پیالہ بھیج دیتا ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال تھے جن کو انہوں نے چاندی کی نلکی میں رکھ رکھا تھا پانی میں ان بالوں کو ہلا دیا کرتی تھیں اور وہ پانی بیمار کو پلا دیا جاتا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے جو جھک کر نلکی کو دیکھا تو اس میں چند سرخ بال تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ ایک صحابیہؓ کے پاس نلکی میں بال رکھے ہوئے تھے جس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا جاتا تھا کہ بیماروں کی شفاء کے لیے اس کا غسالہ پلا دیا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کے بارے میں اختلاف ہوا ہے صحیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال پکنے لگے تھے جس سے دیکھنے والوں کو خضاب کا شبہ ہوتا تھا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کبھی نہیں کیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کل سفید بال قریب بیس کے تھے یا کچھ زائد۔ (الحبو رالنور الصدور ج ۳۱)

لطائف وظرائف

☆ مزاح کے بارہ میں اسلامی حدود

☆ اکابر کے مزاح پر مبنی حکایات

ضعیف اور ضعیفہ

کانپور میں مجھ سے ایک بڈھے نے پوچھا تھا کہ وتروں کے بعد سبحان الملک القدوس کہنا کیسا ہے میں نے کہا ہاں مسنون ہے حدیث سے ثابت ہے۔ کہنے لگا وہ حدیث تو ضیعف ہے۔ میں نے ظرافت سے کہا تم بھی تو ضعیف ہو۔تم ہی کہاں کے قوی ہو جو تمہیں حدیث قوی کی ضرورت ہے۔اس وقت مجھے اس حدیث کی قوت وضعف کی تحقیق نہ تھی۔ ہاں اتنا معلوم تھا کہ موضوع نہیں ہے اور فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ پر بھی عمل جائز ہے۔اس لئے میں نے بڈھے میاں کو بوجہ اس کے کہ وہ علمی مباحث کو سمجھ نہیں سکتا تھا اس وقت یہی جواب دے دیا کہ تم بھی تو ضعیف ہی ہو۔(العید والوعید ج ٦)

آمین کی اذان

یہ لطیفہ نواب صدیق حسن خان صاحب کے صاحبزادے نورالحسن خان نے فرمایا تھا۔ ایک بار وہ کسی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے جب امام نے ولا الضالین کہا تو غیر مقلدین نے بڑے زور سے آمین کہی۔نواب صاحب کے بیٹے بھی موجود تھے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ان چلانے والوں کو بلایا وہ اپنے دل میں خوش ہوئے ہوں گے کہ نواب زادہ بھی ہم ہی جیسے ہوں گے۔ان کو ہمارا جہر پسند ہوا ہوگا۔ضرور کچھ انعام دیں گے جب یہ قریب پہنچے تو ایک چپت رسید کیا اور کہا کہ آمین بالجہر تو حدیث میں آئی ہے مگر آمین کی اذان کون سی حدیث میں آئی ہے۔

واقعی بعضے لوگ اتنے زور سے آمین کہتے ہیں کہ جیسے لڑ رہے ہوں۔

ہمارے سب سے چھوٹے بھائی جن کو ہم نے عربی پڑھائی تھی وہ ایک دفعہ قنوج میرے ساتھ گئے وہاں جمعہ کی نماز میں کچھ غیر مقلد بھی شریک تھے جنہوں نے آواز ملا کر

زور سے آمین کہی کہ سننے والوں کو توحش ہوتا تھا نماز کے بعد میرے بھائی کہنے لگے کہ آمین تو دعا ہے اور دعا خاص لب ولہجہ عاجزی و نیازمندی کا ہوتا ہے جس کا ان لوگوں میں پتہ بھی نہیں۔ ان کے لہجہ میں تو دعا کی شان نہیں معلوم ہوتی۔ یہ بات مجھے بہت پسند آئی واقعی اس میں جہر شدید کے ممنوع ہونے کو یہی بات کافی ہے کہ اس میں دعا کا لہجہ نہیں ہوتا۔

ایک انگریز نے بھی اس بات کو سمجھا۔ کسی جگہ مقلدوں اور غیر مقلدوں کا جھگڑا تھا انگریز موقعہ پر تحقیقات کو خود آیا اور یہ فیصلہ لکھا کہ آمین کی تین قسمیں ہیں۔ ایک بالجہر یہ تو سنت ہے احادیث سے ثابت ہے۔ ایک بالسر یہ بھی سنت ہے احادیث سے ثابت ہے۔ ایک بالشر جس سے مشتعل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ قابل روکنے کے ہے اور ان لوگوں کی آمین تیسری قسم کی ہے۔ لہذا قابل روکنے کے ہے۔ (العید والوعید ج ۶)

حفاظ جی کھائی

ایک حافظ جی دعوت کھا کر ایک لڑکے کے ساتھ واپس ہو رہے تھے راستہ میں کھائی یعنی خندق آئی تو لڑکے نے کہا' حافظ جی کھائی' تو وہ فرماتے ہیں ہاں بیٹا خوب کھائی۔ اس نے پھر کہا' حافظ جی کھائی۔ وہ یہی کہتے رہے ہاں بیٹا خوب کھائی۔ آخر کو گڑھے میں گر پڑے تو اس پر بڑے خفا ہوئے کہ تو نے بتلایا کیوں نہیں۔ اس نے کہا کہ میں نے تو بار بار کہا تھا۔ حافظ جی کھائی۔ حافظ جی کھائی۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ تجھے یوں کہنا چاہئے تھا' حافظ جی خندق۔ (خیر الاثاث الاناث ج ۸)

اکبر اور بیربل کا لطیفہ

ایک دفعہ اکبر نے بیربل سے کہا کہ یہ جو مشہور ہے کہ تین ہٹیں بہت سخت ہیں جن کا پورا کرنا مشکل ہے راج ہٹ، تریاہٹ، بالک ہٹ، تو ان میں بادشاہ اور عورت کی ضد کا دشوار ہونا تو سمجھ میں آتا ہے کیونکہ وہ دونوں عاقل ہوتے ہیں ممکن ہے کسی وقت سوچ کر ایسی دشوار بات کہیں جو کسی سے پوری نہ ہو سکے مگر بچہ کی ہٹ کا پورا کرنا کیا مشکل ہے اس میں اتنی سمجھ کہاں جو سوچ سوچ کر دشوار باتیں نکالے اور دوسروں کو عاجز کر دے۔

بیربل نے کہا حضور سب سے زیادہ مشکل بالک ہٹ ہی ہے جس کے پورا کرنے کے

لئے بڑی عقل درکار ہے اکبر نے کہا یہ سمجھ میں نہیں آیا اس کا امتحان ہونا چاہئے بیربل نے کہا حضور پھر میں بچہ بنتا ہوں۔ آپ میری ضدیں پوری کیجئے کہا اچھا! چنانچہ بیربل بچوں کی طرح رونے لگا۔ اکبر نے پوچھا کیوں روتا ہے کہا ہم تو کلھیا لیں گے۔ اکبر نے فوراً ایک کلھیا منگا دی وہ پھر رونے لگا۔ پوچھا اب کیوں روتا ہے کہا ہم تو ہاتھی لیں گے۔ اکبر نے فیل خانے سے ایک ہاتھی منگا دیا۔ وہ پھر رونے لگا۔ کہا اب کیوں روتا ہے۔ کہا اس ہاتھی کو کلھیا میں رکھ دو۔ بس اکبر عاجز ہو گیا ہے کہا اچھا اب ہم بچے بنتے ہیں تم ہماری ضد پوری کرو۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ اکبر کو اور کچھ تو سبق آتا نہ تھا۔ بیربل ہی کا پڑھایا ہوا سبق دہرایا دیا کہ ہم تو کلھیا لیں گے اس نے بازار سے مٹی کا ایک ذرا سا ہاتھی منگا دیا پھر کہا اس کو کلھیا میں رکھ دو اس نے اٹھا کر رکھ دیا۔ بس خاموش ہو گئے بیربل نے کہا حضور آپ نے یہ غلطی کی کہ بچہ کی فرمائش پر اتنا بڑا ہاتھی منگایا۔ آپ کو ہاتھی بھی بچے کے مناسب منگانا چاہئے تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اکبر نے بیربل ہی کا سبق دہرا دیا تھا اس لئے بیربل نے اسے جلدی ہی پورا کر دیا۔ (الصر ج ۹)

جنت میں بوڑھیاں

مزاح حدیث سے بھی ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض دفعہ فرمایا ہے چنانچہ ایک بڑھیا نے حضور سے دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں پہنچا دے حضور نے فرمایا **لا تدخل العجوز الجنة** کہ بوڑھی عورت جنت میں نہ جائے گی وہ لگی رونے تب آپ نے یہ آیت پڑھی۔ **اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ** بے شک ہم نے ان عورتوں کو اچھی پیدائش پر پیدا کیا کنواریاں، انس و محبت رکھنے والیاں، ہم عمر، داہنے والوں کیلئے۔ مطلب یہ تھا کہ بوڑھی عورت بڑھیا ہو کر جنت میں نہ جائے گی ایک بار حضرت ابوذر نے ایک مسئلہ کے متعلق بار بار سوال کیا آپ نے ہر دفعہ جواب دیا پھر آخیر میں فرمایا **وان رغم انف ابی ذر** کہ ہاں یہی جواب ہے اگر چہ ابوذر کی ناک رگڑ جائے یہ مزاح ہی تو تھا گو برنگ عتاب تھا مگر عاشق کو اس میں ایسا لطف آتا ہے کہ حضرت ابوذر جب اس حدیث کو بیان کرتے تو آخیر میں یہ بھی کہتے **وان رغم انف ابی ذر وان زعم انف ابی ذر** کیونکہ ان کو اس میں حظ آتا تھا۔ (المرابط ج ۱۱)

کافر بنانا یا بتانا

اہل حق کا طریقہ یہی ہے کہ حتی الامکان جب تک کوئی بھی تاویل بن سکے کسی کو کافر نہ بتا دیں۔ ہاں اگر وہ خود ہی تاویل کو بھی رد کرے تو مجبوری ہے کہ اب مدعی سست اور گواہ چست کا قصہ ہے باقی اپنی طرف سے کبھی کسی کو کافر نہیں بناتے اور جہاں کہیں بضرورت شرعی انہوں نے کسی کو کافر کہہ دیا ہے بعض جہلاً اس پر بھی طعن کرتے ہیں کہ لوگوں کو کافر بناتے ہیں۔ میں اس کے متعلق بطور لطیفہ کہا کرتا ہوں کہ انہوں نے کافر بنایا نہیں بلکہ کافر بتایا ہے (دونوں میں ایک نقطہ کا فرق ہے) (الاسلام الحقیقی ج ۱۲)

بڑھاپے کے اثرات

ایک بوڑھے شخص کا قصہ ہے کہ اس نے ایک طبیب سے اپنا حال کہا کہ آنکھوں میں تیرگی ہے طبیب نے کہا بڑھاپے سے اس نے کہا سانس پھول جاتا ہے کہا یہ بھی بڑھاپے سے ہے پھر کہا بھوک نہیں لگتی کہا یہ بھی بڑھاپے سے غرض جو شکایت کی اس نے یہی جواب دیا کہ یہ بھی بڑھاپے سے ہے۔ آخر وہ بڈھا بگڑ گیا اور طیش میں آ کر اس طبیب کے ایک دھول رسید کی کہ تو نے ساری طب میں بس یہی پڑھا ہے کہ بڑھاپے سے۔ طبیب نے کہا بڑے میاں یہ بے جا غصہ بھی بڑھاپے ہی سے ہے۔ تمہارے اس مارنے کا بھی برا نہیں مانتا۔ (روح الارواح ج ۱۷)

امراء وسلاطین میں نفرت موت

خصوص امراء وسلاطین میں موت سے اس قدر نفرت پائی جاتی ہے کہ وہ موت کے ذکر کو بھی پسند نہیں کرتے۔ میں نے سنا ہے کہ دہلی کے قلعہ میں جنازہ نکلنے کے لئے ایک دروازہ خاص طور پر بنا دیا تھا اس لئے کہ کہیں اور دروازہ مردے کے نکلنے سے منحوس نہ ہو جائے اور اس دروازہ کا نام جس میں سے مردہ نکالا جاتا تھا مناسب تو یہ تھا کہ موت کا دروازہ رکھ دیتے لیکن اس خیال سے کہ موت کا نام لینا بھی ٹھیک نہیں ہے اس کا نام خضر دروازہ رکھا گیا تھا۔ بے چارے خضر کو بھی بدنام کیا۔ اگرچہ خضر کی حیات میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک وہ اس وقت بھی زندہ ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ مدتوں زندہ رہ کر وفات پا چکے ہیں مگر

نام رکھنے والے نے اپنے نزدیک زندہ گمان کر کے دروازہ کا نام خضر دروازہ رکھا ہے۔ اسی طرح ایک مناظرہ کی کیفیت بیان کی گئی ہے کہ وہ دو فاضلوں میں جھگڑا اور مباحثہ رہا کرتا تھا۔ بادشاہ تیمور لنگ کے دربار میں ایک بار ایک فاضل نے دوسرے سے کوئی مسئلہ فرائض و تقسیم کا پوچھا؟ ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ ان کو فرائض نہیں آتی تو یہ ہار جائیں گے۔ انہوں نے اپنی ذہانت سے فوراً ایک نکتہ تصنیف کر کے کہا کہ موت کا ذکر دربار میں کرتے ہو یہ ہرگز مناسب نہیں ہے۔ غرض اس وقت اس طرح اپنے عجز کو مستور کر لیا پھر مطالعہ کتب کا کر کے اس فن میں ایک کتاب لکھ کر ان کے پاس بھیج دی کہ جو کچھ دیکھنا ہو اس کتاب میں دیکھ لیا کرو۔ تمہیں اس سے ہر مسئلہ کا پتہ چل جائے گا۔ (شوق اللقاء ج ۲۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں حکمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مزاح فرماتے تھے اس میں بھی حکمت تھی۔ ایک حکمت تو تطییب قلوب اصحابہ تھی۔ اور دوستوں کا دل خوش کرنا بھی عبادت ہے میں نے اپنے استاد مولانا فتح محمد صاحبؒ سے سنا ہے کہ ایک دفعہ وہ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں دیر تک بیٹھے رہے اور باتیں کرتے رہے جب اٹھنے لگے تو حضرت سے عرض کیا کہ آج میں نے حضرت کا بہت وقت ضائع کیا حضرت کی عبادت میں خلل ڈالا حاجی صاحب نے فرمایا کیا نفلیں ہی پڑھنا عبادت ہے۔ دوستوں سے باتیں کرنا عبادت نہیں؟ یہ تم نے کیا کہا کہ وقت ضائع کیا نہیں بلکہ یہ سارا وقت عبادت ہی میں گزارا اسی طرح حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ صبح کی نماز کے بعد بعض دفعہ مصلے پر بیٹھے رہتے تھے اور اشراق کے وقت تک دوستوں سے باتیں کرتے تھے۔ آدمی تو یہ سمجھتا ہوگا۔ کہ یہ وقت عبادت سے خالی گزرا مگر مولانا اس کو بھی عبادت میں مشغول سمجھتے تھے۔ کیونکہ تطییب قلب مومن بھی عبادت ہے۔ بس ایک حکمت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں یہ تھی دوسری حکمت وہ تھی جو مجھے خواب میں بتلائی گئی۔ میں نے شباب میں خواب دیکھا تھا کہ ملکہ وکٹوریہ ایک ایسی سواری میں سوار ہے جس میں نہ انجن ہے نہ گھوڑا ہے نہ بیل۔ اس وقت تو میں اس سواری کی حقیقت کو نہیں سمجھا تھا۔ مگر اب موٹر کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ وہ سواری لاری موٹر کی شکل تھی اور میں نے دیکھا کہ ملکہ سوار تھی تھانہ بھون کی گلیوں اور سڑکوں میں

پھر رہی ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنے کو بھی اس سواری پر سوار دیکھا۔ اس وقت ملکہ نے مجھے کہا کہ مجھے حقانیت اسلام میں اور کوئی شبہ نہیں صرف ایک بات کھٹکتی ہے۔ اگر وہ حل ہو جائے تو پھر اسلام کے حق ہونے میں مجھے کوئی اشکال نہ رہیگا میں نے کہا آپ بیان کیجئے۔ وہ کیا شبہ ہے۔ کہا حدیث میں آتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مزاح بھی فرماتے ہیں۔ اور مزاح وقار کے خلاف ہے اور نبی کیلئے باوقار ہونا ضروری ہے یہ اشکال سلاطین ہی کے مذاق کے مناسب ہے کیونکہ وقار وخودداری کا سب سے زیادہ اہتمام انہی کو ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں ایک بڑی حکمت تھی۔ (الحدود القیود ج ۲۵)

مزاح مباح

مزاح کرنا بچوں سے یا دوستوں سے یہ فی نفسہ مباح ہے۔ جس سے نہ ثواب نہ گناہ مگر اثر کے اعتبار سے یا مفید آخرت ہے یا مضر اگر مفید ہوا تو لایعنی نہ رہے گا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مزاح فرمایا ہے حالانکہ یقیناً آپ امور لایعنی سے بری تھے اس کا معیار یہ ہے کہ اپنی نیت کو دیکھو کہ مزاح سے مقصود کیا ہے۔ ہمارے یہاں تو کچھ بھی مقصود نہیں ہوتا ہم لوگ اکثر کام بدون کسی خاص ارادہ اور نیت کے کرتے ہیں محض عادت کی بنا پر اکثر کام ہوتے ہیں اور اگر کسی مقصود کا ارادہ بھی ہوتا ہے تو وہ نفس کی کوئی غرض ہوتی ہے بلکہ ہم کیا کہیں ہماری تو نماز بھی نفس ہی کے لئے ہے اس میں بھی کوئی نیت خالص آخرت کے لئے نہیں ہوتی اسی لئے نماز پڑھ کر ہمیں تو ڈر لگتا ہے کہ یہ کس منہ سے کہیں کہ اے اللہ قبول فرمالے بلکہ یوں دعا کرتے ہیں کہ خدا معاف کرے تو ہمارے یہاں مزاح میں تو کیا نیت ہوتی امور واجبہ و مفروضہ میں بھی کوئی خاص نیت نہیں ہوتی بلکہ اکثر افعال عادت کی وجہ سے خود بخود صادر ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی نیت ہوتی بھی ہے تو وہ نفس کی غرض سے خالی نہیں ہوتی خیر یہ تو ہمارا حال ہے اس کو تو رہنے دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں تو یقیناً کچھ مصالح ضرور رہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں تو مصالح کیوں نہ ہوتیں عارفین نے بھی عجیب عجیب مصالح مزاح میں اختیار کی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں علاوہ اور مصالح کے ایک ادنیٰ مصلحت کم از کم یہ تو ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود تبلیغ و اصلاح ہے۔ جس میں ایک کام تو آپ کا تھا پہنچا دینا اور ایک کام قابل کا ہے کہ وہ فیض لے

جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداد ہیبت کس قدر مانع ہو سکتی تھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے وہ ہیبت عطا فرمائی تھی جس کی وجہ سے بڑے بڑے سلاطین دور دراز کی مسافت پر آپ کے رعب سے کانپتے تھے اور جو آپ کے سامنے آتا تھا اس کو از خود گفتگو کی ہمت نہ ہوتی تھی اور فیض لینے کے لئے مستفید کے دل کھلنے کی ضرورت ہے جب تک اس کا دل نہ کھل جائے اس وقت تک وہ فیض نہیں لے سکتا بس یہ حال ہو جاتا ہے۔

سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آ جاتا ہے   تھامتا ہوں دل کو پر ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے

عاشق پر جب محبوب کی ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے تو جو کچھ وہ سوچ کر آتا ہے کہ یوں کہوں گا یہ پوچھوں گا صورت دیکھتے ہی سب ذہن سے نکل جاتا ہے اور وقت پر کچھ بھی نہیں کہا جاتا ہمارے ایک عزیز ناخواندہ کہتے ہیں۔

یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آ جاتا   سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے گاہے گاہے مزاح فرمایا کرتے تھے تاکہ ان کا دل کھل جائے اور بے تکلف ہو کر استفادہ کر سکیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت تو بھلا کیسی کچھ ہو گی۔ (الاسعاد والابعاد ج ۲۶)

بزرگوں کے مزاح میں حکمت

بزرگوں نے جو گاہے اپنے متعلقین سے مزاح کیا ہے اس کی حکمت یہ تھی کہ اس سے طالب کا دل کھل جاتا ہے تو وہ استفادہ بخوبی کر سکتا ہے مگر یہ حکمت ان بزرگوں کے مزاح میں ہے جن کے ذمہ تبلیغ و اصلاح کا کام ہے اور بعضے ایسے بھی ہیں جو آزاد طبع ہیں وہ تبلیغ و ارشاد سے گھبراتے ہیں ان کا مذاق یہ ہوتا ہے۔

احمد تو عاشقی مشیخت ترا چہ کار   دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

(احمد تو عاشق ہے مشیخت سے تجھ کو کیا کام عاشق رہے سلسلہ ہو ہو نہ ہو نہ ہو)

وہ حضرات اس قاعدہ کے پابند نہیں ان کے مزاح میں ایک دوسری حکمت ہوتی ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ وہ اپنی وضع کو خاک میں ملانا چاہتے ہیں اس لئے مزاح و دل لگی کرتے رہتے ہیں تاکہ چھچھورا پن ظاہر ہو ان کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ کوئی ہم کو چھچھورا سمجھ کر چھوڑ دے گا معتقد نہ رہے گا ان کا مذاق یہ ہوتا ہے۔

رند عالم سوز را با مصلحت بنی چہ کار　　کار ملک است آنکہ تدبیر وتحمل بایدش
(رند عالم سوز یعنی عاشق کو مصلحت بنی سے کیا تعلق اس کو تو محبوب حقیقی کا کام سمجھ کر تحمل اور تدبیر کرنی چاہئے)

مگر یہ رند وضع سوز ہوتے ہیں شرح سوز نہیں ہوتے وضع و ناموس کو جلا پھونک دیتے ہیں مگر شریعت کے پابند ہوتے ہیں اور جو وضع سوز ہونے کے ساتھ شروع سوز بھی ہو وہ یا تو فاسق ہے یا مجذوب ہے ان دونوں کے مزاح کی حکمت بیان کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں فاسق تو ولی ہی نہیں اور مجذوب گو ولی ہوتا ہے مگر اس کے افعال میں حکمت کا قصد نہیں ہوتا گو واقع میں حکمت ہوا کرے۔ سوان دونوں سے یہاں بحث نہیں یہاں گفتگو ان بزرگوں کے مزاح میں ہے جو اپنے افعال میں حکمت کا قصد کرتے ہیں تو ان میں جو آزاد ہوتے ہیں میں نے ان کے مزاح کی حکمت بتلادی کہ وہ اپنی وضع کو جلانے کے لئے اور ناموس کو خاک میں ملانے کے لئے مزاح کیا کرتے ہیں وہ ان مصالح پر نظر نہیں کیا کرتے جن پر اہل سلسلہ کو نظر ہوتی ہے کار ملک است الخ میں اہل سلسلہ ہی مراد ہیں کہ وہ انتظام سلطنت کرتے ہیں ان کو مصالح کی رعایت کرنی پڑتی ہے سو وہ کریں رند کو اس کی ضرورت نہیں وہ تو ہر وقت اپنے مٹانے کی کوشش کرتا ہے اور بعض دفعہ یہ صفت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ یوں کہنے لگتا ہے۔

افروختن و سوختن و جامہ دریدن　　پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموختن
(روشن ہونا اور جلنا اور کپڑے پھاڑنا پروانہ ہم سے شمع نے ہم سے گل نے ہم سے سیکھا ہے) اور یوں کہتا ہے۔

جوش عشق است کاندر مے فتاد　　آتش عشق است کاندر نے فتاد
(جوش عشق ہے جو شراب میں ہے اور آتش عشق ہے جو بانسری میں ہے)

اس وقت جوش میں کوئی اس کے برابر نہیں ہوتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ میرے ہی عشق کا اثر پروانہ اور شمع میں ہے اور میرے ہی جوش کا ظہور مے اور نے میں ہے اور یہ بات محض مبالغہ کے طور پر نہیں بلکہ حقیقت کے بھی موافق ہے۔ (الاسعاد والابعاد ج۲۶)

حضرت شیخ الہند کی ظرافت

اور اگر بے ڈھنگا سوال ہو جس کے طرز سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا منشا محض

اعتراض اور پریشان کرنا ہے تو اول اس کو حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کی طرح الزامی جواب سے خاموش کرو۔ مولانا کو الزامی جواب میں بہت ملکہ تھا مگر وہ ایسوں ہی کے واسطے ہوتا تھا جن کا مقصود محض اعتراض ہوتا اور جو لوگ تحقیق کے طالب معلوم ہوتے ان کے سامنے تحقیقی جوابات بھی خوب بیان فرماتے تھے۔ مولانا میں ظرافت بھی بہت تھی جب طالب علم الزامی جواب سے ساکت ہو جاتا تو فرما دیا کرتے تھے کہ تالاب پاس ہے۔ (یعنی اس میں جا کر ڈوب مرو) (تعظیم العلم ج ۲۷)

ایک حبشی کے آئینہ پانے پر حکایت

ایک حبشی کی حکایت لکھی ہے کہ اس کو کہیں سے ایک آئینہ پڑا ہوا مل گیا اس کو اٹھا کر دیکھا تو اس میں اپنی کالی کالی صورت شریف نظر پڑی' کہنے لگا کہ کمبخت جب تو ایسا بد صورت تھا تب ہی تو کوئی تجھ کو یہاں پھینک گیا ہے۔ ایک اور احمق کی حکایت ہے کہ اس کا بچہ کھانا کھا رہا تھا' روٹی کا ٹکڑا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پانی کے لوٹے میں گر گیا اس بچہ نے اس میں دیکھا تو اپنی صورت اس میں نظر پڑی' کہنے لگا کہ ابا اس نے میری روٹی چھین لی۔ ابا جان نے جھک کر دیکھا تو اس میں اپنی صورت مبارک نظر آئی کہتے ہیں تف ہے تیری اوقات پر اور لعنت ہے تجھ پر یہ ڈاڑھی سفید لگا کر بچہ کی روٹی چھین لی۔ (شکر المثنوی ج ۲۷)

مزاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں گاؤں میں رہا کرتے تھے۔ کبھی کبھی مدینہ طیبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گاؤں کی چیزیں ہدیۃً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو شہر کی چیزیں مرحمت فرمایا کرتے اور یہ فرمایا کرتے کہ زاہر ہمارا گاؤں ہے اور ہم زاہر کے شہر ہیں ایک مرتبہ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ بازار میں چلے جاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر پیچھے سے ان کو آغوش میں پکڑ کر دبالیا آنکھوں پر ہاتھ نہیں رکھا جیسا آج کل کرتے ہیں کیونکہ اس سے تو ایذا اور وحشت ہوتی ہے حضرت زاہر رضی

اللہ عنہ بولے یہ کون ہے چھوڑ دو پھر جب معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پھر تو انہوں نے غنیمت سمجھا کہ آج کا دن پھر کہاں نصیب اپنی پیٹھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر سے خوب ملنا شروع کر دیا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً فرمایا کہ کوئی ہے جو اس غلام کو خریدے حضرت زاہر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا گاہک کون ہے میں تو کم قیمت ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کے نزدیک تو کم قیمت نہیں ہو دیکھئے آپ ان کے ساتھ کس طرح پیش آئے اور ان کے خوش کرنے کو مزاح بھی فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی مصلحت کے لئے گاہ گاہ مزاح بھی فرمایا کرتے تھے۔ (الاخلاص ج ۳۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں حکمت

ایک یورپ کے بادشاہ کو میں نے خواب میں دیکھا اس نے یہ اعتراض کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر مجھے صرف ایک شبہ ہے اور کچھ نہیں وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے مزاح فرمایا کرتے تھے اور مزاح وقار کے خلاف ہے اور وقار لوازم نبوۃ سے ہے میں نے جواب دیا کہ مطلق مزاح وقار کے خلاف نہیں بلکہ خلاف وہ ہے جس میں کوئی معتد بہ مصلحت نہ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں مصلحت وحکمت تھی وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے ہیبت اور رعب ایسا عطا فرمایا تھا کہ بڑے بڑے شان وشوکت اور جرات والے آپ کے روبرو ابتداء کلام نہ کر سکتے تھے جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے پس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے ایسی بے تکلفی کا برتاؤ نہ فرماتے تو صحابہ کو جرأت نہ ہوتی کہ آپ سے کچھ دریافت کریں اور ہیبت اور رعب کی وجہ سے الگ الگ رہتے اور اس حالت میں ہدایت کا ایک بڑا باب جو کہ استفسار ہے بند ہو جاتا اور تعلیم وتعلم کا بڑا حصہ مسدود ہو جاتا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مزاح فرماتے تھے تا کہ بے تکلفی سے جو چاہیں پوچھیں پھر مزاح بھی تین قسم کا ہوتا ہے ایک مزاح وہ جو ہلکے پن اور چھچھورپن پر دلالت کرے اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پاک ہیں اور ایک مزاح وہ جس سے کسی کو تکلیف

پہنچے اور تیسرے وہ کہ وقار اور متانت سے ہو کذب اور خلاف حق اس میں نہ ہو چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح اسی قسم کا ہوتا تھا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے غرض کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ غرباء کے ساتھ یہ تھا۔ (الاخلاص ج ۳۰)

بھوکوں کو ہیضہ کے تمنا کرنے کی حکایت

ایک گاؤں کا قصہ مشہور ہے کہ وہاں ہیضہ پھیلا تو وہاں سے نکل کر بھاگے' دوسرے گاؤں میں سے گزرے جو غریب اور قحط زدہ تھے انہوں نے پوچھا کیوں بھاگے جا رہے ہو' جواب ملا کہ اس گاؤں میں ہیضہ ہو رہا ہے' پوچھا ہیضہ کیا ہوتا ہے کسی نے کہا زیادہ کھا لینے سے خرابی ہو جاتی ہے اس کو ہیضہ کہتے ہیں تو وہ کیا کہتے ہیں افسوس یہ مبارک مرض ہم کو کبھی نہ ہوا پیٹ بھر کر کھانے کو تو مل جاتا پھر مرتے یا کچھ ہی ہوتا۔ ایک بی بی کا قصہ بھی ایسا ہی ہے کہ وہ اپنے ایک عزیز کے لیے اولاد کی متمنی تھیں ایک بار کہنے لگیں کہ میرے بچہ کے ایک بچہ ہو جاتا پھر چاہے میں اس خبر کو سنتے ہی فوراً ہی مر جاتی۔

(السلام حقیقی ج ۳۱)

مُعاشرتؐ

☆ اسلامی معاشرت کے زریں اصول

☆ معاشرت کے اصول وضوابط

☆ معاشرتی زندگی کے نمایاں احکام وآداب

☆ موجودہ دور میں معاشرتی احکام سے غفلت

اوراس کے معاشرہ پر اثرات

☆ اسلامی معاشرت کے محاسن

اورغیر اسلامی طرز معاشرت کے نقصانات

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی اہل علم کو نصیحت

میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے اور ملک ملک پھرا ہوں، ہر ملک اور ہر طبقہ کی اردو، عربی، فارسی اور انگلش کی کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔ اصلاح نفس اور اصلاح ظاہر و باطن سے متعلق حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ سے بڑھ کر میں نے کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ اپنی حد سے زیادہ مصروفیات کے باوجود میں ہر روز سونے سے پہلے ان کا تقریباً پانچ منٹ ضرور مطالعہ کرتا ہوں۔ بعض اوقات دل ان میں ایسا لگتا ہے کہ یہ مختصر سا دورانیہ آدھے گھنٹے تک بھی چلا جاتا ہے۔ حضرت کا کوئی نہ کوئی وعظ ہمیشہ میرے سرہانے رکھا رہتا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں انکی افادیت تمہارے دل و دماغ میں کس طرح اتاروں؟

بس! میں آپ سے دست بستہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ میں سے ہر طالب علم حضرت رحمہ اللہ کے مواعظ (خطبات) کو اپنے روزانہ کے معمولات میں شامل کرلے۔ ممکن ہے کہ ابتدا میں آپ کا دل ان میں نہ لگے لیکن آپ جوں جوں آگے بڑھتے جائیں گے ان شاء اللہ دل ان میں کھنچتا چلا جائے گا اور ایک ہی مجلس میں آپ انہیں ختم کرنا چاہیں گے۔ (لطائف اشرفیہ)

مقام ادب

حکیم الامت حضرۃ تھانویؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ بہاء الدین صاحب نقشبندیؒ کی نظر سے وہ حدیث گزری جس میں طرز معیشت صحابہ کا منقول ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو کو پیستے تھے اور پھونک کر جو کچھ موٹے موٹے چھلکے ہوتے ان کو اڑا دیتے اور بغیر چھانے ہوئے ویسے ہی گوندھ کر روٹی پکاتے اور تناول کرتے تھے۔ اگرچہ یہ حدیث سینکڑوں مرتبہ نظر سے گزری ہوگی لیکن اس مرتبہ یہ بات یہ پر اثر کر گئی اور التفات خاص ہوا کہ کیا وجہ ہے کہ ہماری معیشت معیشت نبویؐ و طریقہ صحابہؓ کے موافق نہ ہو اور ہم پر تکلف کھانے کھائیں تو آپ نے تلامذہ سے ارشاد فرمایا کہ ہم آج سے ایسی جو کی روٹی بلا چھنے آٹے کی کھایا کریں گے۔

چنانچہ مطابق ارشاد دوسرے دن جو کی روٹی اسی طرح تیار ہوئی اور آپ نے تناول فرمائی چونکہ تمام اناج میں جو کی بھوسی سخت ہوتی ہے اور بغیر چھانے روٹی پکائی گئی تھی اس وجہ سے سب کے پیٹ میں درد ہو گیا اور ایسی سخت تکلیف ہوئی کہ دوسرے وقت کھانے کی ہمت نہ ہوئی۔

اللہ اکبر! ان حضرات کے مراتب عالیہ ان مقالات سے منکشف ہوتے ہیں اگر کوئی ہم جیسا نفس پرست ہوتا تو معاً یہ خیال ہوتا اور خیال کیا معنی بلکہ بہت سے منہ پھٹ زبان سے یہ کہتے کہ میاں اچھا سنت پر عمل کیا کہ پیٹ ہی کو پکڑے پکڑے پھرتے ہیں۔ اگر دو چار مرتبہ اور سنت پر عمل کیا تو شاید دنیا ہی سے چل بسیں، ہم باز آئے ایسی سنت پر عمل کرنے سے مگر ان حضرات کا ادب دیکھئے کہ آئندہ کے لیے جو کے کھانے کو تو چھوڑتے ہیں مگر اس طرح کہ سنت نبویؐ پر ذرا برابر بھی غبار نہ آنے پائے اور آپ نے یہ بھی نہیں کہا کہ نفس کش اور سخت پیروں کی طرح سے جو کا کھانا لازم کر لیتے کہ جو چاہے ہو گزرے۔ اگرچہ پیٹ میں درد ہو لیکن جو کھانا نہ چھوڑیں گے بلکہ کمال یہ کیا کہ جو بھی چھوڑ دیا اور سنت پر بھی الزام نہ آیا۔ آپ نے ان دونوں باتوں کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ جمع کر دیا۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہم نے بے ادبی کی کہ من کل الوجوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مساوات کا قصد کیا جو کہ من وجہ مساوات کا دعویٰ ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ مساوات محض غلطی تھی جس کی ہم کو سزا دے دی گئی۔ سنت پر کسی قسم کا الزام نہیں بلکہ درحقیقت ہم میں قصور ہے کہ ان مراتب عالیہ کی تحصیل اور ان کے تحمل سے ہمارا نفس قاصر ہے۔ یہ طریقہ حضرات صحابہ ہی کے مناسب ہے وہی اسی کے متحمل تھے ہم کو اس کی ہوس نہ کرنا چاہیے۔ (الدنیا والآخرہ ج ۱)

ہدایا کے آداب

ایک ادب ہدایا کا یہ ہے کہ دنیاوی حاجت کی آمیزش اس میں نہ ہو۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ آ کر ہدیہ دیتے ہیں پھر تعویذ لکھ دینے کی فرمائش کرتے ہیں۔ ایسے ہدیہ کو فوراً واپس کر دینا چاہیے۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کو ایک اونٹ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے عوض میں کئی اونٹ اس کو دیے مگر وہ شخص راضی نہ ہوا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت رنج ہوا اور فرمایا کہ فلاں فلاں خاندان کے سوا کسی سے ہدیہ نہ لوں گا۔

وجہ اس کی یہی تھی کہ اس شخص نے دنیوی غرض سے ہدیہ دیا تھا اور اسی حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ اکثر لوگوں سے اول ملاقات میں ہدیہ نہ لینا چاہیے کیونکہ اول ملاقات میں یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ ہدیہ دینے والے کی کیا نیت ہے۔ اسی لیے میں نے اپنا معمول مقرر کر لیا ہے کہ جو نیا شخص آتا ہے اس سے میں ہدیہ نہیں لیتا' البتہ اگر قرائن قویہ سے خلوص ثابت ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ رسم پرست لوگوں نے اس ہدیہ لے جانے کی وجہ یہ نکالی ہے کہ اگر پیر کے پاس خالی ہاتھ جاوے گا تو وہاں سے خالی ہاتھ آئے گا۔ چنانچہ اس کی نسبت مثل بھی مشہور ہے کہ خالی جائے خالی آئے اس لیے ضروری ہے کہ جاتے ہی پیر جی کی مٹھی گرم کر دو اور اس مٹھی گرم کرنے کے محاورہ کی ایک اصل ہے وہ یہ کہ پیرزادوں نے اپنا راز چھپانے کے لیے لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ مصافحہ میں ہدیہ دیا کریں تاکہ لوگوں کو پتہ نہ چلے۔

صاحبو! اول تو مصافحہ ایک مستقل عبادت ہے اس میں دنیا کے انضمام کے کیا معنی۔ دوسرے اس کی کیا خبر ہے کہ کوئی دوسرا شخص مصافحہ نہ کرے گا تو اگر کسی دوسرے نے بھی مصافحہ کر لیا تو اس کو معلوم ہوگا کہ پیر صاحب کو ہدیہ دیا گیا ہے' پھر اخفا کہاں رہا اور

اگر دوسروں کو مصافحہ سے روکا جائے پھر تو خواہی نخواہی دال میں کالے کا شبہ ہوگا کیونکہ بعض احتیاط سبب بے احتیاطی کا بن جاتی ہے۔ (تجارت آخرت ج۱)

واللہ! بہت گندی معاشرت ہورہی ہے' ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے گھر والوں کو سختی کے ساتھ تاکید کیا کرے کہ جب کسی کے یہاں سے کھانا آیا کرے فوراً اس کا برتن ساتھ کے ساتھ واپس کردیا کریں۔ بحمداللہ مجھے اس کا بہت ہی اہتمام رہتا ہے جب تک دوسرے کا برتن واپس نہیں ہوجاتا مجھے چین نہیں آتا۔ یہ تو عوام کی حالت ہے۔

اہل علم کی یہ حالت ہے کہ کسی کی کتاب لے لی تو اب اس کو واپس دینے کا نام جانتے ہی نہیں۔ کتاب دینے والا اگر کثیر المشاغل ہو تو اس کو یاد بھی نہیں رہتا کہ مجھ سے کتاب کس نے مانگی تھی' بس مہینہ بھر کے بعد وہ سمجھ لیتا ہے کہ کتاب چوری ہوگئی اور لینے والا بے فکر ہوگیا کہ وہ تو مانگتا ہی نہیں۔ اب گویا وہ ان کی ملک ہوگئی۔ پھر ان میں بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ اپنی چیز تو دوسرے کی چھاتی پر سوار ہو کر لے لیتے ہیں اور دوسروں کی چیز دینے میں لاپروا ہوتے ہیں اور بعضے دینے میں بھی لاپرواہ ہوتے ہیں اور اپنی چیز لینے میں بھی لاپرواہ ہوتے ہیں۔ اس کو لوگ بزرگ سمجھتے ہیں کہ بڑا زاہد ہے' ایسی تیسی ایسے زاہد کی۔ یہ شخص خدا کا مجرم ہے اپنی چیز کے وصول کرنے میں تو لاپرواہ ہونا تو عیب نہیں مگر دوسروں کی چیز واپس کرنے میں لاپرواہ ہونا بڑا گناہ ہے۔ آج کل لوگوں نے گویا بے ڈھنگے پن کا نام بزرگی اور زہد رکھ لیا ہے حالانکہ اہل اللہ بڑے منتظم ہوتے ہیں۔ دوسروں کا حق کبھی نہیں رکھتے۔ (ترجیح الآخرۃ ج۱)

تدریس کا طریقہ

پڑھانے میں ایک اس امر کی بھی رعایت ضروری ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو تو اس کو صاف کہہ دے۔ یہ طریقہ حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ سے موروث چلا آتا ہے اس طریق میں یہ نفع ہے کہ طالب علم کو مدرس پر ہمیشہ وثوق رہتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ مجھے جو کچھ بتلایا جارہا ہے سب صحیح ہے اور جہاں اس طریقے پر عمل نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بات کو بنایا جاتا ہے اور اکثر طالب علم ان کی ہٹ دھرمی کو سمجھ جاتا ہے تو وہاں مصیبت ہوتی ہے جھک جھک میں سبق بھی خراب ہوتا ہے اور یہی بدخلقی طالب بھی سیکھتا ہے۔ بعضے لوگ کہتے ہیں کہ اس

اقرار غلطی سے طالب علم بگڑ جاتا ہے حالانکہ محض لغویات ہے وہ اور زیادہ سنور جاتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ اس کو مدرس پر وثوق ہو جاتا ہے۔ (تعلیم البیان ج ۲)

اہل اللہ کی حالت

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کو ایک بادشاہ نے لکھا کہ آپ پر بہت تنگی ہے۔ کھانے کی بھی کپڑے کی بھی۔ بہتر ہو کہ آپ میرے پاس چلے آئیں اور یہاں رہیں۔ آپ نے جواب میں ایک قطعہ لکھ کر بھیجا جس کے بعض اشعار یہ تھے۔

خوردن تو مرغ مسمن و مے — بہتر از ونانک جوین ما
پوشش تو اطلس ودیبا حریر — بخیہ زدہ خرقہء پشمین ما
نیک ہمیں است کہ بس بگذرد — راحت تو محنت دوشین ما
باش تا طبل قیامت زنند — آن تو نیک آید و یااین ما

واقعی وہاں جا کر نہ یہاں کا عیش رہے گا نہ مصیبت۔ اور آخر تو یہ گذشتہ چیزیں کیا یاد رہتیں۔ دنیا ہی میں دیکھ لیجئے کہ عمر گزشتہ بیش از خواب نہیں ہے۔ زمانہ گزرتا چلا جاتا ہے کہ جیسے برف کا ٹکڑا کہ پگھلنا شروع ہوا تو ختم ہی ہو کر رہے گا۔

اسی واسطے حدیث شریف میں ہے کہ جب قیامت کے روز اہل مصیبت کو بڑے درجے عنایت ہونگے تو اہل نعمت کہیں گے کہ کاش ہماری کھالیں مقراض سے کاٹی گئی ہوتیں۔ تو آج ہم کو بھی یہ درجے ملتے۔ تو اس حالت پر نظر کر کے دیکھا جائے تو بے تامل یہ کہنا پڑتا ہے کہ دنیا میں کچھ بھی نہ ملتا تو کچھ بھی حرج نہ تھا تو یہ اعتراض محض لغو ہے کہ یہ جنت کا وعدہ ہے۔ (فضل العلم والعمل ج ۲)

آداب مجلس

ایک مرتبہ میں پڑھ رہا تھا کہ ایک صاحب میری پشت کی طرف سے آ کر بیٹھ گئے۔ تو میں نے ان کو منع کیا۔ جب نہ مانے تو میں ان کی پشت کی طرف جا کر بیٹھ گیا۔ گھبرا کر فوراً کھڑے ہو گئے۔ میں نے کہا کہ جناب پشت کی طرف بیٹھنا اگر بری بات ہے تو آپ باوجود منع کرنے کے اس سے کیوں نہیں باز آئے۔ اور اگر اچھی بات ہے تو مجھے کیوں نہیں کرنے

دیتے۔اور میں نے کہا کہ آپ اندازہ کیجئے کہ میرے پشت کی جانب بیٹھنے سے آپ کو کس قدر گرانی ہوئی۔اسی سے میری تکلیف کا بھی اندازہ کر لیجئے۔اور اگر بجائے میرے کوئی دوسرا بھی اسی طرح بیٹھ جائے تب بھی گرانی یقینی ہے گو میرے بیٹھنے اور اس کے بیٹھنے میں کچھ تفاوت ہو مگر ایذاء رسانی کا تو کوئی جزو بھی بلاضرورت جائز نہیں۔(فضل العلم والعمل ج ۲)

معاشرتی زندگی کا اہم سبق

نسائی شریف میں حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے پاس آرام فرماتے تھے کہ رات کو اٹھنے کی ضرورت ہوئی تو حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ قام رویداً یعنی نہایت آہستہ اٹھے وانتحل رویداً اور جوتے نہایت آہستہ سے پہنے وفتح الباب رویدا اور نہایت آہستہ سے دروازہ کھولا وخرج رویداً اور آہستہ سے باہر تشریف لے گئے۔غرض کئی جگہ لفظ رویداً آیا ہے۔

حدیث بہت بڑی ہے کہ حضرت عائشہؓ بھی چپکے سے اٹھ کر پیچھے پیچھے ہو لیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنۃ البقیع میں تشریف لے گئے۔ پیچھے پیچھے حضرت عائشہؓ بھی رہیں۔ جب آپ واپس ہونے لگے تو حضرت عائشہ جلدی سے آکر اپنے بستر پر لیٹ گئیں۔حضورؐ نے تشریف لا کر دیکھا کہ ان کا سانس پھول رہا ہے پوچھا۔ **مالک یا عائشة حشیا رابیه** یعنی سانس کیوں پھول رہا ہے۔انہوں نے چھپانا چاہا لیکن چھپ نہ سکا۔تب انھوں نے اپنے پیچھے جانے کا قصہ بیان کیا آپؐ نے فرمایا شاید تم کو خیال ہوا کہ میں تمہاری باری میں کسی دوسری بیوی کے پاس چلا جاؤں گا تو ایسا کب ہوسکتا ہے۔بڑی حدیث ہے۔

مجھ کو اس حدیث میں سے صرف بیان کرنا اس کا مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ کی شان وہ محبوبیت مطلقہ ہے کہ اگر آپ کسی کو تکلیف بھی پہنچائیں تب بھی راحت ہی ہو۔ پھر خاص کر حضرت عائشہؓ کے ساتھ کہ عاشق زار تھیں تو اگر ان کی آنکھ کھل بھی جاتی۔تب بھی ناگواری کا احتمال نہ تھا لیکن چونکہ صورت تکلیف کی تھی۔اس لیے آپؐ نے اس کو بھی گوارا نہیں فرمایا۔تو اتنے موانع کلفت کے ساتھ جب آپؐ نے اتنی رعایت فرمائی تو ہم کو کب اجازت ہے کہ کوئی ایسی حرکت کریں جس سے دوسروں کو تکلیف کا احتمال ہو۔(فضل العلم والعمل ج ۲)

جدید معاشرت کی حالت

اب جدید معاشرت کو دیکھئے میں ایک مرتبہ اپنے بھائی کے یہاں کھانا کھا رہا تھا۔ تو ہم لوگ فرش پر بیٹھے ہوئے کھا رہے تھے اس وقت ایک جنٹلمین بھی مہمان تھے وہ کھانے کے لئے اس حلیہ سے آئے کہ کوٹ پتلون میں جکڑے ہوئے تھے۔ بیچارے آ کر کھڑے ہو گئے اور اس کے منتظر رہے کہ شاید میرے واسطے کرسی لائی جاوے گی مگر بھائی نے میری وجہ سے کرسی وغیرہ کا انتظام نہ کیا۔ دیر تک وہ کھڑے رہے مجھے شرم بھی آئی کہ ایسے کھڑے ہیں جیسے کوئی مانگنے آیا ہو بلا آخر وہ بہ تکلف اس طرح بیٹھے کہ دونوں پیر ایک طرف لمبے کر دیئے اور دھم سے گر پڑے اور کہنے لگے کہ معاف فرمایئے گا میں پیر لمبے کرنے پر مجبور ہوں۔ میں نے کہا کہ معاف فرمایئے گا میں کرسی پر کھانے سے معذور ہوں ان کو پیر لمبے کرنے سے شرم آتی تھی اور مجھے کرسی پر کھانے سے شرم آتی تھی۔ میری شرم ایسی تھی جیسے علامہ تفتازانی کی شرم تھی اور ان کی شرم تیمور لنگ جیسی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ تیمور لنگ دربار میں پیر پھیلا کر بیٹھتا تھا کیونکہ اس کا ایک پیر بوجہ لنگ کے سیدھا رہتا تھا۔ علامہ تفتازانی اس کے زمانہ میں بہت بڑے عالم تھے۔ تیمور ان کی اتنی وقعت کرتا تھا کہ دربار میں ان کو اپنے پاس تخت پر بٹھلاتا تھا۔ جب پہلی مرتبہ علامہ تفتازانی دربار میں بلائے گئے اور تیمور نے ان کو تخت پر بٹھلایا تو یہ بھی تیمور کی طرح ایک پیر لمبا کر کے بیٹھے تیمور نے ناگواری سے کہا۔ معذورم دار کہ مرا لنگ است'' یعنی مجھے معذور سمجھئے کیونکہ میرے پیر میں لنگ ہے۔ میں نے قصداً پیر لمبا نہیں کیا جس کا آپ نے مقابلہ کیا ہے۔ علامہ نے جواب دیا۔ ''معذورم دار کہ مرا ننگ است'' یعنی آپ بھی مجھے معذور سمجھئے کیونکہ مجھے ننگ و عار آتا ہے کہ ظاہر میں بادشاہ کی وضع سے کم تر وضع اختیار کروں۔ کیونکہ اس میں دیکھنے والوں کی نظر میں علم کی تحقیر ہے۔ تیمور خاموش ہو گیا۔ پھر ہمیشہ یہی دستور رہا کہ علامہ پاؤں پھیلا کر ہی تخت پر بیٹھتے تھے۔

اسی لئے میں نے بھی ان حضرت کے لئے کرسی نہ منگوائی کیونکہ اس میں اسلامی معاشرت کی توہین تھی۔ میں نے کہا اچھا ہے ذرا آج یہ اپنی معاشرت کا مزا تو چکھیں کہ اس میں کتنی مصیبت ہے۔ تو یہ کیا آزادی ہے کہ انسان بدون کرسی اور میز کے بیٹھ ہی نہ سکے۔

(فضل العلم والعمل ج ۲)

معاشرتی آداب کے فوائد

آج آپ بہت سے اسلامی احکام کو اسلامی احکام نہیں سمجھتے بلکہ انگریزوں یا کسی دوسری قوم کی خصوصیات معاشرت میں سمجھتے ہیں اوران سے لے لے کرعمل کرتے ہیں۔

ازاں جملہ مسئلہ استیذ ان ہے کہ شریعت مطہرہ کا یہ حکم ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے مکان خلوت میں اگر چہ وہ مکان مردانہ ہی ہواس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ صاحب مکان سے اجازت نہ لے واقعات اور تجارب سے اس کی خوبی دریافت کر کے تمام متمدن قوموں نے اس پر عمل شروع کر دیا لیکن مسلمان اس کو معاشرت یورپ کی خصوصیات سے سمجھتے ہیں۔ان کو یہ خبرنہیں کہ یہ حکم شریعت مطہرہ کا ہےاوردوسروں نے یہیں سے لیا ہے حالانکہ یہ ایسا صریح حکم ہے کہ صاف صاف قرآن میں موجود ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ

اے ایمان والوتم (اپنے خاص رہنے کے) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک ان سے اجازت نہ حاصل کرلواور (اجازت لینے سے قبل) انکے رہنے والوں کوسلام کرلو یہی تمہارے لئے بہتر ہے (یہ بات تم کواس لئے بتلائی ہے) تا کہ تم خیال رکھو (اوراس پرعمل کرو)

اورراز اس مسئلے میں یہ ہے کہ اس پرعمل کرنے سے اتفاق قومی باقی رہتا ہے کیونکہ اتفاق کی جڑ صفائی قلب ہےاور صفائی قلب اس وقت تک باقی رہتی ہے کہ جب ایک سے دوسرے کو تکلیف نہ ہواور مسئلہ استیذ ان پرعمل نہ کرنے سے بسا اوقات تکلیف ہوتی ہے اور تکلیف موجب تکدر ہےاور تکدر مورث نفاق وافتراق ہےاور جب اس مسئلے پرعمل کیا جائے گا تو ہرگز یہ نوبت نہ آئے گی کیونکہ فرض کیجئے ایک شخص نے آپ سے اجازت چاہی آپ نے بے تکلف کہہ دیا کہ میں اس وقت کام میں ہوں یا آرام کرنا چاہتا ہوں چنانچہ جوقومیں اس مسئلے کو برت رہی ہیں وہ اسی کی بدولت دیکھ لیجئے کہ کس قدرآرام میں ہیں۔(ضرورۃ العلم بالدین ج۳)

فقیرانہ طرز زندگی

حضرت فاطمہؓ کے ہاتھ میں چھالے پڑ گئے تھے حضرت علیؓ نے کہا کہ حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم سے کوئی غلام لونڈی لے آؤ تا کہ کچھ مدد دے۔ چنانچہ حضرت فاطمہ حضور کے پاس گئیں اپنی راحت کے لئے یا شوہر کے امتثال امر کے لئے جس وقت حضرت فاطمہ حضورؐ کے گھر پہنچیں تو حضور تشریف فرما نہ تھے۔ یہ حضرت عائشہ سے کہہ کر چلی آئیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ سے معلوم ہوا۔ پھر آپ حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے گئے اس وقت حضرت فاطمہ لیٹی ہوئی تھیں آپ کو دیکھ کر اٹھنے لگیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیٹی رہو۔ غرض اس وقت پھر حضور سے عرض کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کہو تو غلام لونڈی دے دوں اور کہو تو اس سے بھی اچھی چیز دے دوں۔

یہ سن کر حضرت فاطمہؓ نے پھر یہ نہیں پوچھا کہ وہ اچھی چیز کیا ہے بلکہ فوراً عرض کیا کہ اچھی ہی چیز دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ سوتے وقت سبحان اللہ تینتیس بار اور الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار پڑھ لیا کرو بس یہ غلام اور لونڈی سے بھی بہتر ہے۔ اس خدا کی بندی نے خوشی سے اسکو قبول کر لیا۔ تو دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فقر محبوب تھا تو اپنی اولاد کے لئے بھی آپ نے اس کو تجویز کر کے دکھلا دیا۔ نیز ارشاد فرمایا کہ ہماری اولاد کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ ایسے قوانین مقرر ہوتے کہ سب روپیہ انہی کو ملتا مگر ایسا نہیں ہوا تو دین میں دلچسپی اس کو کہتے ہیں۔ (ضرورۃ العلماء ج ۳)

شادی کی فضولیات

ایک بے جا خرچ جو عورتوں اور مردوں کو سب کی شرکت سے ہوتا ہے بیاہ شادی کا خرچ ہے گویہ ہوتا ہے سب کی شرکت سے مگر اس میں بھی امام اور مقتداء عورتیں ہیں مردوں کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ شادی کے متعلق کیا کیا خرچ ہوتے ہیں، بس عورتوں سے پوچھ پوچھ کر سب کچھ کیا جاتا ہے۔ اس میں یہی حاکم ہوتی ہیں بھلا کیا مجال جو ان کی منشاء کے خلاف کچھ بھی ہو سکے۔

میں نے کانپور میں دیکھا ہے کہ ایک صاحب کے یہاں بارات آئی مگر جب تک بیوی نے اجازت نہ دی اس وقت تک بارات کو ٹھہرا نہیں سکے۔ مردوں میں تو ان حضرت کی بڑی ذلت ہوئی۔ مگر وہ بی بی پھولی نہیں سماتی تھی کہ دیکھا ہماری اجازت کے بغیر بارات بھی نہ ٹھہر سکی پھر اس کے بعد شادی میں یہ عورتیں ایسے بے تکے خرچ نکالتی ہیں جن سے مرد کا پڑا ہو جاتا ہے اور اگر کسی وقت شوہر کہتا بھی ہے کہ ذرا سنبھل کر دیکھ بھال کر خرچ کرو تو بیوی

صاحبہ کہتی ہیں کہ بہت اچھا میرا کیا حرج ہے میں کفایت شعاری سے کام کرنے لگوں گی۔مگر پھر دیکھئے میں نہ جانوں کہیں برادری میں ناک کٹ جائے۔بس ناک کٹنے کے خوف سے مرد بھی خاموش ہو جاتے ہیں اور عورتیں اندھادھند روپیہ برباد کرتی ہیں حالانکہ یہ محض ان کا ہی خیال ہے کہ سادگی کے ساتھ بیاہ کرنے سے ناک کٹتی ہے۔ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ سادگی میں کچھ بھی ناک نہیں کٹتی اور زیادہ دھوم دھام کرنے میں ہمیشہ کٹتی ہے۔

حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیوہ لڑکی کی شادی اس طرح کی تھی جیسے کنواری کی کرتے ہیں یہ وہ زمانہ تھا کہ بیوہ کے نکاح کو نک کٹی سمجھتے تھے بعد نکاح کے مولانا نے نائی کو حکم دیا کہ آئینہ تمام برادری کو دکھلا دے سب اپنی اپنی ناکوں کو دیکھ لیں کہ کٹیں تو نہیں۔

تو اس رسم بد کی مخالفت سے مولانا کی عزت میں کیا فرق آیا۔ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس دھوم دھام کو دیکھ کر دوسرے مالداروں کے دل میں حسد پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو ہم سے بھی بڑھنے لگا۔اب وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح انتظام میں کوئی عیب نکالیں اگر کچھ بھی انتظام میں کمی رہ گئی تو پھر کیا ٹھکانہ ہے ہر طرف اس کا چرچا سن لیجئے۔ کوئی کہتا ہے کہ میاں کیا ہمیں تو حقہ بھی نصیب نہ ہوا۔دوسرا کہتا ہے میاں ہمیں تو پان کے پتہ سے بھی کسی نے نہ پوچھا۔تیسرا کہتا ہے میاں بھوکے مر گئے رات کے دو بجے کھانا نصیب ہوا۔ جب انتظام نہیں ہو سکتا تھا تو اتنے آدمیوں کو بلایا کیوں تھا۔غرض اس کم بخت کا تو روپیہ برباد ہوا اور ان کی ناک بھی سیدھی نہ ہوئی۔بعض دفعہ حسد میں کوئی یہ حرکت کرتا ہے کہ پکتی دیگ میں ایسی چیز ڈال دیتا ہے جس سے کھانا خراب ہو جائے۔ پھر اس کا ہر محفل میں چرچا ہوتا ہے اور اچھی طرح ناک کٹتی ہے اور اگر سارا انتظام عمدگی سے بھی ہو گیا تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی برا نہ کہے تو بھلا بھی نہیں کہتا۔

حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ نے ایک مہاجن کی حکایت بیان فرمائی تھی کہ اس نے اپنی لڑکی کی شادی میں بہت دھوم دھام کی تھی اور سارا انتظام بہت اچھا کیا اور جب بارات رخصت ہونے لگی تو ہر باراتی کو ایک ایک اشرفی دی اور اپنے دل میں خیال کیا کہ آج سارے بارات والے میری ہی تعریف کرتے جائیں گے۔چنانچہ وہ اپنی تعریف سننے کے لئے اس راستہ میں جس سے بارات گزرنے والی تھی ایک جھاڑ کی آڑ میں جا بیٹھا۔

تھوڑی دیر میں بہلیاں گزرنا شروع ہوئیں۔ پہلے ایک گزری پھر دوسری پھر تیسری مگر سب میں سناٹا تھا کسی نے بھی لالہ صاحب کی تعریف میں ایک لفظ نہ کہا۔ آخر اسی طرح بہت سی بہلیاں خاموشی کے ساتھ نکل گئیں۔ لالہ جی کو بڑا غصہ آیا کہ یہ لوگ بھی عجب نمک حرام ہیں (بلکہ اشرفی حرام کہنا چاہئے) کہ میں نے اتنا روپیہ ان پر خرچ کیا اور کسی کے منہ سے ایک لفظ بھی تعریف کا نہ نکلا۔

آخر اس نے تھک کر لوٹنے کا ارادہ کیا تو اخیر کی بہلیوں میں سے ایک شخص کی آواز آئی جو دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ بھائی لالہ جی نے تو بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام کیا کہ ہر آدمی کو ایک ایک اشرفی دی۔ لالہ جی کی ذرا جان میں جان آئی کہ کچھ تو محنت وصول ہوئی۔ دوسرا بولا اونہہ! سسرے نے کیا کیا۔ اس کے گھر میں تو اشرفیوں کے کوٹھے بھرے ہوئے تھے اگر دو دو بانٹ دیتا تو اس کے یہاں کیا کمی آ جاتی۔ سسرے نے بانٹی بھی تو ایک ایک اشرفی بس لالہ جی یہ جواب سن کر اپنا سا منہ لے کر واپس چلے گئے۔ (اسباب الغفلۃ ج ۳)

معاملات کی اہمیت

حسن معاشرت کا معاملات سے بھی زیادہ خیال رکھنا لازمی ہے اس وجہ سے کہ معاملات کا اثر تو اکثر مال پر ہوتا ہے اور معاشرت کا اثر قلب پر ہوتا ہے اور قلب پر جو اثر ہو مال کے اثر سے زیادہ گراں اور موجب صدمہ ہوتا ہے مثلاً ایک شخص آپ کے پاس آیا اور آپ نے اس کی طرف التفات نہ فرمایا اس کی بات کا جواب نہ دیا اس سے اس کا دل دکھا تو اس اخلال معاشرت کا اثر اس کے قلب تک پہنچایا ماں باپ کی نافرمانی کی ان کا دل دکھایا تو یہ آثار موذیہ اخلال معاشرت سے اور اس کو ضروری نہ سمجھنے سے پیدا ہوئے پس ثابت ہوا کہ حسن معاشرت حسن معاملہ سے بھی زیادہ ضروری ہے عارف شیرازی کا قول ہے

مباش درپئے آزار ہر چہ خواہی کن — کہ در طریقت ماغیر ازیں گناہ نیست

(علوم العباد من علوم الرشاد ج ۴)

اسلام کے برابر تو طہارت و نظافت کسی مذہب میں بھی نہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ استری اور کلف کا اہتمام کرو اور ہر وقت بنے ٹھنے رہو کیونکہ اس کا نام نظافت نہیں بلکہ یہ تصنع اور تکلف ہے اور تن آرائی ہے اس کے متعلق حدیث میں ہے:

البذادة من الایمان. کہ ''سادگی ایمان کا جزو ہے۔(سنن ابن ماجة)
بذاذت کے معنی میلا کچیلا رہنے کے نہیں بلکہ سادگی سے رہنے کے ہیں پس نظافت اور طہارت کی حقیقت یہ ہے کہ کپڑے اور بدن کو پاک صاف رکھو اور میلا ہو جائے تو دھوڑالو صاف ہو جاؤ اور پاک ہو جاؤ اور پاک بن جاؤ شریعت اسلامیہ میں طہارت کی تو بہت زیادہ تاکید ہے،

خیر القرون میں اسلامی معاشرت

مسلمانوں کی تو یہ حالت تھی کہ حضرت علیؓ کی زرہ چوری ہو گئی تھی، آپ نے اس کو ایک یہودی کے پاس دیکھا اس سے مطالبہ کیا، اس نے نہ دی، اور کہا کہ یہ تو میری ہے، آپ باوجود اس کے کہ خلیفہ تھے، مگر اس کو لیکر مدعی بن کر حضرت شریح (قاضی) کے یہاں پہنچے، قاضی صاحب نے گواہوں کو طلب کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نے اپنے صاحبزادہ اور ایک آزاد شدہ غلام کو گواہی میں پیش کیا۔ حضرت علیؓ کے نزدیک ولد عادل کی گواہی باپ کے موافق جائز تھی، مگر قاضی شریح کے نزدیک جائز نہ تھی، اس لئے قاضی صاحب نے صاحبزادے کی گواہی رد کردی، اللہ اکبر! ایک بادشاہ وقت کی چیز چوری ہو جائے اور بادشاہ اس کو پہچان لے، اور ایک ادنیٰ آدمی رعیت کا جو کہ مسلمان بھی نہ ہو بے تکلف اپنی ظاہر کرے پھر بادشاہ اپنے ہی ماتحت قاضی کے یہاں محاکمہ کے لئے جاویں اور صاحبزادہ کو گواہی میں پیش کریں جو کہ اہل جنت کے سردار ہیں اور قاضی صاحب ان کی گواہی قبول نہ کریں اور زرہ یہودی کو دلوا دیں اور خلیفہ اس کو قبول کرلیں۔ آخر یہ حقانیت ان کو بجز تعلیم اسلام کے کس نے دی ہے۔ پس اسلام یقیناً حق ہے، یہودی یہ حالت دیکھ کر فوراً مسلمان ہو گیا اور حضرت علیؓ سے بیعت ہو گیا اور جنگ صفین میں شہید ہوا۔ (علوم العباد من علوم الرشاد ج ۴)

آداب مجلس

ایک شخص میرے پاس آیا میں کچھ پڑھ رہا تھا۔ میں اٹھ کر گیا کہ کیا ہے کہو کہنے لگا تیج (تعویز) چاہئے پوچھا کا ہے کا کہا بکھار آوے (بخار آتا ہے) لیجئے ایک تعویز کے واسطے اس بندہ خدا نے میرا حرج کیا میں صبح کو اپنی مصلحت سے جنگل چلا جاتا ہوں بعض حضرات وہاں بھی پہنچتے ہیں بعض حضرات ایک اور حرکت کرتے ہیں وہ ہیں جو ذرا بزرگ ہیں وہ یہ

کرتے ہیں کہ بیٹھ تو جاتے ہیں الگ ہی لیکن قلب سے اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں یاد رکھو کہ اگر کسی کا شیخ ''صاحب کشف'' نہ ہو تو اس کا کچھ حرج نہیں اور اگر وہ صاحب کشف ہے تو اس کو ادراک ہوگا کہ کوئی شخص میری طرف متوجہ ہے اس کو تکلیف ہوگی (التہذیب ج ۴)

ایک عابدہ کا واقعہ

ایک بزرگ بی بی کا قصہ ہے کہ وہ رات کو بعد نماز عشاء کے خوب زینت کرتیں، عمدہ لباس پہنتیں، زیور سے آراستہ ہو کر کنگھی، سرمہ لگاتیں اور اس حالت میں شوہر کے پاس آ کر ان سے دریافت کرتیں کہ تم کو میری حاجت ہے اگر وہ کہہ دیتے کہ ہاں تو ان کے پاس کچھ دیر لیٹ جاتیں اور اگر وہ کہتے کہ مجھے حاجت نہیں تو پھر کہتیں کہ اچھا اب مجھے اجازت دو کہ میں اپنے خدا کے ساتھ مشغول ہوں چنانچہ شوہر کی اجازت کے بعد وہ اپنا لباس اور زیور وغیرہ اتار کر رکھ دیتیں اور کمبل اور ٹاٹ کا لباس پہن کر تمام رات عبادت کرتیں۔ تو دیکھئے یہ بزرگ بی بی ایک وقت میں کیسی زینت کرتیں اور دوسرے وقت کمبل اور ٹاٹ میں رہتیں، اب اگر کوئی زینت کے وقت ان کو دیکھتا تو یہی کہتا کہ یہ کیسی بزرگ ہیں جو اس قدر زیب و زینت کا اہتمام کرتی ہیں مگر کسی کو کیا خبر کہ وہ کس لیے زینت کرتی تھیں وہ نفس کی خواہش کے لئے ایسا نہ کرتیں تھیں بلکہ حکم شریعت کی وجہ سے زینت کرتی تھیں کیونکہ شریعت کا حکم ہے کہ عورت کو شوہر کے لئے زیب و زینت کرنا چاہیے۔ اس صورت میں اس کو زینت کرنے سے ثواب ملتا ہے مگر آج کل عورتوں کی یہ حالت ہے کہ شوہر کے سامنے تو بھنگیوں کی طرح رہتی ہیں اور جب کہیں برادری میں جاتی ہیں تو سر سے پیر تک آراستہ ہوتی ہیں اور اگر کوئی بیچاری شوہر کی خاطر زینت کر لے تو اس کو نکو بتاتی ہیں کہ ہائے اسے حیاء و شرم ذرا نہیں کہ یہ اپنے میاں کے واسطے کیسے کیسے چوچلے کرتی ہے۔ افسوس کہ جس جگہ زینت کا حکم تھا وہاں تو اس پر طعن ہوتا ہے اور جہاں ممانعت ہے وہاں اہتمام کیا جاتا ہے تو وہ بزرگ بی بی ایسی نہ تھیں وہ تو حکم کے تابع تھیں جہاں شریعت کا حکم ہوتا وہاں وہ خوب زینت کرتیں کیونکہ جب شوہر زینت کو کہے دلہن کو خراب و خستہ رہنے کا کیا حق ہے مگر جب شوہر کو کچھ غرض نہ ہوتی تو وہ اپنے نفس کے لئے زینت کا اہتمام نہ کرتی تھیں بلکہ وہی کمبل اور ٹاٹ پہن لیتی تھیں۔ اسی طرح کاملین زینت اور ترک زینت میں حکم کے تابع ہوتے ہیں وہ

اپنے نفس کے لئے کچھ نہیں کرتے چنانچہ شاہ عبدالرحیم صاحب دربار میں جانے کے لئے عمدہ بیش قیمت لباس پہن کر جارہے تھے اس حالت سے تو ظاہر بینوں کو کچھ کچھ شبہات ہوئے ہوں گے۔ اب دوسری حالت دیکھئے کہ راستہ میں آپ نے ایک کتے کے بچہ کو دیکھا جو نالی میں سردی کے مارے جاڑے میں سکڑ رہا تھا۔ آپ سے یہ حالت دیکھ کر رہا نہ گیا، فوراً کھڑے ہوگئے اور خادم سے فرمایا کہ اس کو نالی سے نکال لو، اس نے کچھ ناک منہ چڑھایا تو آپ نے آستیں چڑھا کر اسے خود نکالا اور ایک حمام قریب تھا، وہاں لے جا کر گرم پانی سے اس کو غسل دیا۔ پھر آگ میں تاپا، یہاں تک کہ اس کی سردی کم ہوگئی اور اچھی طرح چلنے پھرنے لگے۔ پھر آپ نے اہل محلّہ سے فرمایا کہ اگر تم اس کی راحت کا انتظام کرسکو اور نگہداشت کا وعدہ کرو تو میں اس کو یہیں چھوڑ دوں ورنہ اس کو اپنے ساتھ لے جاؤں اور میں خود اس کا انتظام کروں گا۔ اہل محلّہ نے وعدہ کیا تو آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور پھر دربار میں تشریف لے گئے۔ (بھلا یہ شخص فخر وتکبر کے لئے زینت کرتا ہو، کیا اس سے یہ ہوسکتا ہے کہ ایک کتے کے بچہ کو اپنے ہاتھ سے اس طرح دھوئے اور یوں اس کو راحت پہنچائے، ہرگز نہیں، مگر شاہ صاحب نے بے تکلف اس کی خدمت کی، خادم نے بھی ناک منہ چڑھایا مگر آپ کو ذرا بھی اس سے انقباض نہ ہوا۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اپنے نفس کے لئے زیب وزینت نہ کرتے تھے) یہ قصہ تمہید ہے۔ دوسرے قصہ کی اور وہ دوسرا قصہ جو مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ایک بار آپ بٹیا پر جارہے تھے ایک موقع ایسا آیا کہ دونوں طرف پانی اور کیچڑ تھا، صرف بٹیا ہی کا راستہ سوکھا تھا، سامنے سے ایک کتا بھی اسی بٹیا پر آ گیا، اب وہاں اس کی ضرورت تھی کہ دونوں میں سے ایک کیچڑ میں اترے تو دوسرا بٹیا کے راستہ سے نکلے کیونکہ بٹیا پتلی تھی اور اس میں اتنی وسعت نہ تھی کہ دونوں برابر کو نکل جائیں چنانچہ شاہ صاحب کھڑے ہوگئے اور وہ کتا بھی سامنے کھڑا ہوگیا، پھر اشارات میں گفتگو شروع ہوئی (بعض اہل اللہ جمادات وحیوانات سب کی گفتگو سمجھ لیتے ہیں ۱۲) چنانچہ شاہ صاحب نے کتے سے کہا بھائی تم پانی میں اترو اس نے کہا کیوں مجھ میں اور آپ میں کیا فرق ہے، آپ کیوں نہیں اترتے اور یہ کہا افسوس! پہلے بزرگوں کا مذہب ایثار تھا اور اس وقت کے بزرگوں کا مذہب اختیار ہے، فرمایا نہیں تو نے بدگمانی کی بلکہ میں تجھ کو اترنے کے لئے اس لئے کہتا ہوں کہ تو مکلّف نہیں ہے اور میں مکلّف ہوں اگر تو اس پانی اور کیچڑ سے ناپاک بھی ہوجائے گا تو تھوڑی دیر میں

خشک ہو کر پھر پاک ہو جائے گا پھر تیرے ذمہ نہ وضو ہے، نہ نماز اور میں اتروں گا تو مجھے سارے کپڑے اور بدن کا دھونا اور پاک کرنا لازم ہوگا جس میں بہت دیر لگے گی ممکن ہے نماز میں دیر ہو جائے۔ اس نے جواب دیا کہ بہت اچھا میرا تو کچھ حرج نہیں، میں پانی میں اترتا ہوں مگر یہ یاد رکھو کہ تمہارے کپڑے ناپاک ہو جائیں تو ایک دو لوٹے پانی سے پاک ہو سکتے ہیں لیکن اگر میں اس وقت پانی میں اترا اور تمہارے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اس کتے سے افضل ہوں تو اس سے تمہارا قلب ایسا ناپاک ہوگا جس کی ناپاکی ہفت قلزم سے بھی نہ دھل سکے گی۔ یہ سن کر شاہ صاحب پر ایک حالت طاری ہوگئی اور فوراً پانی میں اتر کر راستہ سے ہٹ گئے اور کتا بٹیا پر سے چلا گیا اور آپ اس کے بڑے احسان مند ہوئے کہ اس کے ذریعے سے ایک علم عظیم عطا ہوا، اب شاہ صاحب پر غیب سے الہام ہوا کہ عبدالرحیم! خبر بھی ہے کہ ہم نے یہ علم عظیم کتے کے ذریعے کیوں دیا، یاد کرو تم نے ایک دن ایک کتے کے بچے پر احسان کیا تھا کہ اس کو پانی سے نکال کر گرم پانی سے دھویا پھر آگ سے تاپا تھا تو ہم نے اس احسان کا آج بدلہ کر دیا ہے کہ اس کی ابن النوع کے ذریعے سے تم کو یہ علم عظیم عطا کیا تا کہ اس کتے کے بچہ پر اپنا احسان نہ رکھیں۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

مشورہ کی اہمیت

حدیث میں آتا ہے: "**المستشار مؤتمن**" (سنن ابی داؤد)

جس سے مشورہ لیا جاتا ہے اس کو امانت دار سمجھا جاتا ہے پس مشورہ غلط دینا خیانت ہے اس سے بہت احتراز کرنا چاہیے۔

ہماری بستی میں ایک صاحب اپنا گھر فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے مجھے بھی اس کے خریدنے کا خیال تھا مگر بعد میں ان کی رائے بدل گئی۔ پھر کچھ ایسے واقعات بستی میں ان کے ساتھ پیش آئے جن سے گھبرا کر انہوں نے باہر ملازمت کر لی اور گھر بیچنے کا پھر ارادہ کر لیا۔ اس وقت بھی میرا خیال تھا کہ یہ اگر فروخت کریں گے تو میں ضرور لے لوں گا کیونکہ اس مکان کے نہ لینے سے مجھے گونہ تکلیف ہے لیکن اس دفعہ انہوں نے مجھ سے مشورہ کیا کہ میں گھر بیچنا چاہتا ہوں اس میں آپ کی کیا رائے ہے۔ اس وقت اگر میں اپنی غرض کا لحاظ کر کے ان کو یہ مشورہ دے دیتا کہ ہاں فروخت کر دو تو فوراً بیچ دیتے کیونکہ ان کی زیادہ رائے

اسی طرف مائل تھی مگر جب مجھ سے مشورہ کیا تو میں نے اپنی مصلحت پر نظر کرنا اور ان کی مصلحت کو نظر انداز کر دینا خیانت سمجھا اور وہی رائے دی جوان کے لئے مناسب تھی۔ میں نے کہا کہ آپ گھر کو ہرگز فروخت نہ کریں کیونکہ دوسری جگہ چاہے کیسی راحت ہو مگر کسی وقت پھر وطن یاد آتا ہے اور جب باہر جا کر ٹھوکریں لگتی ہیں تو اس وقت اپنے وطن سے زیادہ عزیز کوئی چیز نہیں ہوتی چنانچہ اس رائے کی وجہ سے انہوں نے اپنا ارداہ ملتوی کر دیا۔

اس پر بعض لوگوں نے مجھے بیوقوف بھی بنایا کہ تم نے یہ رائے دے کر ساری عمر کی مصیبت پھر اپنے سر لی، میں نے کہا کچھ بھی ہو یہ تو مجھ سے کبھی نہ ہوگا کہ ایک شخص امین سمجھ کر مجھ سے مشورہ کرے اور میں اس کی مصلحت کے خلاف مشورہ دوں۔ مجھے دین سب سے مقدم ہے اب چاہے مجھے راحت ہو یا کلفت ہو اور ان شاء اللہ اس نیت کی برکت سے راحت ہی ہوگی مگر عموماً آج کل مشیروں کی یہ حالت ہے کہ جان جان کر غلط مشورہ دیتے ہیں جس میں ان کے نزدیک صراحتہً دوسرے کا نقصان ہوتا ہے۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

رسومات کی تباہی

یہ ایک قصبہ ہے ضلع مظفر نگر میں جو تھانہ بھون سے تقریباً ۱۵ میل پر ہے، میں ایک شخص ملازمت سے گھر آیا اور ساتھ میں بہت کچھ نقد اور سامان وغیرہ بھی لایا۔ پھر اس کی لڑکی کا بیاہ ہونے لگا تو بستی کے بھائیوں نے اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا شروع کیا اور یہ رائے دی کہ ذرا شادی میں خوب دھوم دھام کرو تا کہ لوگوں کی نگاہ میں تمہاری عزت ہو اور خاندان کا نام ہو۔ چنانچہ اس نے ایسی دھوم دھام کی کہ جو کچھ باہر سے کما کر ساتھ لایا تھا سب غارت کر دیا۔ بعد میں ان مشیروں میں سے ایک نے فخراً کہا کہ یہ بہت بڑھ گیا تھا۔ یہ رائے دے کر ہم نے اسکو اپنے برابر کر دیا، آج کل برادری کے بھائیوں کی عام حالت یہی ہے کہ کسی کو اپنے سے بڑھا ہوا دیکھ نہیں سکتے۔ بس جہاں کوئی بڑھا اور انہوں نے اس کو ایسی پٹیاں پڑھانا شروع کیں جس سے چار دن میں وہ ان کے برابر بلکہ کم ہو جائے اور برابر دو غرض سے کرتے ہیں، کبھی حسد سے اور کبھی اس لئے کہ وہ ہم کو گھٹانے کی فکر نہ کرے کیونکہ آج کل جہاں کوئی ذرا بڑھتا ہے وہ دوسروں کو گھٹانا شروع کر دیتا ہے اس لئے وہ اپنی جان بچانے کو اس کوشش میں رہتا ہے کہ کسی طرح یہ ہم سے بڑھا ہوا نہ رہے۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

مسئلہ استیذ ان

ان قیل لکم ارجعوا فارجعوا.

(یعنی اگر تم سے کہہ دیا جائے کہ اس وقت واپس ہو جاؤ تو تم واپس چلے جاؤ)

اور حدیث میں ایک قانون مقرر کیا گیا ہے کہ ارجعوا بھی نہ کہنا پڑے وہ قانون یہ ہے کہ تین دفعہ پکارو اگر کچھ جواب نہ ملے تو واپس ہو جاؤ اور استیذ ان کا طریقہ یہ ہے کہ اگر یہ احتمال ہو کہ سوتے ہوں گے تو اس طرح اجازت لو کہ اگر جاگتا ہو تو سن لے اور اگر سوتا ہو تو آنکھ نہ کھل جائے۔

اور دلیل اس کی مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر مہمانوں کو صحابہ اہل مدینہ پر تقسیم کر دیا تھا اور تین آدمی خود رکھ لیے تھے ان میں حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بکریاں بتلا دی تھیں کہ ان کا دودھ نکال کر پی لیا کرو تو یہ معمول ہو گیا تھا کہ بکریوں کا دودھ نکال کر خود پی لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ رکھ دیا۔ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لانے میں دیر ہوئی، مجھے شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آج کہیں دعوت ہو گئی ہو گی اب آپ کو کیا حاجت رہی ہو گی لاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کا بھی پی لوں۔ یہ خیال کر کے اس کو بھی پی لیا جب پی لیا تو شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ کھایا اور کہیں دعوت نہ ہوئی ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھوکے ہی رہیں گے اور اگر اس حالت میں بددعا دے دی تو کیا ہو گا، اس خیال سے یہ بہت پریشان ہوئے۔

آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت دیر میں تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ جب تشریف لاتے تو نہ تو یہ کرتے کہ بہت زور سے سلام کریں بلکہ ایسا کہ اگر جاگتے ہوں تو سن لیں اور اگر سوتے ہوں تو نیند میں خلل نہ پڑے چنانچہ حسب عادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ سے سلام کیا اور پھر نماز پڑھی اور پھر آہستہ سے برتن کھولے اور پھر مصلے پر تشریف لے گئے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اب ان کا دم ہوا ہوا کہ بس اب بددعا کریں گے مگر بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بددعا کیوں فرماتے آپ نے یہ دعا فرمائی کہ:

اللھم اطعم من اطعمنی (الصحیح مسلم)

(اے اللہ! جو مجھے کھانا کھلائے آپ اس کو کھانا کھلایئے)

دیکھئے یہ ہے توکل کہ نہ کوئی شخص ہے نہ کوئی سامان ہے مگر دعا فرمارہے ہیں اور پھر اسباب سے بعد بھی نہیں اختیار کیا۔ یہ دعا کی کہ اے اللہ! جو مجھے کھانا کھلائے آپ اسکو کھانا کھلائیے جسکا حاصل یہ ہوا کہ کسی ایسے شخص کو بھیج دیجئے کہ جو مجھ کو کھانا کھلائے اس سے بتلا دیا کہ متوکل کو بھی اسباب ہی سے ملتا ہے اللہ اکبر! آخر نبی تھے یہ بات آپؐ نہ بتلاتے تو اور کون بتلاتا۔ سوکل میں بھی اسباب کو بالکل ترک نہیں کیا جاتا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ متوکل کو نہ دروازہ بند کرنا چاہیے اور نہ دروازہ پر نظر رکھنی جائز ہے۔ غرضیکہ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ دعا سنی تو بد دعا سے تو بےفکری ہوئی۔ اب یہ تمنا ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی لوں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے، توکل ان میں بھی غالب ہوا اور بکریوں کا دودھ دوبارہ دوہنے بیٹھ گیا وہاں دیکھا تو دودھ بھرا ہوا تھا، غرض نکال کر پیش کیا اور پلایا۔

سو مقصود میرا یہ ہے کہ حدیث میں ایک جزو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کرتے تھے آہستہ کہ سوتے ہوں تو نہ جاگیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاں سونے کا احتمال ہو وہاں ایسا کھڑکا خواہ ہاتھ سے خواہ زبان سے نہ کرو کہ وہ پریشان ہوں۔ تو اب میں کہتا ہوں کہ اس کی فرع ایک یہ بھی ہے کہ اگر استیذان میں سلام کرے تو ایسی طرح کرنا چاہیے کہ دوسرے شخص کو تکلیف نہ ہو۔ (کف الاذیٰ ج ۴)

آداب معاشرت

عیادت کے متعلق ارشاد ہے ”فلیخفف الجلوس“ (چاہیے کہ بیٹھنے میں تخفیف کریں کیونکہ دیر تک بیٹھنے سے مریض کو تکلیف ہوگی سبحان اللہ! کتنی دقیق رعایت ہے اور بعض لوگ تو ایسے بےحس ہوتے ہیں کہ وہ کسی طرح اٹھتے ہی نہیں)۔

میں سفر میں عشاء کے بعد آرام کرنے کے لئے لیٹا، چند لوگ آن بیٹھے اور باتیں کرنا شروع کیں۔ جب بہت دیر ہوگئی تو میں نے کہا کہ آرام کیجئے مگر پھر بھی نہیں مانے، آخر مجھے بےمروتی کرنا پڑی، میں نے کہا کہ مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے تو کہنے لگے کہ تکلیف کی کیا بات ہے میں نے کہا کہ یہ وقت مباحثہ کا نہیں ہے کہ تکلیف کی کیا بات ہے۔ غرض جیسے کہ عموماً عادت ہے ایسے ہی ایک صاحب عین دوپہر کے وقت حضرت حاجی صاحب کے

پاس آئے حضرت کو سخت تکلیف ہوئی مگر لحاظ کی وجہ سے کچھ نہیں فرمایا، آنکھوں میں نیند تھی، بیٹھے ہوئے جھوم رہے تھے مگر کچھ نہ فرماتے تھے، اگلے دن پھر وہی صاحب تشریف لائے، حضرت نے تو اس روز بھی کچھ نہ کہا مگر حضرت حافظ ضامن صاحب تھے صاف انہوں نے خبر لی کہ تمہیں شرم نہیں آتی خود تو رات بھر جورو کی بغل میں پڑے سوتے رہتے ہو اور اللہ والے جو رات کو جاگتے ہیں اور دوپہر کو ذرا ان کے آرام کا وقت ہوتا ہے اس وقت تم ان کو پریشان کرنے کو آ بیٹھتے ہو خبردار! جب اب کبھی اس وقت آئے پھر اگر اس وقت دیکھوں گا تو ٹانگیں ہی توڑ دوں گا۔

اب لوگ کہتے ہیں کہ بعضے بزرگ بہت سخت مزاج ہیں تو وہ خود سخت مزاج نہیں ہوتے غرض جس تعظیم سے گرانی ہو ایسی تعظیم بھی نہ کرنی چاہئے۔ اس راز کو حضرات صحابہؓ نے خوب سمجھا۔ فرماتے ہیں کہ

ما كنا نقوم لرسول الله صلى الله عليه وسلم لما كنا نعرف منكراً.

(یعنی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کیلئے نہیں کھڑے ہوتے تھے کیونکہ ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے گرانی ہوتی ہے)

مگر آج کل لوگوں کو اس کا بالکل خیال نہیں۔ میں نے دیکھا کہ میرے استاد مولانا فتح محمد صاحب ہاتھ میں جوتے اٹھا کر جامع مسجد سے گرمیوں کے موسم میں باہر آنے لگے تو ایک صاحب نے لپک کر چاہا کہ مولانا کے جوتے میں لے لوں۔ انہوں نے تو اپنے نزدیک ادب کیا کہ مولانا کے ہاتھ سے جوتے لے گئے مگر یہ بھی کوئی خدمت ہے کہ چار قدم جوتے پہنچا دیئے، کیا جوتوں کا کوئی بڑا بوجھ تھا اور دو چار میل لے کر جانا تھا کہ مولانا تھک جاتے تو اگر خدمت کرو تو کوئی معتد بہ خدمت کرو تا کہ کچھ راحت پہنچے۔ آخر مولانا نے نہیں دیا مگر انہوں نے نہ مانا اور ایک ہاتھ سے تو مولانا کی کلائی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے جھٹکا مار کر جوتا چھین لیا۔ یہ بے تمیزی ہے ہم لوگوں میں، اپنے نزدیک تو بڑی خدمت کی کہ لڑ کر جوتا چھین لیا تو ساری خرابی ناعاقبت اندیشی اور تکلف کی ہے۔ (کف الاذیٰ ج ۴)

دوسروں کو تکلیف نہ دیجئے

ہر عمل میں اس کا لحاظ رہنا چاہیے یہ یہاں ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔ باقی

اس کی مثالیں اتنی کثرت سے ہیں کہ مدت تک سوچنی پڑیں گی اور اس کے لیے ایک سہل قاعدہ بتلاتا ہوں کہ جو برتاؤ کسی کے لیے کرو سوچ لو کہ اگر ہمارے ساتھ یہ برتاؤ کرے تو کیا اثر ہوگا۔ مثلاً جیسے کسی کی پشت کی طرف بیٹھے تو سوچ لے کہ اگر میرے پس پشت کوئی بیٹھے تو نا گوار ہوگا یا نہیں تو ایسے قول وفعل کو چھوڑ دو جس کا اثر تکلیف ہو۔ اگر اس معیار کو پیش نظر کرلیں تو ہماری بہت اصلاح ہو جائے گی اور اس وقت ایمان کامل نصیب ہوگا۔ (کف الاذیٰ ج ۴)

سلف میں سے دو شخص سفر میں جا رہے تھے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ تم سردار بنو گے یا خادم؟ انہوں نے کہا کہ خادم۔ پھر پہلے شخص نے کہا کہ اچھا جب میں سردار ہوں تو میں جو کچھ کہوں اسے ماننا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ہاں مانوں گا۔ یہ طے ہونے کے بعد دونوں سردار خادم سفر میں روانہ ہوئے۔ منزل پر پہنچ کر سردار نے خادم سے کہا کہ تم الگ بیٹھے رہو، میں سب کام کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے میں تو خادم ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں سردار ہوں، میرا کہا تم کو ماننا پڑے گا، تمام راہ سفر میں سردار صاحب کام کرتے چلے گئے۔ سبحان اللہ! سید القوم خادمھم (قوم کا سردار قوم کی خدمت کرنے والا ہوتا ہے) کے یہی معنی ہیں۔ اتفاق کے لئے یہی لازم ہے کہ جو کچھ آپس میں طے ہوگیا اس کے خلاف نہیں کرتے لیکن اب اتفاق کے معنی ہی بدل گئے۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ آج کل کے لیڈر جو اتفاق اتفاق پکارتے ہیں انہیں اس کی جڑ معلوم نہیں۔ اس کی جڑ ہے تواضع اور تواضع کاغذ پر نام کے ساتھ حقیر، ذلیل، نیازمند، خاکسار کے لکھنے سے نہیں ہوتی۔ (الوقت ج ۴)

ضیافت کا ادب

حدیث شریف میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دعوت میں ایک آدمی ویسے ہی چلے گئے آپؐ نے مکان پر پہنچ کر صاحب خانہ سے صاف فرما دیا کہ یہ ایک آدمی ہمارے ساتھ ہو لیا ہے اگر تمہاری اجازت ہو تو آوے ورنہ چلا جاوے۔ صاحب خانہ نے اس کی اجازت دے دی اور وہ شریک ہوگیا۔

رہا یہ شبہ کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے اس نے اجازت دیدی ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر آزادی دے

رکھی تھی کہ جس کا جی چاہتا قبول کرتا تھا اور جس کا جی چاہتا تھا انکار کر دیتا تھا۔ چنانچہ حضرت بریرہؓ کا قصہ آپ نے ابھی سنا ہے ایک قصہ اس سے بڑھ کر سنئے۔

مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ ایک فارسی شخص نے کہ شوربا عمدہ پکاتا تھا، شوربا پکا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی۔ آپؐ نے فرمایا: بشرطیکہ عائشہؓ کی بھی دعوت کرو تو قبول کرتا ہوں۔ اس شخص نے عرض کیا کہ نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری بھی نہیں۔ پھر اس نے اصرار کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فرمایا، اس نے چند بار انکار کیا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ کا بوجھ اور دباؤ ہوتا تو وہ انکار کیوں کرتا۔ پھر اپنی خوشی سے اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی دعوت قبول کی اور آنحضرت نے قبول فرمائی اور یہ جائز ہے کہ دعوت قبول کرنے میں کوئی شرط لگا دے۔ (حقوق المعاشرت ج ۴)

آداب عیادت

من جملہ ان حقوق کے جو ایک مسلمان کے دوسرے پر ہیں، عیادت یعنی بیمار پرسی ہے، اس کے بھی آداب ہیں۔ ان میں بھی افراط وتفریط ہو رہی ہے چنانچہ بعض آدمی تو سرے سے بیمار کو پوچھنے ہی نہیں جاتے یہ تفریط ہے اور بعض پوچھنے جاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ بیمار کو ان سے راحت ہوتی یہ اور الٹے موجب تکلیف بنتے ہیں۔ مثلاً وہاں جا کر زیادہ دیر تک بیٹھا رہے یہ تکلیف کی بات ہے۔ بیمار آدمی کو مختلف حوائج اور ضروریات ہوتی ہیں اور وہ بے چارہ ان کا لحاظ کرتا اور تکلیف اٹھاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ ”**من عادمنکم مریضا فلیخفف جلوسه**“ (جو شخص تم میں سے مریض کی عیادت کرے اس کو چاہیے کہ اس کے پاس کم بیٹھے) البتہ تیمارداری اور چیز ہے اس میں بیمار کے پاس ہر وقت بیٹھنا خدمت کے لئے ہے۔ خدمت ہر کسی پر ضروری نہیں مگر دفع اذیت اور راحت سب پر ضروری ہے۔ (حقوق المعاشرت ج ۴)

اقسام رسوم

حقیقت یہ ہے کہ رسوم دو قسم کی ہیں ایک وہ جو شرک و بدعت ہیں اور دوسری تفاخر کی میں کہتا ہوں کہ رسوم شرکیہ و بدعیہ تو بے شک گھٹ گئی ہیں لیکن تفاخر کی رسوم پہلے سے زیادہ

بڑھ گئی ہیں اور چونکہ تفاخر کی رسوم کو رسوم ہی نہیں سمجھا جاتا اس لئے رسوم کی ممانعت کی جاتی ہے تو لوگ کہہ دیتے ہیں کہ اس وقت روشنی کا زمانہ ہے۔ اب رسوم ہی کہاں رہ گئی ہیں اور نظائر میں ان ہی رسوم شرکیہ کو پیش کر دیتے ہیں اور واقع میں وہ بہت کم ہو گئی ہیں لیکن رسوم فخریہ پہلے سے بھی بڑھ گئی ہیں چونکہ پچھلے زمانہ میں نہ اتنا تمول تھا نہ اتنا دماغوں میں غلو تھا نہ فخر میں غلو تھا۔ بالکل سیدھی سادی معاشرت تھی بڑے بڑے امراء گاڑھا گزری پہنتے تھے ہمارے قصبہ میں صرف ایک رئیس کے یہاں ایک فرش اور ایک مراد آبادی حقہ اور ایک فتیل سوز تھا باوجودیکہ ہزاروں خوشحال اور متمول لوگ تھے جب کسی کے یہاں شادی ہوتی تو یہ چیزیں ان کے یہاں سے فرش قالین وغیرہ منگا لی جاتی تھیں اور کسی کے یہاں نہ تھیں اب بھی پہلے بادشاہوں کے جوڑے عجائب خانوں میں موجود ہیں انہیں کو دیکھ لیجئے وہ ایسے ادنیٰ درجہ کے ہیں کہ بادشاہ تو بہت بڑی چیز ہے اب کوئی ادنیٰ ملازم بھی ایسے کپڑوں کو پسند نہیں کرتا یہاں تک کہ بادشاہ لوگ بھی نینوا استعمال کرتے تھے چنانچہ ظفر شاہ کا جامہ نینو کا اب تک موجود ہے کیا ٹھکانہ ہے سادگی کا اب نینو چماریاں اور بھنگنیں بھی نہیں پہنتیں یہ حالت تھی اس زمانہ میں بہت ہی سادگی تھی کبر و فخر بھی کم تھا اور اس قسم کے لباس ہوتے تھے پہلے زمانہ میں۔

اب تو یہ حالت ہے کہ اگر دو سو سے کم کا ہو تو وہ جوڑا ہی نہیں اس کا نام کفن رکھا ہے کہا جاتا ہے کہ جوڑا کیا دیا جیسے کفن ڈال دیا اور اکثر جو جوڑے دوسرے عزیزوں کو دیئے جاتے ہیں وہ ہوتے بھی ایسے ہی ہیں کیونکہ اب تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہوں دس چاہے ہوں بالکل کفن سے خواہ مخواہ بہت سے جوڑے دیئے جاتے ہیں یہ بہو کے باپ ماں کا ہے' یہ نانا نانی کا ہے یہ خاک کا ہے یہ بلا کا ہے۔ غرض عدد کا پورا کرنا ضروری ہے حالانکہ ضرورت ایک کی بھی نہیں جیسے کہ کوئی لفظ بضرورت شعر بڑھا دیا جاتا ہے لیکن مصلح تو یہی کہے گا کہ شعر گفتن چہ ضرور! (شعر کہنا کیا ضروری ہے)

مرزا فائق ایک شاعر تھا۔ اس نے ایک خط منظوم غالب کو لکھا جس کے ایک شعر میں ید کا لفظ مشدد آتا تھا اور اس کے حاشیہ پر لکھا دیا کہ تشدید بضرورت شعر غالب ایک مسخرہ شخص اگرچہ حاشیہ پر وہ نہ بھی لکھتا تب بھی وہ کہیں چوکنے والا تھا اور اب تو ایک بہانہ مل گیا مسخرے نے اس کے جواب میں ایک قطعہ لکھا۔

چہ خوش گفت فائق شاعر غرا — کہ کس ہمچو من ذہن رسا نباشد
چو مقام ضرورت شعر افتد — تشدید جائز چرا نباشد

(کیا خوب کہا فائق غرا شاعر نے کہ کوئی شخص میرے مثل ذہن رسا نہیں ہے جب شعر میں کسی جگہ ضرورت پیش آئے تو تشدید کس لئے جائز نہ ہوگی۔)

حقیقت میں شعر گفتن چہ ضرور۔ اسی طرح ان کو ضرورت اتنے جوڑوں کی کیا تھی۔ کون سی وحی نازل ہوئی تھی۔ اس کی بنا کیا ہے محض فخر اور اس کو کوئی برا سمجھتا نہیں اور برا کیوں نہیں سمجھتا وجہ اس کی یہ ہے کہ ہماری فہرست معاصی کی نہایت مختصر ہے ہم نے معاصی کی فہرست میں انتخاب کیا ہے۔ ہماری فہرست میں معاصی صرف دو چار ہیں۔ زنا' چوری' شرابخوری' بس یہ چیزیں ہمارے نزدیک معاصی ہیں اور کوئی چیز معصیت ہی نہیں۔ اگر یہ بات ہے تو حق تعالیٰ کے ارشاد کے کیا معنی سنئے ارشاد فرماتے۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ (ظاہری گناہ بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ بھی۔)

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہری گناہ اور باطنی گناہ۔ ظاہری گناہ کی تفسیر یہ ہے کہ جو محسوس ہو دوسروں کو اور باطنی گناہ وہ ہے جو دوسروں کو محسوس نہ ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ جو ظاہری گناہ ہیں صرف یہی گناہ نہیں ہیں بلکہ اور بھی گناہ ہیں جو محسوس نہیں اور یہ جو محسوس گناہ ہیں ظاہر کے یہ محسوس کیوں ہیں۔ محسوس اس لئے ہیں کہ ان کا محل محسوس ہے یعنی ہاتھ پاؤں آنکھ' زبان وغیرہ ان جوارح سے جو گناہ ہوتے ہیں چونکہ یہ جوارح محسوس ہیں اس واسطے ان کے افعال بھی محسوس ہوتے ہیں اور باطنی گناہ ایسے محل کے ہیں جو خود محسوس نہیں اس لئے وہ بھی غیر محسوس ہیں۔ وہ محل کون ہے وہ محل ہے قلب اور نفس تو معلوم ہوا کہ بعضے گناہ قلب اور نفس کے بھی ہیں۔

اب ذرا مہربانی کر کے ان گناہوں کے نام تو بتایئے جو نفس اور قلب کے ہیں آپ تو کیا بتلائیں گے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا

''خدا تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتے''۔ حدیث صحیح میں ہے۔

لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من کبر (سنن

أبی داود: ۴۰۹۱، سنن الترمذی: ۱۹۹۸، ۱۹۹۹، سنن ابن ماجه: ۵۹، ۴۱۷۳، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰: ۹۲.)

''جس کے قلب میں رائی برابر بھی کبر ہوگا وہ ہرگز جنت میں نہ جائے گا''۔ یہ ہے قلب کا گناہ۔ اب دیکھئے دوسرا گناہ قلب کا حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ

''یعنی اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر باطل نہ کرو۔ مثل اس شخص کے جو لوگوں کے دکھلاوے کے واسطے خرچ کرتا ہے''۔ اس آیت سے ریا کا گناہ معلوم ہوا۔ یہ آیتیں اور حدیثیں ریا اور فخر کو حرام بتاتی ہیں اور یہ دونوں گناہ متعلق ہیں نفس اور قلب کے۔ اب اس کا تو کوئی انکار ہی نہیں کرسکتا کہ ریا اور فخر بھی گناہ ہیں کیونکہ قرآن اور حدیث سے ان کا گناہ ہونا ثابت ہے۔ (نقد اللبیب فی عقد الحبیب ج ۵)

اقسام مجالس

مجلسیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک تو وہ کہ عام ملاقات کے لئے ہو جس میں تخلی منظور نہ ہو اس میں استیذان کی ضرورت نہیں بلکہ وہاں پہرہ کھڑا کرنا بھی جائز نہیں ہاں اگر اندیشہ ہو تو جائز ہے مجلس قضا و مجلس وعظ وغیرہ فقہاء نے لکھا ہے کہ قاضی کو الگ مکان نہ بنانا چاہئے جامع مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کرنا چاہئے اگر کوئی شبہ کرے کہ مسجد میں غیر مسلم کیونکر جاسکیں گے تو جواب یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں جائز ہے البتہ غیر مسلم کو پاک صاف ہونا ضروری ہے بحالت جنابت مسجد میں نہیں آسکے گا غرض قاضی کو حکم ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر فیصلے کرو۔ اسی میں اجلاس قائم کرو اور گواہ بھی وہاں ہی آئیں البتہ سزا وغیرہ فرش مسجد سے جدا ہونی چاہئے مسجد میں کسی کو سزا نہ دی جائے شریعت نے اس کو دین کا کام قرار دیا ہے اور واقعی یہ دین کا بڑا کام ہے اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ خلقت کو نفع پہنچایا جائے۔

اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ حکومت دین کا کام ہے جب تو اس کے لئے جامع مسجد تجویز کی گئی ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کرنا کھیل نہیں ہے جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے کہ چھوٹے چھوٹے لڑکے اور حکومت کا شوق میں نے ایک نواب زادے کو دیکھا کہ وہ پانچ سو روپیہ ماہوار گھر سے منگواتے تھے اور بے تنخواہ کے ڈپٹی تھے۔

تو اجلاس پر پہرہ چوکی بٹھانا حاکم کو اس لئے جائز نہیں کہ اس کی مجلس عام ہونی چاہئے تا کہ تمام مخلوق اپنی مصیبت بیان کر سکے ایک قسم کی تو یہ مجلس ہے اس میں استیذ ان کی ضرورت نہیں ۔

ایک مجلس تنہائی کی ہوتی ہے جو ذاتی کام پورے کرنے کے لئے ہوتی ہے جسے امیروں کی آرام گاہ کہنی چاہئے اور غریبوں کا گھر اس میں جانے کے لئے استیذ ان کی ضرورت ہے بلا اجازت کے جانا جائز نہیں البتہ اگر قرائن سے اجازت معلوم ہو جائے تب بھی جانا جائز ہے اس صورت میں صاحب مکان کو پورا اختیار ہے کہ جس کو چاہے آنے دے اور جس کو چاہے روک دے اور یہ حکم ہے کہ اگر اجازت نہ دے تو بلا ملے ہوئے واپس ہو جائے۔

تو یہ مسئلہ شریعت کا ہے مگر مسلمان اس سے بالکل واقف نہیں اور اس کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور اگر کوئی اس پر عمل کرے اس کو صاحب بہادر سمجھا جاتا ہے ہم لوگوں کی بے توجہی کی یہ حالت ہے کہ ہم یہی سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونا ہی اسلام ہے اور یہی کافی ہے کچھ کرنے کرانے کی ضرورت نہیں اور یہ مرض عورتوں میں زیادہ ہے کیونکہ مرد تو کچھ لکھتے پڑھتے بھی ہیں بہت سی باتیں معلوم کر لیتے ہیں نیز اکثر علماء سے ملتے رہتے ہیں بہت سی باتیں کانوں میں پڑتی رہتی ہیں مگر عورتوں کو سوائے کھانے پکانے کے کسی چیز کی خبر نہیں ۔ اگر ہے تو صرف نماز کی ہے ۔ جو نماز پڑھتی ہے وہ سب کچھ ہے جو حج بھی کر لے وہ اپنے وقت کی رابعہ بصریہ ہے اور جو زیور کی زکوٰۃ بھی دینے لگے تو اس کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں غرض ان کو بجز معدودے چند باتوں کے اور کسی چیز کی خبر نہیں ۔ (شعب الایمان ج ٦)

مذہب کا ست

آج کل مسلمانوں نے مذہب کا بھی ست نکال لیا ہے کہ نماز روزہ تسبیح کا نام اسلام ہے میں نے بہت لوگ دیکھے ہیں کہ لمبی تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں اور سود لیتے ہیں اور دو دو مرتبہ مال گزاری وصول کرتے ہیں اور پھر اچھے خاصے مسلمان کے مسلمان ہیں ۔ تو آج کل ثقاہت تسبیح کا نام ہے جھوٹ بولتے ہیں اور رشوت لیتے ہیں زمین دوسروں کی دبا لیتے ہیں لڑکیوں کا حق نہیں دیتے بہن پھوپھی کا حق لے کر ادا نہیں کرتے اور پھر نیک کے نیک ہیں ۔ آج کل نیکی بڑی سستی چیز ہوگئی ہے ۔ بات یہ ہے کہ لوگوں نے واقعی دین کا بھی ست اور خلاصہ نکال لیا ہے ۔ بہت سی چیزوں کو دین سے نکال دیا ہے (شعب الایمان ج ٦)

مسئلہ اجازت

اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک اجازت حاصل نہ کرلو اوران کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم خیال رکھو۔

یہ مسئلہ استیذان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر استیذان کے کسی کے گھر میں داخل نہ ہو اور یہ آیت مجمل ہے اس میں استیذان کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی کہ کب تک اجازت مانگا کریں۔ حدیث میں اس آیت کی شرح ہے کہ تین مرتبہ اجازت چاہو اگر اجازت نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ (شعب الایمان ج ۶)

اسی طرح حدیث میں ہے کہ اگر تین آدمیوں کا مجمع ہو تو ان میں سے دو کو یہ جائز نہیں کہ ایک کو تنہا چھوڑ کر کسی خفیہ مشورے میں لگ جائیں جب تک کہ تیسرا چلا نہ جائے یا کہ کوئی چوتھا نہ آجائے کیونکہ اس کو ناگوار ہوگا۔ اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ مجھ کو غیر سمجھا اور مجھ سے پردہ رکھا۔ اور جب چوتھا آجائے گا تو اس تیسرے کو اس لئے رنج نہ ہوگا اس کو احتمال ہوگا کہ شاید چوتھے سے مخفی کرنا راز کا مقصود ہے۔ اور چوتھے کو اس تیسرے سے یہی احتمال ہوگا۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کے متعلق ایک نہایت مناسب قانون مقرر فرمادیا ہے۔ مگر افسوس ہے ہمارے بھائیوں نے ان قانونوں کو کبھی دیکھا بھی نہیں۔

ایک فائدہ

اگر کسی شخص کے پاس آمدورفت رکھو تو ہمیشہ ہدیہ لے جانے کے پابند نہ بنو بلکہ کبھی ہدیہ لے کر چلے جاؤ اور کبھی خالی چلے جاؤ۔ کیونکہ تجربہ بتلا رہا ہے کہ پابندی کی صورت میں جب اس شخص کی صورت نظر پڑے گی تو طبعاً ذہن میں یہ وسوسہ پیدا ہوگا کہ خدا جانے کچھ لایا ہے یا نہیں یہی اشراف ہے تو اس کا علاج یا تو یہ ہے کہ نفس ایسا ہو جائے کہ اس میں اشراف ہی نہ ہو یا یہ ہے کہ پابندی سے منع کردیا جائے چنانچہ میں نے اپنے لئے یہی تجویز کیا ہے بلکہ نہ لانا اکثر ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ (تجارت آخرت ج ۶)

معاشرت بطور جزو دین

قرآن وحدیث وفقہ میں سب چیزوں کی تعلیم موجود ہے، معاملات کی بھی معاشرت

کی بھی لیکن معاشرت کو معاملات سے بھی زیادہ دین سے الگ سمجھتے ہیں کہ لباس پہنیں گے، دوسری اقوام کا سا باتیں کریں گے تو انہی کی زبان یا انہی کے لب ولہجہ میں حتیٰ کہ کمرہ بھی سجائیں گے تو اسی طرح جس کے معنی یہ ہوئے کہ ہم معاشرت میں دریوزہ گر ہیں۔ دوسری قوموں کے اور گویا اس کا اقرار ہے اور نہایت گندہ اقرار ہے کہ ہمیں اس کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں دی۔ حالانکہ ان قوموں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم سے معاشرت کا طریقہ سیکھا ہے مگر آپ کی تو وہ حالت ہے:

یک سبد پرناں ترا بر فرق سر　　　　تو ہمی جوئی لب ناں دربدر
تابزا نوئے میان قعرآب　　　　ازعطش وزجوع گشتستی خراب

(تیرے سر پر روٹیوں کا ٹوکرا رکھا ہے تو ایک روٹی کے ٹکڑے کو دربدر مارا پھرتا ہے تو زانو تک نہر میں کھڑا ہے اور پیاس وبھوک سے خراب ہو رہا ہے) (آثار العبادۃ ج ۷)

معاشرت جزو دین ہے

معاشرت بھی جزو دین ہے اس کو بھی اپنے ہی گھر سے سیکھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی ایسی اعلیٰ تعلیم دی ہے کہ دنیا کا کوئی مذہب کوئی رواج ایسا نمونہ پیش نہیں کر سکتا۔ میں بطور مثال ایک چھوٹا سا نمونہ پیش کرتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اگر تین آدمی ہوں، دو آدمیوں کو تیسرے سے جدا ہو کے سرگوشی کی اجازت نہیں، سلف کا دستور یہ تھا کہ ایسے موقع پر جب چوتھا آدمی آجاتا تب ان میں سے دو اٹھ کے سرگوشی کر لیتے تاکہ تیسرے کی دل شکنی نہ ہو، میں کہتا ہوں کسی مذہب میں بھی ایسا قانون ہے۔ بھلا کوئی اس کی نظیر دکھلا تو دے آج کسی تمدن میں بھی ایسے قانون کا پتہ نہیں۔ واقعی جو اصول اسلام نے سکھائے ہیں وہ کسی قوم میں بھی نہیں، میں تو دوسری اقوام کے سامنے اپنے بزرگان دین کو پیش کر کے یہ کہوں گا۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

''یہ ہمارے آباؤ اجداد ہے اے جریر تو ان جیسے ہمارے پاس جبکہ ہم مجموعوں کو جمع کریں''
بھلا کوئی لا سکتا ہے ایسے اصول بس ہمیں تو وہی معاشرت چاہیے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی اور گو وہ ظاہر میں شاندار نہ ہو تو نہ ہو مگر واللہ ہیبت اصلی اس میں ہے بقول مولانا:

ہیبت حق است ایں از خلق نیست　　　　ہیبتے از صاحب ایں دلق نیست

(یہ ہیبت حق کی ہے خلق کی نہیں کچھ ہیبت صاحب دلق کی نہیں) (آثار العبادۃ ج ۷)

چنانچہ حضرت علیؓ کا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک بار کرتہ پہنا اس کی آستینیں خوبصورت معلوم ہوئیں آپ نے انکوفوراً تراش ڈالا کہ بدشکل ہو جاویں آج کل اگر کوئی ایسا کرے تو مجنونوں میں شمار ہوگا اس کو دیوانہ کہیں گے مگر واقعی بات یہ ہے کہ

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد   مرعسس رادید درخانہ نہ شد

(شب مبارک ج ۷)

عورتوں کا دستور العمل

عورتیں ان کے لیے آسان یہ ہے کہ جو عورتیں پڑھی لکھی ہیں وہ اپنے گھر میں بیٹھ کر بہشتی زیور وغیرہ پڑھا کریں اور جو پڑھی ہوئی نہیں ہیں وہ اپنے لڑکوں، بچوں سے کسی وقت بہشتی زیور کے مسائل سن لیا کریں اور یہ بھی نہ ہو تو لڑکیوں کو پڑھوا کر تیار کرلیں اور ان سے اسی سلسلے کو جاری کریں۔ یہ ہے مختصر دستور العمل اس سے ان شاء اللہ ہر شخص کو علم دین حاصل ہوگا اور محبت بھی بڑھے گی اور دین کی تکمیل ہوگی۔ (آثار المحبہ ج ۷)

نبی معاشرت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت کہ اس طرح رہتے تھے کہ پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ صدر کون ہیں چنانچہ باہر کے ناواقف لوگ آتے تو ان کو پوچھنے کی ضرورت ہوتی اور وہ پوچھتے من محمد فیکم صحابہ فرماتے هذا الابيض المتكئى کہ یہ جو گورے چٹے تکیہ کئے بیٹھے ہیں یہ ہیں محمدؐ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بتلانے سے پتہ چلتا ہے یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویسے پتہ نہ چلتا تھا۔ بیٹھنے میں تو آپ کی یہ حالت تھی۔

چلنے میں یہ حالت تھی کہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم آگے کر دیئے اور کچھ پیچھے کر دیئے کبھی کوئی آگے ہوگیا کبھی پیچھے ہوگیا ملے جلے چلتے تھے پتہ نہیں چلتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں۔ سو آپ کی تو یہ حالت اور آج بزرگی کے یہ معنی ہوگئے کہ سب سے ممتاز ہو۔ (احکام المال ج ۸)

امراء کی قابل رحم حالت

مجھے امراء پر بہت رحم آتا ہے کیونکہ ان کے اخراجات ایسے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان کی

آمدنی اس کے لئے کافی نہیں ہوتی پھران پر یہ مصیبت ہے کہ دعوت بھی کریں گے تو ایسی کہ بدوں قرض لئے نہ ہو سکے۔ بھلا گھر کا معمولی کھانا کس طرح کھلاویں تاوقتیکہ رنگ برنگ کے کھانے دسترخوانوں پر نہ ہوں دعوت ہی نہیں کرتے۔ حالانکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ مختلف رنگ کے کھانوں سے سادہ کھانا زیادہ لذیذ ہوتا ہے ایک تو اس وجہ سے کہ مختلف رنگ کے کھانے عادت کے خلاف ہوتے ہیں دوسرے متعدد کھانے طبیعت کو مشوش کر دیتے ہیں۔ (احکام المال ج ۸)

اہل اللہ کی معاشرت

اہل اللہ کی معاشرت دیکھئے مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی کا قصہ ہے کہ آپ دہلی میں ایک مدرسہ میں صدر مدرس تھے۔ ان سے مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی نے فرمایا کہ مولانا آپ دہلی سے جب وطن جایا کریں تو راستہ میں مجھ سے مل کر جایا کریں۔ (کیونکہ کاندھلہ راستہ ہی میں پڑتا ہے) انہوں نے منظور کیا مگر شرط یہ لگائی کہ میری منزل میں حرج نہ ہو۔ مولانا مظفر حسین صاحب نے اس کو منظور فرمایا۔ مولانا مملوک علی صاحب جب دہلی سے تشریف لاتے تو مولانا مظفر حسین صاحب سے راستہ میں ضرور ملتے اور مل کر سوار ہو جاتے۔

ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ مولانا مملوک علی صاحب دہلی سے آ رہے تھے جب کاندھلہ پہنچے تو مولانا مظفر حسین صاحب سے ملنے کے لئے سواری ٹھہرائی اور سواری وہیں چھوڑ کر مولانا سے ملنے گئے۔ مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی گھر کے رئیس تھے۔ مگر آپ کی سادگی دیکھئے کہ آپ نے پوچھا کہ کھانا کھا چکے ہو یا کھاؤ گے۔ مولانا مملوک علی صاحب نے کہا کھائیں گے انہوں نے فرمایا کہ تازہ تیار کراؤں یا جو رکھا ہوا ہے وہی لے آؤں۔ مولانا مملوک علی صاحب نے فرمایا کہ جو موجود ہو وہی لے آیئے بس آپ مٹی کی رکابی میں کھچڑی کی کھرچن لے آئے اور کہا رکھا ہوا تو یہ ہے وہ بھی ایسے ہی تھے۔ بس انہوں نے اسی کو کھا لیا اور پانی پی کر رخصت ہو گئے۔ یہ حالت تھی ان حضرات کی کہ جو ہوا وہ سامنے رکھ دیا۔

ایک دفعہ مولانا مظفر حسین صاحب گنگوہ تشریف لے گئے مولانا گنگوہی کے مہمان ہوئے صبح جب رخصت ہونے لگے تو مولانا گنگوہی نے کھانے کے لئے عرض کیا مولانا مظفر حسین صاحب رام پور جانے والے تھے۔ فرمایا کہ میری منزل کھوٹی ہو گی کیونکہ کھانا تیار ہونے میں دیر لگے گی ہاں اگر رات کا رکھا ہوا ہو تو لا دو۔ مولانا نے ماش کی دال اور

باسی روٹی لا دی آپ نے رکابی کی دال روٹی پر الٹ کر پلے میں باندھ لی اور رخصت ہو گئے۔ حالانکہ آپ رئیس تھے جب رام پور پہنچے تو حکیم ضیاءالدین صاحب سے کہا کہ مولوی رشید احمد بڑے اچھے آدمی ہیں حکیم صاحب نے کہا کہ ہاں واقعی بڑے بزرگ ہیں۔ آپ فرمانے لگے کہ میں تو کہہ رہا ہوں کہ بڑے اچھے آدمی ہیں اور آپ کہتے ہیں بڑے بزرگ ہیں۔ میں ان کے بزرگ ہونے کی تعریف نہیں کر رہا میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ وہ بڑے اچھے آدمی ہیں۔ اگر خود نہیں سمجھتے تو پوچھ ہی لو۔ انہوں نے کہا کہ اچھا حضرت فرمایئے۔ آپ نے کہا کہ دیکھو کیسے اچھے آدمی ہیں انہوں نے مجھے کھانے کے لئے کہا پھر میرے کہنے سے جو کھانا رکھا ہوا تھا بے تکلف لا دیا میں اس واسطے کہہ رہا ہوں کہ بڑے اچھے آدمی ہیں۔ (احکام المال ج ۸)

شادی بیاہ کی رسومات

شادی بیاہ میں لوگ آنکھیں بند کر لیتے ہیں کچھ اس سے بحث نہیں ہوتی کہ اس موقع پر خرچ کرنا چاہئے بھی ہے یا نہیں۔ سو سمجھ لو کہ خرچ کرنے کے بھی حدود ہیں جیسے نماز روزہ کے حدود ہیں۔ اگر کوئی نماز بجائے چار رکعت کے چھ پڑھنے لگے یا کوئی روزہ عشاء تک رکھنے لگے تو گنہگار ہوگا اسی طرح مال کو حد سے زیادہ خرچ کرنے سے بھی گنہگار ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے ہر چیز کے حدود مقرر کئے ہیں۔ پس حدود کو معلوم کرنا چاہئے علماء سے پوچھو...... ایک بات تو یہ یاد رکھو۔

دوسرے یہ یاد رکھو کہ جو کام کرو سوچ کر کرو۔ اگر ان دونوں باتوں پر عمل کرو گے تو حقوق ضائع نہ ہوں گے اور جس میں لوگوں سے زیادہ غلطیاں ہوتی ہیں وہ حقوق مالی ہیں اس کا بڑا خیال رکھنا چاہئے۔

ایک خرابی مسلمانوں میں یہ ہے کہ قرض لے کر ادا نہیں کرتے قرضے ادا کرنے کی بالکل عادت ہی نہیں۔ اس لئے ان کا اعتبار نہیں رہا۔ اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ ہر ایک سے قرض مانگتے ہیں اور کوئی نہیں دیتا۔ حالانکہ قرض دینے کا بڑا ثواب ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے جنت کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ صدقہ دینے سے دس نیکیاں ملتی ہیں اور قرض دینے سے اٹھارہ۔ آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ قرض

وہی مانگتا ہے جسے سخت حاجت ہوتی ہے (کیونکہ اسے پھر واپس کرنا پڑتا ہے) بخلاف صدقہ کے تو قرض دینے کا اتنا بڑا ثواب ہے.........!

مگر جب کوئی لے کر ادا ہی نہ کرے تو پھر کون دے حالت یہ ہوگئی ہے کہ قرض دے کر وصول نہیں ہوتا حتیٰ کہ قرض دار سامنے آنا تک چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی واسطے مولانا جامی فرماتے ہیں۔

مدہ شان قرض و مستان نیم حبہ   فان القرض مقراض المحبۃ

(امتوں کو آدھی پائی بھی قرض نہ دے کیونکہ قرض بے شک محبت کی کینچی ہے) (احکام المال ج ۸)

غایت ادب

دیکھئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ شریف پہنچے تو آپؐ جس وقت مجلس میں تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی خدمت میں حاضر تھے لوگ زیارت کو آتے تھے چونکہ حضرت ابوبکر صذرا زیادہ بوڑھے معلوم ہوتے تھے لوگوں کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی صورت دیکھ کر یہ گمان ہوا کہ حضورؐ یہ ہوں گے۔ اس لئے ان سے مصافحہ کرتے رہے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی یہ نہیں کہا کہ مجھ سے نہیں بلکہ حضورؐ سے مصافحہ کرو۔ کیونکہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راحت میں خلل پڑتا۔ جب ذرا آفتاب بلند ہوا اور دھوپ آئی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چادر تان کر آپ پر سایہ کرنے کی غرض سے کھڑے ہو گئے اس وقت لوگوں کو پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہیں۔ دیکھئے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مصافحہ کی بھی تکلیف نہیں ہونے دی مصافحہ کی تکلیف کو خود گوارا کرلیا۔ یہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا غایت ادب تھا کہ آپ وقایہ ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچے۔ (احکام الجاہ ج ۸)

سفارش کی تین صورتیں

سفارش کی تین صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ نہ تو محبت کا اثر ہو اور نہ وجاہت کا اس میں تو ذلت ہے۔

ایک یہ کہ وجاہت کا اثر ہو محبت کا نہ ہو اس میں مخاطب کو تکلیف ہے۔

ایک یہ کہ وجاہت کا اثر نہ ہو محض محبت کا ہو۔ اس میں مضائقہ نہیں اس میں نہ سفارش

کرنے والے کو ذلت نہ مخاطب کو تکلیف۔ بشرطیکہ محبت کافی ہو اور بے تکلفی بھی ہو۔ چونکہ تیسری قسم نادر الوجود ہے اس لئے میں نے سفارش کرنی چھوڑ دی۔ (تاسیس ابنیان ج ۸)

معاشرتی لاپرواہی

بریلی میں ایک صاحب یتیم خانہ کے مہتمم تھے انہوں نے میرے نام ایک فتوے کے لئے خط لکھا اور پتہ میں اپنے نام کے ساتھ گورنر یتیم خانہ لکھا آج کل ایک آفت یہ بھی ہوگئی کہ جاہ مقصود بالذات ہوگیا جاہ کے لئے اپنے لئے خانہ ساز عہدے پھر ان عہدوں کے نام انگریزی نام تجویز کرتے ہیں تو ان صاحب نے اپنے کو گورنر لکھا مگر وہ ایسے گورنر تھے کہ جو اب کے لئے آپ نے ٹکٹ تک نہ بھیجا تھا۔ میں اس وقت تک ایسے خطوط کا جواب بیرنگ دے دیا کرتا تھا اس کا جواب بھی میں نے بیرنگ بھیج دیا تو گورنر صاحب نے واپس کر دیا اور مجھے ایک آنہ دینا پڑا کیونکہ اس وقت ایک ہی آنہ محصول تھا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں میرا جانا بریلی ہوگیا۔ میں نے بھائی سے یہ قصہ بیان کیا کہ میں ان گورنر صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے ان سے ایک آنہ وصول کرنا ہے۔ یہ کیسے گورنر ہیں کہ استفتاء بھیجیں اور جواب کے لئے ٹکٹ نہ رکھیں اور برنگ جواب دیا جائے تو محصول بھی ہمارے ذمہ ڈالیں۔ اس وقت بعض لوگ اور بھی بیٹھے تھے جب وہ چلے گئے تو بھائی نے کہا کہ تم نے غضب کیا۔ اس وقت ان گورنر صاحب کے صاحبزادے بھی موجود تھے میں نے کہا یہ اچھا ہوا کہ میرا مدعا حاصل ہوگیا کیونکہ میں تو ان کو اس تہذیب پر تنبیہ کرنے کے لئے ہی ملنا چاہتا تھا۔ اب مجھے ان سے ملنے کی ضرورت نہیں صاحبزادے ضرور مطلع کر دیں گے۔ (الجبر بالصبر ج ۹)

آجکل کے واعظین

بعض احباب نے دہلی میں ایک جلسہ میں مجھ کو مدعو کیا۔ اور چلتے وقت پچیس روپیہ تھانہ بھون کی زاد راہ کے لئے دینے لگے۔ میں نے کہا کہ تھانہ بھون دور نہیں صرف چار روپیہ کا تقریباً صرفہ ہوگا۔ وہ کہنے لگے کہ کل پرسوں ایک مولوی صاحب تشریف لائے تھے وہ ایک دن میں گیارہ روپے کے پان کھا گئے۔ بکری کو بھی مات کر دیا مگر آبرو کی بکری ہوگئی۔ اور خود تو کیا کھاتے بس جو آیا تواضع پر تواضع کی کہ آپ بھی کھائیے اور آپ بھی

کھائیے۔ کیونکہ مفت کا مال تھا۔ مالِ مفت دلِ بے رحم۔ ایک واعظ صاحب کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ رخصت کے وقت ساٹھ روپے کرایہ کیلئے۔ کیونکہ فرسٹ کلاس کا ٹکٹ اسی کے قریب ہوگا۔ گو سفر کیا ہو تھرڈ ہی میں۔ آج کل یہ امور بھی بزرگی کے خلاف نہیں۔ آج کل کی بزرگی بھی بی بی تمیزہ کا وضو ہے کہ کسی طرح نہیں ٹوٹتا۔ (سلوۃ الحزین ج ۹)

سادگی علامت ایمان

حدیث میں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "**البذاذة من الایمان**" یعنی سادگی سے رہنا ایمان کی علامت ہے آپ لوگ مقتداء ہیں، نائب رسول ہیں، آپ اگر اس فیشن کے لباس وضع کو اختیار کریں گے تو عوام کا کیا حال ہوگیا، وہ تو اچھے خاصے انگریز ہی ہو جائیں گے۔

بہ نیم بیضہ کہ سلطان ستم روادارد زنند لشکر یانش ہزار مرغ بیخ

(اگر بادشاہ آدھا انڈہ ظلم سے روا رکھے تو اس کے لشکری ہزار مرغ بیخ پر ذبح کرتے ہیں)

عوام اس سے غفلت میں پڑ جائیں گے اور ان کو آپ پر حق احتجاج حاصل ہوگا اور اس سب کا وبال آپ لوگوں کی گردن پر ہوگا۔ دیکھ لیجئے احادیث میں قصہ آتا ہے کہ کوئی خلیفہ باریک کپڑے پہن کر خطبہ جمعہ کو آئے۔ ایک صحابی نے فوراً اعتراض کیا کہ "**انظروا الی امیرنا هذا یلبس لباس الفساق**" دیکھئے خلیفۃ المسلمین کو محض باریک کپڑے پہننے پر جو اس وقت شعار اوباش کا تھا مجمع عام میں کیسا لتاڑا گیا۔ حدیث شریف میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "**من تشبه بقوم فهو منهم**" اور ظاہر ہے کہ اگر آپ کا طریقہ زینت یا فیشن کا اہل کفر یا اہل غفلت سے ماخوذ ہوگا تو آپ بھی ان ہی میں شمار ہوں گے۔ طلبہ کے لیے یہ لباس ہرگز شایان نہیں۔ اس سے علم کی ناشکری بے قدری ہوتی ہے خصوصاً طالب علمی کی حالت میں تو بالکل فقراء و مساکین کی طرح سادہ لباس سادہ مزاج رہنا چاہیے، میں قیمتی لباس سے منع نہیں کرتا، خدا تعالیٰ نے جس کو دیا ہے وہ پہنے میں ترفع و تفاخر سے روکتا ہوں، باقی جن لوگوں میں یہ تفاخر و بڑائی کا مادہ نہ ہو، وہ کیسا ہی بڑھیا لباس پہنیں جب بھی ان کی طالب علمی کی شان میں ضرر رساں نہیں ہوتا کیونکہ وہ بڑھیا لباس میں بھی ایسے الول جلول رہتے ہیں کہ صورت سے آثار طالب علمی صاف نظر آتے

ہیں اور جو لوگ زینت و وضع کی فکر میں رہتے ہیں یا نئے فیشن کو اختیار کرتے ہیں ان کی صورت پر طالب علمی کی شان نہیں ہوتی بلکہ افسوس سے کہا جاتا ہے کہ آج کل اس طرز و وضع کو اس لیے اختیار کیا جاتا ہے کہ کہیں لوگ طالب علم نہ سمجھ لیں۔ گویا یہ چاہتے ہیں کہ عوام ہم کو زمرہ طلبہ سے علیحدہ سمجھیں یا ایک شاندار و ممتاز طالب علم تصور کریں اور تاویل یہ کرتے ہیں کہ جہلاء اور عوام کی نظروں میں ذلیل نہ ہوں۔ صاحبو! ذرا گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ یہ کیسی عزت ہے جس کی عزت ہونے پر اہل جہل کی نظر سے استدلال کیا جاتا ہے اس جہالت کا بھی کوئی ٹھکانا ہے عزت تو وہ جس کو اہل نظر عزت کہیں اہل علم کو چاہیے کہ اپنے سلف صالحین اہل علم کا اتباع کریں ان کی پیروی کو اختیار کر ؤ اسی میں فلاح دارین تصور کریں' یہ آپ کے بچپن کا زمانہ ہے اب جس طرح چاہو نفس کو سدھار سکتے ہو' پھر اصلاح مشکل ہوگی۔

والنفس کالطفل ان تمهله علی نسب حب الرضاع وان تفطمه ینفظم

(نفس مثل بچہ کے ہے جس راہ پر ڈال دو اس پر پڑ جاتا ہے' اگر دودھ پلاتے رہو پیتا رہے گا لیکن اگر دودھ چھڑا دو تو چھوڑ دے گا) (دستور سہارنپور ج ۱۱)

عورتوں کی عادت

عورتوں کو رات دن زیور اور کپڑے کے تذکرہ سے سوا اور کوئی کام ہی نہیں' پھر مصیبت یہ ہے کہ جس کے پاس زیور نہ ہو وہ تو دوسروں کے زیور کا ذکر کرتی رہتی ہیں اور جس کے پاس ہو وہ بھی چین سے نہیں بیٹھتی۔ اس کو اس کی تلاش رہتی ہے کہ اگر کسی کے پاس میرے زیور سے اچھا نمونہ ہو تو میں بھی اس کو تڑوا کر ویسا ہی بنواؤں چنانچہ جہاں کسی کا زیور پسند آیا اور اپنا زیور ان کے دل سے اترا اور انہوں نے فوراً فرمائش کی کہ اس کو تڑوا کر ویسا ہی بنایا جائے اس کی کچھ پروا نہیں ہوتی کہ ابھی ابھی اس کی بنوائی میں اتنے روپے گئے ہیں تڑوانے سے وہ سب لاگت ضائع ہو جائے گی اور دوسری لاگت الگ دینی پڑے گی مگر ان کی بلا پروا کرے جانتی ہیں شوہر کماوے گا اور لاوے گا ہم کیوں فکر کریں' بس ان کی تو اپنی فرمائش پوری ہونی چاہیے' شوہر کے ذمہ چاہیے کتنا ہی ہو جائے کپڑوں کی جمع کرنے کی بھرمار ہوتی ہے کہ صندوق بھرا ہوا ہے مگر کیا ممکن ہے کہ بزاز ان کے گھر کے سامنے سے خالی گزر جائے' غرض عورتوں کے اقوال و افعال و اموال تو سراسر لایعنی ہیں ان کی فہرست گنانا تو گویا محال ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

(تمام جسم پر داغ ہی داغ ہیں پھاہا یہ کہاں کہاں رکھا جائے)

خیر یہ مضمون تو ظاہر تھا جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اب میں ایک بات مختصر طور پر ایسی بیان کرنا چاہتا ہوں جو ذرا باریک بات ہے، جس کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ (ترک مالایعنی ج ۱۱)

اسلامی قوانین

ایک دفعہ حضرت علیؓ کی زرہ چوری ہوگئی تھی آپ نے اس کو ایک یہودی کے پاس دیکھا اس وقت آپ خلیفہ تھے کہا یہ زرہ میری ہے۔ یہودی نے کہا میری ہے دیکھئے خلیفہ کے مقابلہ میں ایک رعیت کا آدمی کس بیباکی سے کہتا ہے کہ یہ چیز میری ہے۔ یہ اسلام ہی کے قوانین سے تو اس کی جرات تھی کیونکہ جانتا تھا کہ بادشاہ کے صرف کہنے سے یہ زرہ ان کی نہ ہو جائے گی دیکھئے اسلام کی کتنی خوبی ہے کہ غیر قوموں کو بھی اس سے نفع ہوتا تھا اب تو یہ حال ہے کہ خود مسلمان بھی اس سے نفع نہیں لیتے ہیں۔ غرض آپ نے قاضی کے پاس جا کر دعویٰ کیا اس وقت قاضی تھے شریح تابعی وہ آپ کے ماتحت تھے اب دیکھئے ادھر آپ بادشاہ اور شیخ کامل صاحب فضائل اور حضرت علیؓ کے خصائص وفضائل دیکھ کر کہیں یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ آپ جھوٹ بول سکتے ہیں ہرگز نہیں مگر با ایں ہمہ حضرت شریح یہودی کے مقابلہ میں حضرت علیؓ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی گواہ ہے صاحبو! اب تو حضرت علیؓ کیا اگر ہم بھی ہوتے اور ہمارا کوئی شاگرد یا مرید قاضی ہو اور وہ ہم سے گواہ طلب کرے تو کہتے کیوں جی کیا ہم جھوٹ بولتے ہیں مگر وہاں تو یہ بات نہ تھی وہ تو قوانین اسلام کے پابند تھے چنانچہ حضرت علیؓ نے گواہ پیش کئے ایک قنبر آزاد شدہ آپ کے غلام تھے اور ایک آپ کے بیٹے امام حسنؓ شریح نے کہا غلام آزاد شدہ کی تو شہادت معتبر اور لڑکے کی شہادت باپ کے حق میں قبول نہیں کیجاتی۔ حضرت شریح کا مذہب یہی تھا کہ اولاد کی شہادت باپ کے حق میں مقبول نہیں اس میں اختلاف ہے کہ اولاد کی شہادت معتبر ہے یا نہیں۔ حضرت علیؓ کا مذہب یہ تھا کہ معتبر ہے اسی لئے ان کو پیش کیا اور شریح کے نزدیک معتبر نہیں اور قاضی فیصلہ کے وقت اپنے مذہب پر عمل کرے گا نہ کہ بادشاہ کے مذہب پر اس لئے شریح نے حکم دیا کہ زرہ یہودی کی ہے۔

حضرت علیؓ مقدمہ ہار کر عدالت سے ہنسی خوشی نکل آئے کوئی تکدر اور رنج نہ ہوا۔ یہودی نے دیکھا کہ باوجودیکہ یہ بادشاہ ہیں مگر میرے مقابلہ میں ان کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ کہا

اگر یہ مذہب سچ نہ ہوتا تو اس میں اتنی حقانیت وبرکت نورانیت نہ ہوتی۔ بس کلمہ شہادت پڑھ کر کہا کہ حضور آپ ہی کی زرہ ہے میں مسلمان ہوتا ہوں آپ نے کہا اب میں نے تم کو ہبہ کردی وہ حضرت علیؓ سے بیعت ہو گیا اور جنگ صفین میں شہید ہوا۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

معاشرتی ادب

معاشرت میں ایک ادب یہ ہے کہ اگر تین آدمی ہوں تو دو شخص باہم سرگوشی نہ کریں کیونکہ تیسرا کبیدہ خاطر ہوگا کہ مجھ ہی سے اخفا مقصود ہے اور اگر چار آدمی ہوں تو دو کی سرگوشی میں تیسرا شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ شاید مجھ سے چھپاتا نہیں دوسرے سے چھپاتا ہو رنجیدگی نہ ہوگی ایک میرا واقعہ اسی طرح کا ہے۔

میرے پاس ایک نائب تحصیلدار آئے ان کو اپنے بچہ کی تعلیم کیلئے مدرس کی ضرورت تھی۔ مجھ سے تجویز کرنے کی درخواست کی مجھ سے یہ حماقت ہوئی کہ میں نے ایک مولوی صاحب سے جو مجھ سے پڑھ رہے تھے اس کے متعلق عربی میں گفتگو شروع کی تھوڑی ہی گفتگو کرنے پایا تھا کہ نائب صاحب نے کہا عربی میں بات کرنے سے معلوم ہوتا ہے شاید آپ مجھ سے مخفی رکھنا چاہتے ہیں سو میں عربی سمجھتا ہوں آپ اجازت دیجئے میں یہاں سے اٹھ جاؤں۔ میں بہت شرمندہ ہوا اور کہا ایسے مہذب سے میں کوئی راز مخفی نہیں رکھنا چاہتا غرض ناواقف کے سامنے دو آدمیوں کا عربی میں کلام کرنا بھی اسی ممانعت میں داخل ہے۔

نیز انہوں نے اس حدیث کو بھی سمجھا کہ اگر دو آدمی پوشیدہ باتیں کرتے ہوں تو کسی کو ان کی باتوں پر کان نہ لگانا چاہیے۔ فرمایئے کس قدر تدقیق ہے۔ غرض شریعت کا ایک ایک باب کھولو اور اس کے منافع ومحاسن کو دیکھو تو خود فیصلہ کرلو گے کہ احکام شرع میں جو جو خوبیاں اور منافع ہیں اور کسی میں نہیں ہیں۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

حسن معاشرت:

معاشرت کی خوبی یہ ہے کہ سب سے پہلے تواضع کی تعلیم دی گئی ہے **من تواضع للہ رفعہ اللہ** تواضع کے یہ معنی ہیں کہ اپنے کو سب سے کمتر سمجھے۔ حتیٰ کہ جانوروں سے بھی کمتر سمجھے کیونکہ اگر نجات ہوگئی تب تو اپنے کو ان سے افضل کہنے کا حق ہے اور اگر خدانخواستہ

نجات نہ ہوئی تو جانوروں سے بھی بدتر ہوئے کیونکہ وہ غضب الٰہی سے محفوظ ہیں کیا اس تواضع کی نظیر کوئی دکھا سکتا ہے الحمدللہ اسلام میں اس کی صدہا نظائر موجود ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا حال اوپر مذکور ہو چکا ہے اور جولوگ آپ کے سچے نائب ہیں وہ بھی اسی مذاق کے ہوتے ہیں اور تواضع حسن معاشرت کی جڑ ہے۔معاشرت میں خرابی اسی سے آتی ہے کہ میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہوں اور تم اپنے کو اور جب دونوں اپنے کو دوسرے سے کمتر سمجھیں گے تو پھر نزاع کی نوبت ہی نہ آئے گی اور اگر آئے گی بھی تو وہ حد سے متجاوز نہ ہوگی۔آج کل لوگ اتفاق اتفاق پکارتے پھرتے ہیں۔ہمارے حاجی صاحب فرماتے تھے کہ اتفاق کی جڑ تو ان لوگوں میں ہے نہیں محض باتوں سے اتفاق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اتفاق کی جڑ تواضع ہے۔جولوگ متواضع ہوں گے۔ان میں آپس میں نزاع ہو ہی نہیں سکتا اور بدوں تواضع کے کبھی اتفاق پیدا نہیں ہوسکتا۔واقعی عجیب گر کی بات ہے۔

ایک خوبی معاشرت کی یہ ہے کہ استیذ ان کا مسئلہ مشروع کیا گیا ہے کہ بدوں اجازت واطلاع کے اپنے گھر میں بھی نہ آئے۔شاید کوئی پردہ دار ہو۔اس کی پردہ دری ہوگی جب اپنے گھر کا یہ حکم ہے تو دوسروں کا تو کیا پوچھنا اور زنانہ تو زنانہ مردانہ میں بھی جب قرائن سے معلوم ہو کہ مجلس خاص ہے مثلاً کوئی شخص پردے چھوڑ کر بیٹھا ہو تو بدوں اس کی اجازت کے اندر نہ جاؤ۔گومکان مردانہ ہی ہو۔(محاسن الاسلام ج ۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کی یہاں تک رعایت فرمائی ہے کہ آپ کا حکم ہے کہ جو خود کھاؤ وہی غلاموں کو کھلاؤ۔جو خود پہنو وہی پہناؤ اور جب وہ کھانا پکا کر لائے تو اس کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاؤ۔عین وصال کے وقت کے آپ کی یہ حالت تھی **الصلوۃ وما ملکت ایمانکم** (سنن ابن ماجۃ :1625) یعنی نماز کا خیال رکھو اور ان غلاموں کا بھی جو تمہارے ہاتھوں کے نیچے ہیں اس سے زیادہ اور کیا رعایت ہوسکتی ہے؟ اور بحمد اللہ حضرات صحابہ وتابعین اور اکثر سلاطین اسلام نے غلاموں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا اگر کسی ایک نے دو نے اس کے خلاف عمل درآمد کیا تو وہ اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے اسلام پر اس سے اعتراض نہیں ہوسکتا۔(محاسن الاسلام ج ۱۲)

بدوضع کا اثر

بدوضع اور بدچلن لوگوں کی وضع بھی ضرور اثر کرتی ہے آج کہتے ہیں کہ کیا ہم کوٹ

پتلون، بوٹ سوٹ پہننے سے نصرانی ہو جائیں گے۔ میں نے ایک مرتبہ گورکھپور میں وعظ میں کہا کہ تم گھر میں جا کر بیگم صاحبہ کا جوڑا لے کر پہنو، کڑے بھی پہنو، چھڑے بھی پہنو، بالیاں بھی کانوں میں اٹکالو کیونکہ سوراخ تو ہیں ہی نہیں جو پہنو گے اور وہی دوپٹہ اوڑھ کر تھوڑی دیر مجلس میں اجلاس کرلو۔ اگر کوئی کہے ہنسے بتائے کہ زنانہ لباس پہنے ہو تو کہو کیا زنانہ کپڑا پہننے سے عورت ہو جائیں گے۔ جب تم ایسا کرلو گے تو ہم جواز کا فتویٰ تو نہ دیں گے ہم تو دونوں کو ناجائز ہی کہیں گے۔ مگر تم کو کہنا چھوڑ دیں گے۔ (روح العج والنج ج ۱۷)

خوبی معاشرہ

اور لیجئے ایک سبب محبت کا خوش معاملگی وخوبی معاشرت ہے جو مفہوم کلی کمال میں داخل ہوسکتی ہے۔ شریعت نے اس کی یہاں تک تعلیم کی ہے کہ دور دور تک کے احتمالات تک پر نظر فرمائی ہے۔ کہ کسی کے مال میں بلا اجازت تصرف نہ کرو۔ کسی کے خلوت خانہ میں بلا اجازت نہ جاؤ۔ اگر جاؤ تو اجازت لے کر جاؤ۔ اور اس کا طریقہ کیسا اچھا تعلیم فرمایا کہ دروازے پر کھڑے ہو کر کہو السلام علیکم ادخل۔ یعنی میں آؤں۔ تین بار کہنے پر اگر جواب نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ کواڑ مت کھٹ کھٹاؤ۔ ممکن ہے کہ اس وقت ملنے سے کچھ عذر ہو۔ سوتا ہو یا جی نہ چاہتا ہو۔ اس کو معذور سمجھ کر واپس چلے آؤ۔ اور اگر اندر سے یہ کہہ دیا جائے کہ اس وقت واپس جاؤ تو واپس چلے آؤ۔ برا مت مانو۔ (الاتفاق ج ۱۹)

باہمی محبت کا راز

اور لیجئے اسلام کی تعلیم ہے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ ہو۔ اور یہ جڑ ہے محبوبیت باہم دگر کی چنانچہ ارشاد ہے **المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده** مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں یعنی کسی کو اس سے ضرر واذیت نہ پہنچے یہ تو کلیہ ہے پھر اس کی جزئیات کی عملی اور علمی طور سے ایسی تعلیم فرمائی ہے کہ انتہا کو پہنچا دیا ہے چنانچہ تعلیم ہے کہ اگر کوئی بھائی مسلمان سوتا ہو اور تم کو اٹھنے اور کہیں جانے کی ضرورت ہو تو آہستہ سے اٹھو اور آہستہ سے جوتے پہنو۔ آہستہ سے کواڑ کھولو اگر بات کرو آہستہ سے کرو۔ یہ سب حضورؐ نے کر کے دکھلا دیا۔ (الاتفاق ج ۱۹)

مخلوق پر شفقت کا انعام

حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے بعد وفات کے خواب میں ملاقات کی۔ پوچھا کہ کہیئے حضرت کیا گذری فرمایا کہ ارشاد ہوا کہ کوئی عمل قابل نجات نہیں صرف ایک عمل پر تم کو بخشتے ہیں کہ تم نے ایک بلی کے بچے کو سردی میں کانپتا ہوا دیکھا اور اس کو اپنے لحاف میں چھپا کر لٹا لیا چونکہ تم نے اس پر رحم کیا تھا ہم تم پر رحم کرتے ہیں۔ (مواساۃ المصابین ج ۱۹)

مصیبت کا مفہوم

میرے ایک مریض دوست نے مجھ سے کہا کہ مجھ پر کچھ پڑھ کر دم کرو۔ میں نے سورۂ یٰسین پڑھ کر دم کر دی۔ مگر اس خوف سے کہ کہیں گھر کی عورتوں کو گراں نہ گزرے چپکے چپکے پڑھی اسی طرح ایک بات عام شکایت کی قابل یہ ہے کہ جو چیز لوگوں کے نزدیک منحوس ہوتی ہے وہ مسجد کیلئے تجویز کرتے ہیں مثلاً کیلے کا درخت یا قمری پالنا جو عوام کے زعم میں اللہ ہو کا ذکر کرتی ہے اس کیلئے مسجد تجویز کی جاتی ہے اور فی نفسہٖ ذکر اللہ ایک مبارک چیز ہے مگر لوگ اس خیال سے مسجد اس کیلئے تجویز نہیں کرتے۔ بلکہ اس کیلئے مسجد میں کرتے ہیں کہ گھر نہ اجڑے مسجد چاہے اجڑ جائے عوام میں مشہور ہے کہ الوجلالی ذکر کرتا ہے اس لئے گھر کو اجاڑتا ہے اللہ اکبر! استغفر اللہ! لوگ کہاں تک بے ادب ہو گئے ہیں کہ اللہ کے نام کو بھی منحوس کہتے ہیں۔ ارے صاحبو! اللہ کا نام وہ مبارک نام ہے کہ جس کی بدولت دنیا قائم ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ جب دنیا میں اللہ کا نام لینے والا ایک بھی نہ رہے گا جب قیامت آئے گی۔ بے وقوفوں نے یہ بات گھڑی ہے کہ اللہ کے ذکر سے مکان ویران ہوتا ہے یہ سخت بے ادبی ہے۔ اللہ کے نام میں تو ہر طرح برکت ہی برکت ہے اور سورۂ یٰسین اور انا للہ تو پوری سورت اور پوری آیت ہے جس میں وہ نام پاک بھی ہے اس میں تو اور بھی زیادہ برکت ہوگی تو انا للہ سے برکت بڑھتی ہے نہ کہ جاتی ہے۔ تو دیکھو حدیث سے معلوم ہوا کہ اتنی سی مصیبت یعنی چراغ گل ہو جانا بھی مصیبت ہے لہٰذا کسی کو ذرا سی بھی تکلیف ہو تو اس کو بھی مصیبت کہیں گے۔ تو معلوم ہوا کہ مصیبت کا مفہوم بہت عام ہے اس کے بہت سے افراد نکلیں گے۔ اور ہر مصیبت زدہ کا مسلمانوں پر حق ہے سب پر اس کی ہمدردی اور غمخواری واجب ہے۔ (مواساۃ المصابین ج ۱۹)

امور معاشرت میں غفلت

آجکل لوگ معاشرت کے باب میں بہت غفلت کرتے ہیں۔ بعضے بات بہت چھوٹی سی ہوتی ہے لیکن نتیجہ اس کا بہت برا ہوتا ہے۔ دوسروں کو بڑی تکلیف پہنچتی ہے۔ بعضے لوگ بڑے بڑے عہدوں پر ہیں لیکن معاشرت کے بعض جزئیات کا ان کو خیال نہیں۔ حالانکہ تمدن کے مدعی ہیں اور معاشرت کے تمام آداب کا تعلق تمدن سے ہے مثلاً ایک معمولی بات ہے کرسی کہیں سے اٹھا کر دوسری جگہ جہاں راستہ ہے. بچھائیں گے اور وہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اب کوئی اندھا اپاہج آیا وہ گر پڑتا ہے۔ بعضے چار پائی ایسے موقع پر چھوڑ دیتے ہیں کہ آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے کہ کرسی تو پھر تھوڑی جگہ میں آتی ہے اور چار پائی تو چار پایہ کی طرح پھیلتی ہے۔ غرض! ان لوگوں نے تو دوسروں کی تکلیف کا پورا پورا سامان کر دیا۔ اور یوں کوئی اپنی خوش قسمتی سے بچ جائے وہ دوسری بات ہے اس وقت اس کے حق میں یہ شعر صادق آئیگا

قتل ایں خستہ بشمشیر تو تقدیر نبو　　　　ورنہ ہیچ از دل بیرحم تو تقصیر نبود

بعض دیہات میں ایسی چار پائیاں ہوتی ہیں کہ واقعی ان کا چار پایہ ہی کہنا چاہیے ان میں الجھ کر اور زیادہ چوٹ لگتی ہے۔ خاص کر عورتیں ایسے میں بہت لاپرواہی کرتی ہیں ان میں یہ مرض ہے کہ شے کو اپنے ٹھکانے نہیں رکھتیں پیڑھی بے موقع چھوڑ دیتی ہیں جیسے چار پائی میں الجھ کر گرتے ہیں اسی طرح اس سے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ اس کا بچہ ہے۔ (عمل الذرہ ج ۱۹)

فضول خرچی

بعض چندہ وصول کرنے والے قصداً عورتوں کے مجمع میں بیان کرتے ہیں، تا کہ چندہ زیادہ وصول ہو چنانچہ ان پر واقعی بڑا اثر ہوتا ہے اور چندہ خوب ہو جاتا ہے۔ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ چندہ دینے میں عورتوں کے دل کو کیا لگتی ہے کچھ بھی نہیں کیونکہ خاوند کا مال ہے اور مال مفت دل بے رحم۔ دوسرے یہ کہ ان بیچاریوں میں عقل بھی کم ہوتی۔ موقع و محل کو نہیں سمجھتیں جوش میں جو کچھ ہاتھ میں آیا دے ڈالا اور ایک تیسری وجہ یہ ہے کہ ان کے دل نرم ہوتے ہیں ذرا کوئی قصہ رقت آمیز سنا دیا اور یہ پانی پانی ہو گئیں۔ ایک چوتھی وجہ یہ بھی ہے کہ عورتیں سونے چاندی سے خالی نہیں ہوتیں سب کے پاس کچھ نہ کچھ زیور ضرور ہوتا ہے وہ ضرور کچھ

نہ کچھ دے ہی دیتی ہیں اور مرد تو جیب میں روپیہ پیسہ لانا کبھی بھول بھی جاتے ہیں۔ اور ایسے حضرات واعظین کو حدیث بھی ایک ہی یاد ہے۔

یَا مَعشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقنَ وَلَو مِن حُلِیِّکُنَّ الخ

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے عورتو! خیرات کرو اگرچہ اپنے زیور ہی میں سے ہو کیونکہ مجھ کو دکھلایا گیا ہے کہ زیادہ تر اہل دوزخ عورتیں ہیں۔ یہ حدیث اپنے موقع پر صحیح ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ عورتوں میں بوجہ کثرۃ جہل کے کوتاہیاں بہت ہیں اس لئے وہ ذوزخ میں زیادہ جائیں گی مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ عورتیں اپنی نجات سے مایوس ہو جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کوتاہیوں کا علاج کرنا چاہئے وہ یہ کہ ان کوتاہیوں کو دور کیا جائے اور اعمال صالحہ زیادہ کئے جاویں ان ہی اعمال صالحہ میں سے ایک خیرات بھی ہے یہ مطلب نہیں کہ بس خیرات ہی علاج ہے تمام کوتاہیوں کا (مثلاً نماز نہ پڑھے اور خیرات کردے یا حج نہ کرے اور خیرات کردے یا روزہ باوجود قدرت کے نہ رکھے اور خیرات کردے وغیرہ وغیرہ۔ یہ کسی کے نزدیک بھی درست نہیں کاتب ۱۲) ان پیشہ ور واعظوں نے حدیث بھی اختیار کی تو وہ جس میں ان کا فائدہ ہو یعنی چندہ ملے۔ (کساء النساء ج ۲۰)

مسئلہ ملکیت

حدیث مذکور میں یہ بات بھی تو قابل غور ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مِن حلیکن فرمایا ہے۔ من حلی الزوج نہیں فرمایا جس کا مطلب یہ ہوا کہ خیرات کرنے کی ترغیب اپنے مملوک زیور میں ہے نہ کہ خاوند کے مملوک میں عرب کی عادت تھی کہ اثاث البیت میں سے ہر چیز شوہر اور بیوی کے درمیان بٹی ہوئی ہوتی تھی عورت کی الگ مرد کی الگ جیسے آج کل یورپ میں ہے کہ صاحب کی چیزیں الگ ہوتی ہیں میم صاحب کی الگ۔ تو من حلیکن کے معنی یہی ہوں گے کہ اس زیور میں سے خیرات کرو جو تمہاری مِلک ہو نہ اس زیور میں جو تم پہنے ہوئے ہو اور خاوند کی مِلک ہو آج کل ہم لوگوں کی معاشرت اس قدر گندی ہوگئی ہے کہ کسی کے حق کی بھی پرواہ نہیں رہی اور جہالت کی یہ حد ہے کہ ہم کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ صفائی معاملات اور تمایز حقوق کا طریقہ ہمارے یہاں کا تھا جو اب یورپ میں ہے۔ معاملہ کی صفائی اسی کو مقتضی ہے کہ میاں بیوی کے املاک ممتاز ہوں۔

ہندوستان میں بھی یہی رواج ہو جاوے تو اچھا ہے مگر ہمارے یہاں تو حالت یہ ہے کہ گھروں میں یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ چیز کس کی ہے اور وہ چیز کس کی۔ اسکی چیز پر وہ قابض ہے اور اسکی چیز پر یہ.......... عورت کے پاس زیور ہوتا ہے تو اس میں امتیاز نہیں کہ کونسا باپ کے گھر کا ہے اور کونسا خاوند کے گھر کا پھر وہ عورت کی مِلک کر دیا گیا ہے یا عاریت ہے اگر کوئی مرد اپنے گھر میں اسکی تنقیح کرنا چاہے کہ میری مِلک کونسی اور دوسرے کی کونسی تو اس پر بڑی انگشت نمائی ہوتی ہے اور سارے کنبہ میں بدنام کیا جاتا ہے کہ لو صاحب اپنی ذرا ذرا سی چیز فلاں شخص الگ کرتا ہے۔ اور اس قدر کنجوس ہے اس قدر بخیل ہے کہ اپنی چیز کو کسی کا ہاتھ لگنا گوارا نہیں کرتا۔ مطلب یہ کہ سخی وہ ہے جو بالکل بد انتظام مغفل اور مجہول ہو جس کو نہ اپنی مِلک کی خبر ہو نہ دوسرے کی پھر اس سخاوت کا لطف جب آتا ہے جب ان میں سے کوئی کھسک جاوے اور ترکہ تقسیم کیا جاوے۔ اس وقت ایک کہتا ہے یہ چیز مرنے والے نے مجھ کو دے دی تھی۔ ایک کہتا ہے یہ چیز میت کی نہیں تھی۔ میری تھی۔ ایک عورت کہتی ہے یہ سامان میرے باپ کے گھر کا ہے۔ دوسری کہتی ہے میرے باپ کے گھر کا ہے اب کوئی سبیل نہیں کہ اس جھگڑے کو کس طرح طے کیا جائے پھر وہ جوتی پیزار ہوتی ہے کہ دیکھنے والے ہنستے ہیں اور جو کوئی خاندان بڑا مہذب ہوا تو وہاں یہ جوتی پیزار تو نہیں ہوتی کیونکہ یہ باتیں تہذیب اور شرافت کے خلاف ہیں مگر دلوں میں رنجشیں اور عداوتیں پیدا ہو جاتی ہیں شکایتوں کی نوبت آتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھر جیل خانہ بن جاتا ہے۔ (کساء النساء ج ۲۰)

اسلامی طرز معاشرت

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پہلے شوہر سے بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حفصہؓ بنت عمرؓ بیوہ ہوگئی ہے اس سے تم نکاح کرلو۔ وہاں ہندوستان کی سی رسم نہ تھی کہ باپ کا خود بیٹی کے لئے کہنا حرام سمجھتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں سوچ کر جواب دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے عذر کر دیا اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حفصہؓ بنت عمرؓ بیوہ ہوگئی ہے اس سے آپ نکاح کر لیجئے، انہوں نے بھی وہی جواب دیا کہ سوچوں گا، پھر کچھ جواب ہی نہ دیا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام آیا اور نکاح کر دیا۔ پھر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ملے۔ حضرت ابوبکر

رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے کچھ جواب نہ دینے پر تم خفا ہو گئے ہو گے بھائی ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرماتے سنا تھا اس لئے ہم نے جواب میں توقف کیا کہ نہ خود قبول کر سکتا تھا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ظاہر کر سکتا تھا اور صاف جواب دینے میں شبہ تھا کہ تم اور کہیں منظور نہ کرلو۔غرض عرب میں ایسی بے تکلفی تھی کہ باپ اپنی بیٹی دیتے ہوئے نہیں شرماتا تھا بلکہ خود عورتیں آ کر عرض کرتیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے نکاح کر لیجئے۔ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی لڑکی نے کہا کہ یہ عورت کیسی بے حیا تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تجھ سے اچھی تھی اس نے اپنی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دی غرض عرب میں یہ کوئی عیب نہ تھا۔(عفل الجاہلیہ ج ۲۰)

کتا پالنا ناجائز کیوں ہے:

چنانچہ ایک مولوی صاحب کا قصہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ سوار تھے جس درجہ میں وہ جا کر بیٹھے اس درجہ میں ایک جنٹلمین صاحب بھی بیٹھے تھے۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی کوٹ پتلون پہنے ہوئے کتا بغل میں مولوی صاحب نے اس سے سلام علیک نہ کی وہ کہنے لگے کہ مسلمان سے سلام علیک تو ضرور کر لینی چاہئے۔مولوی صاحب نے کہا کہ میں تم کو مسلمان نہیں سمجھتا تھا۔ وہ کہنے لگے کیوں میرے اندر کونسی ایسی بات ہے جس سے آپ مجھ کو مسلمان نہیں سمجھے مولوی صاحب نے کہا کہ بھلے آدمی ڈاڑھی تمہاری منڈی ہوئی ہے کوٹ پتلون پہنے ہوئے ہو کتا بغل میں ساری وضع تو کافروں کی سی ہے پھر میں مسلمان کس طرح سمجھتا کہنے لگا کہ کتا ساتھ رکھنے کی تو یہ وجہ ہے کہ آپ ہی لوگ فرماتے ہیں کہ جہاں کتا ہوتا ہے وہاں ملائکہ نہیں آتے تو میں کتے کو اس لئے پاس رکھتا ہوں تاکہ ملک الموت میرے پاس روح قبض کرنے کیلئے نہ آویں۔ یہ جواب دے کر وہ بہت خوش ہوئے مولوی صاحب نے کہا کہ صاحب آخر کتے بھی تو مرتے ہیں انکی روح بھی تو کوئی فرشتہ قبض کرتا ہوگا وہی آپ کی کرے گا۔اگر انسان کا ملک الموت آپ کے پاس نہ آسکے گا تو کتے کا ملک الموت تو آسکے گا۔آپ کتے کی موت مرنا پسند کرتے ہیں۔غرض آجکل کتا رکھنا داخل فیشن ہو گیا ہے سوان صاحب کے پاس ملازم کتا پہنچا گیا (اجابۃ الداعی ج ۲۱)

آج کل کی معاشرت کا خلاصہ:

آج کل کی ساری معاشرت کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ غیر قوموں کی تقلید پر فخر کیا جاتا ہے اٹھنے بیٹھنے میں کھانے پینے میں وضع میں لباس میں یہاں تک کہ لہجہ میں بھی غیر قوموں کی تقلید کی جاتی ہے اگر کوئی حدیث **من تشبه بقوم فهو منهم** پڑھ دے تو متعصب کہتے ہیں میں کہتا ہوں کہ من تشبہ بقوم فہو منہم تو تمام عقلاء کے نزدیک مسلم ہے اس کا انکار کوئی کر ہی نہیں سکتا اور اگر ایسا نہیں ہے تو ذرا آپ اپنی بیگم صاحبہ کا لباس تو پہن کر مجمع میں چلے آیئے اگر اور بھی کچھ نہیں تو کم از کم زنانے پن کا خطاب تو ہر طرف سے مل ہی جائے گا تو اگر کسی نے آپ کو کافروں کا لباس پہنے ہوئے دیکھا کر ان کے مشابہ کہہ دیا تو کیا ظلم کیا۔ (القرض ج ۲۱)

ضیافت سے متعلق ضروری امر

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دنیا داروں کے پاس بیٹھ کر ایسا معلوم ہوا ہے کہ جیسے پنجرہ میں مقید ہو جاتے ہیں۔ میں خود اپنی حالت بیان کرتا ہوں کہ میں دعوت میں ایک پرتکلف صاحب کے ساتھ شریک ہو گیا' وہ چھوٹے چھوٹے لقمے لیتے تھے اور بڑے تکلف سے کھاتے تھے ان کے ساتھ مجھے بھی آہستہ کھانا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرا پیٹ نہ بھرا کیونکہ اس طرح کھانے سے سیری نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک داعی کھانا کھلاتے ہوئے میرے اوپر مسلط ہو گئے کہ ہر چیز میرے سامنے رکھتے جاتے تھے کہ یہ کھاؤ اور وہ کھاؤ اس سے بھی میرا کھانا منغص ہو گیا۔ اب میں نے شرط کر لی ہے کہ جب دعوت کرو تو بتلا دو کہ میرے ساتھ کھانے میں کون کون شریک ہوگا' بعض دفعہ میں یہ شرط کر لیتا ہوں کہ تنہا کھاؤں گا۔ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے ہم کو ملانوں میں داخل کر دیا ہے اس لیے ان پابندیوں کی فکر نہیں ہے خدا تعالیٰ والد کی قبر کو ٹھنڈا کرے کہ وہ مجھے ملانوں میں داخل کر گئے ہیں۔ اگرچہ پورا ملا تو نہ ہوا مگر سینگ کٹا کر بچھڑوں میں تو داخل ہو گئے۔ (المراقبہ ج ۲۲)

دین کے پانچ اجزاء

دین کے پانچ جزو ہیں، پہلا جز عبادات جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ دوسرے

معاملات جیسے بیچنا خریدنا، نوکر رکھنا رشوت لینا سود لینا روپے کے عوض پیسے لینا یا گوٹہ پٹھہ خریدنا وغیرہ، تیسرے عقائد کہ خدا کو ایک جاننا اور اس کو قادر مطلق ماننا سیتلا وغیرہ کے توہمات کو باطل سمجھنا وغیرہ، چوتھے معاشرت کہ آپس میں میل جول کس طرح رکھیں جب ملیں سلام کریں، مصافحہ وغیرہ، پانچویں اخلاق یعنی ملکاتِ باطنہ کا درست کرنا، حسد بغض، کینہ، عداوت وغیرہ سے دل کو پاک کرنا تحمل بُردباری وقار نرمی خوش کلامی اپنے اندر پیدا کرنا۔ یہ پانچ حصے دین کے ہیں، ہمارے مسلمان بھائیوں نے دین کو صرف عبادات میں منحصر کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ چاروں اجزاء کو دین سے خارج سمجھتے ہیں گویا ان کے نزدیک بہت سی نفلیں پڑھ لینا گلے میں تسبیح ڈال لینا روزہ رکھ لینا بس اسی کا نام دین ہے بعضے عبادات کے ساتھ تصحیح عقائد کو بھی دین سمجھتے ہیں۔ باقی معاملات اور معاشرت اور اخلاق کوئی شخص دین کا جزو ہی نہیں سمجھتا اِلّا ماشاءاللہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے دنیا کے حالات ہیں ان میں ہم جس طرح چاہیں کریں، شریعت کو ان سے کوئی تعلق نہیں حالانکہ یہ سب شریعت کے اجزاء ہیں اسی طرح عقائد بھی۔ ان اجزاء میں ہر جزو کے اندر بہت سے احکام ہیں (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

عورتوں کو آپس میں مسنون طریقہ پر سلام کی ضرورت

ایک جزو معاشرت کا یہ ہے کہ عورتیں سلام شریعت کی تعلیم کے بالکل خلاف کرتی ہیں، بعض عورتیں تو صرف سلام کہتی ہیں گویا اس قدر تخفیف کہ چار حرف بھی پورے زبان سے نہ نکلیں اور اس سے بھی زیادہ لطف یہ کہ جواب دینے والی سارے کنبے کی فہرست گنوادے گی کہ بھائی جیتا رہے اور بیٹا زندہ رہے اور شوہر خوش رہے لیکن ایک لفظ وعلیکم السلام نہ کہا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

اب رہے اخلاق ان کو تو کوئی جانتا ہی نہیں بس یہ سمجھتے ہیں کہ نرمی سے باتیں کر لینا یہی اخلاق ہے۔ صاحبو! اخلاق کہتے ہیں ملکات باطنہ کو مثلاً اپنے کو سب سے کمتر سمجھنا اعمال میں ریا نمود نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔ (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پکارنے کے آداب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں ارشاد ہے

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ یعنی اے ایمان والو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے دولت خانوں میں بلااجازت مت جاؤ آگے اس کی علت ارشاد ہوتی ہے
اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ اس لئے کہ یہ بات نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تکلیف دینے والی
ہے۔اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لئے کسی القاب آداب کی بھی ضرورت نہیں جس طرح چاہو
پکارو، چنانچہ نرا نام پاک اللہ اللہ پکارتے ہیں کہتے ہیں کہ اللہ ایسا ہے، اے اللہ پانی برسا
دے، اللہ رزق دیدے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پکارنے کے آداب ہیں۔
چنانچہ حدیث میں قصہ وارد ہے کہ ایک اعرابی آیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانہ میں
تشریف فرما تھے۔اوراس نے باہر سے آکر پکارنا شروع کیا۔''یا محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) یا محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی اور اسکے بعد یہ آیت نازل ہوئی
اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ
یعنی جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ
صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔اس
آیت میں ادب بارگاہ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) تعلیم کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولت
خانہ کے اندر تشریف رکھتے ہوں تو پکارنا اور بلانا بے ادبی ہے، چاہیئے کہ صبر کرو جب حضور صلی
اللہ علیہ وسلم خود دولت کدہ سے برآمد ہوں اس وقت جو چاہو عرض کرلو یہاں سے ظاہر بینوں کو
یہ شبہ ہوگا کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب حق تعالیٰ سے
زیادہ کرنا چاہیئے اور ادب کا مبنی ہے عظمت چنانچہ جس کی عظمت ہمارے دل میں زیادہ ہوتی ہے
اس کا ادب زیادہ کرتے ہیں۔تو نعوذ باللہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ سے عظمت میں
زیادہ ہیں بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زیادہ ادب کا منشاء آپ کا بشر اور مخلوق
ہونا ممکن ہونا ہے کہ کبھی ایسا نہ ہو ادب و تعظیم کے اندر کچھ کمی ہو اور آپ کو اس سے تکلیف ہو اور
اس سے ان لوگوں کا ایمان تباہ ہو جائے اور حق تعالیٰ متاثر نہیں پھر عظمت کے ایسے مرتبہ میں
ہیں کہ ان کو کسی کے آداب والقاب کی ضرورت نہیں ہے صرف نام پاک اللہ خود دال ہے عظمت
پر اور نیز علاقہ کا حق تعالیٰ کے ساتھ اتنا قوی ہونا کہ اس کے ہوتے ہوئے تکلف کے القاب
و آداب اس کے نام پاک کے ساتھ لانا مغائرہ اور بے ادبی ہے الحاصل حق تعالیٰ کے ساتھ ہر
شخص کو بے حد تعلق ہے اور اسی بنا پر بے تکلفی ہے اور اس غایت بے تکلفی کی وجہ سے اس قدر ناز

ہو گیا کہ وہ کم فہموں میں بے ادبی کے درجہ کو پہنچ گیا اور اس خصوصیت اور بے تکلفی کا اثر ہم میں یہ ہو گیا ہے کہ خدا کے دیکھتے ہوئے اگر خلوت میں گناہ کرتے ہیں تو نہیں شرماتے اور دوسرے لوگوں کے سامنے شرماتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ پس اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوق کو ہم پر مسلط کر دیا ہے کہ وہ ہمارے اعمال کو دیکھتے ہیں اور لکھتے ہیں اور پھر اس کی ہم کو اطلاع بھی کر دی۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ (الافتصاح ج ۲۳)

استیذان کا حکم

اسلام میں ایک تعلیم یہ ہے کہ جو شخص خاص مجلس میں عام نہ ہو تو اس کے پاس بدون اجازت کے نہ جاؤ اور اس میں زنانہ مکان ہی کی تخصیص نہیں بلکہ مردانہ مکان میں بھی اگر کوئی پردے چھوڑ کر بیٹھا ہو اس کے پاس بھی بدون اجازت کے نہ جانا چاہیئے اور زنانہ مکان میں جس طرح دوسروں کو استیذان (اجازت لینا) کا حکم ہے خود گھر والے کو بھی حکم ہے کہ اپنے گھر میں بدون اطلاع کے نہ جائے ممکن ہے کوئی پردہ دار عورت آئی ہوئی ہو اگر تم بلا اطلاع چلے جاؤ گے اس کا سامنا ہو جائے گا یا ممکن ہے تمہاری ماں، بہن، ہی کسی وجہ سے ننگی بیٹھی ہو اپنے گھر میں دس دفعہ عورتوں کو ایسا اتفاق پیش آتا ہے اس لئے مردوں کو حکم ہے کہ اپنے گھر میں بھی بدون اطلاع کے نہ جائیں پھر اس کے ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ جب تم کسی کے پاس جانا چاہو اور وہ اجازت نہ دے بلکہ یہ کہہ دے کہ میں اس وقت نہیں مل سکتا پھر کسی وقت ملوں گا تو اس بات کا بُرا نہ مانو بلکہ لوٹ آؤ وَاِنۡ قِيۡلَ لَكُمُ ارۡجِعُوۡا فَارۡجِعُوۡا هُوَ اَزۡكٰى لَكُمۡ (پس اگر تم سے کہا جائے لوٹ جاؤ تو تم لوٹ آؤ یہ برتاؤ تمہارے دلوں کو زیادہ صاف رکھنے والا ہے)۔ (العمرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

استیذان میں حکمت

اس میں حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ برتاؤ تمہارے دلوں کو زیادہ صاف رکھنے والا ہے کیونکہ ایسے وقت میں شرما شرمائے اگر کسی نے بلا بھی لیا تو انشراح وانبساط کے ساتھ وہ تم سے نہ ملے گا اس لئے کہ دل تو ملنے کو چاہتا ہی نہ تھا تو یقیناً اس کے قلب پر تمہاری ملاقات سے گرانی ہوگی پھر ممکن ہے کہ اس گرانی کا احساس تم کو بھی ہو جائے تو اس سے تم کو بھی دل دل میں شکایت ہوگی کہ یہ کیسا روکھا آدمی ہے کیسا بد خلق ہے جس پر میرا آنا اتنا گراں ہوا۔

اس لئے بہتر یہی ہے کہ جب کوئی یہ کہہ دے کہ اس وقت میں نہیں مل سکتا فوراً لوٹ آؤ۔ اب اس مسئلہ میں ہم لوگ کتنی کوتاہی کرتے ہیں استیذان کا سبق ہم لوگوں نے بالکل ہی بھلا دیا۔ مگر دوسری قومیں اس پر عامل ہیں کوئی شخص کسی کے کمرہ میں بدون اجازت کے نہیں جا سکتا سو دیکھ لیجئے جو قومیں اس پر عمل کر رہی ہیں ان میں باہم کیسا اتفاق ہے آگے یہ ان کے تکلفات ہیں کہ استیذان کے لئے اپنے پتہ کا کارڈ بھیجتے ہیں۔ ہم کو ان تکلفات کی ضرورت نہیں بس زبانی اجازت لینا کافی ہے مگر ہماری تو یہ حالت ہے کہ چاہے کوئی پردے چھوڑ کر بیٹھا ہو چاہے کوئی سو ہی رہا ہو مگر ان کا سلام و مصافحہ قضا نہ ہو۔ (العمرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

سونے والوں کی رعایت کا حکم

ایک دفعہ سیوہارہ میں مجھے خود یہ واقعہ پیش آیا کہ شب کے سفر سے مجھے تکان زیادہ محسوس ہوا تو جاتے ہی ایک کمرہ میں لیٹ گیا اور سونے کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک صاحب تشریف لائے اور بڑے زور سے آ کر پوچھا کہ فلاں شخص (میرا نام لے کر) کہاں ہے، لوگوں نے کہا ذرا آہستہ بولو وہ سو رہا ہے کہنے لگے واہ مجھے ان سے ابھی ملنا ہے لوگوں نے بہت منع کیا مگر وہ کب باز آنے والے تھے۔ سیدھے وہیں پہنچے جہاں میں لیٹا تھا اور آ کر بڑے زور سے سلام کیا میں جاگ رہا تھا مگر میں نے قصداً آنکھ نہ کھولی کیونکہ اس وقت یہی مصلحت تھی جب اس نے دیکھا کہ سلام سے بھی یہ نہیں جاگا تو میرے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اور پیشانی پر گھس کر چل دیئے لوگوں نے برا بھلا کہا کہ یہ کون سا وقت تھا سلام اور مصافحہ کا۔ تو آپ فرماتے ہیں واہ جی ہم حج کو جا رہے ہیں پھر نہ معلوم کب ملنا ہوتا۔ بس ان کو تو حج ہوا چاہے دوسرے کا کچھ ہی حال ہو جائے۔ حالانکہ شریعت میں سونے والے کی اس قدر رعایت ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے، حضرت مقداد راوی ہیں کہ ایک بار چند شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں مہمان تھے۔ آپ جب رات کو ذرا دیر سے گھر میں تشریف لاتے اور یہ مہمان لیٹے ہوتے تو آپ بہت آہستہ آہستہ تشریف لاتے اور ایسی آواز سے سلام فرماتے کہ جاگنے والا تو سن لے اور سونے والے کی نیند خراب نہ ہو۔ حالانکہ یہ وہ ذات ہے کہ اگر آپ قتل بھی کر دیتے تو صحابہ کرام کو انکار نہ ہوتا۔ بلکہ آپ کے ہاتھ سے خوشی خوشی جان دینا ان کے نزدیک فخر تھا مگر پھر بھی آپ صحابہ کی نیند کی اتنی رعایت فرماتے تھے۔ مگر یہاں یہ حالت ہے کہ ہر وقت مصافحہ ہے چاہے کسی کو تکلیف ہوتی ہو۔

دیوبند کے جلسہ میں بڑا اژدھام تھا ایک بار میں نماز پڑھانے کے لئے مصلے پر پہنچ چکا تھا تو ایک صاحب تیسری صف سے نکلے اور مصلے پر سے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور مصافحہ کر کے چھوڑ دیا کہ اب جاؤ، بھلا یہ بھی کوئی آدمیت تھی اس بھلے مانس کو مصافحہ کا یہی وقت ملا تھا۔ غرض دوسرے کی راحت وتکلیف کا ذرا خیال نہیں۔ اب اگر کوئی انتظام کرنے لگے تو اسے قانون باز، قانون ساز کہتے ہیں۔ عیادت اور بیمار پرسی کے لئے یہ قانون ہے اِذَا عَادَ اَحَدُکُمُ الْمَرِیْضَ فَلْیَخُفِفِ الْجُلُوْسَ حدیث شریف میں ہے کہ جب بیمار کی عیادت کیا کرو تو اس کے پاس تھوڑی دیر بیٹھا کرو کیونکہ بیمار کو زیادہ ہجوم سے تکلیف ہوتی ہے حضرات فقہاء نے اس حکم کی حقیقت کو سمجھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس چیز سے مریض کو توحش ہو وہ کام نہ کرو جس میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ مثلاً کسی کو بدھ کے دن عیادت کرنے سے اعتقاد شر کا ہو تو اس دن عیادت نہ کرو بلکہ دوسرے دن عیادت کر کے اس عقیدہ کی اصلاح کرو کوئی زاہد خشک ہوتا تو یوں کہتا کہ نہیں کہ ایسے شخص کی عیادت بدھ ہی کے دن کرنا چاہیئے تا کہ اس عقیدہ باطلہ کی مخالفت ہو۔ تو اے صاحب پھر وہ عیادت ہی کیا ہوئی مناظرہ ہو گیا۔ (العمرہ بذبح البقرہ ج۲۳)

آداب گفت وشنید

فقہا حکماء امت ہیں شریعت کو ان حضرات نے سمجھا ہے بات چیت کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انتظام فرمایا ہے لَایَتَنَاجیٰ اِثْنَانِ دُوْنَ الثَّالِثِ حَتّٰی یَاْتِیُ رَابِعٌ (او کما قال) (المعجم الکبری للطبرانی ۱۲ :۲۷۷ مسند الحمیدی: ۱۰۹) یعنی جہاں تین آدمی بیٹھے ہوں وہاں دو شخص آہستہ آہستہ باتیں نہ کریں اس سے تیسرے کی دل شکنی ہوگی کہ مجھ کو غیر سمجھا یہاں تک کہ چوتھا آجائے تو اب دو شخص باتیں کر سکتے ہیں کیونکہ تیسرے کو باتوں کا شوق ہوگا تو وہ چوتھے سے کرنے لگے گا پھر اس کو وہ بدگمانی نہ ہوگی احتمال ہوگا کہ شاید اس چوتھے سے اخفا مقصود ہو اور اس چوتھے کو اس تیسرے پر یہی احتمال ہو گا۔ سبحان اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی ذرا ذرا سی باتوں کی رعایت فرمائی ہے اور یہ معجزہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ باوجود اتنے مشاغل کثیرہ کے پھر بھی آپ نے معاشرت کے دقیق سے دقیق امور (باریک کاموں) کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا کہ بدون نبوت کے ایسا ہو سکتا ہے ہرگز نہیں اسی جامعیت تعلیم کو دیکھ کر تو کفار کہا کرتے تھے حضرات

صحابہ کرام سے کہ تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم کو ہر بات سکھلائی حتیٰ کہ ہگنا موتنا بھی سکھلا دیا۔ کفار نے تو یہ بات طعن سے کہی تھی مگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ہاں بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سکھلایا ہے کہ بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت نہ کریں اور داہنے ہاتھ سے اپنے عضو کو نہ چھوئیں اور تین ڈھیلوں سے کم استنجا کے واسطے نہ لے جائیں اور ہڈی اور کوئلہ سے استنجا نہ کریں یہ تعلیم سن کر کفار کی آنکھیں کھل گئیں کہ واقعی بول و براز کے یہ آداب تو بدون تعلیم کے معلوم ہو ہی نہیں سکتے۔ بھلا کچھ ٹھکانا ہے انتظام کا کہ پیشاب و پاخانہ کے لئے بھی آداب مقرر ہیں۔ پاکی اور صفائی کا یہ قانون ہے کہ آپ فرماتے ہیں **اِذَا سْتَیْقَظَ اَحَدُ کُمْ مِنْ مَنَامِہٖ فَلَا یَغْمِسُ یَدَہٗ فِیْ اِنَاءٍ ہٖ فَاِنَّہٗ لَایَدْرِیْ اَیْنَ بَاتَتْ یَدُہٗ** (سنن النسائی ۱ : ۹۹) جب کوئی سو کر اٹھے تو برتن میں ہاتھ نہ ڈالے کیا خبر ہاتھ کہاں کہاں پہنچا ہوگا بھلا یہ انتظام ہی نہیں اور کیا ہے۔ نیز ارشاد ہے **نَظِّفُوْا اَفْنِیَّتَکُمْ وَلَا تَشَبَّھُوْا بِالْیَھُوْدِ** (سنن الترمذی: ۲۷۹۹، کشف الخفاء ۱ : ۳۴۲) اپنے گھر کے سامنے کا میدان صاف رکھا کرو یہود کی طرح نہ بنو وہ صفائی کا اہتمام نہیں کرتے۔ سبحان اللہ جب فنا دار کی صفائی کا اتنا اہتمام ہے تو خود گھر کی صفائی کا اہتمام کیا کچھ ہوگا۔ اور جب گھر کا اتنا اہتمام ہے تو لباس کی صفائی کا کیا کچھ اہتمام نہ ہوگا پھر بدن اور روح کی نظافت کا امر تو کیسا کچھ ہوگا۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ (چمن سے میری بہار کو قیاس کرو) اسی سے عاقل سمجھ سکتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر کی نظافت کا اتنا خیال ہے تو نظافت باطن کا تو کس درجہ اہتمام ہوگا مگر آج کل مسلمان اپنے گھر کے اس سبق کو ایسا بھولے ہیں کہ کوئی اس زمانہ میں نظافت مکان و نظافت لباس و بدن کا اہتمام کرنے لگے تو اس کو عیسائی اور انگریز کہنے لگیں۔ (العمرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

عورتوں کا کفرانِ عشیر

آج کل عورتیں حقیقت میں گھر کو کھوتی ہیں۔ بعض تو اپنے ماں باپ بھائیوں کو دیتی ہیں۔ بعض کپڑوں اور زیور میں روپیہ برباد کرتی ہیں اور جس قدر ان کو دیا جائے ان کی نظروں میں کچھ اس کی قدر نہیں۔ کفرانِ عشیر گویا ان کا جزوِ ذات ہے۔ بقول مولوی عبدالرب صاحب مرحوم کے عورتوں سے جب کبھی پوچھا جاتا ہے کہ تم کو کچھ کپڑوں کی ضرورت ہے یا کافی

مقدار میں موجود ہیں تو یہی کہیں گی کہ میرے پاس کیا ہے دو چیتھڑے۔ اور جب برتنوں کا ذکر آتا ہے تو کہتی ہیں کیا ہیں دو ٹھیکرے۔ جوتا کی نسبت پوچھو تو کہتی ہیں کیا ہے دو لیترے۔ یہ نرا قافیہ بندی نہیں حقیقت یہی ہے کہ اس فرقے کے اندر شکر گزاری کا مادہ مطلق نہیں۔ الا ماشاء اللہ اور شب و روز فضولیات میں لگی رہتی ہیں اگر کوئی شے سامنے آجاتی ہے اور پسند آجائے تو اگرچہ ضرورت نہ بھی ہو مگر پھر بھی لے لیتی ہیں اور پوچھنے پر یہ جواب دیتی ہیں کہ گھر میں ہوئی چیز کبھی نہ کبھی کام آجاتی ہے اور شادی میں تو ایسا بے تکا روپیہ اڑاتی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ اگر پاس نہ ہو تو قرض لیتی ہیں خواہ سود ہی ملے اور مشہور یہ کر رکھا ہے کہ شادی اور تعمیر کا قرضہ ضرور ادا ہو جاتا ہے تو ایسی عورتوں کا ذکر نہیں۔ باقی اگر فضولیات سے باز آجائیں اور انتظام سے چلیں تو وہ رونق ہو جاتی ہے کہ دس روپے میں مرد نہیں کر سکتا تو دیکھئے شادی کرنے سے افلاس اس طرح دور ہو جاتا ہے۔ بہرحال شادی میں تھوڑا سا خرچ ہوا اور اس کے بدلے میں گھر میں رونق ہو گئی لیکن شرط یہی ہے کہ سلیقہ سے کام لیا جائے۔ (ذکر الموت ج ۲۴)

نظر بد سے بچنے کا طریقہ:

اس لئے ساتھ ساتھ نظر بد سے بچنے کا طریقہ بھی بتلا دیا کہ آنکھیں نیچی رکھا کرو، پھر کسی پر نظر پڑے ہی گی نہیں۔ اس میں آج کل بہت بے احتیاطی کی جاتی ہے۔ بعض گھروں میں دیور اور جیٹھ سے اور ان کے جوان لڑکوں سے پردہ نہیں کیا جاتا۔ بعض عورتیں خالہ زاد اور ماموں زاد اور چچا زاد اور پھوپھی زاد بھائیوں سے پردہ نہیں کرتیں، اس میں سخت فتنہ کا اندیشہ ہے اور اگر کوئی اندیشہ نہ بھی ہو تو یہ کیا کم فتنہ ہے کہ ہر روز نامحرموں کے سامنے آنے کا گناہ ان کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

بہنوں کا حق میراث نہ دینا ظلم ہے:

بہنوں کا حق لیا جاتا ہے اور بہانے یہ کرتے ہیں کہ ان کی شادی وغیرہ میں باپ نے اتنا خرچ کیا ہے کہ ہمارے واسطے اتنا خرچ نہیں کیا اس لئے ان کا اب کیا حق رہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ باپ کی زندگی میں سارا مال اس کا تھا وہ جہاں چاہے اس کو خرچ کرے اس سے میراث میں کسی کا حق کیوں کر کم ہو جائے گا۔ پھر شادیوں میں جو کچھ کیا جاتا ہے وہ بیٹی

کے واسطے نہیں کیا جاتا محض اپنے نام کے واسطے کیا جاتا ہے بھلا دس پانچ ہزار آدمیوں کو کھانا کھلا دینے سے لڑکی کا کیا نفع ہو گیا اس لئے باپ نے اپنی بیٹی کے واسطے کچھ نہیں کیا وہ سب اپنے واسطے خرچ کیا ہے پھر اس کی وجہ سے بہن کا حق کیوں کم کیا جاتا ہے۔ بعضے یہ کہتے ہیں کہ بہن نے ہم کو خوشی سے اپنا حق معاف کر دیا ہے یہ بھی بالکل غلط ہے خوشی سے کوئی معاف نہیں کرتی وہ سمجھتی ہے کہ مجھے کچھ ملے گا تھوڑا ہی لاؤ ان کی خاطر یہی کہہ دوں کہ میں نے معاف کیا۔ خوشی سے دینے کی صرف ایک صورت ہے اس کا امتحان کر لیا جائے وہ یہ کہ بہن کا شرعی حصہ فرائض کے موافق علیحدہ کر کے اس پر اس کا نام چڑھا دو اور داخل خارج سب کچھ کر دو جو آمدنی اس کی آوے ساری اس کے حوالہ کرو اور صاف کہہ دو کہ یہ تمہاری ملک ہے اس میں تم کو ہر طرح تصرف کا اختیار ہے۔ سال دو سال اس کو اس طرح آمدنی دیتے رہو اور اگر وہ پہلے پہل رسم و رواج کی وجہ سے انکار کرے تو مجبور کر کے دو اور صاف کہدو کہ اس وقت ہم تم سے نہیں لیں گے۔ دو تین سال کے بعد دو گی تو لے لیں گے پھر دو تین سال جب وہ اپنی آمدنی کو لیتی رہے اور صرف کرتی رہے اور اس مزہ کو دیکھ لے پھر بھی اگر کوئی بخش دے اس وقت البتہ یہ دینا خوشی کا دینا ہے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

مستورات کی زیورات سے محبت کا حال

عورتوں کو زیور کی ایسی محبت ہے کہ گویا اس کی بھوک اور پیاس سے بلکہ بھوک اور پیاس سے بھی زیادہ کیونکہ اکثر عورتوں کو کھانے پینے کا اتنا شوق نہیں ہوتا، اگر کسی دن خاوند گھر پر نہ ہو تو چولہا سرد پڑا رہتا ہے۔ چٹنی اچار ہی سے باسی کوسی کھا کر بیٹھ رہتی ہیں مگر زیور کا اتنا چاؤ ہے کہ اس میں شوہر کی حیثیت بھی نہیں دیکھتیں۔ عورتوں کے زیوروں میں اکثر لوگ سودی قرض لے لیتے ہیں۔ بعض رشوت کا روپیہ کماتے ہیں۔ غرض مردوں کو حرام اور حلال کی بھی پرواہ نہیں رہتی، پھر اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ سودی قرض اگر بڑھ گیا تو سارا زیور بھی اسی میں جاتا ہے اور گھر بار تک نیلام ہو جاتا ہے اور اخرت کا وبال جدا رہا، مگر عورتوں کو اس کی بھی کچھ پرواہ نہیں کہ اس زیور کمبخت کی خاطر شوہر جہنم کی آگ میں جلے گا، اسی طرح کپڑوں کی عورتوں کو ایسی دھت ہوتی ہے کہ جوڑے پر جوڑے بناتی چلی جاتی ہیں۔ بعضوں کے پاس اتنے کپڑے ہوتے ہیں کہ سب کے پہننے کی بھی ان کو نوبت نہیں آتی۔ بس اپنے نامزد کر کے ڈال دیتی

ہیں، پھر جب مرتی ہیں تو وہ کورے کے کورے اور نئے کے نئے اللہ واسطے دیئے جاتے ہیں۔ بھلا اتنے کپڑے بنانے سے کیا نفع جن کے پہننے کی بھی نوبت نہ آئے۔(رجاء اللقاء ج ۲۴)

گھر کا بگاڑنا اور سنوارنا عورتوں کے ہاتھ میں ہے:

مثل مشہور ہے کہ عورت اگر چاہے تو سوئی کی نوک سے گھر کو ڈھادے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ گھر کا بگڑنا اور سنورنا عورتوں کے ہاتھوں میں ہے۔ مگر یاد رکھو کہ روپیہ کو اس طرح ضائع اور برباد کرنا خدا کو پسند نہیں۔ اسراف اور فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن میں شیطان کا بھائی کہا گیا ہے کیونکہ شیطان نے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی ہے اور فضول خرچی کرنے والے بھی نعمتوں کی بے قدری کرتے ہیں، پھر اگر کسی کو ایسی ہی ہمت ہو اور اس کو زیور کا اور روپیہ کا درد نہ آتا ہو تو کم از کم اتنا خیال تو کرنا چاہئے کہ قرض کر کے ادھار کر کے تو اپنے چاؤ نہ پورے کرو کیونکہ قرض سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ تمام راحت کو مٹی کر دیتی ہے۔ راحت اور چین ہمیشہ بے فکری سے نصیب ہوتی ہے اور قرض والے کو بے فکری کہاں اس کے دل پر تو قرض کا غم پہاڑ کی طرح کھڑا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ قرض کی فکر میں نیند نہیں آتی پھر ایک ذرا چاؤ کے لئے اتنا بڑا غم اپنے سر پر سوار کرنا کون سی عقل مندی ہے۔(رجاء اللقاء ج ۲۴)

بحث مباحثہ میں بڑی گنجائش ہے:

ایک طالب علم کا قصہ ہے کہ راستہ میں ان کی ایک جاہل آدمی سے ملاقات ہوئی، انہوں نے اسے سلام نہیں کیا۔ یہ مرض اہل علم میں ہوتا ہی ہے کہ اس وقت اسی کا بیان ہو رہا ہے، اس جاہل نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کیا آپ نے کتاب میں ابتدا بالسلام کرنے کی فضیلت نہیں پڑھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں پڑھی ہے مگر قاعدہ یہ ہے کہ چھوٹا آدمی بڑے کو سلام کرے، تم جاہل ہو ہم عالم ہیں لهٰذا تم چھوٹے ہو اور ہم بڑے، تم کو چاہئے تھا کہ ہمیں سلام کرتے، ان دونوں میں گفتگو بہت بڑھ گئی حتیٰ کہ وہ شخص ان کو پکڑ کر ان کے استاد کے پاس لے گیا اور سارا قصہ سنایا۔ استاد نے طالب علم صاحب سے کہا کہ بھائی یہ قضیہ مسلم سہی کہ چھوٹا آدمی بڑے کو سلام کرے مگر تم کو یہ سوچنا چاہئے تھا کہ بڑا اور چھوٹا ہونا اپنے خیال کا معتبر نہیں۔ ممکن ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑا ہو۔ استاد نے یہ سچی بات

کہی اور صحیح تعلیم دی مگر طالب علموں کی ذہانت دیکھئے، آپ فرماتے ہیں کہ یہی بات تو اس جاہل کو بھی سمجھنا چاہئے تھی کہ ممکن ہے عنداللہ میں بڑا ہوں لھذا اس کو ابتداء بالسلام کرنا چاہئے تھی۔ دیکھئے کیا جواب دیا ہے کہ جاہل تو جاہل استاد کو بھی بند کر دیا حاصل یہ کہ قیل و قال اور بحث مباحثہ کو تو بہت گنجائش ہے اور کوئی ایسی بات نہیں جس کا جواب نہ ہو سکے مگر اس سے کام نہیں چلتا اور یہ طریقہ کچھ مفید نہیں۔ (السوق لاھل الشوق ج ۲۴)

راقم گنہگار لکھنے کی مثال

ہم آداب معاشرت سے بھی واقف نہیں ہم کو اگرچہ شریعت نے ہمارے واسطے آداب معاشرت اور آداب کلام سب کچھ بیان کر دیئے ہیں لیکن آج کوئی یہ جانتا بھی نہیں کہ شریعت نے ہم کو کیا آداب معاشرت و آداب کلام سکھائے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ فرمایا لایقل احدکم خبثت نفسی (الصحیح للبخاری ۵: ۵۱) یعنی جب تم میں سے کسی کا جی خراب ہوا کرے تو یہ نہ کہا کرو کہ میرا جی میلا ہے کیونکہ مسلمان میلا نہیں ہوتا لیکن آج فخر کے ساتھ یہ کہا جاتا ہے کہ راقم گنہگار، عاصی، پرمعاصی وغیرہ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص گورنمنٹ کو ایک عرضی لکھے اور اس کے آخر میں لکھے فدوی فلاں باغی تب معلوم ہو کہ اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ خاکسار لکھو لیکن گنہگار کا لفظ استعمال نہ کرو یہ بالکل سچ ہے کہ ہم گنہگار ہیں لیکن گنہگار ہو کر ظاہر کرنا کوئی خوبی نہیں۔ گنہگار آج کل وہ شخص لکھتا ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ میں گنہگار نہیں ہوں اپنے کو گنہگار سمجھنا کوئی بری بات نہیں مگر گنہگار کہنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ غرض ہم کو آداب کلام کی بھی تعلیم دی گئی ہے، پھر مناظرہ میں حسن الفاظ کا استعمال کس طرح جائز ہوگا۔ (شوق اللقاء ج ۲۴)

تان کر سلام کرنے کی مذمت

ایک بار میں کاندھلہ گیا بیٹھا تھا تو ایک نائی صاحب آئے اور بڑے تان کر سلام کیا یعنی سخت لہجہ میں السلام علیکم کہا مجھے اس کے لہجہ سے مساوات کا دعوی معلوم ہوتا تھا، میں نے جواب دے دیا اس کے بعد اس نے سوال کیا کہ حضرت جو سلام سے برا مانے وہ کیسا ہے۔ میں نے کہا جو سلام سے برا مانے وہ بہت برا اور جو تان کر سلام کرے جس سے مساوات

کادعوی ٹپکتا ہو وہ اس سے بھی برا وہاں جتنے رئیس بیٹھے تھے سب ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اس مرض کو تم نے سمجھا سلام سے بھلا کون برا مانتا ہے مگر اس کے طرز سے لوگوں کو ناگواری ہوتی ہے اور فی الواقع چھوٹوں کا دعوی مساوات تو ناگوار ہوتا ہی ہے بیٹا چاہے کیسے ہی بڑے درجہ پر ہو باپ سے تو ادنیٰ ہی ہے پھر اگر وہ باپ کی برابری کرنے لگے تو یقیناً برا معلوم ہوگا بیٹا ظاہر میں تو باپ سے کم ہی ہے گو باپ کافر ہو اس کا بھی ادب ضروری ہے ورنہ سلام سے مسلمانوں کو کیوں ناگواری ہونے لگے۔ (حرمات الحدود ج ۲۵)

حضرات سلف کا مذاق

میرے ایک دوست کا قصہ ہے کہ وہ ایک اسلامی مدرسہ میں مہمان ہوئے مغرب کے بعد مہتمم صاحب نے کسی خادم کو حکم دیا کہ ان کے کمرے میں لالٹین روشن کردے انہوں نے فوراً ہی کہا کہ اگر مہتمم صاحب کا تیل ہو تو لانا اور اگر مدرسہ کا ہو تو مت لانا۔ وہاں ایک بزرگ خان صاحب تشریف فرما تھے جو ہمارے حضرات کے صحبت یافتہ ہیں وہ کہنے لگے کہ یہ شخص اشرف علی کا تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایسی احتیاط اسی کے یہاں ہے۔ان باتوں پر لوگ مجھے وہمی کہتے ہیں مگر ایسا وہم بھی مبارک ہے۔ (حرمات الحدود ج ۲۵)

استیذان کا حکم

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ صحابہؓ کے ساتھ ایسا ہی تھا کہ کوئی خاص امتیازی شان آپ نے اپنے واسطے نہیں رکھی تھی۔ حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے تو آپ نے تین بار **السلام علیکم ادخل** (اتحاف السادۃ المتقین ۹ : ۲۸۰) میں اندر آؤں فرمایا۔ یہ استیذان تھا یعنی آپ نے بعد سلام کے اجازت طلب کی کہ میں اندر آؤں۔ حضرت سعد بن عبادہ خاموش رہے یہ خیال کیا کہ اچھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار سلام فرمائیں جو کہ دعا ہے تو ہم کو برکت دعا کی زیادہ حاصل ہو۔ جب تین بار کے بعد بھی جواب نہ آیا تو آپ واپس ہو گئے۔ سبحان اللہ کیسی شان تھی بھلا آجکل تو کوئی ایسا کر کے دیکھے اپنے پیر کے ساتھ جو اسی وقت بیعت قطع نہ کریں کہ ہم نے تین بار آواز دی اور جواب بھی نہ دیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا بھی

ناگواری نہ ہوئی کیونکہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنے گھر میں تو ہے ہی مردانہ مکان میں بھی یہی قاعدہ ہے۔ کہ بدون اجازت کے اندر مت جاؤ۔ مگر افسوس آجکل مسلمانوں نے اس طریقہ کو چھوڑ دیا اور شرم کی جگہ ہے کہ اس پر غیر قومیں عمل کرتی ہیں انہوں نے اسلام ہی سے یہ قاعدہ سیکھا ہے مگر افسوس کہ مسلمانوں کو اسلامی اصول کی قدر نہیں البتہ مردانہ مکان میں ایک تفصیل بھی ہے وہ یہ کہ مردانہ مکان دو قسم کے ہیں ایک وہ جس میں اسی واسطے بیٹھے ہوں تاکہ لوگ آکر ملیں وہاں استیذان کی ضرورت نہیں۔ مثلاً مردانہ مکان کے صحن میں جانے کیلئے استیذان کی ضرورت نہیں اور ایک مردانہ مکان وہ ہے جہاں ملاقات کے لئے بیٹھتے مثلاً مردانہ مکان میں کوئی کمرہ ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں گویا کواڑ بند ہیں تو اس میں بدون استیذان کے داخل نہ ہونا چاہیے۔ خوب سمجھ لو اس میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ غرض جب واپس تشریف لے چلے اور حضرت سعدؓ نے پھر آواز نہ سنی تو باہر نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دوڑے اور واپس تشریف لیجانے کے متعلق دریافت کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تیسری بار میں جواب نہیں ملا ہم واپس ہوگئے۔ کیونکہ شرعی قانون اسی سے متعلق یہی ہے تو دیکھئے آپ نے اس قانون کو اپنی ذات مبارک کیلئے بھی جاری فرمایا۔ (حرمات الحدود ج ۲۵)

سفر میں ضروری سامان کی حاجت

ایک حکایت مجھ سے ایک مولوی صاحب نے بیان فرمائی ہے جو بہاولپور ریاست میں ملازم ہیں وہ کہتے تھے۔ کہ میں بہاولپور سے وطن کو چلا چونکہ لمبا سفر اور گرمی کا موسم تھا۔ اس لئے میرے ساتھ صراحی وغیرہ پانی کے چند برتن تھے۔ جن میں اسٹیشن سے پانی بھروالیا تھا۔ جس گاڑی میں میں جا کر بیٹھا اس میں ایک صاحب جنٹلمین بھی سوار تھے۔ یہ لوگ عموماً پانی کا برتن ساتھ نہیں رکھتے۔ بس بیک بینی و دو گوش۔ ایک ناک اور دو کان یعنی بدون سامان ضروری کے سفر کرتے ہیں وہ صراحی کو دیکھ کر ان سے کہنے لگے کہ یہ کیا برتن ہے جیسے بھنگیوں کا برتن ہوتا ہے میں خاموش رہا۔ تھوڑی دیر میں ان صاحب کو بھی پیاس لگی۔ مگر شرم کے مارے مجھ سے پانی نہ مانگ سکتے تھے۔ کیونکہ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ صراحی کو بھنگیوں کا برتن کہہ چکے تھے۔ لیکن پیاس کی وجہ سے بار بار صراحی کو تکتے تھے اور اس کے منتظر تھے کہ یہ سو جائے تو ہم

پانی پئیں۔ میں بھی سمجھ گیا کہ ان کا یہ ارادہ ہے تو میں نے قصداً آنکھیں بند کرلیں اور اپنے کو سوتا ہوا بنالیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے وہ صاحب تختہ پر سے اتر کو صراحی کے پاس آئے اور اس کو منہ لگا کر لگے پانی پینے میں خاموش پڑا رہا۔ جب وہ پانی پی چکے اور اٹھنے لگے۔ میں نے فوراً ہاتھ پکڑ لیا کہ کیوں صاحب آپ نے بھنگیوں کے برتن میں سے پانی کیوں پیا۔ آپ کو شرم و غیرت نہ آئی کہ ابھی تو آپ نے اس برتن پر اعتراض کیا تھا پھر خود ہی اس برتن کو منہ لگا کر پانی پی لیا۔ بس میرا یہ کہنا تھا کہ ان پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اور اب میں نے ان کو خوب ہی سنانا شروع کیا کہ بھلے مانس اتنا بھی فیشن پر عاشق نہ ہونا چاہیے کہ اگر کسی نے صراحی رکھ لی تو یہ کیا برائی ہے۔ اب تو آپ کو اس کی قدر معلوم ہوئی۔ مگر انہوں نے گردن تک نہ اٹھائی پھر جو یہ معلوم ہوا کہ میں بہاولپور ریاست مدرسہ کا پروفیسر ہوں پھر تو وہ بہت معافی چاہنے لگے کیونکہ ذرا معزز مولوی کے سامنے یہ لوگ بہت جھکتے ہیں ایسے ویسے کو یہ کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ بس اس کی وجہ کیا تھی۔ وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ انگریز صراحی نہیں رکھتے۔ اس لئے وہ انگریزی فیشن کے خلاف ہونے کی وجہ سے بری ہے۔ انا للہ۔ (الاسراف ج ۲۵)

لارڈ ڈفرن کا اسلامی وضع کو پسند کرنا

مولوی عبدالجبار صاحب بردوانی لارڈ ڈفرن سے جب ملے ہیں تو وہ کہتے تھے۔ میں عباوغیرہ پہن کر ان سے ملنے گیا تھا تو وہ کہتے تھے کہ لارڈ صاحب نے میری عبا کا دامن پکڑا اور کہا کہ مولوی صاحب اس لباس میں آپ شہزادے معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی کہا کہ مولوی صاحب ہم تو اپنی قومی وضع سے مجبور ہیں مگر آپ کی قوم کو کیا ہوا کہ وہ اپنی راحت کی وضع چھوڑ کر ہماری وضع اختیار کرتے ہیں۔ میں نے لوٹ کر الہ آباد میں ایک وعظ میں کہا کہ جنٹلمینو! تمہارے لارڈ صاحب کا فتوی تو قابل تقلید ہے۔ اب لارڈ صاحب ہی کے فتوے سے اس انگریزی وضع کو چھوڑ دو۔ تو حقیقت یہ ہے کہ لوگ انگریزی وضع اس خیال سے اختیار کرتے ہیں کہ اس سے کچھ ہماری عزت ہوگی۔ مگر اس سے انگریزوں کی نظر میں اور ذلت ہوتی ہے۔ انگریز بھی اسی کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو اپنی اسلامی وضع میں ان سے ملے۔ پھر انگریزی وضع میں سراسر تکلیف کے سوا راحت کچھ بھی نہیں۔ آدمی اس میں سرے سے پیر تک بندھ جاتا ہے۔ دیکھئے مسلمانوں کی وضع بھی گو ایک مخصوص وضع ہے۔ مثلاً کرتہ، پاجامہ، ٹوپی، عمامہ، عبا

وغیرہ۔ مگران میں سے لازم ملزوم ایک بھی نہیں۔ کسی وقت چاہے تو پاجامہ کی جگہ لنگی بھی باندھ سکتے ہیں اور دوسرا لباس بحالہ رہے۔ لیکن اگر کسی فیشن ایبل کا پتلون خراب ہو جائے تو ان سے کبھی ممکن نہیں کہ وہ کوٹ کے ساتھ لنگی باندھ سکیں۔ غرض سر سے پیر تک وہ لوگ مقید ہیں۔ پھر وہ آزاد کدھر سے ہیں۔ آزاد تو وہ ہے جو شریعت پر عمل کرے وہ کہہ سکتا ہے

زیر بارند درختاں کہ ثمرھا دارند   اے خوشا سرو کہ از بندغم آزاد آمد

جو درخت کہ پھل رکھتے ہیں وہی زیر بار ہیں سرو کی خوش نصیبی کہ وہ بندغم سے آزاد ہے یعنی جو لوگ فیشن کے دلدادہ ہیں وہ بڑی تکلیف میں ہیں۔ شریعت پر عمل کرنے والا اچھا کہ ان تمام قیود سے آزاد ہے۔ اور باوجود اس بے قیدی کے اس میں ایک دلربائی اور دلفریبی بھی ہوتی ہے اسی کی نسبت کہتے ہیں۔ (الاسراف ج ۲۵)

بے پردگی شرمندگی

ہمارے نوجوان بھائی اس کی بھی فکر میں ہیں کہ عورتوں کا پردہ ٹوٹ جائے لیکن واللہ اگر پردہ ٹوٹ گیا تو وہ خرابیاں پیدا ہوں گی کہ پھر سر پکڑ کر روئیں گے۔ چنانچہ بعضے بے پردہ لوگوں میں ایسے واقعات رات دن ہوتے ہیں مگر ان کو تو شرم و حیا نہ ہوگی۔ مگر آپ کے یہاں تو شرم حیا کی بھی تعلیم ہے۔ فحش باتوں سے روکا گیا ہے۔ آپ پردہ توڑ کر کیونکر چین سے بیٹھ سکتے ہیں۔ پھر آپ پچھتائیں گے مگر اس وقت پچھتانا فضول ہوگا۔ آپ اس وقت ہزار کوشش کریں گے کہ پردہ کرائیں مگر پھر نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ اس وقت تو عورتوں کے لئے پردہ طبیعت ثانیہ ہو گیا ہے۔ ان کو دنیا کی خبر ہی نہیں آزادی کی ہوا ان کو لگی ہی نہیں اس لئے وہ بسہولت پردہ کی پابندی کر سکتی ہیں۔ مگر آزادی کی ہوا چند دن کھا کر پھر پردہ میں بیٹھنا ان کو محال ہوگا۔ اب تو ہمارے بزرگوں نے ان کے دلوں میں یہ رچا دیا ہے کہ عورت کی عزت پردہ ہی میں ہے۔ اس لئے وہ خوشی کے ساتھ اس قید کو گوارا کرتی ہیں۔ لیکن اگر یہ تعلیم ان کے دلوں سے نکال دی گئی اور یہ سمجھا دیا گیا کہ عزت اسی میں ہے کہ باہر پھرو تو پھر وہ قیامت تک پردہ کی مصیبت کو برداشت نہ کریں گی۔ صاحبو! عورتوں کا جوہر یہی ہے کہ ان کو اپنے گھر کے سوا دنیا کی کچھ بھی خبر نہ ہو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نیک عورتوں کی تعریف میں فرماتے

ہیں۔الغافلات المؤمنات بھولی بھالی مسلمان عورتیں لوگ ان کومعذور اور اپاہج خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ آدمی گھر کی چاردیواری میں قید رہے۔مگر دیکھئے خداتعالیٰ ان کے غافل اور بے خبر ہونے کو مدح کے موقع میں بیان فرماتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بے خبر اسی وقت رہ سکتی ہے جب تک کہ وہ پردہ میں مقید ہیں۔ پردہ سے نکل کر تو وہ دنیا بھر سے خبردار ہوجائیں گی۔اس پر مجھ کو بھائی کا مقولہ یاد آتا ہے۔جب بعضی خاندان کی عورتوں نے ان سے کہا کہ بھلا دنیا میں یوں بھی کہیں ہوتا ہے تو انہوں نے کہا تم کیا جانو کہ دنیا کیا چیز ہے۔بس میرا گھر دیکھ لیا بھائی کا گھر دیکھ لیا یہ دنیا ہوگئی۔تو واقعی ان کو دنیا کی کیا خبر ہے۔(الاسراف ج ۲۵)

جدید فیشنوں میں اسراف کثیر

ایک صاحب جب بریلی میں اپنا دماغی علاج کرانے آئے تھے۔اور میری قیام گاہ کے سامنے کے کمرہ میں ٹھہرے تھے۔طبیبوں کو ان کے اصطلاحی مرض پر رحم آتا تھا۔اور مجھے ان کے حقیقی مرض پر رحم آتا تھا۔کہ وہ ہر وقت ہر حالت کے مناسب لباس ہی بدلتے رہتے تھے۔اور اس مصیبت کی وجہ سے کئی روز تک وہ مجھ سے نہ مل سکے۔کئی روز کے بعد ملے اور ذرا سادہ لباس میں ملے کہنے لگے کہ میرا جی بہت چاہتا تھا کہ آپ سے ملوں مگر فرصت نہیں ہوئی۔ میں نے کہا کہ واقعی میں بھی دیکھتا تھا کہ ہر وقت آپ پریشانی میں مبتلا تھے۔خیر ان سب مصائب کو تو گوارہ کرلیا جائے مگر اس کو کیونکر گوارہ کیا جائے کہ اس فیشن کی بدولت مسلمانوں کا روپیہ بہت ضائع ہوتا ہے۔اور میں مولویوں کو بھی کہتا ہوں کہ یہ سادہ پنے میں بھی بہت اسراف کرتے ہیں۔ مثلاً کپڑا تو بنایا پرانی ہی وضع کا مگر بنایا بہت قیمتی تو یہ بھی اسراف میں مبتلا ہے۔ کیونکہ انہوں نے قیمتی کپڑے کی ہوس میں خدا کے مال کو اڑایا۔اور بعض لباس مولویوں میں بھی ایسے رائج ہوگئے ہیں جو ضرورت سے زیادہ ہیں۔مثلاً بہت سے لوگ صدری پہنتے ہیں۔میری سمجھ میں آج تک اس لباس کی کوئی حکمت نہیں آئی۔اکثر دوستوں سے پوچھا کرتا ہوں کہ تم نے صدری کیوں پہنی کسی نے آج تک مجھے اس کا سبب زینت کے سوا کچھ نہیں بتلایا۔ایک طالب علم صدری پہن کر میرے پاس آئے میں نے ان سے کہا کہ تم صدری کو کرتہ کے نیچے پہن لو اب بھی کم نظر نہ آئے گی۔ کچھ نہیں یہ محض ایک تاویل تھی اور اصل وجہ وہی زینت ہے بعضے گھڑی وغیرہ رکھنے کے لئے صدری پہنتے ہیں۔مگر

اس کا بھی علاج آسان یہ ہے کہ کرتہ میں اندر جیب لگوائی جائے یا صدری ہی نیچے پہن لی جائے۔ مگر اس صورت میں زینت تو نہ ہوگی۔ اور بعضے صدری میں بھی یہ غضب کرتے ہیں کہ آگے پیچھے دو قسم کا کپڑا لگاتے ہیں۔ جیسے جنٹلمینوں کی عادت ہے۔ سو طالب علموں کو کیا ہوا کہ وہ انگریزی خوانوں کی وضع اختیار کرتے ہیں۔ (الاسراف ج ۲۵)

اہل زینت کی اقسام

اگر کسی کو ابتداء سے اہل اللہ کی صحبت میسر ہوئی ہو تو وہ بے شک اس مرحلے کو طے کر چکا ہے۔ اس کو آج وہ بات حاصل ہے جو آپ کو برسوں کے مجاہدے کے بعد حاصل ہوگی اور اگر کسی کو ابتداء فطرت ہی سے زینت پسند ہو تو اس کو بغیر مجاہدہ کے تجمل و آرائش جائز ہے کیونکہ وہ عمدہ لباس اپنی فطری عادت کی وجہ سے پہنتا ہے اس کو کسی کا دکھانا مقصود نہیں ہوتا۔ چنانچہ بعضے روساء نفیس المزاج ہوتے ہیں۔ وہ بچپن سے عمدہ لباس ہی میں پرورش پاتے ہیں ان کی طبیعت زینت پسند ہوتی ہے وہ اپنی عادت کی وجہ سے اچھا لباس پہنتے ہیں اور ان کی نظر میں اس قیمتی لباس کی وہی وقعت ہوتی ہے جو وقعت ہمارے دل میں گاڑھے دھوتر کی ہے

اگر عمدہ لباس اس نیت سے پہنیں کہ دوسرے لوگ ہم کو حقیر نہ سمجھیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ ذلت سے بچنا بھی مطلوب ہے۔ اگر ایک رئیس آدمی گاڑھے کے کپڑے پہننے لگے تو لوگ اس کو بخیل اور کنجوس مشہور کریں گے کہ کمبخت کے پاس خدا کا دیا ہوا سب کچھ موجود ہے مگر صورت ایسی بناتا ہے جیسے کوئی مزدور ہو۔ تو اس ذلت سے بچنے کے لئے بھی عمدہ لباس پہننا جائز ہے۔ مگر ہاں یہ نیت جائز نہیں کہ لوگوں میں ہماری بڑائی ہوگی ممتاز معلوم ہوں گے (الاسراف ج ۲۵)

غریب آدمی کی فکر آرائش اسراف ہے

تو غریب آدمی کا بھڑ کتے رہنا اور زینت و آرائش کی فکر کرنا اسراف میں داخل ہے۔ کیونکہ خرچ اس کی وسعت سے زیادہ ہوگا۔ (الاسراف ج ۲۵)

تعلیم معاشرت

پھر یہ کہنا زبردستی نہیں تو اور کیا ہے کہ شریعت میں صرف دیانات کی تعلیم ہے دیکھئے

معاشرت کے متعلق یہ تعلیم موجود ہے۔ **احبب حبیبک هوناً ما عسی ان یکون بغیضک یوماً ماوا بغض بغیضک هوناً ما عسی ان یکون حبیبک یوماما**
(سنن الترمذی: ۱۹۹۷)

یعنی کسی سے دوستی کرو تو اوسط درجہ کی کرو کیونکہ ممکن ہے کہ اس سے کبھی مخالفت ہو جائے اور کسی سے دشمنی کرو تو اوسط درجہ کی کرو ممکن ہے کہ اس سے کبھی دوستی ہو جائے۔ سبحان اللہ کیا تعلیم ہے جس کی خوبی بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ یہ تو اپنی جماعت کے ساتھ تعلق رکھنے کے متعلق تعلیم ہے اور دیگر اقوام کے ساتھ تعلق رکھنے کے متعلق سنئے **ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ ان لاتعدلوا۔** یعنی کسی قوم کی عداوت اس کا سبب نہ ہو جائے کہ تم عدل یعنی حدود شرعیہ کو چھوڑ دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان معاشرات کے لئے بھی حدود ہیں پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ شریعت نے ہم کو بعض کاموں میں آزاد چھوڑ دیا ہے (الصالحون ج ۲۶)
علماء نے جوریا اور نمود کے لین دین کو روک دیا تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو طریقے میل جول کے اور جو ذرائع محبت کے رہ گئے تھے ان کو مولوی لوگ اڑائے دیتے ہیں ع چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند۔ (جب حقیقت کا پتہ نہ چلا ڈھکوسلوں کا راستہ اختیار کیا) میں کہتا ہوں ان رسوم کو محبت سے مس ہی نہیں بلکہ ان میں اثر یہ ہے کہ ان سے محبت جاتی رہتی ہے۔ یاد رکھیے محبت کے لئے سادہ ہی زندگی مناسب ہے اور جہاں تکلفات آئے بس محبت کی جڑ کٹی۔ (ذم المکروہات ج ۲۶)

فتح بیت المقدس کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عالم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ آپ جب شام کی طرف تشریف لے گئے تو نہ ٹھاٹ کا سامان تھا نہ رعب داب کی کوئی تدبیر کی گئی تھی بلکہ اور یہ ہوا کہ امیر المؤمنین کے پاس ایک ہی اونٹ تھا اور سوار ہونے والے ایک آپ تھے اور ایک غلام تھا قرارداد یہ ہوئی کہ اس پر ایک میل مثلاً خود سوار ہوں اور ایک میل غلام سوار ہو۔ یہاں سے ہم لوگوں کو یہ بھی سبق لینا چاہئے کہ سفر رفیق کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے آج کل لوگوں کی عجیب حالت ہے کہ جس کو ذرا سا بھی امتیاز حاصل ہو وہ اور رفیقوں سے بڑا بننا چاہتا ہے خواہ وہ امتیاز فرضی اور وہمی اور اپنے ہی خیال کے موافق ہو اور دوسروں پر ان کو بڑا بننے کا کوئی حق حاصل نہ ہو مثلاً کوئی مولوی صاحب ہیں یا کوئی حکیم صاحب ہیں یا کسی محکمہ کے افسر ہیں تو وہ جب راستہ

کو نکلتے ہیں ان کے دل میں خواہش ہوتی ہے بلکہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ راہگیر بھی جو نہ ان
کے شناسا ہیں اور نہ ان پر کوئی حکومت ہے وہ بھی ان سے آگے نہ چلیں اور ان کو سلام کریں
اور جو ان کے کچھ شناسا یا شاگرد ہیں یا ان کے محکمہ کے ملازم ہیں ان کی تو کیا مجال ہے کہ
سامنے بول بھی سکیں۔ صاحبو! یہ نخوت اور تکبر ہے آپ کو یہ کیا استحقاق حاصل ہے کہ
راہگیروں سے آپ کو امتیاز ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ایک محکوم اور زرخرید غلام کے
ساتھ جس پر ان کو ملک رقبہ حاصل ہے یہ برتاؤ کرتے ہیں کہ ایک میل یہ پیدل چلیں اور ایک
میل وہ۔ یہ ہے مساوات۔ کہاں ہیں مدعیان مساوات اس کی نظیر دکھائیں اور یہ ہے طریقہ
اسلامی، غرض بیت المقدس پہنچے وہاں شہر کے دروازہ پر علماء اہل کتاب انتظار میں تھے جنہوں
نے خلیفۃ المسلمین کو دیکھنے کے لئے بلایا تھا اور یہ بات طے ہوئی تھی کہ اگر خلیفہ وہی ہیں جن
کی خبر اگلی کتابوں میں ہے تو ہم ان سے نہیں لڑیں گے یہ ثابت ہے کہ ان سے کوئی جیتے گا
نہیں اور اگر وہ نہیں ہیں تو ہم لڑیں گے۔ جب شہر کے قریب پہنچے تو لوگوں نے عرض کیا کہ
اس وقت مناسب یہ ہے کہ گھوڑے پر سوار ہو جائیے آپ نے ان کے اصرار سے منظور کر لیا
اور گھوڑے پر چڑھے مگر فوراً ہی اتر پڑے اور فرمایا کہ اس سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور فرمایا نحن
اقوام اعزنا اللہ بالاسلام یعنی ہم کو حق تعالیٰ نے اسلام سے عزت دی ہے بس یہی کافی
ہے اس کے سوا کسی طریقہ عزت کی ہم کو ضرورت نہیں اور اسی طرح آپ پیوند زدہ لباس میں
اونٹنی پر سوار ہو کر چل دیئے اور یاد نہیں کہیں دیکھا ہے کہ لطف یہ ہوا کہ اس وقت باری غلام کی
سواری کی تھی اس نے عرض کیا کہ حضرت اب موقعہ آپ کے پیدل چلنے کا نہیں ہے شہر آ گیا
ہے آپ سوار ہو لیں۔ فرمایا کہ میں ظلم کروں یہ تو حق تلفی ہے اس نے عرض کیا کہ میں اپنا حق
معاف کرتا ہوں مگر آپ نے منظور نہیں کیا اور اسی طرح سے چلے کہ غلام اونٹ پر اور خلیفہ
اس کی مہار پکڑے ہوئے تھے جب دروازہ کے پاس پہنچے تو علمائے اہل کتاب نے سوار کو
خلیفہ سمجھا اور اس کا حلیہ کتاب سے ملایا جب حلیہ نہ ملا تو پوچھا کیا خلیفہ پیچھے آتے ہیں لوگوں
نے کہا نہیں خلیفہ یہ ہیں جو مہار پکڑے ہوئے ہیں ان سے حلیہ ملایا تو مل گیا پھر معلوم ہوا کہ
کتاب میں یہ بھی تھا خلیفہ جس وقت بیت المقدس پر آئیں گے تو ہیئت یہ ہوگی کہ غلام
سوار ہوگا اور خلیفہ اونٹ کی مہار پکڑے ہوں گے بس لوگوں نے شہر کے دروازے کھول
دیئے اور بدون لڑائی کے مسلمانوں کی فتح ہوگئی سادہ زندگی نے وہ کام کر دیا جو بڑے
بڑے لشکر بھی نہ دیتے بتلایئے یہ ہیبت کاہے کی تھی نہ وہاں کپڑے تھے نہ موچھیں بڑھی

ہوئی تھیں نہ جوتے کھٹ کھٹ بولنے والے تھے غرض کوئی سامان بھی ہیبت پیدا کرنے کا نہ تھا مگر ہیبت موجود تھی اور ایسی ہیبت تھی کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔(ذم المکروہات ج ۲۶)

سادگی سے شادی کی ضرورت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر مجبوری اور ناداری اور محتاجی کا نہ تھا بلکہ اختیاری تھا پھر بھی حضرت سیدہ کی شادی میں کسی قسم کا تکلف نہیں کیا صرف یہی سامان تھا جو بیان ہوا اس لئے اس سے یہ بات بخوبی نکلتی ہے کہ کسی کو لاکھ روپے کا بھی مقدور ہو اور والی ملک ہی کیوں نہ ہو تب بھی ان خرافات اور تکلفات کی گنجائش نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلطان جہاں بھی تھے پھر بھی اتنی سادگی کے ساتھ شادی کی ماوشما (ہم اور تم) تو کس شمار میں ہیں مگر ہم لوگوں نے اپنی دولت خراب کی ہے کہ مریں گے اور تباہ ہوں گے اور قرضوں کی نالشوں میں کھچے کھچے پھریں گے مگر شادی اسی طرح کریں گے جس میں ذرا دیر کے لئے نام کی صورت ہو چاہے ساری عمر کی بربادی ہو مستورات اس میں اس طرح چپی ہوئی ہیں کہ خود تو ڈوبتی ہی ہیں اپنے ساتھ مردوں کو بھی ڈبوتی ہیں اور ایک مرد کو نہیں بلکہ سارے خاندان کو بلکہ پشتہا پشت تک کو بس ایک شادی میں اندھے بہرے بن کر جتنا مال تھا سب لٹا دیا اور محتاج ہو گئیں۔ جب یہ محتاج ہو گئیں تو اولاد کے واسطے کیا رہا۔ کئی کئی پشت تک سنبھلنے کی نوبت نہیں آتی۔(ذم المکروہات ج ۲۶)

میزبان کے لیے ایک ضروری ہدایت

ایک صاحب نے جو کہ میرے دوست کے بیٹے ہیں' میری دعوت کی تھی' وہ بندہ خدا کھانا کھاتے ہوئے میرے سر پر سوار ہو گئے' بار بار مجھے ٹوکیں کہ مولانا آپ تو بہت کم کھاتے ہیں' اچھی طرح کھائیے' تکلف نہ فرمائیے' اب وہ تو مجھے زیادہ کھانے کو فرما رہے تھے مگر میری یہ حالت کہ جب مجھے اس کا تصور آتا کہ میزبان میرے لقموں کو دیکھ رہا ہے مجھ سے غیرت کی وجہ سے لقمہ نہ ٹوٹتا' آخر کار میں بھوکا ہی رہا اور اپنے گھر آ کر میں نے دوبارہ کھانا کھایا۔(تعظیم العلم ج ۲۷)

حضرت امیر معاویہؓ اور ایک بدوی کی حکایت

ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ کے دسترخوان پر ایک بدوی بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا اور

دیہاتیوں کی طرح بڑے بڑے لقمے بنارہا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے خیر خواہی کے طور پر اتنا فرمادیا کہ اے شخص اپنی جان پر رحم کر اور لقمہ چھوٹا لے تاکہ گلے میں نہ اٹک جائے۔ اتنا کہنا تھا کہ وہ بدوی فوراً دسترخوان سے اٹھ کھڑا ہوا اور حضرت معاویہؓ سے خطاب کر کے کہا کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ کوئی شریف آدمی تمہارا کھانا کھاوے۔ تم مہمانوں کے لقموں کو تکتے ہو کہ کون چھوٹا لیتا ہے کون بڑا، تم کو اس سے کیا غرض تم کو دسترخوان پر مہمانوں کو بٹھلا کر پھر اپنے کھانے کی طرف نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھنا چاہیے۔ یہ کہہ کر چلتا ہوا۔ (تعظیم العلم ج ۲۷)

نظافت تو شریعت میں مطلوب ہے

آپ علماء محققین کو ہمیشہ سادہ لباس میں دیکھیں گے ہاں ناقص علماء کو جبہ ودستار کے اہتمام میں مشغول پائیں گے کیونکہ ان میں خود کمال نہیں ہے وہ لباس ہی سے بڑا بننا چاہتے ہیں ۱۲) میں یہ نہیں کہتا کہ میلے کچیلے رہا کرو سادگی سے میرا یہ مطلب نہیں میں نظافت اور صفائی سے نہیں منع کرتا بلکہ تکلف اور تصنع سے منع کرتا ہوں اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے نظافت اور چیز ہے بناوٹ اور چیز ہے نظافت تو شریعت میں مطلوب ہے اور اس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا اہتمام فرمایا ہے کہ ارشاد فرماتے ہیں **نظفوا افنیتکم ولا تشبھوا بالیھود (او کما قال)** اپنے گھروں کے سامنے کا میدان بھی صاف رکھا کرو اور یہود کی مشابہت مت کرو کیونکہ یہود صفائی نہیں رکھتے تھے تو جب گھر کے سامنے میدان کی بھی صفائی کا حکم ہے تو خود گھر کی صفائی کا کتنا حکم ہوگا پھر لباس اور بدن کی صفائی کا کس درجہ کا حکم ہوگا اور جب ظاہر کی بھی صفائی مطلوب ہے تو دل کی صفائی تو کیا کچھ مطلوب ہوگی (جس کی صفائی پر آدمی کا آدمی بننا موقوف ہے کیونکہ انسان تو دل ہی سے انسان ہے ۱۲)

غرض صفائی تو بڑی اچھی چیز ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہت اہتمام تھا آپ بہت صاف رہتے تھے اور مسلمانوں کو بھی صفائی کی تاکید فرماتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ جمعہ کے دن کپڑے بدل کر آیا کرو مگر حکم نظافت کے ساتھ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے **البذاذۃ من الایمان** کہ سادگی ایمان میں سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ سادگی اور نظافت دونوں جمع ہو سکتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تصنع اور تکلف شان ایمان کے خلاف ہے مگر آج کل دونوں طرف افراط و تفریط سے کام لیا جارہا ہے بعض لوگ جو صفائی پسند ہیں وہ تو حد تکلف

تک پہنچ جاتے ہیں کہ ہر وقت بناؤ سنگار ہی میں رہتے ہیں کپڑا بھی ان کے واسطے قیمتی بھڑکدار ہونا چاہئے سرمہ کنگھی کا بھی ناغہ نہ ہونا چاہیے۔ کپڑوں پر استری کلف بھی دوسرے تیسرے دن ضرور ہونا چاہئیے اور جو سادگی پسند ہیں وہ میلے کچیلے رہتے ہیں غرض اعتدال نہیں ہے۔ سادگی اور صفائی یہ ہے کہ لباس چاہے گھٹیا ہی ہو مگر داغ و دھبہ سے منزہ ہو اگر دھبہ لگ جائے فوراً اس کو چھڑا دو اگر کپڑا میلا ہو جائے اس کو صابن سے دھوڈالو کلف اور استری کے انتظار میں نہ رہو اور اس کا انتظار تکلف ہے اسی طرح قیمتی بھڑکدار کپڑے کا اہتمام بھی تکلف ہے اور کپڑے پر داغ و دھبہ لگا رہنا یا ویسا ہی میلا کچیلا پہنے رہنا بھی برا ہے کہ یہ صفائی اور نظافت کے خلاف ہے اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ سادگی اور صفائی کس طرح جمع ہو سکتے ہیں۔ پس سادگی کے ساتھ صفائی کا اہتمام بھی کرنا اعتدال ہے۔ (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

بچوں کی معاشرت

نئی نئی وضع سے نئے نئے فیشن بنائے جاتے ہیں اور ان میں جو کچھ ایجادیں اور اضافے ہوتے ہیں ان سب کی بنا تکبر ہی پر ہوتی ہے پھر اسی کی عادت بچوں کو ڈالتے ہیں حتیٰ کہ یہ معاشرت طبعی ہو جاتی ہے بول چال میں کھانے پینے میں اٹھنے بیٹھنے میں چلنے پھرنے میں غرض تمام حرکات سکنات تکلف سے خالی نہیں ایک دفعہ ایک شخص میرے پاس آئے اور نہایت انکساری سے کہا میں خادم ہونا چاہتا ہوں بعد تفتیش کے معلوم ہوا ان کی مراد اس سے بیعت کی درخواست تھی۔ کوئی آکر کہتا ہے دامن میں لے لو کوئی کہتا ہے غلام بنالو یہ کیا تکلفات ہیں۔ (ادب العشیر ج ۲۸)

مہمان کا اکرام

امام مالک صاحبؒ کے یہاں امام شافعی صاحبؒ مہمان ہوئے جب کھانے کا وقت آیا تو خادم نے پہلے امام شافعیؒ صاحب کے سامنے کھانا رکھا امام مالک صاحب نے اس کو منع کیا اور پہلے اپنے سامنے رکھوایا ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ مہمان کو اپنے سے کم سمجھا چنانچہ اگر آج کل کوئی ایسا کرے تو ضرور یہی سمجھا جائے کہ مہمان سے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور عجب نہیں کہ مہمان خفا ہو کر اٹھ جائیں اور بعض مواقع میں یہ بات بے اصل بھی نہ ہوگی آج کل ہم لوگوں میں تکبر ہے ہی وہ لوگ بے نفس تھے اور اخلاق شرعی ان کے لئے عادت بن گئے تھے ان کا یہ فعل ہرگز ازراہ

تکبر نہ تھا بلکہ اس واسطے تھا کہ مہمان کو انقباض نہ ہو دیکھئے کتنی باریک نظر ہے اور چونکہ اس میں خلوص تھا اس واسطے مہمان پر بھی برا اثر نہ ہوا یہاں سے اور یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ آج کل ایسا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ سمجھانا مشکل ہے کہ ہم نے کس واسطے ایسا کیا یہاں اس میں سلامتی ہے کہ اکرام کی صورت کو باقی رکھا جائے۔ (ادب العشیر ج ۲۸)

آج کل کے مصافحہ کا غلو

یہاں مصافحہ کی کوئی حد ہی نہیں ہے استنجے کے بعد بھی مصافحہ اٹھنے کے بعد بھی مصافحہ بیٹھنے کے بعد بھی مصافحہ اسی واسطے میں نے یہ ترکیب کی تھی کہ کمرہ میں بیٹھ کر کواڑ بند کر لیتا تھا اس سے بہتوں کی دل شکنی ہوئی ہوگی مگر کیا کیا جائے اپنا تحمل بھی تو دیکھنا چاہئے میری طبیعت کسل مند ہے یہ سفر میں نے بغرض آسائش کیا ہے اور جب یہ بھرمار مصافحہ کی ہوگی تو پھر آسائش کہاں نیز تعلیم کی بھی ضرورت ہے کبھی کسی کے کان میں یہ پڑا ہی نہیں کہ ایسا مصافحہ نہ چاہے مصیبت یہ ہے کہ آج کل کے مشائخ بجائے اس کے کہ اس سے منع کریں اور اس کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ اس سے ان کی گرم بازاری ہوتی ہے اس واسطے میں نے اس دل شکنی کو گوارا کیا کہ یہ بات یاد تو رہے گی۔ سنا ہے مدینہ طیبہ میں رجبی کے دن خطیب معراج شریف کا بیان کرتا ہے بعد ختم بیان کے لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس کے بدن کو ہاتھ لگانا موجب برکت ہے مجمع بہت ہوتا ہے خطیب تنگ آ جاتا ہے اس کے لئے پہلے ہی سے کپڑے کا ایک مقصورہ بنایا جاتا ہے پس وہ اٹھ کر اس میں چلا جاتا ہے اور پھر اس کے چاروں طرف پہرہ ہو جاتا ہے تب نجات ملتی ہے اور واقعی بات یہ ہے کہ ہر وقت کا مصافحہ مصیبت ہے ہر چیز موقع کی اچھی ہوتی ہے۔ (ادب العشیر ج ۲۸)

لباس معیار لیاقت نہیں

لباس اور وضع سے یا اہل دنیا کے طرز گفتگو سے عزت کا طلب کرنا انسان کا کام نہیں اور یہ تو نہایت ہی بھدا پن ہے کہ لباس سے کسی کی قدر و قیمت پر استدلال کیا جائے۔ یہ بات ہمیں شملہ میں پیش آئی ہے جبکہ ہم وہاں وفد بن کر گئے تھے۔ گو آج کل کے وفود میں شرکت کرنا مجھے پسند نہیں ہے کیونکہ وہ بالآخر وقود ہو جاتے ہیں مگر وہ وفد دیوبند کے حضرات

کا تھا آج کل کے وفود جیسا نہ تھا۔ جب وہاں پہنچے تو مختلف اوقات میں متعدد حضرات کے بیانات ہوئے، جمعہ کے دن میرا بیان ٹھہرا تھا۔ چنانچہ میں جمعہ کی نماز کے بعد بیان کو کھڑا ہوا اس دن غریب مسلمان بھی دوسرے دنوں سے اچھے کپڑے پہنتے تھے اور میں تو زیادہ غریب بھی نہیں۔ الحمدللہ متوسط حالت ہے تو میرے کپڑے اپنے نزدیک خاصے تھے مگر ایک جنٹلمین صاحب کی نظر میں وہ بھی حقیر معلوم ہوئے۔ چنانچہ وہ صاحب ہمارے بیانات کے اعلان کرنے والے سے جو ایک ریاست کے کرنل تھے کہنے لگے کہ آپ کے مولویوں کا کیسا لباس ہے جیسے پائخانہ سے نکل کر آئے ہوں۔ شاید کرنل صاحب نے دانش مندی کا جواب دیا کہ میں ابھی کچھ نہیں کہتا، بیان کے بعد جواب دوں گا۔ چنانچہ بیان ہوا اور وہ معترض بھی بہت محظوظ و حیرت زدہ ہوئے۔ اب کچھ نہیں بولتے مگر کرنل صاحب نے خود پوچھا کہ ہاں اب کہئے آپ کیا فرماتے تھے تو وہ معترض بڑے چپ ہوئے اور کہا اب کیا کہوں میں اپنی حماقت پر خود شرمندہ ہوں۔ میں تو اب تک لباس سے لیاقت پر استدلال کرتا تھا اب معلوم ہوا کہ میرا خیال غلط ہے۔ افسوس یہ تو تعلیم یافتہ لوگ اپنی عقل پر اپنے کو عاقل سمجھتے ہیں جن کے نزدیک لباس معیار لیاقت ہے لباس کو تو معیار لیاقت کوئی احمق بھی نہیں کہہ سکتا مگر وہ شملہ کی چوٹی پر رہ کر بھی جوان لوگوں کی گویا معراج ہے اس حماقت میں مبتلا تھے۔

اس کے بعد میرا بیان پھر ہوا اور اس وقت یہ حکایت میرے کان میں پڑ چکی تھی تو میں نے ان لوگوں کے کان کھولنا چاہے۔ میں نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے بعض خیرخواہان کا یہ خیال ہے کہ علماء کو لباس عمدہ پہننا چاہیے اور غالباً ان کا یہ خیال خیر خواہی اور دلسوزی ہی کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ علماء کی عزت ہو، کسی کی نظر میں ذلت نہ ہو، اس سے ان کے بیان کی بھی وقعت بڑھے گی تو ہم اس خیر خواہی کا شکریہ ادا کرتے ہیں (میں نے انہی کے محاورات استعمال کیے جیسے میرٹھ میں ایک انگریز وکیل ایک دیہاتی سے کہہ رہا تھا کہ مطبل بھی سمجھ گیا) مگر دیکھنا یہ ہے کہ علماء قیمتی لباس کہاں سے پہنیں، ان کی آمدنی کی تو حالت یہ ہے کہ کوئی بیس روپیہ کا مدرس ہے کوئی پندرہ روپیہ کا کسی مطبع میں مصحح ہے اور جس کے اسی روپے یا سو روپیہ ماہوار ہوں وہ تو مولویوں میں صاحب معراج ہے۔ اب بتلایئے وہ عمدہ عمدہ اور قیمتی لباس جو آپ کی نظر میں بھی عمدہ اور قیمتی ہو کس طرح

پہنیں۔ سواس کے دو ذریعے ہیں جن میں سے ایک تو ہمارے نزدیک بھی اور آپ کے نزدیک بھی حرام ہے۔ گو آپ کے نزدیک عقلاً حرام ہے اور ہمارے نزدیک شرعاً حرام ہے اور ایک صرف ہمارے نزدیک حرام ہے۔ دوسری صورت تو یہ ہے کہ مولوی بھی آپ کی طرح ڈپٹی کلکٹری اور ججی وغیرہ کے منصب حاصل کریں یہ تو ہمارے نزدیک حرام ہے اور پہلی یہ صورت ہے کہ وعظ کے بعد سوال کیا کریں کہ صاحبو! ہمیں جھانسی کے ٹکٹ کی ضرورت ہے یہ سب کے نزدیک حرام ہے ہمارے یہاں نقلاً اور آپ کے یہاں عقلاً تو مولوی تو اس حالت میں عمدہ اور قیمتی لباس بنانے سے معذور ہے۔ ہاں ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ جن خیرخواہوں کی یہ رائے ہے وہ خود یا اپنے چند احباب سے چندہ کرکے ہمارے قیمتی جوڑے اپنی پسند کے موافق بنادیں۔ ہم جب تک شملہ میں رہیں گے ان جوڑوں کو پہن کر وعظ کہا کریں گے اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ شملہ سے جاتے ہوئے وہ جوڑے آپ کے حوالہ کردیں گے ہم اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے پھر آپ ان جوڑوں کو بہتر یہ ہے کہ یہاں کی انجمن میں وقف کردیں اور جب کوئی مولوی ہمارے جیسا خراب وخستہ لباس والا آوے اس کو وعظ کہنے کے لیے دے دیا کریں کہ تم اس جوڑے کو پہن کر وعظ کہو تاکہ مخاطبین پر اثر ہو۔ بس وہ جوڑے اسی کام کے واسطے رکھے رہیں اس سے آپ کا مقصود بھی حاصل ہوجائے گا اور علماء پر بھی قیمتی کپڑے بنانے کا بار نہ پڑے گا اور چونکہ آپ لوگ علماء سے زیادہ صاحب ثروت ہیں آپ کو یہ کام کچھ گراں بھی نہ ہوگا۔ خصوصاً جبکہ آپ کی ہی پیش کردہ رائے ہے۔ رہا یہ سوال کہ یہاں سے جاکر تم نے کسی اور جگہ اپنے کپڑوں میں وعظ کہا تو وہاں ذلت ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اور جگہ کے مسلمانوں سے بھی اگر انہوں نے ہمارے لباس کو حقیر سمجھا یہی کہیں گے جو آپ سے کہہ رہے ہیں۔ دوسرے آپ کو دوسروں سے کیا لینا آپ کو تو اپنے یہاں کا انتظام کرنا چاہیے۔ پس اب میں منتظر ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کون کون صاحب ہمارے لیے جوڑے تیار کرکے لاتے ہیں مگر صدائے برنخاست۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

مشکل الفاظ بولنے کا مرض

ایک رئیس صاحب کو مرض تھا کہ ہر بات میں موٹے موٹے لغت بولتے تاکہ لیاقت اور قابلیت خوب ظاہر ہو مگر ایسے لوگ عوام ہی میں بیٹھ کر خوب لیاقت بگھارا کرتے ہیں۔

اہل علم کے سامنے بولیں تو معلوم ہو اول تو اہل علم کے سامنے ایسی ہمت ہی نہیں ہوسکتی اور اگر کوئی ہمت کرے بھی تو راز کھل جائے اور غلطی پکڑ لی جاوے تو ان رئیس صاحب کو ایک دفعہ کاشتکاروں سے یہ پوچھنا تھا کہ بارش ہوئی ہے یا نہیں تو سیدھی بات تھی' یوں پوچھ لیتے کہ بارش ہوئی یا نہیں یا مینہ برسا یا نہیں مگر ان صاحب نے کس قدر گت بنائی اس ذراسی بات کی۔ آپ ان کاشتکاروں سے پوچھتے ہیں کیوں صاحبو! امسال کشت زار گندم پر تقاطر امطار ہوا یا نہیں' وہ کاشتکاران کے منہ کو دیکھنے لگے' گنوار ہوتے ہیں بڑے ذہین شہری لوگ تو چکنے چپڑے بہت ہوتے ہیں بعض موقع پر ایسی بات کہہ اٹھتے ہیں کہ شہری کو کبھی بھی نہ سوجھے ان میں سے ایک اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے بولا اس وقت میاں قرآن پڑھ رہے ہیں چلو' جب یہ آدمیوں کی بولی بولیں گے اس وقت آنا۔

علوم محمودہ اور مذمومہ کی مثال

ایک طالب علم نے علوم محمودہ اور مذمومہ کے متعلق خوب فیصلہ کیا اس کی ایک فلسفی سے بحث ہوئی' فلسفی نے کہا دیکھو ہمارے علوم کیسے دقیق ہیں کہ تم جیسوں کی سمجھ میں بھی نہ آویں اور تمہارے کیا علم ہیں کہ نماز فرض ہے وضو ایسے ہوتا ہے اس میں کیا باریکی ہے اس نے کہا کہ تمہارے علوم تو ایسے ہیں جیسے سور کا شکار کہ مشکل تو اس قدر کہ گھوڑا بھی چاہیے اور بہت سے آدمی بھی چاہئیں اور ہتھیار بھی چاہئیں اور اس پر جان کا بھی خطرہ اور حاصل کیا ہوا سور جو سر انہ کھانے کا نہ کسی مصرف کا۔

اور ہمارے علوم ایسے ہیں جیسے کبوتر کا شکار جو بے بندوق کے بھی مل جاوے۔ غلہ ہی سے مار لو جال ہی سے پکڑ لو اور ہر جگہ کثرت سے ہے۔ کہیں دور جانے اور کسی سامان کی ضرورت نہیں اور ایسا بے خطر کہ حملہ بھی کچھ نہیں کرتا' غرض نہایت سہل اور بے خطر اور پھر کام کا۔ کھانے کے کام میں آتا ہے زبان کا بھی مزہ اور غذا بھی۔ تو یہ شکار اچھا یا وہ شکار اچھا کہ جان ماری اور محنت کی اور خطرہ میں پڑے اور اخیر نتیجہ نکالا جاوے تو حاصل کچھ بھی نہیں' مردار اور نجس العین ہے۔

ایسا ہی تمہارا فلسفہ ہے کہ پڑھتے پڑھتے دماغ خراب کر لیا اور آخر نتیجہ کیا کچھ بھی نہیں سوا' اس کے کہ اشراقین کی یہ رائے ہے اور مشائین کی یہ رائے ہے' معلوم نہیں کونسی غلط ہے اور کونسی صحیح ہے اور ہمارا علم یہ ہے کہ اول ہی دن سے ہم نے پڑھا کہ وضو میں اتنے فرض ہیں

اور وضو کرنا شروع کر دیا' اسی وقت سے حاصل نکلنے لگا اور عمل پر ثواب کی امید ہوئی اور تمہیں کیا ملا کونسا ثواب' مشائین یا اشراقین کی رائے پر ملنے کی امید ہے۔ (الباطن ج ۲۹)

اجزائے دین

صاحبو! دین کے اجزاء تو یہ ہیں عقائد اعمال معاشرت معاملات اخلاق ان سب کی تکمیل سے دین کی تکمیل ہوتی ہے اب یہ حالت ہے کہ ان اجزاء میں سے بعضوں کا تو نام سن کر بھی لوگ چونکتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں بعض وقت زبان سے بھی کہتے ہیں کہ ان کو دین سے کیا تعلق۔ معاشرت بھی کوئی دین کے سکھلانے کی چیزیں ہیں یہ تو آپس کے برتاؤ ہیں جو ملنے جلنے سے خود آدمی سیکھ جاتا ہے اس میں بھی مولویوں نے پابندیاں لگا دی ہیں۔ علی ہذا معاملات میں بھی ایسی ہی باتیں کہی جاتی ہیں۔ (الباطن ج ۲۹)

اولاد کی اصلاح کا فکر

خدا کے لئے اپنے سے زیادہ اپنی اولاد پر رحم کرو اس زمانہ میں الحاد کا طوفان برپا ہے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ ان کو صحبت بد سے بہت اہتمام سے بچاؤ اور صحبت نیک کا اہتمام کرو آپ شاید اس کو تو سخت مشکل سمجھیں گے کہ انگریزی چھڑا کر عربی پڑھائیں۔ چلو میں بھی اس کو حذف کرتا ہوں آپ اسکولوں ہی میں پڑھایئے لیکن اتنی درخواست میری منظور کر لیجئے کہ اسکولوں میں جو تعطیلیں ہوتی ہیں اور ان تعطیلوں میں لڑکے ادھر ادھر مارے مارے پھرتے ہیں صرف ان تعطیلوں میں ان کو حضرات اہل اللہ کی خدمت میں بھیج دیا کرو۔ اگر کہو کہ پڑھائی کے دنوں میں تو وہ اسکول رہے اور تعطیل کے ایام میں بزرگوں کے پاس تو ہمارے ان کو دیکھنے کا کونسا وقت ہوگا تو میرے پاس اس کا بھی جواب ہے وہ یہ کہ آپ تعطیل کے ایام کا تجزیہ کر لیجئے زیادہ دنوں اپنے پاس رکھیں اور تھوڑے دنوں کے لئے حضرات اہل اللہ کی خدمت میں بھیج دیا کیجئے یہ تو اولاد کے واسطے ہوا۔ (اختیار الخلیل ج ۳۰)

عورتوں کی تربیت

عورتوں کی تعلیم وتربیت کی طرف کسی کو مطلق التفات نہیں ہے اولاد کی طرف ہے تو گو

بری طرح ہواور وہ کون ہیں؟ عورتیں۔ان کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے وہ اگر درست ہو جائیں گی تو پھر اولاد بھی صالح ہوگی اس لئے کہ ابتداء میں تو بچے ان کے ہی ہاتھوں میں رہتے ہیں۔ ان کی اصلاح کا طریقہ یہ ہے ان کو مسائل اور بزرگوں کی حکایات کی کتابیں پڑھائیں یا سنایا کریں اور اس کی پروانہ کریں کہ وہ سنتی ہیں یا نہیں۔ آپ گھر میں بیٹھ کر پکار کار کر پڑھا کریں۔اس طرح سے آپ اپنا کام کئے جایئے۔ان شاء اللہ تعالیٰ اثر ہوگا لیکن کتابیں علماء سے پوچھ کر انتخاب کریں۔عورتوں کا نصاب نہ خریدیں وہ کتابیں اس کو سمجھتی ہیں' جیسے نور نامہ' وفات نامہ' ہرنی نامہ' معجزہ آل نبی' ساپن نامہ' قصہ گل بکاؤلی کہ ان میں بعض تو بالکل ہی خرافات ہیں اور بعض موضوعات پر مشتمل ہیں۔ایسے ہی برائے نام نعت کی اکثر کتابیں کہ ان میں اکثر ایسے اشعار ہوتے ہیں کہ جن میں بے ادبی ہوتی ہے خدا تعالیٰ کی یا انبیاء علیہم السلام کی۔کام کی کتابیں علماء سے پوچھ کر منتخب کریں غرض یہ ہیں طریقے اصلاح کے جن میں کوئی مشقت بھی نہیں دنیاوی کاموں کا بھی اس میں حرج نہیں۔(اختیار الخلیل ج ۳۰)

تشبہ کی ممانعت

حدیث میں ہے کہ اللہ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی شکل بنائیں اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی شکل بنائیں جبکہ عورتوں کے ساتھ تشبہ غیر جائز ہے حالانکہ ہمارے میں اور عورتوں میں اسلامی شرکت ہے تو جہاں اسلامی شرکت بھی نہ ہو جیسے کفار اور ان کی وضع بنانا تو کیسے جائز ہوگا جو صاحب تشبہ کے مسئلہ میں گفتگو کرتے ہیں ان سے ہماری ایک التجا ہے اگر اس کو انہوں نے پورا کر دیا تو ہم آج ہی سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ہرگز ان سے تشبہ کے مسئلہ میں گفتگو نہ کریں گے آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنا لباس اتار دیجئے اور اندر دولت خانہ میں جا کر بیگم صاحبہ مکرمہ معظمہ کا کمخواب کا پاجامہ اور سرخ ریشمی کامدار کرتہ اور بنارسی دوپٹہ اور ہاتھوں میں چوڑیاں اور پاؤں میں پازیب اور گلے میں ہار اور تمام زیوروں سے آراستہ پیراستہ ہو کر اور جہاں آپ کے دوست' ہم چشم اور آپ کے بڑے چھوٹے بیٹھے ہوں وہاں تشریف لا کر تھوڑی دیر کے لئے ذرا کرسی پر اجلاس فرمایئے اگر آپ نے یہ حرکت کر لی تو ہم آپ کے تشبہ کے مسئلہ میں کبھی گفتگو نہ کریں گے مگر مجھے امید نہیں کہ کوئی صاحب اس پر راضی ہو جاویں بلکہ اگر ان کو ہزار روپیہ بھی دیں تب بھی راضی نہ ہوں

گے اور عار سمجھیں گے تو بتلایئے یہاں انقباض اور ناگواری کا مبنی بجز تشبہ بالنساء کے کچھ اور بھی ہے افسوس ہے کہ عورتوں کی وضع بنانا تو عار ہے اور اعداء اللہ کی وضع بنانا گوارا ہے بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ اگر سب کفار مسلمان ہو جائیں تو کیا اس وقت بھی تشبہ ممنوع ہوگا جواب یہ ہے کہ اس وقت وہ تشبہ ہی نہ ہوگا کیونکہ وہ وضع اب وضع الکفار نہ رہی (الاخلاص ج ۳۰)

عبادت کی حقیقت

انسان کی کوئی خدمت متعین نہیں بلکہ ہر وقت میں اس کے لئے جدا خدمت ہے۔ جیسے غلام ہوتے ہیں ایک وقت اس کو سونے کا حکم ہے اس وقت سونا اس کی عبادت ہے ایک وقت جاگنے کا حکم ہے اس وقت جاگنا اس کی عبادت ہے۔ ایک وقت پیشاب پاخانہ کا حکم ہے اس وقت یہی اس کی عبادت ہے پس اس کی عبادت کی حقیقت کیا ہے۔ محض امتثال امر کہ جس وقت جو حکم ہو اس کو بجا لائے اور اس سے ہم کو سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کی ہمارے حال پر کس قدر شفقت و عنایت ہے کہ اول تو ہم سے غلاموں کا سا برتاؤ فرمایا نوکروں جیسا برتاؤ نہیں کیا اور یہ کتنا بڑا فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنا غلام بنالیں۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

(احسان مت جتاؤ کہ میں بادشاہ کی خدمت کرتا ہوں بلکہ اس کا احسان سمجھو کہ تم جیسے کو اپنی خدمت میں رکھ چھوڑا ہے) پھر اس برتاؤ میں ہمارا نفع کس قدر ہے کہ ہم کو سونے اور جاگنے اور قضائے حاجت کرنے اور بیوی کے پاس جانے میں بھی ثواب ملتا ہے۔ قدم قدم پر ثواب ہی ثواب ہے کیونکہ معاشرت کو بھی دین ہی میں داخل فرمایا ہے گو بعض لوگ اس کو دین سے خارج سمجھتے ہیں۔ مگر بالکل غلط ہے۔ (درجات الاسلام ج ۳۰)

اتفاق کی صورتیں

صاحبو! علماء کب اتفاق سے روکتے ہیں لیکن اتفاق کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ علماء اپنے مرکز سے ہٹیں اور آپ کے مرکز پر آ جائیں۔ سو یہ اتفاق تو یقیناً محمود نہیں ہاں دوسری صورت اتفاق کی کہ علماء اپنے مرکز پر رہیں اور قوم اپنی وہمی ترقیوں اور مضر خیالوں کو چھوڑ کر ان کے مرکز پر آ جائیں، بیشک محمود ہے اور اس طرح اتفاق ہونا چاہیے اور اس کی دلیل یہ ہے

کہ قوم کو جو متفق بنایا جائے گا تو اس اتفاق کے لیے آخر کوئی معیار بھی ہوگا یا نہیں کہ قوم کو اس معیار کی طرف بلایا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ضرور ہوگا اب میں پوچھتا ہوں کہ وہ معیار کیا ہے سو سب جانتے ہیں کہ وہ معیار حق ہے یعنی حق کی طرف قوم کو بلایا جائے گا کہ یہی ایک مامون اور صاف و ہموار شاہراہ ہے جس میں نشیب و فراز کا نام نہیں اس معیار سے الگ جتنا اتفاق پکارتے ہو اسی قدر نفاق بڑھتا ہے (فضائل العلم والخشیۃ ج ۳۱)

جدید تعلیم یافتہ حضرات کا حال

میرے ایک دوست لکھتے ہیں کہ آج یہاں چند عقلاء جمع ہوئے اور اس میں گفتگو ہوئی کہ مسلمانوں کے تنزل کا اصلی سبب کیا ہے۔ بہت سی گفتگو کے بعد اخیر فیصلہ یہ ہوا کہ اصلی سبب تنزل کا اسلام ہے جب تک اس کو نہ چھوڑا جائے گا اس وقت تک ترقی ناممکن ہے لیکن مجبوری ہے کہ مذہبی ضرورت روکتی ہے۔ صاحبو! کیا تجویز کے بعد بھی یہ لوگ مسلمان رہے افسوس اسلام کو خار راہ بتایا جائے اور طرہ یہ کہ پھر بھی اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ صاحبو! کیا یہ لوگ اسلامی خیر خواہ ہیں ہاں اسلام بمعنے قوم اگر ہو تو ضرور اسلامی خیر خواہ ہیں (فضائل العلم والخشیۃ ج ۳۱)

غیر قوموں کی تقلید

ایک صاحب معزز مجھ سے فرمانے لگے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا لڑکا ایسا ہو جائے کہ پندرہ روپے میں گزر کر لیا کرے اور حالت لڑکے کی یہ تھی کہ پندرہ سے زیادہ کا اس کا ایک کوٹ ہی تھا۔ افسوس ہے کہ ہم کو دوسری قوموں کی تقلید نے برباد کیا ہم تقلید کرتے ہیں اور وہ بھی بری باتوں کی۔ انہوں نے ہماری تقلید کر کے اپنا گھر آباد کر لیا اور ہم ان کی تقلید کر کے اپنی رہی سہی حالت بھی برباد کیے دیتے ہیں۔ دعویٰ ہے قومی ہمدردی کا اور اجنبیت یہ ہے کہ شہر میں رہنا بھی گوارا نہیں، الگ جنگل میں جا کر رہتے ہیں۔ صاحبو! کیا ترقی اس پر موقوف ہے کہ قوم کا قرب بھی چھوڑ دیا جائے۔ (فضائل العلم والخشیۃ ج ۳۱)

مدعیان عقل کی ایک حکایت

میرے ایک مخدوم فارسی کے استاد اپنا واقعہ بیان فرماتے تھے کہ کسی حاکم نے ایک

فیصلہ کیا جو اتفاق سے عالمگیر یہ کے ایک جزئیہ کے موافق تھا۔ گو عالمگیر یہ کے جزئیہ کی بناء پر نہیں تھا۔ مولانا موصوف نے کسی واقعہ کے متعلق ایک مسئلہ کسی مجمع میں بیان فرمایا کہ عالمگیر یہ میں اس کے متعلق یہ لکھا ہے بڑے بڑے مدعیان عقل وہاں موجود تھے کسی نے التفات بھی نہ کیا' مولانا بڑے ظریف حاضرین سے فرمانے لگے کہ حال ہی میں ایسے ہی واقعہ کے متعلق ایک مقدمہ ہوا ہے' صاحب کلکٹر کے یہاں انہوں نے بھی اسی کے موافق فیصلہ کیا ہے یہ سنتے ہی سب چوکنے ہو گئے اور اصرار شروع ہوا کہ ہاں صاحب ذرا فرمائیے تو کلکٹر صاحب نے کیا فیصلہ کیا۔ مولانا نے وہ فیصلہ بیان کیا جو کہ عالمگیر یہ کے اس جزئیہ کے موافق تھا جس کو مولانا اس سے قبل بیان فرما رہے تھے اور کوئی التفات بھی نہ کرتا تھا' سب نے سن کر تسلیم کیا۔ انہوں نے کہا کہ جناب یہ وہی تو بات ہے جو عالمگیر یہ میں لکھی ہوئی ہے مگر عالمگیر یہ پہلے معتبر نہ تھی اور اب انگریزی فیصلہ کی موافقت سے معتبر ہو گئی۔

حیرت اور تعجب کی بات ہے صاحبو! یہ تو حال ہے اور پھر کہتے ہیں کہ ہم لوگ مومن ہیں ہم مسلمان ہیں۔ یہ کیا ایمان ہے اور کیا اسلام ہے تو اس مذاق کے بھی لوگ اس زمانہ میں کثرت سے موجود ہیں (ملت ابراہیم ج ۳۱)

مردوں کو حضرات انبیاء علیہم السلام اور مستورات کو سیدۃ النساءؓ کی تقلید کی ضرورت

مردوں کو انبیاء علیہم السلام کی تقلید سے عار نہ آنی چاہیے اور عورتوں کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تقلید کو اپنا فخر سمجھنا چاہیے جو باوجود اس کے کہ صاحبزادی تھیں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم شاہ دو عالم کی لیکن چکی پیسا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ کے ہاتھوں میں آبلے پڑ جاتے تھے۔ ایک روز حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ان کی یہ حالت دیکھ کر کہا کہ سنا ہے کچھ غلام لونڈی تقسیم ہونے کے لیے آئے ہیں تم بھی گھر کے کام کاج کے لیے کوئی لونڈی اپنے ابا سے مانگ لاؤ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دولت خانہ پر حاضر ہوئیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ رکھتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موجود تھیں ان سے کہہ کر چلی آئیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واپسی پر اطلاع ملی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مکان پر خود تشریف لائے اور آ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بیٹھ گئے' عشاء کے بعد کا وقت تھا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لیٹی ہوئی تھیں' وہ اُٹھنے لگیں آپ نے فرمایا لیٹی رہو۔

آخر صاحبزادی تھیں بے تکلف لیٹی رہی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیسے آئی تھیں' کیا کام تھا' اب وہ تو مارے شرم کے کچھ عرض نہ کر سکیں چپ رہیں۔ اس قدر شرماتی تھیں کہ دنیا کے نام لینے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ آخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو مقصد تھا عرض کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لونڈی دوں یا اس سے بھی اچھی چیز دوں۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد کے واسطے کیا اختیار کیا۔ حضرت فاطمہ بولیں کہ حضرت اچھی چیز سب مانگتے ہیں میں بھی اچھی ہی چیز مانگتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوتے وقت **سبحان اللہ الحمدللہ لا الہ الا اللہ ' اللہ اکبر** ۳۳۔۳۳ بار پڑھ لیا کرو۔ بس اس پر راضی ہوگئیں۔ بھلا اب تو کسی عورت کو راضی کر لو کہ سونے کے کڑوں کا کیا کرو گی یہ تسبیح پڑھ لیا کرو۔ (ملت ابراہیم ج۳۱)

بخاری و مسلم اور دیگر مستند کتب احادیث کے مطالعہ کے شائقین کیلئے عظیم نعمت

برصغیر پاک و ہند کے مشائخ حدیث کی خدمات کی آئینہ دار جدید کتاب

کامل ۵ جلد

زندگی کے تمام امور سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک فرامین سے رہنمائی حاصل کرنے کا جدید ترین مستند مجموعہ۔ اعراب کیساتھ احادیث کا عربی متن۔ آسان ترجمہ اور دلنشین انداز میں تشریح۔ برصغیر کے محدثین عظام کی احادیث مبارکہ کی تشریحات اور علمی ملفوظات کی امین کتاب جو عوام و خواص کیلئے مرتب کی گئی ہے۔ علوم حدیث کے شائقین خواتین و حضرات کیلئے اردو زبان میں پہلا جامع و مستند مجموعہ جس کے مطالعہ سے زندگی کے تمام امور میں اتباع سنت کا علم حاصل کیا جاسکتا ہے اور پھر عمل کے ذریعے دنیا و آخرت کی سعادتیں سمیٹی جاسکتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اولین حق اطاعت رسول ہے جو ذخیرہ احادیث کے مطالعہ ہی سے معلوم کیا جاسکتا ہے یہ عظیم کتاب مستند کتب حدیث کا ایسا عام فہم انسائیکلو پیڈیا ہے جو خواص کیلئے نعمت ہے اور ایک عام مسلمان کیلئے زادراہ ہے۔ جو زندگی کے اس سفر کو اتباع سنت کے مطابق ڈھالنے میں معاون ہے کہ محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔

اہم ابواب پر ایک نظر

علم دین کی فضیلت و اہمیت' عقائد... ایمانیات' اخلاقیات' حقوق و فرائض' طہارت و پاکیزگی' نماز کے احکام و فضائل زکوۃ و روزہ کے احکام و مسائل حج' عمرہ و قربانی کے احکام' نکاح و طلاق' بیوع و معاملات' قصاص و جہاد' معاشرتی آداب' طب و صحت' وصیت کے احکام' میت اور اہل میت' میراث اور اس کی تقسیم کا شرعی نظام و دیگر سینکڑوں عنوانات پر احادیث مبارکہ کا سدابہار گلدستہ

حسب فرمائش: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ

مجموعہ افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

فخر المحدثین مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ...... شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ

مناظر اسلام مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

مولانا مفتی عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمہ اللہ...... شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ و دیگر اکابر

جمع و ترتیب: مولانا عبدالاحد بلال..... مولانا حبیب الرحمٰن (از فضلائے جامعہ خیر المدارس ملتان)